

فتاویٰ رضویہ



دارالافتاء

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی
ودیکہ مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ

بنگالی و ہندوستان

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب پٹنہ جابر حقانیہ

ترتیب

مفتی فخر الدین محمد صاحب

ناشر

چاندنی بازار لاہور

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الشُّرُورِ وَالْإِغْوَاءِ مِنْهُمْ لَعَنِ الَّذِينَ كَسَبُوا مِنْهُمْ (الانبیاء)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑا خٹک کے افسانہ نگار کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد پنجم

نگرانی و اہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

(فادلس)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کوڑا خٹک نوشہرہ پاکستان

(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب فتاویٰ حقانیہ (جلد پنجم)

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصّص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ۵۵۰ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

طابع مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد پنجم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۹	خاوند سے ناراض ہو کر باپ کے گھر گزارے ہوئے سالوں کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں	۲۳	کتاب النفا
۳۰	چھوٹے بچے کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے	۲۳	بیوی کا علاج کرانا خاوند پر لازم نہیں
۳۰	زچہ بچہ کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے	۲۳	والدین کے نان و نفقہ کا حکم
۳۱	نادر والدین کا نفقہ اولاد پر لازمی ہے	۲۳	بالغ اولاد کے نفقہ کا حکم
۳۱	باپ کی وفات کے بعد بچے کے نفقہ کا حکم	۲۳	عدت کے دوران بیوہ کے اخراجات کا حکم
۳۲	کتاب الایمان والنذر	۲۵	چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے
۳۲	یسین منعقدہ کا حکم	۲۵	والدین کے گھر رہنے کی صورت میں نفقہ کا حکم
۳۲	حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر نیکا حکم	۲۶	معذور اولاد کے نفقہ کا حکم
۳۳	اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں { یسین ہے یا نہیں	۲۷	ناراضگی کے ایام کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں
۳۴	قرآن مجید کی قسم کھانے کا حکم	۲۷	نافرمان عورت کا خرچہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں
۳۵	ہزار روزے رکھنے کی قسم کھانے کا حکم	۲۸	ناچاتی کے باوجود شوہر پر اہل و عیال کا خرچہ لازم ہے
۳۵	فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا	۲۸	نامرد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے
		۲۹	فاحشہ اور بدکردار بیوی کے نفقہ کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۹	کسی گناہ سے توبہ کرنا قسم نہیں	۳۶	اگر عمر سے بات کروں تو مال سے زنا کروں قسم نہیں
۵۰	کفارہ یمین میں بیس مساکین کو دو وقت کھانا کھلانا	۳۷	بھائی کے ساتھ تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا
۵۰	غیر اللہ پر قسم کھانے کا حکم	۳۷	محمد رسول اللہ کا امتی نہ ہونے کا قسم کھانا
۵۱	وما اہل بہ لغیر اللہ سے کیا مراد ہے	۳۸	کلمہ توحید پڑھنے سے قسم کے انعقاد کا حکم
۵۲	ایصال ثواب کی نذر کی شرعی حیثیت	۳۸	آسمانی کتابوں سے بری ہونے کی قسم کھانا
۵۵	کتاب الوقف	۳۹	کسی دینی مصلحت کے لئے قسم توڑنا
۵۵	مسجد کے لیے وقف زمین پر دعویٰ اٹھانے کا حکم	۳۹	کفارات یمین میں تداخل کا حکم
۵۵	موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حکم	۴۰	کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ
۵۶	باغ کے میوہ کو وقف کرنے کا حکم	۴۰	کھانا کھلانے میں تسلسل کا حکم
۵۶	وقف سے رجوع کرنے کا حکم	۴۱	کفارہ کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے
۵۷	موقوفہ زمین میں امام مسجد کے لئے مکان بنانے کا حکم	۴۱	کفارہ یمین ایک شخص کو دینے کا حکم
۵۷	عقد میں کھیلنا جائز نہیں	۴۲	ناذر کا نذر سے کچھ کھانے کا حکم
۵۷	موقوفہ زمین میں عشر ادا کرنا ضروری ہے	۴۲	نذر مانی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنے کا حکم
۵۹	موقوفہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کر نیکا حکم	۴۳	نذر کی پیشگی ادائیگی
۵۹	موقوفہ قبرستان میں مردے دفنانے سے منع کر نیکا حکم	۴۳	نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم
۶۰	وقف میں واقف کی شرائط معتبر ہونیکا حکم	۴۴	نذر کی ہوئی گائے کے منافع کا حکم
۶۱	طلبا کیلئے مخصوص وقف کا حکم	۴۵	نذر کا دار و مدار الفاظ پر ہے
۶۱	شاملات دیہہ زمین کے وقف کا حکم	۴۶	منذور روزوں میں عدم تسلسل کا حکم
۶۲	قاضی کے لئے استبدال وقف جائز ہے	۴۶	نابالغ بچے کی نذر کی شرعی حیثیت
۶۲	مشترکہ جائیداد بلا تقسیم مسجد کیلئے وقف کرنا	۴۷	منذور چیز نہ ملنے پر اسکے قلم مقام کا حکم
۶۳	قبرستان کے درختوں کو فروخت کر نیکا حکم	۴۸	نذر مطلق واجب التراخی ہے
		۴۸	درود شریف کی نذر ماننے کا حکم
		۴۹	میل پنہ باپ سے نہیں ہونگا کہنے کی شرعی حیثیت

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۶	ارض مقصوبہ پر مسجد بنانے کا حکم	۶۲	وقف مشاع کی خرید و فروخت کرنیکا حکم
۷۷	موقوفہ زمین کو مسجد کے مصاحے میں استعمال کرنے کا حکم	۶۳	مقصوبہ جائیداد کی آمدنی مساجد کی تعمیر کے لئے وقف کرنے کا حکم
۷۷	مسجد کی زمین پر گھر بنانے کا حکم	۶۵	پرانے قبرستان پر مدرسہ تعمیر کرنیکا حکم
۷۸	مسجد سے پرندوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم	۶۵	جنازگاہ میں کنواں کھودنا جائز ہے
۷۸	مسجد میں ذکر باجہر کرنے کا حکم	۶۶	ہمسبہ کے لفظ سے وقف کرنے کا حکم
۷۹	مسجد کے جملہ اہور میں تصرف کرنے میں بانی مسجد کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے	۶۶	عید گاہ میں ہسپتال بنانے کا حکم
۸۰	غیر آباد مسجد کی زمین زراعت کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں	۶۷	واقف کی شرط کے اعتبار کا حکم
۸۰	مسجد کے لئے موقوفہ مکانات میں سے تبلیغی حضرات کیلئے مکان وقف کرنیکا حکم	۶۸	قبرستان کے لئے موقوفہ زمین میں تصرف کرنا
۸۱	مسجد کے لئے وقف شدہ گھڑی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی	۶۹	جنازگاہ سے راستہ جدا کرنے کا حکم
۸۱	قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین پر جنازگاہ بنانے کا حکم	۶۹	وقف غیر تمام کے استبدال کا حکم
۸۲	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کی آمدنی مسجد کے مصاحے پر خرچ کرنا	۷۰	وقف کے مملوکہ ہونے کا حکم
۸۳	مسجد کے لئے موقوفہ زمین کے درختوں کا حکم	۷۰	موقوفہ زمین میں فلش بنانے کا حکم
۸۳	پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم	۷۱	موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہ ہونے کا حکم
۸۴	مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم	۷۲	متروکہ جائیداد میں وقف پر اقرار کا حکم
۸۴	طریق عام کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم	۷۳	باب المساجد
۸۵	مسجد کی زمین پر ڈاکخانہ بنانے کا حکم	۷۳	وقف کی یادداشت لکھنے کا حکم
۸۶	مسجد میں خیاطت کرنیکا حکم	۷۳	مسجد کے لئے موقوفہ زمین پر دوکانیں تعمیر کرنے کا حکم
		۷۴	ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانیکا حکم
		۷۵	مسجد کی زمین سے ملک کے زائل ہونے کا حکم
		۷۵	منہدم مسجد کی تبدیلی کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۸	مسجد میں رہائش پذیر طلباء کا {	۸۶	متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے بغیر {
۹۸	مسجد کی چیزوں کو استعمال کرنا {	۸۷	مسجد کی تعمیرات میں تصرف کرنا {
۹۹	عارضی مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں	۸۷	بانی مسجد کے لئے لوگوں کو مسجد سے {
۱۰۰	معتکف کا مسجد میں ہوا خارج کرنا	۸۷	منع کرنا ناجائز ہے {
۱۰۰	مسجد کا پانی گھر لے جانا	۸۷	ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر خرچ کرنا حکم
۱۰۰	مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دینا	۸۸	مسجد کی چھت کی پرانی چادروں کا حکم
۱۰۱	مسجد کے فنڈ سے امام کیلئے مکان بنانا	۸۹	متولی مسجد کی وفات کے بعد مسجد {
۱۰۲	دو مساجد کا قریب قریب ہونا	۸۹	کے اختیارات کا حکم {
۱۰۲	مسجد میں آنے سے منع کرنا	۸۹	مسجد کا پنکھا گھر میں استعمال کرنا جائز نہیں
۱۰۳	مسجد میں گوبر کا استعمال	۹۰	مسجد میں نکاح پڑھانے کا حکم
۱۰۳	ویران مسجد کا حکم	۹۰	ذکر واذکار اور نماز میں مشغول {
۱۰۳	مسجد شرعی کا تبادلہ	۹۰	لوگوں کو سلام کرنے کا حکم {
۱۰۵	مسجد میں کسی کے لئے جگہ متعین کرنا	۹۱	مسجد میں تھوکنے کا حکم
۱۰۵	مسجد کے باغیچہ پر چھت ڈالنا	۹۱	مسجد کے لئے موقوفہ زمین پر پیش امام کا تصرف کرنا
۱۰۶	متولی مسجد کا بغیر اذن چندہ {	۹۲	ایک مسجد کی موجودگی میں دوسری مسجد تعمیر کرنا
۱۰۶	دہندگان کے اجرت لینا {	۹۳	مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کرنا
۱۰۷	مسجد میں ٹیپ ریکارڈر لانا	۹۳	مساجد میں بلند آواز سے نعت خوانی {
۱۰۸	بوقت ضرورت متولی کی اجازت {	۹۳	اور تقریر کرنا {
۱۰۸	کے بغیر مسجد تعمیر کرنا {	۹۴	سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے مسجد بنانا
۱۰۸	مسجد کے لئے باقاعدہ وقف سے {	۹۵	مسجد کے مسجع ہونے کا حکم
۱۰۸	ملکیت کا زائل ہونا {	۹۵	مسجد میں گم شدہ چیزوں کے اعلان کا حکم
۱۰۹	عورتوں کا مسجد میں آنا	۹۶	مسجد کی جائیداد موقوفہ پر دعویٰ ارث
۱۱۰	مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم	۹۷	مسجد میں کھانے پینے کا حکم
۱۱۰	مصالح مسجد کیلئے موقوفہ زمین کا حکم	۹۷	مدرسہ کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۳	مسجد کے نیچے دکانیں بنانا	۱۱۱	مساجد کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کا حکم
۱۲۵	مبزر کو محراب کے دائیں جانب رکھنا	۱۱۲	مسجد کے ہوتے ہوئے مندر میں نماز پڑھنا
۱۲۵	مسجد کی آمدنی سے تجارت کا حکم	۱۱۳	قدیم مسجد کی جگہ نئی مسجد میں نماز پڑھنا
۱۲۶	مسجد کے درخت کی ملکیت کا حکم	۱۱۳	مسجد میں حوض بنانا
۱۲۶	مساجد میں تعویذ فروشی کا حکم	۱۱۴	دکانوں پر مسجد بنانے کا حکم
۱۲۷	مسجد کے ساتھ متصل کمروں {	۱۱۵	مسجد کے متولی کی شرعی حیثیت
۱۲۷	میں سونے کا حکم	۱۱۵	کعبۃ اللہ کی ایسی تصاویر جن میں انسانوں {
۱۲۸	قبلہ کی تحقیق	۱۱۵	کی تصاویر بھی ہوں مسجد میں آویزاں کرنا {
۱۲۹	مسجد کی چھت پر بیت الاخلاص بنانا	۱۱۶	مسجد پر قبضہ کی شرعی حیثیت
۱۳۰	مسجد کے نیچے آتش خانہ بنانا	۱۱۷	مسجد کی تعمیر کے وقت قبر کے درمیان {
۱۳۰	مسجد کے متصل غسل خانہ بنانا	۱۱۷	میں آنے کا حکم
۱۳۱	مسجد کی آمدنی کیلئے بنیک میں کھاتہ کھلوانا	۱۱۸	مسجد کی دکان پر مدرسہ تعمیر کرنا
۱۳۲	مسجد پر وقف شدہ مال کو واپس لینا	۱۱۸	مسجد میں رقص و سرور
۱۳۳	مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا	۱۱۹	عید گاہ پر مسجد بنانا
۱۳۳	مسجد کے ساتھ متصل زمین کو جبراً {	۱۱۹	مسجد میں سوال کرنے کا حکم
۱۳۳	مسجد کے لئے لینا	۱۲۰	مساجد میں نمازی کی توجہ متاثر {
۱۳۴	کس برش کا استعمال مسجد میں جائز ہے	۱۲۰	کرنے والی زمینت کا حکم
۱۳۵	عوالم کی ضرورت کے لئے مسجد کو مسمار کرنا	۱۲۰	مسجد کے درخت اور پھلوں کا حکم
۱۳۶	مسجد کے لئے زمین دینے کا وعدہ کرنا	۱۲۱	امام کا مسجد کو ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرنا
۱۳۶	مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا	۱۲۲	مسجد بنانے کے ارادے سے وہ جگہ {
۱۳۷	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین اور {	۱۲۲	شرعی مسجد نہیں بنتی
۱۳۷	عرفی سیری کی شرعی حیثیت	۱۲۲	مسجد کی ضرورت سے زائد اشیاء {
۱۳۸	غیر مسلم کے اموال کو جبراً مسجد پر خرچ کرنا	۱۲۳	کی فروخت کا حکم
۱۳۹	بوقت ضرورت وقف کا تبادلہ جائز ہے	۱۲۳	مسجد کے چندہ کو کسی شرط سے معلق کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۶۲	پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا	۱۴۰	جدید قبرستان میں مسجد بنانا
۱۶۳	قابل تعزیر سرقہ کی مقدار	۱۴۰	مندر سے مسجد بنانا
۱۶۳	سارق کے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنے کا حکم	۱۴۱	مسجد میں آنے سے منع کرنا
۱۶۴	مزارات سے قیمتی اشیاء چرانے کا حکم	۱۴۲	مسجد کی اشیاء کو عاریۃ استعمال کرنا
۱۶۴	رحمن کو قتل کرنے کا حکم	۱۴۲	مسجد کی زمین کا تبادلہ
۱۶۴	مفسد کو سزا دینے کا حکم	۱۴۳	مساجد میں سکول کھولنا
۱۶۵	چار پائے کے ساتھ بد فعلی پر تعزیر کا حکم	۱۴۴	مسجد کی تعمیر میں قادیانیوں کی شرکت
۱۶۵	بیوی کو وطی فی الدبر کے لئے مجبور کرنے کا حکم	۱۴۵	مسجد کے لئے موقوفہ زمین کی فروخت
۱۶۶	جادوگر کی سزا کا حکم	۱۴۶	مسجد کی زمین کا باقاعدہ وقف نہ ہو { تو وہ شرعی مسجد نہیں
۱۶۷	فاسق سے ترک موالات کا حکم	۱۴۷	مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی
۱۶۸	اعلام بازی کی سزا	۱۴۸	مسجد کے فنڈ سے معاوضہ دینا
۱۶۸	مردہ عورت سے وطی کرنا موجب تعزیر ہے	۱۴۸	مسجد کی خرید و فروخت کا عدم جواز
۱۶۹	والدین کی بے ادبی کرنے والے کی سزا	۱۵۰	عید گاہ میں کھیل کود اور اسے راستہ بنانا حکم
۱۷۰	نابالغ قاتل کو تعزیر سزا	۱۵۲	جنوبی افریقہ کی قدیم مساجد و مدارس کا حکم
۱۷۰	شاگرد کو سزا اور تعزیر دینے کا حکم		
۱۷۱	بیوی کو بد فعلی کی بناء پر قتل کرنا		
۱۷۱	جنگل سے جانور چوری ہونے کی صورت میں حد کا حکم	۱۵۹	کتاب الحدود والتعزیرات
۱۷۲	سکول کالج میں طلباء کو جرنی کا حکم		
۱۷۳	فصل کو نقصان پہنچانے پر جرنی کا حکم	۱۵۹	حدود جاری کرنا حکام کا حق ہے
۱۷۳	خفاقت کی نیت سے مال اٹھانے پر سزا کا حکم	۱۵۹	کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت
۱۷۴	حیوان سے بد فعلی پر سزا	۱۶۰	زنا کا جرم ثابت ہو جانے پر حد جاری کرنا حکم
۱۷۵	بجلی چوری کرنے پر سزا	۱۶۱	نایا لغو سے زنا یا بکبر کا حکم
		۱۶۲	حقیقی بیٹی سے زنا کر کے کی سزا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۱۲	بدل صلح صرف قاتل پر ہے	۱۹۶	بیماری کی حالت میں حد جاری کرنے کا حکم
۲۱۳	قتل بالسبب کی دیت کا حکم	۱۹۷	زنا یا رضا اور زنا یا بکبر میں تفریق کی تحقیق
۲۱۳	مریض کو دوائی کھلانے سے موت { واقع ہونے پر دیت کا حکم	۱۹۸	قراٹن اور ٹہرت کی وجہ سے عدالت کا کسی کو مزادینا
۲۱۴	مقتول کی دیت کے مستحقین	۱۹۹	کتاب الانشربة
۲۱۴	نیند کی حالت میں مال کے نیچے دب کر { بچہ مرجائے تو کفارہ اور دیت کا حکم	۱۹۹	نسوار کی شکل میں تمباکو کے استعمال کا حکم
۲۱۵	نیند کی حالت میں مال کے پھلوں میں دب کر { بچہ کے مرنے پر پید ہو سوائے اشکال کا جواب	۱۹۹	گنے کے رس سے کشید کی گئی شراب حرام ہے
۲۱۶	روپے کی شکل میں دیت کی مقدار	۱۹۸	اضطراری حالت میں فیون کا استعمال جائز ہے
۲۱۷	دش کی بڑی توڑنے پر حکومت عدل کا حکم	۱۹۹	الکحل ملی خوشبو کے استعمال کا حکم
۲۱۷	صلح کے بعد اگر زخمی مرجائے تو دیت کا حکم	۲۰۰	منشیات ہر قسم کی ممنوع ہیں
۲۱۸	رشتہ ولایت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے	۲۰۰	نیگونہ پودے کی جڑوں کے شربت کی تحقیق
۲۱۹	جسم کی کسی بڑی کو توڑنے پر حکومت { عدل ہوگی	۲۰۱	بطور دوائی شراب کے استعمال کا حکم
۲۲۰	والدین کی عدم حفاظت کی وجہ سے بچہ { مرجائے تو موجب ضمان نہیں	۲۰۲	بطور دوا شراب کے خارجی استعمال کا حکم
۲۲۰	کسی کے ہاتھ سے اچانک کوئی چیز گرنے { سے کوئی ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان ہے	۲۰۲	الکحل ملی ادویات کے استعمال کا حکم
۲۲۱	سکاری ملازم کو دوران ڈیوٹی کوئی نقصان پہنچے تو حکومت پر کوئی ضمان نہیں	۲۰۳	افیون بطور دوائی استعمال کرنے کا حکم
۲۲۲	قتل کی نیت سے تلوار اٹھانے { والے کے قتل کا حکم	۲۰۳	سیون اپ اور کوکا کولا پینے کا حکم
۲۲۳	کسی کی ٹانگ کی دیت	۲۰۴	فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت پر پید ہو نیوالے سوال کا جواب
		۲۱۱	کتاب القصاص والدية
		۲۱۱	قاتل کو معاف کر دینے کے بعد قصاص { کا مطالبہ کرنا جائز نہیں
		۲۱۱	صلح ہو جانے کے بعد عدالت کا قاتل کو مزادینا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کتاب الجہاد	۲۲۳	دیت کی شرعی مقدار
		۲۲۳	قتل موجب کفر نہیں
۲۸۵	باب شرائط الجہاد و آدابہ	۲۲۵	کسی کو زخمی کرنے پر قصاص کا حکم
۲۸۵	جہاد کے شرائط	۲۲۵	دانت توڑنے کا قصاص
۲۸۵	جہاد کی قسمیں	۲۲۶	متسبب اور مباشر پر دیت
۲۸۶	جہاد کے دوران امیر کی اہمیت	۲۲۸	اجرتی قاتل سے قصاص لینے کا حکم
۲۸۶	جہاد کی ذمہ داری کا حکم	۲۲۸	مقتول کے ورثہ کے ذریعے قصاص
۲۸۶	تغیر عام کی تعریف		کے اجراء کی شرعی حیثیت
۲۸۸	افغانستان کا جہاد کن لوگوں پر فرض ہے	۲۲۹	قصاص کے اجراء سے گناہ
۲۸۸	جہاد کشمیر کی فرضیت کا حکم		کے ختم ہونے کا حکم
۲۹۰	برما کے مظلوم مسلمانوں پر جہاد کا حکم	۲۲۹	قاضی کا اپنے علم پر قصاص
۲۹۱	بوسنیا میں جہاد کا شرعی حکم		کے اجراء کا حکم دینا
۲۹۲	مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد کا حکم		حالت نشہ میں قتل کرنے والے
۲۹۲	جہاد افغانستان کی شرعی حیثیت		سے قصاص لینے کا حکم
۲۹۳	لڑائی شروع ہونے سے پہلے اسلام	۲۳۱	مقدار دیت سے کم مال پر صلح کرنا
	کی دعوت دینے کا حکم		مسودہ آرڈینینس نفاذ قصاص و دیت اور
۲۹۴	کفار کے خلاف مدافعت اور اقدامی	۲۳۲	دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و تراجم
	دونوں قسم کے جہاد شروع ہیں	۲۳۴	مسودہ قانون دیت و قصاص کے
۲۹۵	مغلوب ہونے کا یقین ہو تو کما نڈر		بعض زیر بحث نکات
	کا حکم ماننا مناسب نہیں	۲۳۵	عورت کی دیت نصف ہونے کا مسئلہ
۲۹۵	والدہ کی اجازت کے بغیر	۲۳۹	اسلام کا نظام قصاص و دیت
	جہاد کیلئے جانا	۲۴۰	ایک غلط تاثر کا دفاع (مولانا عبدالحکیم کلاچوی)
۲۹۶	والدین کے علاوہ دوسرے محارم کی	۲۴۱	اصل دیت کیا ہے سوانٹ یا دس ہزار درہم
	اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جانا		ایونٹ کی طرح سونا چاندی بھلی صل دیت ہے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۰۹	دشمن سے تحفظ دین کی خاطر { توریہ کا بروئے کار لانا	۲۹۷	اہل و عیال کے لئے نان و نفقہ کا متبادل { انتظام نہ ہونے کی صورت میں جہاد کے لئے جانا
۳۱۰	جنگ کے دوران مسلمان افواج { کا پیچھے ہٹ جانے کا حکم	۲۹۷	جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں { بھائیوں سے مشورہ کرنا
۳۱۱	باب الغنائم و قسمتها	۲۹۸	عالم دین کیلئے جہاد میں جانے کا حکم جہاد پر قدرت نہ رکھنے کی صورت { میں عالم اسلام کی ذمہ داریاں
۳۱۱	مال غنیمت غنائمین کا حق ہے نہ حکومت کا	۲۹۹	منظوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت { مسلم ارباب قتدار کی ذمہ داری ہے
۳۱۱	مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ سرمایہ ہے	۳۰۰	لفظ فی سبیل اللہ کی تحقیق
۳۱۲	تفصیل نہ ہونے کی صورت میں مال غنیمت { تمام مجاہدین کا مشترکہ ہوگا	۳۰۱	دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم
۳۱۳	دارالحرب سے مال غنیمت لانے کی { قدرت نہ ہو تو اس کا حکم	۳۰۳	دشمن کے گھروں اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنا
۳۱۴	دارالحرب میں مسلمان تاجر کے مال کا حکم	۳۰۳	اہل حرب کے باغات اور فصلوں کو برباد کرنا
۳۱۴	مال غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے	۳۰۴	جنگ کے دوران کافر اگر کلمہ پڑھ لے { تو اسے قتل کرنا جائز نہیں
۳۱۵	مال غنیمت کی نیت سے جہاد کرنیکا حکم	۳۰۴	جنگ کے دوران کافر بپ کے قتل کا حکم
۳۱۵	شہید کے ورثاء کو مال غنیمت { میں حصہ دینے کا حکم	۳۰۵	کمیونسٹوں کے ساتھ رہنے والے { مسلمانوں کے احکام
۳۱۶	مال غنیمت میں عورتوں کے حصہ کا حکم	۳۰۶	کمیونسٹوں کے معاونین کا حکم
۳۱۷	باب المستامن	۳۰۷	کمیونسٹوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا
۳۱۷	دارالاسلام بننے کے لئے شرائط	۳۰۸	دشمن سے اسلحہ لیکر اسے مجاہدین کے { خفیہ راز بتا نیوالے کو قتل کرنیکا حکم
۳۱۷	دارالحرب بننے کے لئے شرائط	۳۰۸	جہاد کے دوران مونچھیں بڑھانا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۶۲	حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جج کی شرعی حیثیت	۳۴۳	ابتدائیہ
۳۶۲	اہل بدعت کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونیکا حکم	۳۴۴	استفتاء
۳۶۳	مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے { توفیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا	۳۴۷	اجواب اعدادالات حرب قرآن کی روشنی میں
۳۶۴	جج کا ثالث کے فیصلے پر فیصلہ سنانے کا حکم	۳۴۸	اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے { ارشادات اور فقہاء کے اقوال
۳۶۴	دعویٰ کے اثبات کے لئے تحریری { ثبوت پیش کرنے کا حکم	۳۴۹	آلات حرب یا عسکری قوت کو ضائع { کرنے یا ان کو منہج کرنے پر وعیدیں
۳۶۵	مدعی کا مدعی علیہ سے مقدمہ کا خرچہ لینے کا حکم	۳۵۱	وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات { ہو اسکی پابندی ضروری نہیں
۳۶۶	حاکم وقت کا مملوکہ زمین قاضی کو { بطور عطیہ دینے کا حکم	۳۵۲	یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت { دستخط کرنے کی صورت میں کفار
۳۶۷	ایک بھائی کی عدم موجودگی میں { مشترکہ جائیداد کے فیصلے کا طریقہ کار	۳۵۳	کی طرف سے امداد کے وعدے { فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل
۳۶۸	مکرہ کے اقرار پر فیصلے کا حکم	۳۵۴	کتاب القضاء
۳۶۸	شریک کی عدم موجودگی میں قاضی { کے فیصلے کا جائزہ	۳۵۹	قاضی کے علم پر فیصلے کا حکم
۳۶۹	اقرار کے بعد مقروض کا قرض سے انکار { اور اس پر ایک عدالتی فیصلے کا جائزہ	۳۵۹	قاضی کا مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کرنیکا حکم
۳۷۰	باپ کو عدالتی سزا سے بچانے کے لئے { اعتراف جرم کرنے کا حکم	۳۶۰	مدعی اور مدعی علیہ کا قاضی کے تعین { میں اختلاف کا حکم
۳۷۱	مدعی کے بیانات میں تعارض کا جائزہ	۳۶۱	فیصلے کو مانگے انکار کرنے پر جواز وصول کرنیکا حکم
۳۷۲	ملک اور بیع کے دعویٰ میں فیصلہ { بیع کے گواہوں پر ہوگا		
۳۷۳	حد و بیان کیے بغیر زمین پر { ملکیت کے دعویٰ کا حکم		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۸۲	حکومت کی اجازت سے موت { اراضی آباد کرنے کا حکم	۳۷۳	فصل کے نقصان کی وجہ سے پڑوسی سے { درخت کو جڑ سے کاٹنے کے مطالبہ کا حکم
۳۸۵	موت کو آباد کرنے کی وجہ سے چشمہ { کا پانی دوسرا اراضی پر بند کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۷۴	عاریتہ کسی کی زمین پر تصرفات کی وجہ سے { استحقاق کا دعویٰ کرنا
۳۸۵	مشترک زمین میں دوسرے شرکا کی اجازت { کے بغیر تصرف کرنے کا حکم	۳۷۵	کسی کی ملکوتہ زمین پر قبضہ کے متعلق فیصلہ کا حکم
۳۸۶	عرصہ دراز تک آمدورفت کی وجہ سے { راستہ پر حق مرور کا دعویٰ کرنے کا حکم	۳۷۶	مذبی کا زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں
۳۸۷	ایک شخص سے خریدی ہوئی زمین پر { ملکیت کے دعویٰ میں تاریخ کی تقدیم و تاخیر کا حکم	۳۷۷	زمین کے نامعلوم حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم
۳۸۷	مقتول کے وارث کی طرف سے قاتل کو { معاف کرنے کے بعد قتل کے دعویٰ کا جائزہ	۳۷۷	عاریتہ پر لی ہوئی زمین سے معیر کو تنگ کرنے { کیلئے مستعیر کا درخت نہ کاٹنے کے متعلق فیصلہ
۳۸۸	بیٹے کو بہن کی ہوئی زمین پر وراثت { کے دعویٰ ملکیت کا جائزہ	۳۷۸	والد کا عقد بیع کی اجازت سے { انکار کے متعلق فیصلہ
۳۸۹	ہلاک شدہ مال کے بارے میں قرض { اور مضاربیت کے اختلاف کا فیصلہ	۳۷۸	مشترک چشمہ پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ
۳۹۰	غیر اختیاری کاموں میں کسی کی ذمہ داری { قبول کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۷۹	زنجش کی وجہ سے پانی کا قدیم { راستہ روکنے کے متعلق فیصلہ
۳۹۱	کسی کے عقد پر دوبارہ عقد بیع { کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۸۰	حصہ دار کی اجازت کے بغیر اس کی { زمین فروخت کرنے کا حکم
۳۹۱	باپ کی وفات کے بعد بیٹیوں { کا اس کے عقد بیع سے انکار	۳۸۱	مشوق بھائی کے بیٹیوں کی موجودگی میں { اس کی ذاتی جائیداد باپ کے ترکہ میں شامل کر کے تقسیم کرنے کا حکم
۳۹۲	عقد مضاربیت کے متعلق ایک فیصلہ کی تصحیح	۳۸۲	حکومت کی طرف سے دی گئی زمین پر { فریقین کے دعویٰ ملکیت میں اختلاف کے متعلق فیصلہ
۳۹۳		۳۸۳	کسی غیر کے نام مندرجہ زیر قبضہ زمین { میں فریقین کے اختلاف کا فیصلہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۲۲	دعویٰ کب تک قابل سماعت ہے	۳۹۴	ٹیوب ویل کی نوکری پر فریقین کے تنازعہ کا فیصلہ
۴۲۳	پاگل کے دعویٰ کا حکم		بیٹے کا باپ کے ترکہ میں سے اپنے لیے
۴۲۴	نا بالغ بیٹے کی جگہ باپ کو قسم دینے کا حکم	۳۹۵	زمین کا کچھ حصہ ہبہ کرنے کے دعویٰ کا جائزہ
۴۲۴	مصلحت کے بعد ارث کا دعویٰ کرنا	۳۹۸	عقد بیع میں اختلاف کے متعلق فیصلہ
۴۲۵	دعویٰ کے ثبوت کے لئے شرعی ضابطہ		شفعہ کے دعویٰ میں راستہ کا
۴۲۶	ہبہ تمام کے بعد دعویٰ ارث نا قابل سماعت ہے	۳۹۹	شریک پڑوسی پر مقدم ہے
۴۲۷	تنازعہ تقسیم ترکہ میراث اسحاق		فریقین میں سے ہر ایک کا زمین پر
۴۲۷	نواب (مرحوم) پلوسی پشاور	۴۰۲	ملکیت اور قبضہ کے دعویٰ کا جائزہ
۴۲۷	فیصلہ شرعی مابین سید یوسف خان		فریقین میں سے ہر ایک کا دوسرے کی مقبوضہ
۴۲۷	وسلطان شاہ پسران حیات شاہ	۴۰۳	جائیداد میں ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ
۴۳۴	مدعی اور مدعی علیہ میں سے قسم کس پر ہے	۴۰۶	قدیم راستہ میں تنازعہ کے متعلق فیصلہ
۴۳۵	زمین کے تنازعہ پر فریقین		گواہوں پر جرح کے متعلق قاضی
۴۳۵	میں فیصلہ شرعی	۴۰۸	کے فیصلہ کا جائزہ
۴۳۷	مدعی مدعی علیہ کو قسم دینے کے		توڑے سال سے قابض زمین پر ملکیت
۴۳۷	بعد گواہ پیش کرے	۴۰۹	کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ
۴۳۷	مدعی علیہ کے تقرنات پر اظہار		آباواجداد کی شرکت کی وجہ سے ورثہ کا
۴۳۷	رضامندی کے بعد دعویٰ کرنا	۴۱۰	شریک کی جائیداد میں کچھ حصہ پر
۴۳۹	کاغذی ثبوت پیش کرنے کے بعد		ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ
۴۳۹	مدعی علیہ کا انکار کرنا	۴۱۲	فیصلہ شرعی درباب شفیعہ دعویٰ
۴۴۰	مدعی بہ کے سامنے ہونے کی صورت		راضی نامہ کے بعد دعویٰ کرنا اور
۴۴۰	میں اشارہ کافی ہے	۴۱۹	مدعا علیہ سے قسم لینا
۴۴۱	مقدار مدعی بہ میں غلطی ہو جانا	۴۲۰	مدعی بہ کی مقدار میں غلطی ہو جانا مستط دعویٰ نہیں
۴۴۲	فیصلہ شرعی بین الفریقین	۴۲۱	دعویٰ ہبہ کے لئے معتبر شہادت ضروری ہے
۴۴۵	فیصلہ شرعی	۴۲۱	الحق لا یسقط بتقادم الزمان کا مطلب

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۹	قانون کی قسمیں	۲۴۴	باب التحکیم
۲۵۹	انسانی قانون کی حیثیت		
۲۶۰	مقننہ کے مختلف شعبے		
۲۶۰	سربراہ مملکت	۲۴۴	ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت
۲۶۰	آئین ساز ادارے	۲۴۴	کسی فاسق کو ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت
۲۶۰	عدالتی نظام	۲۴۸	دینی امور سے ناواقف شخص کو ثالث مقرر کر نیکاحکم
۲۶۱	رحمانی قانون کی حقیقت	۲۴۹	ثالث کا شرعی اصول کے خلاف فیصلہ کر نیکاحکم
۲۶۱	رحمانی قانون کے مآخذ	۲۵۰	قاضی اور حکم کا فرق
۲۶۲	اسلامی قانون کے بار میں غیر مسلموں کے تاثرات	۲۵۱	معزول ثالث کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا
۲۶۳	اسلامی قانون کے اہم شعبے	۲۵۱	فریقین کا تحکیم سے رجوع کے بعد حکم کے لئے اجرت لینا جائز نہیں
۲۶۳	اسلام کا شخصی قانون	۲۵۲	علاقائی اصلاحی کمیٹی کی شرعی حیثیت
۲۶۴	اسلام کا ملکی قانون		کسی فریق کی عدم موجودگی میں
۲۶۴	حفاظت نفس	۲۵۳	ثابت کے فیصلے کا حکم
۲۶۴	حفاظت نسب	۲۵۳	ثالث کے فیصلے سے انکار کا حکم
۲۶۵	حفاظت مذہب	۲۵۴	ثالث معزول کرنے کا حکم
۲۶۵	حفاظت مال		فیصلے کے لئے مقرر کردہ کمیٹی کے
۲۶۵	حفاظت عقل	۲۵۵	ارکان کے باہمی اختلاف کا حکم
۲۶۵	حفاظت عزت		
۲۶۶	غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار	۲۵۶	اسلامی قوانین کی جامعیت و اہمیت
۲۶۷	نظام قضاء کے لیے قوتِ تنفیذ کی ضرورت		
۲۶۸	غیر اسلامی علاقوں میں نظام	۲۵۷	قانون کی حقیقت
	قضاء کے چند نظام	۲۵۷	قانون کی ضرورت
۲۶۹	فقہی جذبات کی تائید	۲۵۸	قانون کی ابتداء

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۸۱	اسلامی نظام عدل نے شاملین وقت {	۳۶۹	مسلمانوں کے اتفاق سے قاضی کی تقرری
۳۸۲	کو بھی معاف نہیں کیا	۳۷۰	عصر حاضر میں غیر اسلامی ممالک میں {
۳۸۲	اہل اسلام کا طرہ امتیاز	۳۷۰	قضاء کی چند صورتیں {
۳۸۲	اہل مغرب کا سفاکانہ کردار	۳۷۱	پہلی صورت
۳۸۳	روسی کمیونسٹوں کا مسلم اقلیت {	۳۷۱	انفرادی طریقہ کار کی کمزوریاں
۳۸۳	سے ظالمانہ سلوک	۳۷۱	دوسری صورت
۳۸۳	برطانوی دور کے مظالم	۳۷۲	غیر اسلامی حکومت سے عہدہ قضاء {
۳۸۳	دشمن سے اسلام کا روادارانہ سلوک	۳۷۲	قبول کرنے کی شرعی حیثیت {
۳۸۳	حقوق کے اقسام	۳۷۳	انصاف کی رعایت ہونے کے وقت {
۳۸۵	دور صدیقی کے عہد نامے	۳۷۳	عہدہ قضاء قبول کرنا جائز نہیں {
۳۸۶	حضرت عمرؓ کا ایک لطیف استدلال	۳۷۴	اسلام کا نظام عدل و انصاف
۳۸۷	ذمیوں کے بار میں حضرت عمرؓ کی خصوصی ہدایت	۳۷۵	عدل کی ہمہ گیری
۳۸۸	شہادت کے اصول	۳۷۶	مروجہ بین الاقوامی قوانین اور ان کے نتائج
۳۸۹	رشوت کے اقسام اور ان کے احکام	۳۷۶	نظام عدل کا مرکزی نکتہ
۳۹۰	شرعی عدالت میں شاہ و گدا برابر ہیں	۳۷۶	حضرت ماعزؓ کا واقعہ
۳۹۱	قاضی عدالتوں کو کتاب سنت کا پابند کرنا ہوگا	۳۷۷	رات کی تاریکی میں خوف خدا کا اثر
	کتاب الشہادۃ	۳۷۷	شہادت حق اور قرابتیں
۳۹۷	سکے بھائی کے لئے گواہی دینا جائز ہے	۳۷۹	حضرت اسامہؓ کی سفارش پر دربار نبوت کا رد عمل
۳۹۷	نابینا کی گواہی کی شرعی حیثیت	۳۸۰	عدل فاروقی کی ایک جھلک
۳۹۸	وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت	۳۸۰	امیر المؤمنین قاضی کی عدالت میں
۳۹۹	اجرتی قائل کی گواہی کی شرعی حیثیت	۳۸۱	انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور {
۳۹۹	داڑھی منڈانے والے کی شہادت کا حکم		ایک آدمی برابر ہیں {

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۱۴	شہادت میں شہود لہ یا علیہ کا نام مع ولدیت لینا	۵۰۰	قتل میں عورت کی گواہی کا حکم
۵۱۴	شہادت کے لئے خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے	۵۰۰	دشمن کی گواہی کی شرعی حیثیت
۵۱۵	صرف عورتوں کی گواہی کا حکم	۵۰۱	گواہی کے لئے آمدورفت کا خرچہ لینے کا حکم
۵۱۶	اثبات جرم کے ریکا رڈ شدہ	۵۰۲	قبضہ اور ملکیت میں شہادت کا حکم
۵۱۶	شہادت کافی نہیں	۵۰۳	شہادت غیر قابض کی قبول ہوگی
۵۱۶	اثبات جرم کے لئے تصویر کا حکم	۵۰۴	زیر کاشت زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے میں گواہ خارج کے مقدم ہونگے
۵۱۷	قاتل کے جسم یا کپڑوں پر مقتول کا خون لگا ہو تو	۵۰۴	نکاح کی مجلس میں بغیر حاضر ہوئے
۵۱۷	مسودہ قانون شہادت میں مولانا سمیع الحق کی بعض دیگر ترامیم و تقاریر	۵۰۵	نکاح کی گواہی دینا جائز ہے
۵۱۸	اقرار اور اقبال جرم	۵۰۵	اثبات زیادتی کی وجہ سے خارج کے گواہوں کا حکم
۵۲۰	اقرار کے شرائط	۵۰۶	زیادت کا دعویٰ کرنے والے کے گواہ مقدم ہوں گے
۵۲۰	شادی وغیرہ کا ثبوت	۵۰۷	گواہوں کی عدم موجودگی میں محض شک کی وجہ سے سزائے موت دینے کا حکم
۵۲۱	دوران ازواج بچے کی پیدائش	۵۰۸	شرکا کا روبرو ایک دوسرے کے لئے گواہی دینا
۵۲۱	مدت حمل	۵۰۹	باپ کا بیٹے کیلئے گواہی دینا
۵۲۲	اکثر مدت حمل میں اقوال اور حکمت خداوندی	۵۰۹	ہجرت کی گواہی کا حکم
۵۲۳	وعده معاف گواہ کی شرعی حیثیت	۵۱۰	نائب فاسق کی گواہی کا حکم
		۵۱۰	بنیائی سے محروم شخص کی گواہی کا حکم
		۵۱۱	قوت گویائی سے محروم شخص کی شہادت کا حکم
		۵۱۲	گواہ کی خفیہ تحقیقات کرنیکی شرعی حیثیت
		۵۱۳	علت زائل ہونے کے بعد اس مقدمے میں شہادت کا حکم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۳۷	مشرکہ منافع کو تقسیم کرنے کا حکم	۵۲۵	اسلام اور خواتین کی شہادت
۵۳۸	ایک فریق کی عدم موجودگی میں {		
	جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ		
۵۴۰	مشرکہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ	۵۲۶	شیعہ مسلک اور خواتین کی شہادت
		۵۲۷	عورت کی امامت اور حکمرانی
۵۴۱	کتاب الاکراہ	۵۲۷	حکمت اور علت حکم میں فرق
		۵۲۸	شہادت فرض ہے حق نہیں
۵۴۱	حکومت کا رعایا کی کسی چیز پر جب قبضہ کرتا	۵۲۸	فرائض اور احکام میں عورتوں سے رعایت
۵۴۲	جب انکاح کا حکم	۵۲۹	کسی غیر مکلف کو نصوص میں مخاطب نہیں بنایا
۵۴۲	جب زنا میں عورت گھنکار نہ ہوگی		
۵۴۳	اکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کہنا	۵۳۳	کتاب القسمة
۵۴۳	حالت جبر میں زنا کا حکم		
۵۴۴	کسی مسلمان کو حالت جبر میں قتل کرنا	۵۳۳	کسی ایک شریک کے مطالبہ پر جائیداد {
۵۴۴	جبراً شراب پینے پر حد نہیں	۵۳۴	کے دوبارہ تقسیم کا حکم
۵۴۵	جبراً زنا کی صورت میں حد کا حکم	۵۳۴	نابالغ کے حصہ کی تقسیم کا حکم
۵۴۶	مجبور مزنیہ پر حد زنا کا حکم	۵۳۴	کسی ایک شریک کی غائبانہ حالت {
۵۴۶	جبراً ہلاک شدہ مال کے ضمان کا حکم	۵۳۵	میں جائیداد تقسیم کرنا
۵۴۷	جبراً کھلائے گئے مال پر ضمان کا حکم	۵۳۶	قرعہ اندازی کے بغیر جائیداد تقسیم کرنا
۵۴۸	مجبور مفعول پر حد جاری کرنے کا حکم	۵۳۶	غبن کی صورت میں تقسیم جائیداد کا اعادہ کا حکم
		۵۳۶	غلطی کی صورت میں تقسیم کا اعادہ

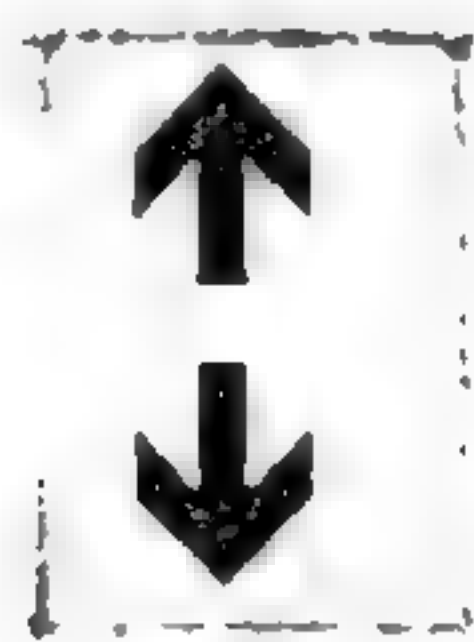
۲۰



لَيَنْفَقَ كَذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ

وَمَنْ قَدَرُ عَلَيْهِ رِزْقُهُ

فَلَيَنْفَقَ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ



مِنْ طَلْفٍ كَافٍ

أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ

کتاب النفقات

(خرچہ کے احکام و مسائل)

بیوی کا علاج کرانا خاوند پر لازم نہیں | سوال :- زید کی بیوی کافی عرصہ سے بیمار تھی اُس کے والدین بخوشی علاج کی غرض سے اپنے گھر لے گئے اور وہاں اس کا علاج معالجہ کرایا گیا، کچھ عرصہ بعد عورت کے والدین نے زید سے علاج معالجہ پر خرچ ہونے والی رقم کا مطالبہ کیا، تو کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیوی کا علاج معالجہ کرانا بہر حال خاوند پر واجب نہیں البتہ مروت کے باب میں علاج کرنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ : ولقائل ان يقول علیہا کأجرة الطبيب الخ

رفتح القدیر ج ۴ ص ۲ باب النفقة - کتاب النکاح (۱)

والدین کے نان نفقہ کا حکم | سوال :- والدین کا نان و نفقہ اولاد پر واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر اولاد تنگ دست ہو تو پھر بھی

اسے والدین کے نفقہ کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین اگر خود غنی ہوں تو اولاد کو ان کے اخراجات برداشت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا چاہے اولاد خوشحال ہی کیوں نہ ہو، لیکن جب والدین کا متبادل بندوبست نہ ہو تو ان کے اخراجات کی ذمہ دار بالغ اولاد پر عائد ہوتی ہے تاہم اگر اولاد خود تنگ دست ہو تو اُسے اس کے لیے مجبور کرنا بھی مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم : (ولا بویہ واجدادہ وجداتہ لوفقراد) ای تعجب

لما قال العلامة ابن نجیم : وقید بالنفقة لان الشداوة لا تعجب علیہ

اصلاً - (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۲ باب النفقة)

ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۲۹ کتاب النکاح - الباب النفقة -

النفقة لهؤلاء..... واطلق في الابن ولعريقيد في الغنى مع انه مقيد به لما
في شرح الطحاوی ولا يجبر الابن على نفقة للابوين المعسرین اذا كان معسراً۔

البحر الرائق ج ۴ ص ۳۵۲ باب النفقة۔ کتاب النکاح (۱) لہ

سوال :- بالغ اولاد کے اخراجات کی ذمہ داری
والد پر عائد ہوتی ہے یا وہ اپنے اخراجات کی خود

ذمہ دار ہوتی ہے؟

الجواب :- اولاد جب تک نابالغ ہو تو اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری والد پر
عائد ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر والد فقیر ہو تو پھر بھی اس کو اپنی ذمہ داری نبھانا ضروری
ہے، البتہ جب بچے بالغ ہو جائیں تو ان کی ذمہ داری والد سے اٹھ جاتی ہے لیکن بچیوں
کا خرچہ ان کی شادی ہونے تک والد ہی برداشت کرے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم: وقيد بالعجز عن الكسب وهو بالاثوثة مطلقاً۔
فلا يعتبر في الانتى الا الفقير۔ البحر الرائق ج ۴ ص ۳۵۲ باب النفقة (۲) لہ

سوال :- خاوند کی وفات کے
عدت کے دوران بیوہ کے اخراجات کا حکم بعد اس کی بیوہ کے عدت کے

دوران اخراجات کون برداشت کرے گا؟

الجواب :- کسی شخص کی وفات سے اس کے ترکہ میں جملہ شرعی وراثہ کے حقوق
ثابت ہو جاتے ہیں، اسی طرح خاوند کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں ثمن و آٹھواں حصہ یا ربع

لہ لما قال شيخ الاسلام برهان الدين المرفينا في: وعلى الرجل الموسر ان
ينفق على ابويه واجلاده وجداته اذا كانوا فقراء وان خالفوه في الدين۔
الهداية ج ۲ ص ۲۴۲ باب النفقة۔ کتاب النکاح (۳) لہ

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۸۳۔ کتاب النکاح۔ الباب في النفقة۔
لہ لما قال العلامة ابن همام: والاولاد كباراً مائتات..... فللاناث عليه نفقتهن الى ان
يتزوجن اذ لم يكن لهن مالٌ۔ (فتح القدير ج ۴ ص ۲۱۶۔ باب النفقة) (۴)
وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۸۳۔ کتاب النکاح۔ الباب في النفقة۔

جو تھا حصہ کے علاوہ اخراجات کے نام سے کچھ زائد لینے کی عورت مجاز نہیں اور نہ ہی دیگر ورثہ پر اس کے اخراجات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، عورت خاوند کے ترکہ سے اپنا حصہ لے کر عدت کے دوران گزارہ کرے گی، اگر اس سے اس کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے ہوں اور محارم میں سے کوئی بھی اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر وہ ہاتھ کی کاٹی سے گزارہ کرے گی۔

لما قال العلامة ابن نجيم: (قوله: لا لموت) ای لا تجب النفقة لمعتة الموت۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۲ کتاب النکاح۔ باب النفقة) لہ

چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے | سوال :- ایک شخص کی بیوی کے بطن سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا

ہے اگر وہ اسے طلاق دے دے تو ان بچوں کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا یا ماں کے؟
الجواب :- بچوں کا جب اپنا مال نہ ہو تو ان کا نفقہ باپ پر واجب ہے خواہ یہ بچے باپ کے گھر میں رہ رہے ہوں یا میاں بیوی میں جدائی کی صورت میں والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہوں۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغاری: نفقة البنت البالغة يجب كالصغيرة ولكل عليه اذا لم يكن للصغير مال۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۳ کتاب النکاح۔ فصل فی النفقة) لہ

والدین کے گھر رہنے کی صورت میں نفقہ کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک

شخص کی بیوی اس کی رضامندی سے اپنے والدین کے گھر رہتی ہو تو کیا شوہر کو اس کے

لہ قال العلامة برهان الدین المرفینانی: ولا نفقة للمتوفي عنها زوجها۔
فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۴ باب النفقة

لہ قال العلامة قاضی خان، نفقة الاوکاد الصغار والانات المعسرات علی الاب
لا یشارکہ فیہا احد ولا یسقط بفقرہ۔ (الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۲۵ فصل فی النفقة)
ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۵ کتاب النکاح۔ باب النفقة۔

اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے یا اس کے والدین کو؟
الجواب:- خاوند کی اجازت سے والدین کے گھر جانا عورت کے لیے مخص ہے
 اس لیے اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت سے والدین کے گھر رہے تو اس کے اخراجات
 خاوند کے ذمہ ہوں گے، گویا عورت کے محض والدین کے گھر رہنے سے خاوند اخراجات کی
 ذمہ داری سے فارغ نہیں ہو سکتا جب تک یہ عورت ناشزہ (نافرمان) نہ ہو۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: فتجب للزوجة علی نروجها
 رولوی فی بیت ابیہا، اذ الحریط لیبها الزوج بالنقلۃ بہ یفتی۔
 الدر المختار شرح تنویر الابصار ج ۳ باب النفقة ۵۷۵

معذور اولاد کے نفقت کا حکم | سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بچہ جب
 بالغ ہو جائے لیکن معذور یعنی نابینا ہو اور اپنے

اخراجات پورے کرنے سے قاصر ہو تو اس کا خرچہ باپ پر واجب ہے یا اس کے
 بالغ ہونے کے ساتھ ہی باپ کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔

الجواب:- اگر کسی کا بچہ معذور ہو تو بالغ ہو جانے کے باوجود اس کا نفقہ
 باپ سے ساقط نہیں ہوتا، جب تک والد زندہ ہو تو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ معذور
 بچے کے اخراجات پورے کرے ورنہ بصورت دیگر دوسرے ورثاء پر بقدر الارث
 یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن المہام: والذکور اما عاجزون عن الکسب لزمانة وعمی
 او شلل او ذهاب عقل فعليه نفقتهم۔ (فتح القدیر ج ۲ باب النفقة)

لما قال العلامة قاضی خان: الناشزۃ لا نفقة لها وهي التي خرجت عن منزل
 الزوج بغير حق۔ (الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ باب النفقة ۲۲۶)
 ومثله فی الہندیۃ ج ۱ باب النفقة۔

لما قال العلامة ابن نجیم: وحکم ولد الکبیر الزمن والانشی مطلقاً بالصغیر
 لما سیاتی۔ (البحر الرائق ج ۲ باب النفقة۔ کتاب النکاح)
 ومثله فی الہندیۃ ج ۱ باب النفقة۔ کتاب النکاح۔ باب النفقة۔

ناراضگی کے ایام کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں | سوال :- اگر کوئی عورت خاوند سے ناراض ہو کر کئی سال تک والدین کے ہاں رہے

اور بعد میں عدالت میں ناراضگی کے ایام کے نفقہ کی دعویداری کر دے تو کیا یہ عورت گزشتہ ایام کے نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں جبکہ زیادتی شوہر کی طرف سے ہو؟

الجواب :- غلطی شوہر کی ہو یا بیوی کی اگر عورت ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر چلی جائے تو ناراضگی کے زمانہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں تاہم اگر قاضی بیوی کے حق میں فیصلہ کرے کہ شوہر بیوی کو اتنا نفقہ سالانہ یا ماہانہ ادا کرے گا لیکن بعد القضاہ بھی اگر خاوند نفقہ نہ دے تو اس صورت میں یعنی قضاہ کے بعد والے ایام کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے جو قرض شہانہ ہوگا۔

لما قال العلامة قاضخان: لا تطالب بنفقة ما مضى من الزمان قبل الفرض لا عندنا لا تصيد النفقة ديناً إلا بالقضاء۔ (فتاویٰ الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۳ باب النفقة) ۱

نافرمان عورت کا خرچہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں | سوال :- اگر ایک عورت بلا وجہ

بار بار بلانے کے باوجود خاوند کے گھر نہ آئے تو اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ رہے گا یا نہیں؟

الجواب :- عورت کا بلا وجہ خاوند کے گھر سے چلے جانا اور بلانے کے باوجود نہ آنا شوہر کے حکم میں ہے، ایسی ناشرہ (نافرمان) عورت کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں، جب تک عورت نافرمانی ترک کر کے خاوند کے گھر نہ آجائے اس وقت تک خاوند سے خرچہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

قال المرغینانی: وان تشر فلا نفقة لهما حتى تعود الى منزله۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۱۱ باب النفقة) ۲

۱ قال العلامة ابن ہمام: واذا مضت مدة لم ينق الزوج عليها وطالبه بذلك فلا شيء

لها الا ان يكون القاضي فرضه لها النفقة۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۲۰۱ باب النفقة) ۱

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۳ ص ۵۹۳ باب النفقة۔

۲ قال العلامة الحصكفي: لا نفقة لاحد عشر روعدا منها، وخارجة من بيته بغير حق وهي

الناشرة۔ (الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۲ ص ۲۰۱ باب النفقة) ۱

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۵ ص ۵۱۱ ابواب السبع عشر في النفقة۔ الفصل الاول في نفقة الزوج۔

ناچاتی کے باوجود شوہر پر اہل و عیال کا خرچہ لازم ہے | سوال :- گھریلو ناچاتی کی وجہ سے زید نے اپنے اہل و عیال پر نفقہ بند کر دیا

اب اس کی بیوی کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب :- شوہر کے ذقے اہل و عیال کا خرچہ شرعاً لازم ہے اگر وہ کسی وجہ سے خرچہ دینے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو اس کو بذریعہ جرگہ وغیرہ خرچہ دینے پر مجبور کیا جائے یا پھر وہ طلاق دے کر بیوی کو فارغ کر دے، بلا عذر شرعی اہل و عیال کا خرچہ بند کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ: ویجب لوفات الامساك بالمعروف۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۲ ص ۵۷۲ کتاب الطلاق) لہ

نامرد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے | سوال :- اگر شوہر عین (نامرد) ہو اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کی بیوی کا نفقہ

کس کے ذقے ہے؟

الجواب :- چونکہ یہ عورت اس شخص کے لیے محبوس ہے اس لیے کہ دونوں کا نکاح ہو چکا ہے تو بیوی کا خرچہ اس کے ذقے لازم ہے اگرچہ وہ وطی کرنے پر قادر نہ ہو۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: فتجب للزوجة بنکاح صحیح۔ الخ علی زوجها لانہا جزاً

الاحتباس۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۹۔ باب النفقة) لہ

لہ قال الامام ابو زہرۃ: لقولہ تعالیٰ: (ولا تمسکوهن ضراً) التعدوا، وقولہ تعالیٰ: (وامساك) بمعروف او تسريحاً باحسان) وان البقاع عدم الانفاق ضراً۔ وامساك بغير معروف،

وكان حقاً علیہ ان يطلق زوجته۔ ولما لم يقسم بذلك وقد تعين علیہ قام القاضي مقامہ فیہ۔ (الاحوال الشخصية ص ۳۲۹ باب اللعان۔ التفريق لعدم الانفاق)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوى دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۱۳ باب النفقة۔

لہ قال العلامة ابوبکر المرغینانی رحمہ اللہ: النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا اسلمت نفسها الى منزله فعليه نفقتها وكسوتها وسكنائها الخ۔

(الهداية ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب الطلاق، باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۵۱ کتاب النفقة۔

فاحشہ اور بدکردار بیوی کے نفقہ کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کی بیوی بدچلن اور بدکردار ہو اور شوہر کے بار بار منع کرنے کے باوجود بھی بدچلنی سے باز نہیں آتی ہو مگر رستی شوہر کے ساتھ اسکے گھر میں ہو تو کیا ایسی عورت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہوگا ؟

الجواب :- جو کوئی جس کی وجہ سے محبوس ہو اُس کا خرچہ بھی اسی کے ذمے لازم ہے، چونکہ صورتِ مسئلہ میں یہ عورت باوجود اپنی بدکرداری اور بدچلنی کے شوہر کے لیے محبوس ہے اس لیے شوہر پر اس کا نفقہ لازم ہے۔

قال العلامة الحصكفي: فتجب للزوجة بتكاح صحيح..... على زوجها لانها جزأ الاحتباس - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۹ باب النفقة) لہ

سوال :- ایک عورت خاوند سے ناراض ہو کر باپ کے گھر گزارے ہوئے ہو کر کئی سال اپنے والدین کے گھر رہی، اب جرگہ رہنچایت والے میاں بیوی

کے درمیان فیصلہ راضی نامہ کرنا چاہتے ہیں لیکن عورت والدین کے گھر گزارے ہوئے سالوں کے خرچے کا مطالبہ کرتی ہے، کیا شرعاً شوہر کے ذمے ان گزشتہ سالوں کا خرچہ لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب :- فقہی ذخائر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ان سالوں کا خرچہ شوہر کے ذمے واجب نہیں اس لیے عورت مذکورہ کا یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے تاہم اگر شوہر بخوشی یہ خرچہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ :- والنفقة لا تصیر دینا

لہ قال العلامة قاضی خات رحمہ اللہ : واما نفقة المرأة فمقابلة بالاحتباس وقد احتسبت بحق الزوج فتصان لها النفقة على الزوج۔ (الخانية على هامش الہندیة ج ۱ ص ۲۵۵ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۱۵۱ باب النفقة - هَكَذَا فِي مَجْمَعِ الْأَنْهَارِ ج ۲ ص ۲۹۲ باب النفقة)

الابا لقضاء والرضاء۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۱ باب النفقة) لہ
چھوٹے بچے کا نفقہ باپ کے ذمے ہے | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی
 ہے جبکہ اس کا ایک چھوٹا بچہ ماں کے پاس
 ہے، تو کیا اُس بچے کا خرچہ باپ کے ذمے ہے یا نہیں؟ جبکہ بچے کا باپ خرچہ دینے سے
 انکار کرتا ہے؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے اگرچہ سات سال تک بچے کی پرورش کا حق عورت
 (ماں) کو دیا ہے، صورت مسئلہ میں اس بچے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا، باپ حق حضانت
 کی وجہ سے بچے کے نفقہ سے بری نہیں ہوگا اور اس کا انکار درست نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفی :- وتجب النفقة بأنواعها علی الحر لطفله یعم الانثی

والجمع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۵ باب النفقة) لہ

زچہ بچہ کا خرچہ شوہر کے ذمے ہے | سوال :- بچے کی ولادت کے وقت زچہ خانے میں عورت پر جو خرچہ
 ہو تو اس کی دائیگی شوہر کے ذمے لازم ہے یا عورت کے والدین کے ذمے ہے؟
 الجواب :- چونکہ شرعاً یہ بچہ شوہر کا ہے لہذا اس کی پیدائش پر جو خرچہ ہوگا وہ بھی اسی
 کے ذمے لازم ہوگا۔

قال المرغینانی :- ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکہ فیہا احد کما لا یشارکہ فی نفقة

الزوجة۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۴۳۰ باب النفقة) لہ

لہ قال المرغینانی :- واذا مضت مدة لم یفقد الزوج علیہا ولبتہ بذلک فلا شیء لہا الا ان یکن القاضی فرض لہا

النفقة او صالحت الزوج علی مقدار نفقتها فیقضى لہا بنفقة ماضی۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۴۳۰ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فی جمع الانہر باب النفقة ج ۲ ص ۴۹۹ باب النفقة۔

لہ قال المفتی عزیز الرحمن :- نفقة صغیرہ تمید است حسب عرف نفقة از پدر گرفته شود و تا ہفت سال نزد مادر

ام یا ام الام یا غیر او شاں بماند۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۱۱۸ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فی شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۱۸ باب النفقة۔

لہ قال علاء الدین خان :- نفقة الاولاد الصغار والانا المعسر علی الاب لا یشارکہ فی ذلک احد۔

(فتاویٰ الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۴۵ فصل فی نفقة الاولاد)

وَمِثْلُهُ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۶ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں بوڑھا اور نادار
نادار والدین کا نفقہ اولاد پر لازمی ہے | شخص ہوں جبکہ میرے دو بیٹے صاحب ثروت

(مالدار) ہیں، کیا میرا نان و نفقہ ان کے ذمے ہے یا نہیں؟

الجواب :- ماں باپ جب محتاج ہوں اور ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی
 ذریعہ آمدن نہ ہو تو ان کا نان و نفقہ اولاد پر لازم ہے، اگر اولاد ادانہ کرتی ہو تو گنہگار ہوگی۔
 قال العلامة الحنفی: وتجب علی موسر الخ النفقة لاهوله الفقراء۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۲ ص ۴۳۶۔ باب النفقة) ۱۷

سوال :- اگر کسی بچے کا باپ فوت ہو
باپ کی وفات کے بعد بچے کے نفقہ کا حکم | جائے اور وہ خود کمانے کی صلاحیت نہ

رکھتا ہو تو اس بچے کا خرچہ ماں کے ذمے ہے یا کسی اور کے؟

الجواب :- جس بچے کی حالت صغیر میں اس کا باپ فوت ہو جائے اور وہ بچہ خود کمانے
 کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا جملہ خرچہ اس کی ماں کے ذمے لازم ہوگا۔
 قال العلامة ابن عابدین: وحی اولی بالتحمل من سائر الاقارب۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۹۲۲۔ باب النفقة) ۱۸

۱۷ قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: وعلى الرجل ان ينفق على ابويه
 واجدادہ وجداته اذا كانوا فقراء وان خالفوه في دينه۔

(الهداية ج ۲ ص ۲۲۲۔ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي مَعِينِ الْقَضَاءِ وَالْمَفْتِينَ ص ۸۵۔ مَادَة ۲۹۵ الفصل الثالث عشر
 فِي احكام النفقة۔

۱۸ وفي الهندية: الامّ اولی بالتحمل من سائر الاقارب حتى لو كان
 الاب معسراً والامّ موسرة وللصغير جدّ موسر تؤمّر الامّ بالانفاق من
 حال نفسها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۶۲۔ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوى الخانية علی هامش الهندية ج ۱ ص ۲۲۴۔ باب النفقة۔ کتاب
 الطلاق۔

کتاب الایمان والتذر

قسم اور تذر کے احکام و مسائل

سوال :- ایک لڑکی کے والد نے قسم کھاٹی کہ میں فلاں شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دوں گا۔ اب فریقین کی آپس میں صلح ہو گئی ہے البتہ قسم کا معاملہ باقی ہے، اب اگر یہ آدمی (لڑکی کا والد) اس شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی دیدے تو اس پر کیا لازم آئے گا؟

الجواب :- اگر لڑکی کے والد نے یوں قسم کھاٹی ہو کہ میں فلاں شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دوں گا تو عقد نکاح کر دینے سے حانت ہو گا جس کے بدلے میں کفارہ لازم آئے گا تاہم اگر لڑکی بالغ ہو تو وہ والد کے کسی دخل کے بغیر اس شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس سے اس کا والد حانت نہیں ہو گا۔

قال العلامة الحنفی: (رو) ثالثها (منعقدة وهي حلفه على مستقبل (آت) الخ۔۔۔ (رو) هذا القسم (في الكفارة) الخ۔۔۔ فقط الخ۔۔۔ ان حنت۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۵۲)

سوال :- اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرنے کا حکم

فلاں کام نہ کیا تو تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہوں گی، تو اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟ اگر منعقد ہوگی تو اس کا کفارہ کس وقت ادا کیا جائے گا؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں شخص موت سے قبل وہ جائز کام کرے تو حنت سے بچ جائے گا تاہم اگر پوری زندگی معہودہ جائز کام کرنے سے یہ شخص قاصر رہے تو زندگی کی آخری گھڑیوں میں حانت مقصور ہو گا جس کی وجہ سے اس کے ورثاء پر کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ تمام

لے قال العلامة ابوالبركات السفي: وعلى آت منعقد وفيه الكفارة فقط۔ (كنز الدقائق ص ۱۶ کتاب الایمان) ومثله في الهندية ج ۲ ص ۵ کتاب الایمان۔ الباب الاول۔

حلال چیزوں کے عموم کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ بیوی بھی اس وقت طلاق بائن سے جدا ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي: (كل حل) او حلال الله او حلال المسلمين (على حرام) زاد الكمال او الحرام يلزمني ونحوه (فهو على الطعام والشراب) ولكن (الفتوى في زماننا) على انه تبين امراته الخ۔ (رد المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۶۵ کتاب الايمان)

سوال :- ایک شخص نے یوں قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو کافر ہوں گا۔ اب اگر وہ اس کام کو کرے تو اس کے عقیدے پر

اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں
یمین ہے یا نہ ہیں؟

کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- اگر یہ شخص بے علم ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ایسی قسم سے حالت کافر ہو جاتا ہے تو یہ حنت کی صورت میں کافر ہو جائے گا، بصورت دیگر کافر تو نہ ہوگا بلکہ حانت ہو کر کفار لازم آئے گا۔

لما في الهندية: ولو قال ان فعل كذا فهو يهودي أو نصراني أو مجوسي أو برئ من الاسلام أو كافر أو يعبد من دون الله أو يعبد الصليب أو نحو ذلك مما يكون اعتقاد كفر فهو يمين استحساناً كذا في البدائع في لو فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً اختلف المشائخ فيه قال شمس الامّة السرخسي والمختار للفتوى انه كان عنده انه يكفر متى أتى بهن هذا الشرط ومع هذا أتى يصير كافراً الرضا بالكفر وكفارسه أن يقول لا اله الا الله محمد رسول الله وان عنده انه اذا أتى بهن الشرط لا يصير كافراً لا يكفر وهذا اذا حلف بهن الا انما على أمر في المستقبل وأما اذا حلف بهن القاط على أمر في الماضي بان قال هو يهودي أو نصراني أو مجوسي ان فعل كذا أمس وهو يعلم انه قد كان فعل انه

له قال العلامة ابوالبركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفي: كل حل على حرام على الطعام والشراب والفتوى على انه تبين امراته بلانية۔ (كنز الدقائق ص ۱۶۶ کتاب الايمان) ومثله في الهندية ج ۲ ص ۵۶، ۵۵ کتاب الايمان۔ الباب الثاني۔ الفصل الاول۔

لا يلزمه الكفارة عندئذ يمين غموس وهل يصير كافرًا اختلف المشائخ فيه قال شمس الآلة
السرخسي والمختار الفتاوى انه كان عندئذ أن هذا يمين ولا يكفر متى حلف به لا يكفر
وان عندئذ انه يكفر متى حلف به يكفر رضا بالكفر - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۲ كتاب
الایمان ، الباب الثاني) ۱

قرآن مجید کی قسم کھانے کا حکم | سوال :- قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے ؟
کیا اس سے قسم ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :- چونکہ قسم کا دار و مدار عرف پر ہوتا ہے اس لیے متأخرین ارباب فتویٰ
نے عرف کی بناء پر قرآن کریم کی قسم کھانے کو الفاظ یمن سے شمار کیا ہے ۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : قال الكمال ولا يخفى ان الحلف بالقرآن
الآن متعارف فيكون يمينًا واما الحلف بكلام الله فيدور مع العرف . وقال
العيني وعندي أن المصحف يمين لا سيما في زماننا وعند الثلاثة المصحف والقرآن
وكلام الله يمين - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۲، ۵۳ كتاب الإيمان) ۲

۱ قال العلامة الحصكفي رحمه الله : (روى القسم بقوله ان فعل كذا فهو يهودي
او نصراني او فاشهدوا على بالنصرانية او شريك الكفار او كافر) فيكفر بجنثه
لوفي المستقبل أمّا الماضي عالمًا بخلافه فغموس واختلف في كفره (روى) الاصح
ان الحالف (لم يكفر) سواء (علقه بماض أو أت ان كان عندئذ) في اعتقاده
انه (يسين وان) جاهلا وعندئذ انه يكفر في الحلف بالغموس وبمباشرة
الشرط في المستقبل (يكفر فيها لرضا به بالكفر) - (الدر المختار على هامش
رد المحتار ج ۳ ص ۵۹ كتاب الإيمان)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۳ ص ۱۲ كتاب الإيمان - الفصل الثاني -
۲ قال العلامة زين الدين ابن نجيم المصري : وفي فتح القدير يتم لا يخفى
ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينًا كما هو قول الأئمة الثلاثة
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب الإيمان)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۵۳ كتاب الإيمان ، الباب الثاني ، الفصل الأول -

ہزار روزے رکھنے کی قسم کھانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کہا کہ میں کسی کی غیبت نہیں کروں گا اور اگر کی تو قسم ہے میں ایک ہزار روزے رکھوں گا، بعد ازاں اس شخص نے کسی کی غیبت کی تو اب اس پر پورے ہزار روزے رکھنا لازم ہیں یا کفارۃ قسم؟

الجواب :- یہ شخص کفارۃ یمین (یعنی تین روزے رکھنے) سے فارغ الذمہ ہو سکتا ہے۔
لما فی الہندیۃ : وان علق بشرط لا یرید کد نحول الدار ونحوہ یتخیر بین الکفارة و بین عین ما التزمہ - وروی ان ابا حنیفۃؒ الی التخییر ایضاً وبہذا یفتی اسماعیل الزاہد قال رضی اللہ عنہ ہواختیاری ایضاً کذا فی المبسوط۔
(الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۶۵) کتاب الایمان، الفصل الثانی فی الکفارة

فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا | سوال :- ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا، پھر اس نے اس مسجد میں نماز پڑھا دی، اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- یہ شخص اس مسجد میں نماز پڑھانے کے بعد مانت ہو کر کفارہ ادا کرے گا لیکن کافر نہ ہوگا۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال ان فعل کذا فہو یہودی أو نصرانی أو مجوسی أو برئی من الاسلام أو کافر أو یعبد من دون اللہ أو یعبد الصلیب أو نحو ذلک ما یکون اعتقادہ کفر فہو یمین استحساناً کذا فی البدائع حتی لو

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ان فعلت کذا فعلى حجة أو صوم سنة أو صدقة ما أملكه أجزاء من ذلک کفارة یمین وهو قول محمد و یتخرج عن العہدۃ بالوفاء بما سمی ایضاً اذا کان شرطاً لا یرید کونہ لان فیہ معنی الیمین وهو المنع وهو بظاہرہ فیما فی التخییر و یمیل الی الجہتین شاء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب الایمان)۔

وَمِثْلُهُ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان، الفصل الثانی۔

فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً اختلف المشايخ فيه - قال
شمس الأئمة السرخسي والمختار للفتاوى انه ان كان عنده انه يكفر متى أتى
بهذا الشرط ومع هذا أتى يصير كافراً الرضاه بالكفر وكفارته أن يقول لا إله
إلا الله - مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وان كان عنده انه إذا أتى بهذا الشرط لا يصير
كافراً لا يكفر الخ - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۷) الباب الثاني فيما يكون يميناً
وما لا يكون يميناً) له

اگر عمر سے بات کروں تو مال سب زنا کروں قسم نہیں | سوال: نہینے کہا اگر میں نے عمر سے بات کی تو
یہ ایسا ہے کہ میں نے اپنی ماں سے نہ کیا اب زید
عمر سے باتیں کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے تو باتیں کرنے کی صورت میں زید پر کچھ لازم آئے گا یا نہیں؟
الجواب: صورت مذکورہ میں زید عمر سے باتیں کر سکتا ہے اور اس میں کوئی مواخذہ نہیں
کیونکہ یہ قسم نہیں، مزید برآں یہ الفاظ موجب ظہار بھی نہیں لعدم التشبه اور نہ موجب ایلاء ہے
لعدم ارادة زوجة -

لما في الهندية: لو قال ان فعلت كذا فان زان أو سارق أو شارب خمر أو اكل رطل فليس بمخالف
كذا في الكافي - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۵) الباب الثاني فيما يكون يميناً وملا يكون يميناً - (الفصل الأول) له
قال العلامة الحصكفي: (و) القسم بقوله (ان فعل كذا فهو) يهودي أو نصراني أو فاشد
على بالنصرانية أو شريك الكفار أو كافراً فيكفر بعنقه لو في المستقبل ما الماضى لما بخلافه
فغموس واختلف في كفره (و) الاصح أن المخالف (لم يكفر) سواء عاقبه بماض أو أت ان كان
عنده (في اعتقاده انه يمين وان) جاهلاً و (عنده انه يكفر في الحلف) بالغموس
وبمباشرة الشط في المستقبل يكفر فيهما الرضاه بالكفر - (الذرا المختار على هامش المختار ج ۳ ص ۵۵) كتاب الايمان
ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۲ كتاب الايمان، الجنس الاول)

له قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (والان) فعله غضبه الخ أو هو زان أو سارق
أو شارب خمر أو اكل رطل لا يكون قسماً لعدم التعارف فلو تعارف هل يكون يميناً
ظاهر كلامهم نعم وظاهر كلام الكمال لا وتمام في

(الذرا المختار على هامش المختار ج ۳ ص ۶۲) كتاب الايمان)

ومثله في كنز الدقائق ص ۵۵ كتاب الايمان -

بھائی کے ساتھ تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا | سوال :- ایک شخص نے قسم
حقیقی بھائی کے ساتھ تعلقات نہیں رکھوں گا، اب وہ والدہ کے ناراض ہونے کی صورت میں
بھائی سے تعلقات بحال کرنا چاہتا ہے، اور اگر وہ قسم توڑ دے تو شرعاً اس کیلئے کیا حکم ہے؟
الجواب :- ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے، شیخ بھی قسم توڑ کر کفارہ دیدے
ورنہ گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ : ومن خلف علی معصیۃ کعدم الکلام مع ابویہ
او قتل فلان الیوم وجب الحنث والتکفیر۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار
ج ۳ ص ۶۲ مطلب کفارة الیمین ۱۷)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہ ہونے کی قسم کھانا | سوال :- ایک شخص نے یوں
کہا کہ اگر میں نے فلاں کیڑے
پہن لیے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہیں ہوں گا، بعد میں اس شخص نے وہ کیڑے
پہن لیے، اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- یہ الفاظ یمین میں سے ہیں لہذا حنث کی صورت میں یہ شخص کفارہ ادا
کرے گا تاہم حنث ہونے سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحسکفی : تعلیق الکفر بالشرط یمین وسیبجی بانه ان اعتقد الکفر
به یکفرو الا یکفر ری تلزمہ الکفارة۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۵۲ مطلب فی القرآن اما الخلق بکلام اللہ ۲)

۱۷ قال العلامة عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة : ومن حلف علی معصیۃ کعدم الکلام
مع ابویہ حنث وکفر۔ (شرح الوقایۃ ج ۲ ص ۱۳۹ کتاب الایمان)
ومثله فی مختصر القدوری ص ۲۰۲ کتاب الایمان۔

۱۸ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : وفي قوله هو یہودی ان فصل کذا وحنث
لزمته الکفارة وهل اختلف المشائخ فیہ قال الشیخ الامام شمس الائمۃ ان اعتقد یمینا
یکون یمینا واعتقدہ کفرا لیکون کفرا علی ما یأتی فی لفاظ الکفر۔ (علامۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۷ کتاب الایمان)
ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۵۷ الباب الاول، الفصل الثانی۔

کلمہ توجید پڑھنے سے قسم کے انعقاد کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کسی بات کا یقین دلانے اور

مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے کلمہ توجید پڑھ کر بات کرتے ہیں، عرف میں اس فعل کو قسم سمجھا جاتا ہے، کیا صرف کلمہ پڑھنے سے قسم منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- واضح رہے کہ قسم کے انعقاد کا حکم نیت اور ارادہ پر ہے جس کے انعقاد میں عرف کا کافی عمل دخل پایا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھنا اگرچہ بذات خود قسم نہیں لیکن جہاں عرف کی موجودگی میں کلمہ پڑھنا قسم کی نیت سے ہو تو اس سے قسم واقع ہو جائے گی۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال لا الہ الا اللہ لا فعلن کذا لایکون فلیس بيمين الا ان ینوی یمیناً وکذا لک سبحان اللہ واللہ اکبر لا فعلن کذا فی سراج الوہاج ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۵۲ باب الثانی - الفصل الاول)

آسمانی کتابوں سے بری ہونے کی قسم کھانا | سوال :- زید نے قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں چاروں

آسمانی کتابوں سے بری ہوں گا، اس کے بعد اُس نے وہ کام کر لیا، تو اب اس صورت میں وہ طانت ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- یہ الفاظ قسم کے ہیں اس لیے حنت کی صورت میں اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔

قال العلامة ابواللیث السمرقندی : ولو قال ان افعل کذا فا نابی من الکتب الاربعة فان حنت فعليه كفارة واحدة ۔ (الفتاویٰ النوازل ص ۱۶۳)

لے قال الشیخ طاہر بن عبد الرشید البخاری : وفي التجريد عن محمد لوقال لا الہ الا اللہ افعل کذا او سبحان اللہ لیس بيمين الا ان ینوی ۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الایمان - الجنس الاول)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۳ ص ۵۲ کتاب الایمان ۔

لے وفي الہندیۃ : ولو قال ان فعلت کذا فا نابی من الکتب الاربعة فہو یمین ولحدۃ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۵۲ باب الثانی - الفصل الاول)

وَمِثْلُهُ فِي البحر الرائق ج ۴ ص ۲۸۵ کتاب الایمان ۔

کسی دینی مصلحت کے لیے قسم توڑنا | سوال :- اگر قسم کھانے کے بعد انسان کو یہ احساس ہو کہ قسم کھانے وقت میں نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے، تو کیا ایسی حالت میں قسم کا پورا کرنا ضروری ہے یا حانت ہو کر کفارہ دینا مناسب ہے؟

الجواب :- اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے اور بعد ازاں اس کام کی مخالفت میں کوئی دینی مصلحت سامنے آئے تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی مخالفت کر کے کفارہ ادا کرے۔

عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال ما علی الارض یمین اخلت علیہا قاری غیرہا خیراً منها الا اتیتہ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۱۲۳ باب من حلف علی یمین غیرہا خیراً)۔

کفارات یمین میں تداخل کا حکم | سوال :- ایک شخص نے متعدد بار قسمیں کھا کر ہر دفعہ قسم پوری نہ کر سکنے کی وجہ سے حانت ہوتا رہا، اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو کیا اس شخص کے لیے تمام قسموں کا ایک ہی کفارہ کافی ہوگا یا متعدد کفارہ جات کی ادائیگی ضروری ہوگی؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق احتیاط اسی میں ہے کہ متعدد کفارات ادا کئے جائیں۔

قال العلامة الحنفی: تتعدد الکفارة لتعدد الیمین۔ (الفتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵۲)

ہاں اگر پہلے کفارہ ادا نہیں کیا تو امام محمدؒ کے نزدیک ایک کفارہ بھی کافی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وفي البغیة کفارات الایمان اذا کثرت تداخلت ویخرج بالکفارة الواحدة عن عہدة الجميع۔ وقال شہاب الائمة

لہ قال الامام الحافظ المجتہد ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی: وقد بلغنا عن النبیؐ انه قال من خلت علی یمین فرأی غیرہا خیراً منها فلیأت الذی هو خیر ویکفر عن یمینہ۔ (کتاب الاصل المعروف بالمیسوط ج ۳ ص ۱۹ کتاب الایمان) ومثله فی الہدایة ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب الایمان۔

هذا قول محمد قال صاحب الاصل هو المختار عندی ام مقدسی۔ ومثله فی القهستانی عن المنیة۔ (رد المختار ج ۳ ص ۵۲ کتاب الایمان) ۱۰

کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ | سوال :- اگر کوئی شخص قسم توڑ دے تو اس پر کتنا کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب :- قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو پوشاک دینا جو بدن کے اکثر حصہ کو ڈھانپ لے، البتہ اگر کوئی مالی کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو پھر تین روزے رکھنے سے وہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو سکے گا۔

قال الله تبارک وتعالیٰ : فَلَكَافَرْتُهُ اَطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ اَهْلِيكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذَلِكُمْ كَفَّارَةٌ لِّمَا نَكَلُمُ۔ (سورة المائدة آیت ۷۵) ۱۱

کھانا کھلانے میں تسلسل کا حکم | سوال :- جس طرح روزہ کے کفارہ میں مساکین کو کھانا کھلانے میں تسلسل کا ضروری ہے اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی تسلسل کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یا یہ کبھی ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلایا اور پھر نغہ کر دیا پھر کبھی ایک دو مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلایا، اسی طرح مختلف اوقات میں

۱۲ وفي الہندیة : اذا حلف الرجل علی امر لا یفعله ابدًا ثم حلف فی ذلک المجلس او مجلس اخر لا یفعله ابدًا ثم فعله کانت علیہ کفارة یمینین وهذا اذا نوى یمینًا اخری او نوى التغلیظ ولم یکن له نية واذا نوى بالكلام الثانی الیمین الاولی علیہ کفارة واحدة۔

(الفتاویٰ الہندیة ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان)

وَمِثْلُهُ فِي كِتَابِ الْاَصْلِ الْمَعْرُوفِ بِالْمَبْسُوطِ ج ۳ ص ۲۳۸، ۲۳۹ کتاب الایمان۔

۱۳ قال ابوالبركات النسفی : وكفارتہ تحریر رقیة او اطعام عشرة مساکین کھما فی الظہار او کسوتہم بما یستر عامة البدن فان عجز عن احدهما صام ثلاثة ايام متشابهة

۱۴ رکن الدقائق ص ۱۶۱، ۱۶۲ کتاب الایمان

وَمِثْلُهُ فِي الدِّمَا الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۳ ص ۶ کتاب الایمان۔

حساب پورا کر دینے سے کفارہ ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب: قسم کے کفارہ میں اگر دس دن مسلسل کھانا نہیں کھلایا جاسکا بلکہ بیچ میں کچھ
 ناغے ہو گئے تو کچھ حرج نہیں صرف شمار اور تعداد پوری کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة قاضیخان: وفي كفارة يمين يعتبر العدد - (فتاویٰ قاضیخان ج ۲) ۲۸۶
کفارہ کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے | سوال: عانت ہونے کی صورت میں
 کفارہ کے روزے رکھنے میں تسلسل قائم

رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: قسم کے کفارہ میں رکھے جانے والے روزوں میں تسلسل ضروری ہے اگر
 کسی وجہ سے درمیان میں ناغہ ہو جائے تو از سر نو روزے رکھنے ہوں گے۔

قال العلامة السرخستانی: فان لم يقدر على احد الاشياء الثلاثة صيام ثلاثة
 ايام متتابعات - وقال الشافعي: يخير لا تطلق النص ولنا قرأة ابن مسعود رضي الله عنهما
 فصيام ثلاثة ايام متتابعات وهي كالخبر المشهور - (الہدیہ ج ۲ فصل في كفارة اليمين) ۲۸۶

کفارہ یمین ایک شخص کو دینے کا حکم | سوال: کفارہ یمین (قسم) کی ادائیگی میں اگر دس
 مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت پیش ہو تو کیا
 یہ تمام فدیہ کسی ایک مسکین کو بطور ملکیت دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا دس مسکینوں کو ہی
 دینا ضروری ہے؟

الجواب: کفارہ یمین کا فدیہ کسی ایک مسکین کو ایک ہی دن میں یکمشت دینا اگرچہ بعض

۱۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولو عشاہم في رمضان عشرین ليلة
 اجزاء الخ - (رد المحتار ج ۳ ص ۵۳ کتاب الایمان)

وَمِثْلُهُ في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۲۵ جنس اخر في كفارة اليمين۔

۲۔ قال الشيخ طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وفيه انصاف كفارة المعسر صيام ثلاثة
 ايام متتابعات ولو حاضت المرأة في الثلاث استقبلت بخلاف كفارة صيام رمضان۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الایمان، کفارۃ الیمین)

وَمِثْلُهُ في السندية ج ۲ ص ۶۱ کتاب الایمان، الفصل الثاني۔

اقوال کی رو سے فراغتِ ذمہ کے لیے کافی ہے لیکن صحیح رائے کے مطابق ایسا کرنا درست نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس میں تعدد کی رعایت ہو اور فدیہ دس مسکینوں کو علیحدہ علیحدہ دیا جائے۔

وفي الهندية، ولواعطى مسكيناً واحداً عشرة أثواب في مرة واحدة لم يجزه
كما في الطعام وان اعطاه في كل يوم ثوباً حتى استكمل عشرة أثواب في عشرة أيام اجزاه
كما في الطعام - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۶۲ کتاب الایمان، الفصل الثانی) لہ

ناذر کا نذر سے کچھ کھاتے کا حکم | سوال :- اگر نذر ماننے والا شخص بہت زیادہ غریب ہو تو وہ اپنی نذر میں سے کچھ کھا سکتا

ہے یا نہیں؟

الجواب :- نذر شدہ چیز واجب التصدق ہوتی ہے اس کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہیں اس لیے نذر سے نہ تو اغنیاء کو کچھ کھلایا جاسکتا ہے اور نہ ناذر خود کھا سکتا ہے اگرچہ نذر ماننے والا فقیر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ نذر غربت سے متاثر نہیں ہوتی۔
قال العلامة الحصکفی: ولو ترك التضيعة ومضت اياها تصدق بها حجة ناذر فعل تصدق
(للعينة) ولو فقيراً ولو ذبحها تصدق بلحمها ولو نقصها تصدق بقيسة النقصان ايضاً
ولا يأكل الناذر منها فان اكل تصدق بقيمة ما اكل - (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳، ۲۰۴ کتاب الاضيعة) لہ

لہ قال العلامة ابن عابدین: ای تحقیقاً او تقدیراً حق لواءعطى مسكيناً واحداً في عشرة
أيام كل يوم نصف صاع يجوز ولواعطاه في يوم واحد بدفعات في عشر ساعات قيل
يجز وقيل لا هو الصحيح - (رد المحتار ج ۳ ص ۶۰ کتاب الایمان، مطلب كفارة اليمين)
ومثله في فتاوى قاضیخان ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب الایمان -

لہ قال الشیخ طاہر بن عبد الرشید البخاری: لا يأكل الناذر منها ولو اكل منها فعليه قيمتها
(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲ کتاب الاضيعة، الفصل الرابع فيما يجوز من الاضيعة وفيما لا يجوز)
ومثله في بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۶۸ کتاب التضيعة -
فصل واما كيفية الوجوب فانواع -

نذر مانی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے یوں نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں گائے یا بھینس ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کروں گا، کام ہو جانے پر اب نذر ماننے والا گائے یا بھینس کا گوشت فقراء میں تقسیم کرنے کی بجائے اس کی قیمت دینا چاہتا ہے تو کیا ایسا کرنے سے نذر ادا ہو جائے گی یا عین منذور چیز ہی دینا ضروری ہے؟

الجواب :- صدقات و اجبہ کی ادائیگی میں بنیادی فلسفہ فقر ادا اور غرباء کی ضروریات کی تکمیل اور انکی حاجت برآری ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا مِنْ حَائِثَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا سے کیا ہے، اس لیے نذر کو اختیار ہے کہ عین منذور ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

قال العلامة الحصكفي: نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بخيرة جاز ان ساوى العشرة كتصدق به يثمنه - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳) مطلب في احكام النذر - النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير بل هو نذر في احكام النذر | سوال :- ایک شخص نے کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں چیز اللہ کے نام پر دوں گا، اب اگر وہ کام ہو جانے سے پہلے ہی نذر دے دے تو کیا اس سے نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یا کام ہو جانے کے بعد نذر پوری کرنا ضروری ہے؟

الجواب :- نذر کا وجوب جب کسی کام کے ساتھ مشروط ہو جائے تو شرط کی موجودگی سے پہلے مشروط واجب نہیں ہوتا اور نہ اس کی ادائیگی درست ہے اس لیے کام ہونے سے پہلے نذر دینے سے فارغ الذمہ نہیں ہو سکتا بلکہ کام ہو جانے کے بعد دوبارہ نذر پوری کرنا ہوگی۔

قال العلامة ابن عايد بن رحمه الله: بخلاف النذر المعلق فانه لا يجوز له وفي الهندية: ويجوز دفع القيمة في الزكوة عند تاو كذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر كذا في الهداية - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۱ ابواب الثالث في زكوة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۲۳ كتاب الزكوة - الفصل الثامن في اداء الزكوة -

تعجيله قبل وجود الشرط۔ (الرد المحتار ج ۳ ص ۳۰۰ مطلب في احكام النذر، النذر
غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم) ۱۔

نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم | سوال ۱۔ اگر کوئی شخص چند روزے رکھنے
کی نذر مانے تو کیا ان میں تسلسل ضروری ہے؟

یا جب چاہے مختلف اوقات میں رکھ کر پورے کر سکتا ہے؟
الجواب :- اگرچے درپے روزوں کی نیت نہیں کی ہو تو نذر کے روزے رکھنے
میں تسلسل ضروری نہیں ورنہ تسلسل کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

وفي الهندية : ولو قال لله على ان اصوم شهراً متتابعاً لزمه المتتابع وان
اطلق ليخير۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۰ کتاب الصوم۔ الباب السادس في النذر) ۲۔

نذر کی ہوئی گاٹے کے منافع کا حکم | سوال :- ایک گاٹے جو کہ اللہ کیلئے نذر
کی گئی ہو اگر اس گاٹے کے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا

کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ نذر کا ہوگا یا اس کو بھی صدقہ کیا جائے گا؟
الجواب :- جب کسی جانور کو نذر کیا جائے تو یہ حکم اس کے جملہ اجزاء کو شامل

۱۔ قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی : وان كان معلقاً بشرط نحو ان يقول ان شفى الله مريضاً وان
قدم فلان العنايب فله على ان اصوم شهراً او اصيلي ركعتين او تصدق بدرهم ونحو ذلك
فوقته وقت الشرط فمالم يوجد الشرط لا يجيب بالاجماع ولو فعل ذلك قبل
وجود الشرط يكون نقلاً لان المعلق بالشرط عدم قبل وجود الشرط۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۹۳ کتاب النذر۔ فصل واما حكم النذر الخ

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۴ ص ۲۹۱ کتاب الایمان۔

۲۔ قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور بن محمود المعروف بقاضیخان : لو قال لله على
صوم مثل شهر رمضان قال ان اُرا ومثله في الوجوب فله ان يفرق وان اُرا
وفي المتتابع فعليه ان يتتابع وان لم يكن له نية فله ان لصوم متفرقاً۔

(الفتاوى قاضیخان ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الصوم)۔

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۲۰۹ کتاب الصوم۔ الباب السادس في النذر۔

ہوتا ہے بچہ بھی اس کا ایک جزو ہے اس لیے گائے کی طرح بچہ بھی واجب التصدق ہوگا۔

قال العلامة الحسکفی: و ت الاضحیة ولد قبل الذبح یدبح الولد معها و عند بعضهم یتصدق به بلا ذبح۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۵ کتاب الضحیۃ) ۱۷

سوال :- ایک شخص نے کہا کہ اگر مجھے فلا نذر کا دار و مدار الفاظ پر ہے | چیز مل گئی تو اتنی رقم خیرات کروں گا جبکہ دل

میں ارادہ یہ تھا کہ اگر وہ چیز صحیح ہو لیکن زبان پر یہ تعین نہیں ہوا، اب متعلقہ چیز ملنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو خراب ہے، تو کیا اس شخص پر اتنی ہی رقم خیرات کرنا واجب ہے یا مطلوبہ چیز میں نقص کی وجہ سے خیرات کی رقم میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟

الجواب :- نذر کی تکمیل کا تمام تر دار و مدار الفاظ پر ہوتا ہے، نیت کا زیادہ دخل نہیں رہتا اس لیے جب الفاظ مطلق ہوں تو اس چیز کے ملنے پر مقررہ رقم خیرات کرنا واجب ہے اگر وہ چیز درست حالت میں نہ ہوں۔

قال العلامة التمرتاشی: ومن نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشرط وكان من جنسه (واجب) فرض وهو عبادة مقصودة وجد الشرط المعلق به لزم النذر (كصوم و صلوة و صدقة۔ (تنویر البصار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۶۶ کتاب الایمان) ۱۸

۱۹ قال الامام فخر الدین حسن بن منصور المعروف بقاضی خان: ولو ولدت ولداً يكون ولداً لها للاضحیة۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ جلد ۳ ص ۳۲ کتاب الاضحیۃ۔ فصل فی صفة الاضحیۃ و وقت وجوبها ومن تعیب علیہ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ فِي تَرْتِيبِ الشَّرَائِعِ ج ۵ ص ۹۶ کتاب التضحیۃ فصل و اما بیان ما یتعجب قبل التضحیۃ۔

۲۰ قال العلامة برهان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی: وان علق النذر بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الایمان۔ فصل فی الکفارة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْوَقَايَةِ ج ۲ ص ۲۲ کتاب الایمان۔

متذوّر روزوں میں عدم تسلسل کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! مجھے کینسر کا مرض لاحق تھا، بیماری کے دنوں میں میں نے یہ نذر مانی کہ

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی تو میں دو ماہ روزے رکھوں گا۔ اب الحمد للہ میں صحتیاب ہوں اور روزے رکھنے کے قابل ہوں تو کیا میں دو ماہ مسلسل روزے رکھوں یا غیر مسلسل بھی رکھ سکتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ بیماری کی وجہ سے جسم میں کمزوری بھی بہت ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے جواب میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر تو آپ نے نذر مانتے وقت تتابع یعنی دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کی نیت کی ہو تو پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے اور اگر یہ نیت نہ کی ہو تو شرعاً آپ کو اجازت ہے کہ غیر مسلسل روزے رکھیں یا مسلسل، غیر مسلسل کی صورت میں ساٹھ روزے پورے کرنے ہوں گے۔ باقی اگر کمزوری بہت زیادہ ہے تو مکمل صحتیابی تک انتظار بھی کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وكذا الحكم لو نكروا السنة او شرط المتابع فيفطرها لكنه يقضيها هتا متتابعة ويعيد لواقطر يوماً بخلاف المعينة ولو لم يشترط المتابع يقضى خمسة وثلاثين۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۲ ص ۴۳۲ کتاب الصوم، مطلب فی الكلام علی النذر)

نابالغ بچے کی نذر کی شرعی حیثیت | سوال :- جناب مفتی صاحب! میرے ایک بچے کی عمر دس سال ہے اور وہ پانچویں جماعت کا طالب علم ہے جب اس کا سالانہ امتحان قریب آیا تو اس نے اپنی والدہ سے کہا کہ اگر میں امتحان میں

لے لما قال العلامة مولانا اشرف علی التھانویؒ: فی الدر المختار قبل بالاعتكاف، وكذا الحكم لو نكروا السنة او شرط المتابع الى قوله ولو لم يشترط المتابع يقضى خمسة وثلاثين اه اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر تتابع کی شرط نہیں تو تتابع واجب نہیں البتہ ایام منہیہ کے عوض روزے رکھنے پڑیں گے تاکہ ایک ماہ کی تکمیل ہو جاوے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۸ کتاب النذر)

وَمِثْلُهُ فِي خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۶ الفصل الرابع في النذر۔

کامیاب ہو گیا تو چار روزے اور ستور و پے اللہ کے نام نذر دوں گا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ امتحان میں پاس ہونے کے بعد اس بچے کے لیے چار روزے اور ستور و پے اللہ کے نام نذر دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب :- نابالغ بچہ چونکہ غیر مکلف ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کی مانی ہوئی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر آپ کا بچہ پانچویں جماعت کے امتحان میں کامیاب بھی ہو جائے تو بھی اس کے ذمے چار روزے رکھنا اور ستور و پے کی نذر دینا واجب نہیں۔
لما قال الشيخ اشرف على التهانوي: سؤال (۶۷۶) طفل نابالغ جو عقل رکھتا ہے اس نے نذر معین یا غیر معین مانی، بعد حصول مقصود اس پر ادا کرنا اس نذر کا واجب ہو گا یا نہیں؟

الجواب: واجب نہ ہو گا، اگر وہ نذر مالی ہے تو ادا کرنا جائز بھی نہ ہو گا۔

رامداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۷ کتاب النذر

منذور چیز نہ ملنے پر اس کے قائم مقام حکم | **سوال :-** ایک شخص نے اونٹ ذبح کرنے کا نذر مانی لیکن اس کے علاقے

میں اونٹ ملنا مشکل ہے اور اگر ملتا بھی ہے تو اتنا مہنگا کہ اس کی قوت خرید سے باہر ہے، اب اس شخص کے لیے اونٹ ہی ذبح کرنا ضروری ہے یا کوئی اور جانور اس کے بدلہ میں ذبح کر سکتا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جو اب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :- اگر یہ شخص واقعی کسی ایسے علاقے میں رہتا ہے جہاں اونٹ ملنا مشکل ہے تو اب اس کو اختیار ہے کہ یا تو سات بکریاں ذبح کر کے اپنی نذر پوری کرے یا پھر درمیانی قسم کے اونٹ کی قیمت صدقہ کر دے، اس سے اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔

لما قال العلامة الحصکئی: ولو قال لله علی ان اذ یخرج ذورا و تصدق للحمد فذبح مکانه سبع شاة جائز۔ رالدر المختار بحوالہ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۲ کتاب النذر

لما قال العلامة اشرف علی التهانوي: اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔
رامداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۲ کتاب النذر

نذر مطلق واجب علی التراخی ہے | سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تین روزے رکھوں گا، لیکن

ان کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ اب الحمد للہ اس شخص کا کام ہو گیا ہے، جبکہ موسم بہت گرم ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے روزے رکھنا بہت مشکل ہے۔ تو کیا یہ شخص سردی کے موسم میں یہ روزے رکھ سکتا ہے یا کام ہو جانے کے فوراً بعد گرم موسم میں ہی رکھنے ضروری ہیں؟

الجواب:۔ نذر مطلق جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہ ہو اس کی ادائیگی علی التراخی واجب ہوتی ہے۔ اس لیے صورت مسئلہ کے مطابق اس شخص کے لیے نذر روزوں کا رکھنا مقرر ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کام ہو جانے کے فوراً بعد نذر کے روزے ادا کیے جائیں۔

لما فی الہندیۃ: لو قال للہ علی ان اصوم یوماً فانه یلزمہ صوم یوم و تعیین الاداء الیہ وهو علی التراخی بالاجماع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۹)

الباب السادس فی النذر

درود شریف پڑھنے کی نذر ماننے کا حکم | سوال: میں نے ایک کارخانے میں نوکری کے لیے درخواست دی تھی، اس کی منظوری کے

لیے میں نے نذر مانی کہ نوکری ملنے کے بعد چالیس دن تک روزانہ ستویار درود شریف پڑھوں گا، اب جبکہ میری درخواست منظور ہو گئی ہے اور اسی جگہ مجھے نوکری مل گئی ہے تو کیا مجھ پر چالیس دن تک روزانہ درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نذر کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل کسی مقام پر فرض یا واجب ہو درود شریف پڑھنا بھی بعض مواقع میں واجب ہے، اس لیے درود شریف پڑھنے کی نذر ماننا صحیح ہے اگرچہ بعض علماء کرام کا اس میں کلام ہے مگر صحیح اور راجح قول صحت کا ہے۔ لہذا اب آپ پر چالیس دن تک روزانہ ستویار درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحسکفی: و لو نذر ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا الزمة وقیل لا۔ قال ابن عابدین: تحته قوله لزمہ لان من جنسه فرضاً..... منہ یعلم انه کلا یشتراط کون الفرض قطعاً وقوله قیل لا لعل وجهه اشتراط کون الفرض قطعاً..... قلت والاحوط الاول۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۳ بحوالہ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۹۲ کتاب التذویر)

”میں اپنے باپ سے نہیں ہوں گا“ کہنے کی شرعی حیثیت | سوال :- بچتوں معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بات پر کسی کو بچتہ یقین دلانا چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام اس طرح نہ کیا تو میں اپنے باپ کے نطفہ سے نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس قسم کے الفاظ سے یمین قسم منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنی اس قسم کو پورا نہ کر سکے تو کیا اس کے ذمہ کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قسم کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اٹھائی جائے بدون اس کے یمین منعقد نہیں ہوگی۔ صورتِ مسئلہ کے الفاظ سے قسم منعقد نہیں ہوتی اور نہ مخالفت کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ: (سوال) اگر یہ کہہ دے کہ اگر میں آپ کے گھر جاؤں تو اپنے باپ سے نہیں بلکہ کسی خاکروب سے ہوں پھر اگر چلا جاؤں تو کفارہ لازم ہے یا نہ؟

(الجواب) اس میں کچھ کفارہ نہیں جانا درست ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷۲ کتاب الایمان) سوال :- ایک شخص نے بھرے مجمع میں کہا میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ چوری نہیں کروں گا، کچھ عرصہ تو وہ اس توبہ پر قائم رہا لیکن پھر اس سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا، اب اس شخص پر شرعاً کیا حکم لاگو ہوگا؟ یعنی توبہ کے مذکورہ الفاظ قسم شمار ہو کر اس شخص پر کفارہ قسم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- اس قسم کے الفاظ اگرچہ کسی بات کی توثیق کے لیے مفید ہوتے ہیں مگر یہ یمین کے لیے مثبت نہیں اس لیے اس شخص پر کوئی کفارہ نہیں، البتہ چوری جیسے قبیح فعل کے دوبارہ ارتکاب پر مال اصل مالک کو واپس کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو انشاء اللہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: (سوال) اگر کسی نے یہ کہا کہ میں فلاں گناہ سے توبہ کرتا ہوں اب کبھی نہ کروں گا، تو یہ قسم ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) یہ قسم نہیں ہے۔

رامداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۲۹ کتاب الایمان

کفارہ یمین میں ہیں مساکین کو ایک وقت کھانا کھلانا | سوال :- اگر کوئی شخص

کرے کہ بیس مساکین کو ایک ہی وقت کھانا کھلا دے تو کیا اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟
الجواب :- کفارہ یمین میں دس مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ضروری ہے، اگر کوئی
شخص ایک وقت میں بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس سے دو وقتوں کی تلافی نہیں ہوگی بلکہ یہ
ایک وقت کا کھانا متصور ہوگا اس کے ذمے دوسرے وقت کا کھانا کھلانا لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: واذا غدى مسكيناً وعشى غيره عشرة ايام لم يجزه
لانه فرق طعام العشرة على عشرين كما اذا فرق حصته المسكين على مسكينين -
رد المحتار ج ۳ ص ۲۶ کتاب الیمین۔ مطلب کفارۃ الیمین ۱۔

غیر اللہ پر قسم کھانے کا حکم | سوال :- بعض علاقوں کے لوگ جب کسی بات کی توثیق کرتے
ہیں تو دوسرے سے کہتے ہیں کہ تیرے سر کی قسم میں یہ کام کروں گا۔

تو کیا اس سے شرعاً قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- قسم اٹھانے کی صورت میں دو مقصد پیش نظر ہوتے ہیں (۱) مقسم بہ کی تعظیم
(۲) بات کی نچنگی۔ اگر صورت مسئلہ میں اس قسم کی یمین سے بات کی نچنگی مراد ہو اور مقسم بہ کی تعظیم
کا کوئی ثابہ نہ ہو تو یہ شرعی قسم نہیں صرف بات کو نچختہ کرنے کی وجہ سے اس کو یمین کہا گیا ہے،
اس لیے فقہاء کرام نے اس کو جائز کہا ہے اور اگر مقسم بہ کی تعظیم مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات
میں مشارکت کی بناء پر جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصنفی: وهل يكره الحلف بغير الله تعالى قبل نعم للنهي وعامتهم لا وبه افتوا
لا ييمان في زماننا وحملاو النهي على الحلف بغير الله لا على وجه الوثيقة كقولهم بآبائك ولعمرك
ونحو ذلك - (الدر المختار على صدره) المختار ج ۳ ص ۲۵ کتاب الیمین۔ مطلب حکم الحلف بغيره تعالى

۱۔ ولما قال العلامة ابوبکر بن علی الحداد الیمنی: وان غدا عشرة وعشا عشرة غيرهم لم يجزيه وكذا
اذا غدا مسكيناً وعشا غيره عشرة ايام لم يجزيه لانه فرق طعام العشرة على عشرين
يحصل لكل واحد منهم المقدار المقدّر كما اذا فرق حصته المسكين على مسكينين -
(الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب الایمان)

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنُ اللَّهِ سے کیا مراد ہے؟ | سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائین اس

سئلہ میں کہ ایک آدمی جنگل میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کی موت واقع ہونے کا بھی خدشہ ہے، جبکہ اس کے پاس کھانے کی صرف دو چیزیں موجود ہیں، ایک نذر غیر اللہ کی اور دوسرے خنزیر کا گوشت۔ اس صورت حال میں ان دونوں چیزوں میں سے کون سی کھانا اس کے لیے مخصص ہے کہ اس سے اُس کی جان بچ جائے؟ جبکہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا اِهْلَ بِهِ لَعْنُ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَلْغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْرَ عَلَيْهِ اِنْ اَتَىٰ غَيْرَ ذَٰلِكَ مِنَ زَحْمٍ ۖ هَـٰذَا آيَاتُ كَرِيمٍ میں مراد خون، خنزیر کا گوشت اور نذر غیر اللہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہذا آیت کریمہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- مَا أَهْلَ بِهِ لَعْنُ اللَّهِ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، دوسری یہ کہ اس سے غیر اللہ کے نام کی نذر مراد ہے، یعنی کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو غیر اللہ کے لیے نامزد کی گئی ہوں اور اس سے غرض یہ ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے۔ مَا أَهْلَ بِهِ لَعْنُ اللَّهِ کی پہلی قسم اور خنزیر حرمت میں دونوں برابر ہیں، مضطر کو اختیار ہے کہ حالت اضطرار میں ان دونوں میں سے جو چاہے بقدر ضرورت اتنا کھالے کہ مرنے سے بچ جائے۔ اور دوسری قسم جو کہ نذر غیر اللہ ہے وہ اگرچہ حرام ہے مگر حرمت میں خنزیر سے کمتر ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خنزیر کی حرمت لعینہ ہے اور غیر اللہ کے نام کی نذر کی حرمت لغیرہ ہے، اور حرمت لغیرہ بہ نسبت حرمت لعینہ کے کمتر درجے کی حرمت ہے۔ اس لیے مضطر پر لازم ہے کہ خنزیر کو چھوڑ کر نذر غیر اللہ سے بقدر ضرورت اتنا کھالے کہ مرنے سے بچ جائے۔ فقط واللہ اعلم

ایصالِ ثواب کے لیے مانی گئی نذر کی شرعی حیثیت | سوال :- ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ میں اپنے مرحوم والد کے

ایصالِ ثواب کے لیے ہر روز چار رکعت نفل نماز پڑھوں گا اور ہر ماہ ایک بکرا اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ کئی ماہ تک تو اس شخص نے اس پر عمل کیا مگر کچھ حادثات کی وجہ سے اب وہ مالی مشکلات سے دوچار ہے اور نفل نماز تو پڑھ لیتا ہے مگر ہر ماہ بکرا ذبح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ، اس شخص کے لیے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ شخص ہر ماہ بکرا ذبح نہ کرے تو کیا وہ عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- نذر کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ اس کی جنس سے کوئی واجب یا فرض عمل موجود ہو۔ چونکہ ایصالِ ثواب ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی جنس میں کوئی واجب عمل موجود نہیں اس لیے صورت مسئلہ میں بھی ایصالِ ثواب کے لیے مانی گئی نذر منعقد نہیں ہوئی ہے، اور اب یہ شخص چونکہ نادار اور غریب ہے اور ہر ماہ بکرا ذبح نہیں کر سکتا تو اس عمل کے ترک کرنے سے وہ عند اللہ مجرم نہ ہو گا۔

لما قال العلامة بظفر احمد العثماني: (الجواب) ایصالِ ثواب کی نذر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مایس من جنسہ واجب لا ینعقد النذر بہ اور گو تصدق کی جنس سے واجب ہے مگر یہاں اصل مقصود ایصالِ ثواب بروح میت ہے تصدق کی نذر تبعاً ہے اور نذر صحیح میں بھی صحت نذر کی تعیین مکان و زمان و تعیین فقیر نہیں بلکہ اس میں تغیر کا اختیار رہتا ہے۔ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۳۷ کتاب الایمان والنذر) لہ

لہ قال العلامة ابن العربی: حقيقة النذر التزام الفعل بالقول مما يكون طاعة لله عز وجل ومن الاعمال قربة ولا يلزم نذر المباح، بدليل ما روي في الصحيح ان النبي صلى الله عليه وسلم رأى اباً اسراييل قائماً فسال عنه فقال لو ان يقيم ولا يقعد ولا يستظل ولا يصوم فقال النبي صلى الله عليه وسلم مروة فليصم وليقعد وليستظل فاخبره باتمام العبادۃ ونهاه عن فعل المباح۔

راحکام القرآن ج ۱ ص ۳۵۲ سورۃ آل عمران

وَمِثْلُهُ فِي احْكَامِ الْقُرْآنِ لِلشَّيْخِ ظَفَرِ اَحْمَدِ الْعِثْمَانِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ ج ۲ ص ۱۸ سورۃ آل عمران۔



or

کتاب الوقف

(وقف کے مسائل و احکام)

مسجد کے لیے وقف مکان میں دعویٰ ارث نہیں چلتا | سوال :- مسجد کیلئے وقف مکان میں امام مسجد

رہائش پذیر تھے ان کی وفات کے بعد ورثاء ارث کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ ورثاء مسجد کی امامت و خطابت جیسی ذمہ داریوں سے وابستہ نہیں ہیں، تو کیا ایسی حالت میں ورثاء اس مکان میں ارث کا دعویٰ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی موقوفہ جائیداد پر کسی کو ارث کے دعویٰ کا حق حاصل نہیں، مذکورہ مکان اگر مسجد کے لیے باقاعدہ وقف ہو تو امام کی موت کے بعد اس کے ورثاء کا اس میں کسی قسم کا کوئی حق نہیں، صرف مسجد کے منافع کے لیے اس کا استعمال ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفی: وعندنا هو حسبها على ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلا يجوزنا بطلاله ولا يورث عنه وعليه والفتوى۔

والدر المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۹ کتاب الوقف

موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین مسجد

یا قبرستان کے لیے باقاعدہ طور پر وقف کی، اب واقف موقوفہ زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا موقوفہ زمین کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- وقف تام ہونے کے بعد واقف کو موقوفہ جائیداد میں کسی قسم کے

لہ وقال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يبيع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لانه يحضر عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى۔

والهداية ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف، فصل في المسجد۔

ومثله في الهمدية ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الریاطات والمقابر۔

رد و بدل کا اختیار حاصل نہیں اور نہ اس کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: واذا اصرم الوقف لم یجذب یحہ ولا تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب الوقف)۔

سوال: ایک آدمی نے اپنا باغ وقف کرتے وقت **بارغ کے میوہ کو وقف کرنے کا حکم** زمین یا آبد کا تعین نہیں کیا اسکی وفات کے بعد جب باغ

کے درخت فائدہ کے قابل نہ رہے تو ورثانے زمین کا دعویٰ کر دیا، ان کا موقف یہ ہے کہ ہمارے مورث نے باغ کے درخت اور اس کی آمدنی وقف کی تھی زمین نہیں، چوتھ اب نہ تو باغ کے درخت رہے ہیں اور نہ اس کی آمدنی، اس لیے یہ زمین ہم آپس میں تقسیم کرتے ہیں، تو اس معاملہ میں ان کو کہاں تک حق بجانب سمجھنا چاہیئے؟

الجواب: شرعاً باغ کی زمین کی طرح اس کے درخت اور میوہ کا وقف کرنا بھی جائز ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں واقف کے الفاظ اور عرف کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرنا زیادہ مناسب ہے، اگر علاقہ میں وقف صرف درخت اور میوہ کیا جاتا ہو تو پھر اس کا اعتبار ہوگا ورنہ زمین بھی وقف متصور ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: لان هذا صدقة بالمنفعة او بالغلة وذلك قد يكون مؤبداً فمطلقه لا ينصرف الى التابيد فلا بد من التنصيص۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۳۹ کتاب الوقف)۔

سوال: ایک شخص نے اپنی ملوکہ زمین مسجد کے لیے **وقف سے رجوع کرنے کا حکم** وقف کی اور وقف تمام بھی ہو گیا، اب وہ اس

لما قال العلامة التمراشی: فاذا تم ولزم رای الوقف لا یملك ولا یعار ولا یوهن ای یملك التملیک لغیرہ بالبیع۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲۱ فصل حکم الواقف الجائز۔

۲۔ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: واذا وقف مالاً لاجل المساجد فانه جائز لجریان العرف بہ۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۱۵۱ کتاب الوقف۔ الفصل الثالث)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۵ ص ۲۷ کتاب الوقف۔

وقت سے رجوع کرنا چاہتا ہے، تو کیا واقف اپنے وقت سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟
 الجواب: جو کوئی اپنی مملوکہ زمین ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف کرے اور وقت بھی
 تمام ہو جائے تو اس کے بعد واقف اپنے وقت سے رجوع کرنے کا شرعاً مجاز نہیں۔
 لما قال العلامة فخر الدين الرازي الشهيد بقاضى خان: وعن محمد بن عبد الله بن حنيفة
 اذا جعل ارضه وقفاً على المسجد جائز ولا يكون له ان يرجع۔

(فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۹۱ باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ)

موقوفہ زمین میں امام مسجد کے لیے مکان بنانے کا حکم | سوال: ایک شخص نے مسجد کے
 مصالح کے لیے کچھ زمین وقف کی ہے

اب مسجد کی انتظامیہ امام مسجد کے لیے اس موقوفہ زمین میں رہائشی مکان تعمیر کرنا چاہتی ہے، تو کیا
 انتظامیہ کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جو زمین مسجد کے مصالح کے لیے وقف ہو اس میں انتظامیہ کو امام مسجد کے
 لیے مکان تعمیر کرنا شرعاً درست ہے، کیونکہ امام مسجد کی ضرورت بھی مسجد کے مصالح میں شامل ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: وبما ذكرناه علم انه لو بني بيتا على سطح المسجد لسكنى الامام
 فانه لا يضر في كونه مسجداً لانه من المصالح۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف فصل احكام المسجد)

عید گاہ میں کھیلنا جائز نہیں | سوال: عید گاہ میں کھیلنا اور ورزش کرنا از روئے
 شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں، اسی لیے بعض فقہاء اس میں

لہ وقال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا صحر الوقف لم تجز بيعه ولا
 تملكه۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲ فصل الذي يرجع الى الموقوف۔

لہ وقال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: ويبدا من غلته بعبارتہ ثم ما
 هو اقرب لعبارتہ كما ما مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم۔

والله المختار على صدر رد المختار ج ۴ ص ۳۶۶ مطلب يبداء من غلة الوقف بعبارتہ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۱۱ کتاب الوقف۔

ادب و احترام کے اس درجہ کے قائل نہیں جو مساجد کے لیے ہوتا ہے تاہم ہمارے معاشرہ میں عید گاہ کو مسجد کی طرح سمجھا جاتا ہے اس لیے اس کا احترام زیادہ مناسب ہے اور اس میں ہر قسم کے کھیل کود سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن عابدین^۲: اما مصلی العید لا یكون مسجداً مطلقاً وانما یعطى له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف و فیما سوي ذلك فلیس له حکم المسجد وقال بعضهم یكون مسجداً حال اداء الصلوة لا غیر وهو الجیانة سواء ویجنب هذا مکان عما یجنب عنه المساجد احتیاطاً والظاهر ترجیح الاقل لانه فی الخانیة یقدم الاشهر۔ (رد المختار ج ۲ ص ۳۵۶ الوقف فی احکام المساجد)

موقوفہ زمین میں عشر ادا کرنا ضروری ہے | سوال :- ایک شخص نے مدرسہ کیلئے کچھ زمین وقف کی ہے اور وقت تمام

بھی ہو گیا ہے تو کیا اس موقوفہ زمین میں عشر دینا ضروری ہے یا نہیں؟
الجواب: جو زمین مدرسہ وغیرہ کے لیے وقف ہو جائے اور اس کے بعد اس میں کاشت وغیرہ کی جائے تو اس کی آمدنی میں عشر دینا ضروری ہے۔

لما قال فی الہندیة: قال ارض الوقت اذا كانت عشریة دفعها القیم مزارعة او معاملة فعشر جمیع الخارج فی نصیب الدافع وهذا علی قول ابی حنیفة فان عند فی الاجارة بالدرهم العشر علی الاجر کا لخراج وعندہما یمایجب فی الخارج

لہ وقال العلامة عالم بن العلاء الانصاری^۲: وما اتخذ لصلوة العید فانه لا یكون مسجداً مطلقاً وانما یعطى له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف اما فیما سوي ذلك فلیس له حکم المسجد بل یضم له حکم المسجد حال اداء الصلوة لا غیر وهو الجیانة سواء ویجنب هذا مکان عما یجنب المسجد احتیاطاً وفي الواقعا المسجد الذی اتخذ لصلوة العید فالمختار للفتویٰ انه مسجداً فی حوت جوامہ الاقتداء وان انفصلت الصفوف واما فی ما عد ذلك فلا رفقاً بالناس۔

رفتاوی تاتارخانیة ج ۵ ص ۸۴ کتاب الوقف مسائل وقف المساجد

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴ کتاب الوقف۔

فَكَذَلِكَ الْمَزَارَعَةُ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف - الباب الخامس) لہ
موقوفہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے کا حکم | سوال :- کافی مدت سے ایک زمین
 اب وہ آدمی اسی زمین کی دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو کیا شرعاً اس شخص کا یہ دعویٰ
 درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس زمین کا وقف ہوتا مسلم اور میر ہیں، ہو تو یہ زمین باقاعدہ مسجد ہی
 رہے گی اور کسی کی ملکیت متصور نہ ہوگی اور نہ رجوع صحیح ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له
 ان يرجع فيه ولا بيعه ولا يورث عنه لانه يحرز عن حق العباد ووصار خالصاً لله تعالى۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقف) لہ

موقوفہ قبرستان میں مردے دفنانے سے منع کرنے کا حکم | سوال :- ایک
 شخص نے قبرستان

کے لیے اپنی زمین وقف کی جس میں سینکڑوں کی تعداد میں مردوں کو دفنایا جا چکا ہے
 اب محلہ کی تنظیم والے اس قبرستان میں لوگوں کو اموات کے دفنانے سے روکتے ہیں، تو
 کیا اس تنظیم والوں کا یہ رویہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس قبرستان کا وقف ہوتا مسلم اور میر ہیں، ہو تو یہ زمین باقاعدہ
 قبرستان ہی رہے گی، اور محلہ کی تنظیم والوں کا یہ رویہ شرعاً درست نہیں ہے، اس قبرستان
 میں مردوں کو دفنایا جائے گا منع کرنا ناجائز ہے۔

لہ قال العلامة المرغینانی: قال ابو حنیفۃؒ فی قلیل ما اخرجته وکثیرہ العشر سنواً سقی

سیحاً و سقته السباد۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۲۱۱ باب العشر)

وَمِثْلُهُ فِي تَنْقِيحِ الْحَامِدِيَةِ ج ۱ ص ۱ کتاب الصلوۃ۔

لہ وقال فی الہندیۃ: اما حکمہ عند ہما زوال العین عن ملکہ..... فانه یصح

حتی لا یملک بیعہ ولا یورث۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ الوقف) البتہ الاول فی تعریفہ

وَمِثْلُهُ فِي الدَّاءِ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ الْمَخْتَارِ ج ۳ ص ۳۵۲ کتاب الوقف، مطلب فی شروط الوقف لکتب۔

لما قال في الهدية: واذا كان يزول الملك عندهما يزول ملكه بالقول عند أبي يوسف وهو قول الأئمة الثلاثة وهو قول أكثر أهل العلم وعلى هذا مشايخ يلى عليه الفتوى... أما حكمه عند زوال العين عن ملكه إلى... فانه يصح حتى لا يملك ببعده ولا يورث. (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵ الوقف، الباب الأول في تعديقه الخ) ۱

وقف میں واقف کی شرائط کے معتبر ہونے کا حکم | سوال: ایک شخص نے

مدرسہ کی تعمیر کے لیے جگہ دے دی اور کہا کہ جب تک اس مدرسہ میں طلباء تعلیم حاصل کرتے رہیں گے تو مجھے اور میرے ورثاء کو اس زمین میں مداخلت کا حق نہیں ہوگا لیکن اگر کسی وجہ سے مدرسہ میں سلسلہ تعلیم بند ہو گیا تو پھر یہ وقف میرا یا میرے ورثاء کی ملکیت شمار ہوگا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد سلسلہ تعلیم بند ہو گیا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اب میں اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہوں، اس پر لوگوں نے اسے منع کیا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ تو کیا اس آدمی کو حق استرداد شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتہ مذکورہ میں چونکہ واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر سلسلہ تعلیم بند ہو گیا تو پھر یہ وقف کردہ زمین میری یا میرے ورثاء کی ملکیت شمار ہوگی، تو یہ وقف عدم تابد کی وجہ نامنظور ہے اور وقف تام نہ ہونے کی وجہ سے یہ جگہ واقف کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے اس لیے واقف مذکورہ زمین کو واپس لے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فان شرائط الواقف معتبرة اذ لم تخالف الشرع وهو ملك فله ان يجعل له حيث شاء ما لم يكن معصية وله ان يخص مقام الفقراء. (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۱ کتاب الوقف) ۲

۱ قال العلامة برهان الدین المرقینانی: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يرجع ولا يبعه ولا يورث عنه۔ (الهداية ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقف) ۱

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۴ کتاب الوقف۔

۲ قال العلامة ابن نجيم: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص لشارع اى في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۱۲۶ کتاب الوقف۔

طلباء کے لیے مخصوص وقف کا حکم | سوال :- دینی مدارس کے لیے جو بکرے یا گوشت آتا ہے کیا طلباء کے علاوہ اساتذہ

اور دیگر عمل بھی اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- اگر گوشت اور بکرے واقف نے صرف مدرسہ کے طلبہ کے لیے وقف کیے ہوں تو اس گوشت وغیرہ کو طلباء کے علاوہ کوئی اور استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں واقف کی شرط سے مخالفت لازم آتی ہے جو کہ ناجائز ہے کیونکہ شرط واقف شارع کی نص کی طرح ہے، تاہم صرف مدرسہ کو دے کر مدرسہ کے ذمہ دار حضرات کو اختیار دینے کی صورت میں مدرسہ کے لیے دیئے گئے دیگر عطایا کے حکم میں ہو کر طلباء کے علاوہ مدرسہ کے اساتذہ اور ملازمین بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: قال فی الاسعاف یجب صرف الغلة علی ما شرط الواقف وفی غیرہ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة۔
(تنقیح الحامدیة ج ۱ ص ۱۲۶ کتاب الوقف)۔

شاملات دیہہ زمین کے وقف کا حکم | سوال :- ایک قطعہ اراضی تمام گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت ہے اور سرکاری کاغذات میں وہ شاملات دیہہ ہے، گاؤں کے چند آدمیوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کر دیا اور وقف کی تحریری دستاویز پر انگوٹھے اور دستخط وغیرہ ثبت کیے، جبکہ گاؤں کے تمام لوگ اس وقت پر راضی نہیں، تو کیا ایسا وقف شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ زمین واقعی پورے گاؤں والوں کی مشترکہ ہے اور اس کو تمام مالکان نے نہیں بلکہ بعض نے وقف کیا ہو تو یہ وقف شرعاً صحیح نہیں کیونکہ یہ وقف متشاع ہے لہذا شاملات دیہہ زمین کا وقف بدون تمام شرکاء کی رضا کے درست نہیں۔
لما قال العلامة فخرالدین حسن بن منصور الشہیر بقاضی خان، وقف المتشاع

لہ قال العلامة الحصکفی: قولہ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة۔

(الدر المختار علی صمد مراد المختار ج ۲ ص ۳۳ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْخَيْرِيَّةِ عَلَى هَامِشٍ تَبَيَّنَ الْحَامِدِيَّةُ ج ۱ ص ۳۲ کتاب الوقف۔

عند محمد لا يجوز والفتوى على قول محمد^۲۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الہندیہ ج ۳، فصل وقف المشاع) ۱
قاضی کے لیے استبدال وقت جائز ہے | سوال :- اگر کوئی شخص کسی دینی مدرسہ کے
 لیے کچھ زمین وقف کرے اور بعد میں کسی مصلحت
 کی بناء پر اس کو بدلنا چاہے تو شریعت کی رو سے اس طرح کی استبدال جائز ہے یا نہیں ؟
 الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر قاضی استبدال وقف میں مصلحت
 سمجھے تو اسے شرعاً اختیار حاصل ہے کہ وہ وقف میں استبدال کرے البتہ قاضی کے علاوہ کسی
 اور کو شرعاً یہ اختیارات حاصل نہیں۔

لما قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور الشہید بقاضی خان: ما بدون الشرط
 اشار فی السیرانہ لا یمکن الاستبدال الا القاضی اذا رأى المصلحة فی ذلك۔
 رفاؤی قاضی خان علی ہاشم الہندیہ ج ۳، فصل مسائل شرطی الوقف ۱
مشترکہ جائیداد بلا تقسیم مسجد کے لیے وقف کرنا | سوال :- کئی مالکوں
 ان میں سے چند ساتھیوں نے کچھ زمین مسجد کے لیے وقف کی جبکہ ان میں بعض ساتھی
 اس پر راضی نہیں ہیں، تو کیا شریعت کی رو سے یہ وقف جائز ہے یا نہیں ؟
 الجواب :- مشترکہ جائیداد بغیر تقسیم کیے وقف مشاع کے مترادف ہے، اس لیے
 وقف تام نہ ہونے کی وجہ سے ناراض مالکوں کی طرف وقف کنندگان بھی اپنے حصص
 سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

لما قال فی الہندیہ: واتفقا علی عدم جعل المشاع مسجداً او مقبرة

۱۔ قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة
 غیر جائز مطلقاً اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۷ کتاب الوقف)
 ومثله فی فتح القدير ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الوقف۔
 ۲۔ قال العلامة زين الدين بن ابراهيم الشهير ابن نجيم: شرط الوقف عدم الاستبدال
 فللقاضی الاستبدال اذا كان اصلياً۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۳ کتاب الوقف)
 ومثله فی مجموعة الفتاوى ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب الوقف۔

مطلقاً سوا ركان مبالا يعتمل القسمة او يعتملها۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۶۵ فصل في وقف المشاع)۔

قبرستان کے درختوں کو فروخت کرنے کا حکم | سوال :- ایک قبرستان میں بڑے بڑے درخت ہیں جن کو فروخت کر کے ان کی قیمت اگر قبرستان میں ہی لگا دی جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جہاں کہیں درخت زمین کے قبرستان بن جانے سے قبل اُگے ہوں تو مملوکہ زمین ہونے کی صورت میں درخت مالک زمین کے ہوں گے، خواہ مالک کوئی ایک شخص ہو یا قوم، البتہ زمین کے قبرستان بن جانے کے بعد درخت اُگے ہوں اور یہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کے قبرستان کے لیے وقف ہو تو اس کے درخت فروخت کر کے ان کی قیمت قبرستان یا دوسرے اجتماعی مفاد میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

لما في الهندية : مقبرة عليها اشجار عظيمة فهذا على وجهين امان كانت الاشجار قبل اتخاذ الارض مقبرة او نبت بعد اتخاذ الارض مقبرة ففي الوجه الاول المسألة على قسمين امان كانت الارض مملوكة لها مالكا ومواتا لا مالكا لها واتخذ اهل القرية مقبرة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۴۳۳) باب ثانی عشر الخ

لما وقال العلامة ابن نجيم : والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة غير جائز مطلقاً اتفاقاً وفي غيرهما ان كان مما لا يعتمل القسمة جاز اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۹۷ کتاب الوقف) وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۶ کتاب الوقف۔

لما وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : مقبرة عليها اشجار ان كانت نابتة قبل اتخاذ الارض مقبرة والارض مملوكة لها مالكا جعلها مقبرة فالاشجار باصلها على ملك رب الارض يصنع الورثة بالاشجار ماشاء قالان الشجرة لا تدخل تحت الوقف۔ وان كانت الارض مواتا لا مالكا لها باصلها على مالها القديمة هذا كله اذا كانت الاشجار نابتة قبل اتخاذها مقبرة ولم ينبت بعد ذلك لا يخلوا امان علم غارسها او لا يعلم ان علم كانت للغارس وان لم يعلم بيها غارس فالحكم للقاضي۔

(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الوقف) الفصل الثالث نوع اخر

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۰۱ کتاب الوقف۔

وقت مشاع کی خرید و فروخت کرنے کا حکم | سوال :- اگر چند آدمی کچھ رقم اکٹھی

کر کے مسجد کے لیے زمین خریدیں جس کے مالکانہ حقوق بھی ان کو منتقل ہوئے ہوں لیکن اب اس جگہ کو تبدیل کرنے کی ضرورت پڑ گئی ہے، تو کیا یہ اشخاص اس جگہ کو فروخت کر کے کسی دوسری جگہ مسجد کے لیے زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- چند اشخاص کا مشترکہ طور پر مسجد کے لیے زمین خریدنا وقت مشاع کے حکم میں ہے جو صحیح نہیں اس لیے صورت مذکورہ میں ان اشخاص کی خریدی ہوئی جگہ مسجد کے لیے وقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کو فروخت کرنے میں کوئی ایر مانع نہیں، ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ زمین خریدنے سے قبل یہ اشخاص کسی ایک کو رقم ہبہ کر دیں اور مہوب نہ اپنی رقم اور مہوبہ رقم ملا کر اس سے زمین خریدے اور بعد ازاں اس کو مسجد کے لیے وقف کر دے، اس طرح کرنے سے اس جگہ کی تبدیلی جائز نہیں ہوگی۔

لما قال فی الہندیۃ: وقت المشاع المحتمل للقسمۃ لا یجوز عند محمد وید
اخذ مشائخ بخاری وعلیہ الفتاوی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۲ فصل فی وقف المشاع۔) ۳۶۵

مقصوبہ جائیداد کی آمدنی مساجد کی تعمیر کیلئے وقف کرنا | سوال :- ایک شخص تقریباً

۶۰ سال سے ایک وسیع جائیداد پر غاصب ہے اور اس جائیداد کی کافی آمدنی ہے، اب اگر یہ شخص اس جائیداد کی آمدنی کا کچھ حصہ مساجد کی تعمیر یا دیگر فہامہ کے کاموں کے لیے وقف کرے تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- مقصوبہ جائیداد واجب الرویہ ہے اور ایسی جائیداد کی آمدنی غاصب کیلئے ذاتی طور پر استعمال کرنا حلال نہیں اور نہ ثواب کی نیت سے کسی مسجد یا مفاد عامہ کے لیے وقف کر سکتا ہے، کیونکہ وقف کی صحت کے لیے اس چیز کا مالک ہونا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة غیر جائز مطلقاً
اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹ کتاب الوقف)
ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۶۰ کتاب الوقف۔

لما قال العلامة التمرتاشي: هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۹ کتاب الوقف) لہ

سوال :- یہاں ایک ایسا قبرستان ہے جس کی تاریخ معلوم نہیں قبریں بالکل ہموار ہو چکی ہیں، ان کے آثار پر حیوانات چرتے ہیں اور لوگوں کے واسطے بول و براز کا مرکز بن چکا ہے، کیا ایسے قبرستان پر دینی مدرسہ قائم کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر واقعی قبرستان کی موقوفہ زمین پر قبروں کے نشانات نہ ہوں اور پرانا قبرستان ہو اور اس کی زمین بھی ہموار ہو چکی ہو تو چراگاہ بنانے اور بول و براز پھینکنے کے بجائے یہ بہتر اور ضروری ہے کہ اس پر کوئی دینی مدرسہ تعمیر کر لیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ولو بلی المیت وصارت باجا ز دفن غیرہ فی قبریہ وزرعہ والبناء علیہ - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹ کتاب الجنائز) لہ

سوال :- ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین جنازہ گاہ میں کنواں کھودنا جائز ہے؟
جنازہ گاہ کے لیے وقف کی جبکہ ایک دوسرے شخص نے اس میں ایک کنواں اس غرض سے کھودا کہ لوگ اس کے پانی سے وضو وغیرہ کریں گے، تو کیا اس شخص کا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مرقومہ کے مطابق چونکہ کنواں کھودنے والے کا عمل اور ارادہ زمین وقف کرنے والے کے عمل اور ارادے کے منافی نہیں بلکہ کنواں کھودنے والا واقف

لہ وقال العلامة ابن نجیم المصری: هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي السُّنَنِ ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف - الباب الاول فی تعریفہ -

لہ وقال فی الہندیۃ: ولو بلی المیت وصارت باجا ز دفن غیرہ فی قبریہ وزرعہ والبناء علیہ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۴ باب الجنائز)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۹۵ باب الجنائز -

کے عمل و ارادے کے لیے مکمل اور معاون ہے، لہذا مذکورہ شخص کا یہ عمل شرعاً درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال في الهندية: الذي يبداً من ارتفاع الوقف عبارتہ شرط الوقف ام لا، ثم الى ما هو اقرب الى العبارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة ثم السراج والبسط كذلك الى آخر المصالح۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۳۶۸ الوقف۔ الباب الثاني) **ہبہ کے لفظ سے وقف کرنے کا حکم** سوال ۱۔ اگر ایک شخص زمین وقف کرتے وقت "ہبہ" کا لفظ استعمال کرے یا یوں کہے کہ میں نے یہ زمین مسجد کو دے دی ہے، کیا اس سے وقف جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ زمین وقف متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ "ہبہ" اور "اعطاء" کے لفظ سے بھی دائمی حقوق دیئے جاتے ہیں اس لیے فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں "ہبہ" اور "اعطاء" سے بھی وقف صحیح ہے، لہذا یہ زمین موقوفہ روقف شدہ زمین ہوگی۔

لما قال في الهندية: ولو قال وهبت داري للمسجد او اعطيتها له صح صح ويكون تملكاً فيشترط التسليم كما لو قال وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التملك اذا سلمه للقيم۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۲۶۸ الفصل الثاني في الوقف على المسجد) **عید گاہ میں ہسپتال بنانے کا حکم** سوال:۔ شہر سے باہر لوگوں نے نماز عیدین کے لیے ایک میدان مقرر کیا ہے تقریباً نو سال تک

لہ وقال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: الشعائر التي تقدم شرط ام لم يشترط بعد العبارة هي امام..... وقتاديل وحصر وماء وضوء۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۳۸۸ قِيلَ كِتَابُ اللَّقْطَةِ۔

لہ قال العلامة عالم بن علاء الانصاری رحمہ اللہ: ولو قال "وهبت داري للمسجد او اعطيتها له صح ويكون تملكاً فيشترط التسليم كما لو قال وقفت هذه المائة للمسجد۔ (فتاویٰ التاتارخانیہ ج ۵ ص ۸۵۳ کتاب الوقف۔ مسائل وقف المساجد)

اس میدان میں نماز عیدین ادا کی گئی ہے، اب حکومت اس جگہ پر ہسپتال بنانے کا ارادہ رکھتی ہے اور عید گاہ کے لیے اس کے بدلے میں ایک دوسری جگہ بھی دینے کو تیار ہے، کیا حکومت کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مذکورہ عید گاہ موقوفہ ہو تو حکومت کا اس پر ہسپتال وغیرہ بنانا شرعاً جائز نہیں کیونکہ یہ جہت وقت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز ہے کیونکہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہوتی ہے، البتہ اگر یہ جگہ وقف نہ ہو بلکہ ویسے ہی اس جگہ پر کئی سالوں سے نماز عیدین پڑھی جا رہی ہو تو اس صورت میں اس کو دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع و هو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۹۵ کتاب الوقف۔ مطلب ما خالف شرط الواقف)

واقف کی شرط کے اعتبار کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص مسجد سے ملحقہ اپنی دو مریلہ زمین اس شرط پر مسجد کے لیے وقف کرے کہ مسجد سے ملحقہ ایک دوسرا پلاٹ خرید کر اس پر جنازہ گاہ بنایا جائے گا، اور اگر کسی وجہ سے ملحقہ پلاٹ نہ مل سکے تو کیا یہ شخص اپنی دو مریلہ زمین کی واپسی کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین واقف نے کسی شرط کے ساتھ وقف کی ہو اور وہ شرط پوری نہ ہو سکتی ہو تو واقف اپنی زمین کو واپس لینے کا شرعاً مجاز ہے، لہذا موصوف اپنی دو مریلہ زمین واپس لے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وما خالف شرط الواقف فهو خالف للنص وهو حكم لا دليل عليه سواء كان نصه في الوقف نصاً

لہ ولما قال العلامة ابن البزاز رحمہ اللہ: شرط الواقف كنص الشارع مالم تخالف الشرع۔ (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة

ج ۶ ص ۲۵۱ الباب الثانی فی نصیب المتولی وما یمکھ اولاً۔ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۶ کتاب الوقف۔

اظهاراً و هذا موافق لقول مشائخنا كغيرهم شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵ كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف) لہ

قبرستان کے لیے موقوفہ زمین میں تصرف کرنا | سوال :- ایک شخص نے اپنی ملوکہ زمین قبرستان کے

لیے وقف کر دی، واقف کے فوت ہونے کے ۳۵/۳۶ سال بعد اس کے بیٹے نے موقوفہ زمین میں کچھ یوں تصرف کیا کہ جسے چاہتا ہے میت دفن کرنے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے روک دیتا ہے، اس کے علاوہ وقف شدہ زمین کے کچھ حقہ میں فصل بھی کاشت کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ والد کی موقوفہ زمین میں بیٹے کا کسی قسم کا تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- صورت مذکورہ میں واقف کا بیٹا باپ کی وفات کے بعد اس موقوفہ زمین میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا حق دار نہیں رہتا، اس لیے کہ ایک دفعہ وقف تام ہونے کے بعد زمین مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے جس کے بعد واقف اور اس کے ورثاء کو تصرف کا کوئی حق نہیں رہتا۔

لہال العلامة فخر الدین الزیلعی رحمہ اللہ: وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالقول و عند محمد اذا سقی الناس عن السقایة وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ ذال الملک الخ۔ (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۳ کتاب الوقف) لہ

لہ قال العلامة ابن نجیم: شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم شرط الواقف كنص الشارع۔ (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف) ومثله فی مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۰ کتاب الوقف۔
لہ وقال فی الہندیۃ: من جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذلک حتی یحکم بہ لہا کم عند ابی حنیفۃ وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالقول کما ہوا صلہ..... ودفنوا فی المقبرۃ ذال الملک ویکتفی بواحد ذکر فی المبسوط ان الفتاوی علی قولہما فی ہذہ المسائل وعلیہ الاجماع۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۴ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر) ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۳ کتاب الوقف۔

جنازہ گاہ سے راستہ جدا کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے جنازہ گاہ کے لیے تین کنال زمین وقف کر دی اور وقت تمام بھی ہو گیا ہے، لیکن اب اس وقت شدہ زمین میں راستہ کی اشد ضرورت ہے، تو کیا شریعت کی رو سے اس سے راستہ جدا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ زمین کو وقف کرنے کے بعد نماز جنازہ کے لیے استعمال کیا گیا اگرچہ ایک دفعہ ہی کیوں نہ ہو تو اس سے وقف اب وقف تمام ہو گیا ہے اب اس کا استعمال راستہ وغیرہ کے لیے شرعاً جائز نہیں۔

لما قال العلامة التمریاشی رحمہ اللہ: فاذا تم ولزم (ای الوقف) لا یملک ولا یعار ولا یرہن (ای لا یقبل التملیک لغیرہ) بالبیع۔
(تنویر کا بصائر علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۳۲ کتاب الوقف)

وقف غیر تمام کے استبدال کا حکم | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے زمین وقف کی ہے جبکہ اس کے قریب ہی ایک اور مسجد موجود ہے لیکن پھر بھی اس جگہ پر مسجد بنانے میں فائدہ ہے، لہذا اگر یہ شخص اس زمین کے بدلے جس پر ابھی تک مسجد نہیں بنائی گئی ہے کسی دوسری جگہ مسجد بنائے تو شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی زمین کے وقف تمام ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کا راستہ الگ کر کے عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر اذان اور اقامت سے کم از کم ایک دفعہ نماز باجماعت ادا ہو جائے چونکہ صورت مذکورہ میں یہ اقدامات نہیں ہوئے ہیں، لہذا یہاں وقف تمام نہ ہونے کی وجہ سے مالک زمین اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، اور جب کسی زمین پر ایک دفعہ باقاعدہ شرعی مسجد بن جائے تو ایسی جگہ کو مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے استعمال میں نہیں لائی جاسکتی۔

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: اذا صرح الوقف لم تجز بیعہ ولا تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۳ کتاب الوقف)
ومثله فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف۔

لما قال العلامة ابن نجيم: ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنده حتى يفرزه
عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه وإذا صلى فيه واحد زال ملكه -
(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۸ الوقف فصل في أحكام المسجد) لہ

وقف کے ملوکہ ہونے کا حکم | سوال: کسی نے مسجد کے واسطے زمین وقف
کر دی اور اس پر مسجد بنا کر اس میں نماز باجماعت
بھی ادا کی گئی، کیا یہ موقوفہ زمین مسجد کے بانی کی ملکیت متصور ہو سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب: مساجد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے واسطے بنائی جاتی ہیں، اسکی زمین پر
باقاعدہ مسجد بن جانے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت بن جاتی ہے، اس لیے مذکورہ موقوفہ
زمین کسی کی ملکیت میں نہیں آ سکتی۔

لما قال في الهنديّة: وعندهما جسد العين على ملك الله تعالى على وجه تعود
منفعة الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف) لہ

موقوفہ زمین میں فلش بنانے کا حکم | سوال: مسجد کے احاطہ میں جو جگہ نماز کے
لیے متعین نہ ہوئی ہو بلکہ چیلوں (بھوتوں) اور

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنده حتى يفرزه
عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه وإذا صلى فيه واحد زال عن
ملكه۔ الخ۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۲ الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد۔
لہ وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وعندهما جسد علي حكم ملك الله تعالى
وصرف منفعتها على من أحب وعليه الفتوى قوله على حكم ملك الله تعالى
قد لفظ الحكم ليفيد ان المراد لم يبق على ملك الواقف ولو انتقل الى ملك
غيره وقوله وعليه الفتوى اي على قولهما يلزمه۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب الوقف۔

استنجا خانوں وغیرہ کے لیے متعین نہ ہو اس میں فلش ریٹرین، بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے احاطہ میں جو جگہ نماز کے لیے متعین نہ ہو بلکہ جوتوں، استنجا خانوں اور غسل خانوں وغیرہ کے لیے مختص ہوں تو اس میں فلش ریٹرین، بنانا جائز ہے۔

لما قال العلامة شهاب الدین احمد رحمہ اللہ: لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً علی المسجد قیل لا یتعبد ذلك ولكن لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً وقفاً عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته۔

(شلبی علی ہامش تبیین الحقائق ج ۳ صفحہ ۳۳ کتاب الوقف) لہ

موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہ ہونے کا حکم | سوال: ایک شخص نے اپنی زمین کا کچھ حصہ اہل محلہ کی

ضروریات کے لیے وقف کر کے ایک شخص کے حوالے کر دیا تھا، کیا واقف کی وفات کے بعد اس کے ورثاء یہ زمین واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اہل یان محلہ کو اب بھی اس کی ضرورت ہے اور متعلقہ متولی بھی فوت ہو گیا ہے؟

الجواب: وقف تمام ہونے کے بعد واقف یا متولی کی وفات سے وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک اہل محلہ کو اس کی ضرورت ہو تو واقف کے فیصلہ کی رعایت ہوگی، واضح ہو کہ موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: فلا يجوز له ابطاله

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وبما ذكرناه علم انه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر في كونه مسجداً لانه من مصالح المسجد..... اذ ابني مسجداً وبني غرفة وهو في يده فله ذلك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لا يتركه وفي جامع الفتاوى اذا قال عني ذلك فانه لا يصدق۔

(البحر الرائق ج ۵ صفحہ ۲۵ الوقف، فصل في احكام المسجد)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۳ صفحہ ۳۳ کتاب الوقف۔

ولا يورث عنه وعليه الفتاوى ابن الكمال وابن الشحنة۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۲ کتاب الوقف) لہ

متروکہ جائیداد میں وقف پر اقرار کا حکم | سوال :- ایک شخص فوت ہو گیا اور کچھ جائیداد ترکہ میں رہ گئی، اس کے ورثاء

میں ایک بیٹا یہ اقرار کرتا ہے کہ والد صاحب نے یہ زمین باقاعدہ وقف کی تھی جبکہ باقی ورثاء اس سے انکار کر رہے ہیں، اندیشہ حالات کیا تمام جائیداد وقف منظور ہوگی یا یہ مقرر کے حصہ تک محدود رہے گی؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں اقرار حجت قاصرہ بھی ہے اور دوسرے پر اقرار بھی، جو کہ صحیح نہیں اس لیے مقرر کا اقرار وقف صرف اس کے حصہ تک محدود رہے گا اور دوسرے ورثاء پر اس کا اقرار حجت نہیں بن سکتا، وہی حصہ موقوف رہے گا جو مقرر کے حصہ میں آئے۔

لما قال في الهندية : ولو اقرب بالوقف إلى وان كان مع المقر وارث آخر
يجد ذلك كان نصيب المجاهد من هذه الأرض للجاهد يفعل ما يشاء ونصيب
المقر يكون وقفاً على ما اقرب به۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۳۲ الوقف، ابواب اثنا من في الاقرار) لہ

لہ وقال في الهندية : وكذلك اذا جعل داره في ثغر مسكن للغزاة
او المرابطين ودافعها إلى وال يقوم عليها فليس له ان يرجع فيها وان مات
لم تكن ميراثاً عنه وان لم يسكنها احد۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۲۶۶ ابواب اثنا عشر في الرباطات)
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۰۶ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة عالم بن علاء الانصاري رحمہ اللہ : واما اذا كان ثمة وارث آخر
فان اقر الاخر بجميع ما اقرب به هذا الوارث كان الجواب كما قلنا وان
انكر الواقف كان نصيب المنكر ملكاً له يتصرف فيه بما شاء
ونصيب المقر وقف۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۵۰ کتاب الوقف)
الاقرار بالوقف

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۴۲ کتاب الوقف، قبل الفصل الرابع في المسجد۔

باب المساجد

(مساجد میں وقف کے احکام و مسائل)

وقف کی یادداشت (تحریر) لکھنے کا حکم | سوال :- ایک شخص مسجد کے لیے زمین کا ایک ٹکڑا وقف کرنا چاہتا ہے، اگر وہ بطور یادداشت یہ لکھے کہ میں نے زمین کا یہ ٹکڑا مسجد کے واسطے وقف کیا، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی واقعہ کا تحریر میں لانا دوام اور استحکام کی دلیل ہے، عرف میں بھی جس واقعہ کو ضبط تحریر میں لایا جائے یا سرکاری کاغذات میں اندراج کیا جائے تو وہ زیادہ قوی سمجھا جاتا ہے، اس لیے وقف کو یادداشت کے لیے لکھنا یا سرکاری کاغذات میں انتقال کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک مستحسن اقدام ہے تاکہ بعد میں کسی وارث کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لہذا قال اللہ تبارک و تعالیٰ: إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ فَأَكْتَبُوهُ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲)

ولما قال العلامة حافظ عماد الدین رحمہ اللہ: ہذا ارشاد منہ تعالیٰ لعبادہ المؤمنین اذا تعاملوا بمعاملات مؤجلة ان يكتبوها ليكون ذلك حفظا لمقدارها وميقاتها واضبط للشاهد فيها وقد نبه على هذا في آخر الآية۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۸ سورۃ البقرۃ پ ۳)

مسجد کے لیے موقوفہ زمین پر دوکانیں تعمیر کرنے کا حکم | سوال :- گاؤں کے چند معززین نے ایک پلاٹ تقریباً ۶ کنال برائے جامع مسجد وقف کیا، جس میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی

لہذا قال العلامة اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: معاملہ کا لکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ (ربیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۸ سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲) وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۱ ص ۳ سورۃ البقرۃ۔

مسجد کی تعمیر سے بچ جانے والی زمین بنجر ہے جسے لوگ عیدین کی نماز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اب اُن معززین نے فیصلہ کیا ہے کہ اس بنجر زمین پر دوکانیں یا کچھ مکاناں بنا دیئے جائیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد پر صرف کیا جائے۔ تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ پلاٹ کے جس حصہ پر باقاعدہ مسجد بن گئی ہے خواہ اس میں مستقل چھت ڈالی گئی ہے یا عارضی چبوترہ بنا کر اس میں نماز پڑھی جا رہی ہو یا ویسے ہی کھلی جگہ ہو ایسی جگہ میں دوکانیں بنانا یا مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ مسجد کے نام سے جو زمین وقف کی گئی ہے اور اس میں کچھ حصہ ویسے ہی غیر آباد چھوڑا گیا ہے اور تاحال اس پر آبادی نہیں ہوئی ہے تو وہ جگہ مسجد کے علاوہ مذکورہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما قال في الهندية: قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في المسجد وفي فناءه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمة و هذا لا يجوز والقضاء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد - (الفتاوى الهندية ج ۲ کتاب الوقف - الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتضمن القيمة غير في مال الوقف لے

سوال :- قیام پاکستان ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانے کا حکم کے بعد یہاں پر ہندوؤں کی کچھ جائیدادیں رہ گئی ہیں جن پر کچھ لوگ قابض ہیں، بعض لوگوں کا تو قانونی قبضہ ہے اور بعض لوگ غیر قانونی طور پر محض قوت کے بل بوتے پر قابض ہیں، کیا ایسی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں حکومت نے قانونی طور پر جن قابضین کا حق تسلیم کر کے انہیں مالکانہ حقوق دیئے ہوں تو وہ جائز مالک متصور ہو کر ان کا وقف صحیح ہے

لہ وقال العلامة ابن الهمام: قيم المسجد اذا اراد ان يبني حوانيت في المسجد او في فناءه لا يجوز له ان يفعل لانه اذا جعل المسجد سكنا تسقط حرمة المسجد واما القنار فلانه تبع للمسجد - رفتح القدیر ج ۵ ص ۲۴۶ کتاب الوقف - الفصل الاول في المتوقف - ومثله في التاتارخانية ج ۵ ص ۸۶ کتاب الوقف - الفصل الحادي والعشرون في المساجد -

لیکن جس جائیداد پر کسی کا غاصباً قبضہ ہو تو مقصود یہ جائیداد کے وقت کی عدم صحت کی وجہ سے اس پر بنائی ہوئی مسجد شرعی مسجد نہیں رہے گی الا یہ کہ حکومت یا قاعدہ اجازت دے دے۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : من شرائطه الملك وقت الوقت حتى لو غصب ارضا فوقها..... لا تكون وقفاً۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف (۱) لہ

مسجد کی زمین سے ملک کے زائل ہونے کا حکم | سوال :- مسجد کی زمین سے مالک کی ملک کی ملک کا ازالہ کب ہو جاتا ہے ؟

الجواب :- مسجد کی زمین سے مالک کی ملک صرف نماز کی اجازت پر اسی مسجد میں یا انہی الفاظ کے معنی پر ملک زائل ہو جاتی ہے، اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور قضا کے باب اور وقت میں اس کا قول رائج ہو جاتا ہے۔

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله : وقال ابو يوسفؒ يزول ملكه بقوله جعلته مسجداً لان التسليم عند ليس بشرط لانه اسقاط لملك العبد فيصير خالصاً لله تعالى بسقوط حق العبد وصار كالا عتقاق۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب الوقف۔ فصل في احكام المسجد (۲) لہ

منہدم مسجد کی تبدیلی کا حکم | سوال :- ایک مسجد کسی وجہ سے شہید ہو گئی ہے، اب گاؤں والے یہ چاہتے ہیں کہ اسکے

لہ وقال في الهندية: (رومتها) الملك وقت الوقت حتى لو غصب ارضا فوقها..... لا تكون وقفاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف بطلب وقف الذي) ومثله في رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۱ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وعند ابی يوسفؒ يزول بمجرد قول الواقف ولا يجوز بيعه ولو مالا يورث۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۴ کتاب الوقف الاول) ومثله في بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف والصدقة۔

بدلے میں کسی دوسری جگہ مسجد تعمیر کر لی جائے اور اس مسجد کا ملبہ اور زمین وغیرہ فروخت کر
کر دیا جائے، تو کیا شریعت کی رو سے منہدم مسجد کا سامان اور جگہ وغیرہ بیچنا جائز ہے
یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو اور اس پر مسجد بن گئی ہو تو وہ میت
تک مسجد ہی رہے گی اس کی تبدیلی کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب الوقف) لہ

ارض مغصوبہ پر مسجد بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے غیر ملوکہ زمین مسجد

۹/۸ سال تک نمازیں بھی پڑھیں، ۸/۹ سال بعد زمین کے اصل مالک نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین
میری ہے اور میں نے اس کو مسجد کے لیے وقف نہیں کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ آپ اس
کے بدلہ میں دوسری جگہ لے لیں اور مسجد کو اپنی جگہ پر رہنے دیں لیکن وہ نہیں مانتا، تو اب
شریعت کی رو سے اس مسجد کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- وقف کے لیے باقاعدہ ملک تام ہونا شرط ہے، جہاں کہیں کسی
غیر کی زمین کو بغیر اس کی اجازت کے مسجد کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ شرعی مسجد
کے حکم میں نہیں، اس لیے مالک اگر چاہے تو وقف کر سکتا ہے ورنہ مغصوبہ زمین سے
مسجد گرا کر زمین فارغ کرانا مالک کا حق ہے۔

لما فی الہندیۃ: (ومنها) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقها ثم اشتراها من مالکها
ودفع الثمن الیہ او صالح علی مال دفعہ الیہ لا تكون وقفاً۔ (فتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف مطبوعہ دار الفکر)

لہ وقال العلامة التمرتاشی: فاذا تم ولزم رای الوقف (لا یملک ولا یعار ولا یرهن) ای لا یقبل
التملیک لغیرہ بالبیع۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة ابن نجیم: من شرائطه الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا
فوقها..... لا تكون وقفاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۱ کتاب الوقف۔

موقوفہ زمین کو مسجد کے مصالح میں استعمال کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے

وقف کی جس پر ابھی تک نماز نہیں پڑھی گئی ہے، کیا یہ زمین مسجد کے مصالح مثلاً دوکان وغیرہ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- جو زمین مسجد کیلئے وقف کی گئی ہو اور اس پر نماز بھی نہیں پڑھی گئی ہو تو اس کو مسجد کے مصالح پر صرف کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے ۔

ما قال فی الہندیۃ : والاھم ما قال الامام ظہیر الدین ان الوقف علی عمارۃ المسجد وعلی مصالح المسجد سواءً ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۵) کتاب الوقف ، الفصل الاول فی المتون

مسجد کی زمین پر گھر بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے کچھ

اب یہ مسجد گاؤں کے لیے ناکافی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد کے بدلے دوسری جگہ جس میں مسجد کے متعلقہ تمام انتظامات و سہولیات ہوں، وقف کی جائے اور پرانی مسجد کی جگہ مکان بنا لیا جائے، تو کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جس زمین پر ایک مرتبہ مسجد بنی گئی اور اس میں نماز بھی پڑھی گئی تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں ہے اس کو کسی دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی اصلی حالت پر مسجد کی حیثیت سے باقی رکھا جائے گا ۔

ما قال العلامة الحسینی : یبقی مسجداً ابداً الی قیام الساعة ویدیفی ۔ وقال ابن عابدین : فلا یعود میلاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وهو الفتوی ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸) کتاب الوقف ، مطلب فیما لو تریب المسجد وغیرہ

۱۔ وقال العلامة ابن الہمام : ان الوقف علی عمارۃ المسجد و مصالح المسجد سواءً رفیع القدر ج ۵ ص ۲۵ کتاب الوقف
وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۲ کتاب الوقف ۔

۲۔ وقال العلامة ابوبکر الکاسانی : واما الذی یرجع الی نفس الوقف فهو النابید وهو ان یكون مؤبداً حتی لو وقف لم یجز کأنه انزلہ الملک لا الی حد سببہ لفضا
ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف ، فصل فیما لو تریب المسجد (۱) وَمِثْلُهُ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۳۹ کتاب الوقف ۔

مسجد سے پرندوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم | سوال :- بعض اوقات

گھونسلے بناتے ہیں اور ان میں انڈے اور بچے وغیرہ بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے مساجد میں کافی گندگی پھیل جاتی ہے، تو کیا شریعت کی رُود سے ان کے گھونسلے اتار کر باہر پھینکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ پرندوں کے گھونسلوں سے مساجد میں عموماً گندگی پھیلتی رہتی ہے نیز نمازیوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے مساجد سے ایسے گھونسلوں کا اکھاڑنا مرنقص ہے۔

لما قال في الهندية : ولو كان في المسجد عش خطاف او خفاش يقذ المسجد
لا بأس برميہ بما فيه من الفراخ - الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲ کتاب الکراہیۃ الباقی من

مسجد میں ذکر بالجہر کرنے کا حکم | سوال :- بعض لوگ جمعرات کی شب اکٹھے ہو کر

مسجد میں ذکر بالجہر کرنے کے ساتھ ساتھ اچھلتے اور کودتے ہیں جس کی وجہ سے نمازیوں کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو کیا ان لوگوں کا یہ عمل و ذکر بالجہر شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہے، اس لیے اس میں ذکر کے نام پر مذکورہ طرز اور طریقہ پر اچھلنا کودنا اور ایک ہنگامہ کی سی صورت اختیار کرنا شریعت کی رُود سے ناجائز اور ممنوع ہے، البتہ اگر ذاکرین ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے نمازیوں وغیرہ کو تکلیف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وفي الملتقى و عن النبي صلى الله
عليه وسلم انه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنائز فما ظنك به
عند الغناء الذي يسمونه وجداً وحبته فانه مكروه لا اصل له في الدين

لما قال العلامة الحصكفي : ولا بأس برمي عش خفاش وحمام لتنقيته -

والدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص ۶۶ کتاب بالصلاة مطلب فيمن سبقت ... الخ
ومثله في البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۴ کتاب الکراہیۃ الفصل التاسع المتفرقات

ونراد فی الجوہرۃ وما یفعلہ متصوۃ فی زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس
إلیہ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۹ کتاب الخطر والاباحت۔ قبل فصل فی اللبس) لہ

مسجد کے جملہ امور میں تصرف کرنے میں بانی مسجد
کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے

سوال :- ایک شخص نے موقوفہ
زمین پر اپنے پیسوں سے مسجد
بنائی، بعد میں کچھ لوگ باہر سے
آکر اس مسجد کے قریب آباد ہو گئے، اب بانی مسجد اور اہل محلہ میں اختلافات پیدا ہو
گئے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے جملہ امور میں تصرف کرنے کا زیادہ مستحق
کون ہے؟ بانی مسجد یا اہل محلہ؟

الجواب :- مسجد بنانے والا اہل محلہ کی نسبت مسجد کے تمام امور میں تصرف
کرنے پر مقدم ہے کیونکہ بانی کو مسجد کی مرمت، بجلی، پانی کے اخراجات اور امام و مؤذن
کے مقرر کرنے میں اہل محلہ پر سبقت حاصل ہے۔

لما قال العلامة ابراہیم الحلبي رحمہ اللہ: رجل بنى مسجدا وجعلہ للہ فهو احق
بمرمتہ وعمارته وبسط البواری والحصير والقنادیل والاذان والامامة فیہ
ان كان اهلاً لذلك وان لم يكن فالرأى فی ذلك إلیہ وكذا ولد البانی وعشیرتہ
من بعده اولی من غیرہم۔ (حلبی کبیری ص ۱۵۱ فصل فی احکام المسجد) لہ

لہ وقال العلامة حموی رحمہ اللہ: واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب
ذكر الله تعالى جماعة فی المساجد وغیرہا من غیر تکیر الا ان یشوش جہرہم
بالذكر علی نائم او مصل او قاری کہا ہو مقرر فی کتب الفقہ۔

(عیون البصائر حاشیۃ الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۶۱ القوفی احکام المسجد)
وَمِثْلُہُ فی التاتارخانیۃ ج ۵ ص ۲۲۲ کتاب السیر۔ الفصل الاول فی بیان صفة الجہاد۔
لہ وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فیکون اولی بولاية
لمن اتخذ مسجداً یکون اولی بعمارته ونصب المؤذن فیہ۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الوقف)

وَمِثْلُہُ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب الوقف۔

غیر آباد مسجد کی زمین زراعت کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں | سوال: خلعت

ویران ہو جائے اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں تو اس کی زمین زراعت کے لیے استعمال کرنا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جس زمین پر ایک دفعہ شرعی مسجد بن جائے تو قیامت تک کے لیے وہ مسجد ہی رہتی ہے اس میں کسی قسم کی فصل کاشت کرنا یا کسی دوسرے دنیاوی کام کے لئے استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے اگرچہ ویران ہی ہو جائے۔

لما قال العلامة المحقق: يبقى مسجداً ابداً الى يوم القيامة وبه يفتى -
(الدر المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۵۸ - الوقف - مطلب فيما لو خرب المسجد)

مسجد کے لیے موقوفہ مکانات میں سے تبلیغی حضرات کے لیے مکان وقف کرنے کا حکم | سوال: ایک جامع مسجد بناتے وقت ابتداءً مسجد کے نیچے کچھ مکانات تعمیر کر کے کرائے پر دے دیئے گئے

اور ان کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف ہو رہی ہے، اب مسجد کی موجودہ انتظامیہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان مکانات میں سے ایک مکان تبلیغی حضرات کے لیے وقف کیا جائے تو کیا عند الشریعہ یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مشورہ میں اگر ان واقفین نے مکانات کے متعلق کوئی تصریح نہ کی ہو بلکہ مطلقاً وقف کیا ہو تو متولی اور انتظامیہ مسجد کے اہل حل و عقد کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، وہ اس مکان کو تبلیغی حضرات کی سکونت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں ورنہ واقفین کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: قال واذا اراد القيم ان يبني

لہ وقال العلامة الكاساني: واما الذي يرجع الى نفس الوقف فهو التابيد وهو ان يكون مؤبداً حتى لو وقت لم يجز لانه ازالة الملك لا الى حد -
(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف والعتق - الفصل واما شرائط الجواز)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۶۳۹ کتاب الوقف۔

فہا قریۃ لا کرتھا وحفاظہا فی حرنہا القلۃ لحاجتہ اِلٰی ذلک کان لہ ان یفعل
ذلک۔ الفتاوی التاتاریخانیۃ ج ۵ ص ۲۵ کتاب الوقف۔ الفصل السابع فی تصرف الیم۔

مسجد کے لیے وقف شدہ گھڑی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی | سوال: کسی جگہ پر
فورج کے دو یونٹ

اکٹھے قیام پذیر تھے، وہاں پر ایک مسجد بھی تھی جس کے لیے ان فوجیوں نے مشترکہ طور پر
چندہ کر کے ایک گھڑی خرید کر وقف کی، کچھ مدت گزرنے کے بعد ایک یونٹ والے
وہاں سے جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ یہ وقف شدہ گھڑی ہم اپنے ساتھ لے جائیں
گے، اب سوال یہ ہے کہ اس یونٹ والوں کا مذکورہ گھڑی کو اپنے ساتھ لے جانا شرعاً
درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ کے مطابق یہ گھڑی چونکہ مسجد کے لیے وقف کی
گئی اور وقف تمام ہونے کے بعد وہ کسی کی ملکیت نہیں رہی، لہذا اس موقوفہ
گھڑی کو کسی بھی یونٹ والے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: اذا صم الوقف لم یجذب ببعہ
ولا تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۲ کتاب الوقف)۔

قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین پر جنازہ گاہ بنانے کا حکم | سوال: ایک
شخص نے قبرستان

لہ وقال العلامة فخر الدین الرازی الشہیر بقاضی خان: وکذا لو کان الوقف خاناً
علی الفقراء واحتاج اِلٰی خادم یکسح الخان ویقوم ویفتح بابہ وسدہ فیسلم
بعض البیوت اِلٰی رجل اجرة لہ ليقوم بذلک کان لہ ذلک۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش
الہندیۃ ج ۳ ص ۳ کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داراً مسجداً)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۷ کتاب الوقف۔ الفصل الثاني فی الوقف علی المسجد۔ فی مال الوقف۔
لہ وقال العلامة التمریاشی: فاذا تم ولزم رای الوقف لا یملک ولا یعار ولا یرهن اِی لا یقبل
التملیک لغيرہ بالبیع۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۵ کتاب الوقف)
وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف۔ فصل اما ان یبیع اِلٰی الموقوف فانواع۔

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ وقف میں واقف کی نیت معتبر ہوگی لہذا اس کے لیے سوائے معصیت کے ہر قسم کے تصرفات جائز ہیں، اور مذکورہ صورت میں جنازہ گاہ چونکہ ضروریات مقبرہ میں سے ہے اور واقف کسے اجازت بھی موجود ہے لہذا جنازہ گاہ بنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فان شرائط الوقف معتبرة اذا لم
تخالفت الشرع وهو مالک فله ان يجعل ماله حيث شاء ما لم یکن معصیۃ
وله ان یخص صنفاً من الفقراء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۳۔ مطلب شرائط الوقف الاعتباری) ^{۱۰}

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کی آمدن مسجد مصالح پر خرچ کرنا | سوال کسی شخص نے
اپنی زمین مسجد کیلئے

وقف کر کے اُسے کرایہ پر دیدیا جس سے کافی آمدنی حاصل ہوئی، تو سوال یہ ہے کہ اس موقوفہ زمین کی آمدنی مسجد کے مصالح پر خرچ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہوتی ہو تو متولی کے لیے اس آمدنی کو مسجد کے مصالح پر خرچ کرنا جائز ہے۔

لما في الهندية: مسجد المستغلا و اوقاف الادا المتولى ان يشتري من غلة الوقف للمسجد
دهنا و حصيرا و حشيشا..... تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له ان يشتري
للمسجد ما شاء وان لم يوسع - (الفتاوى الهندية ج ٢ كتاب الوقف الفصل الثاني... في مال الوقف)
له وقال العلامة ابن نجيم: شرط الواقف كنص الشارع يجب اتباعه لقوله شرط الواقف كنص الشارع -
والاشباه والنظائر ج ٢ ص ٢٢٨ كتاب الوقف - ومثله في تنقيح الحامدية ج ١ ص ١٢٤ كتاب الوقف -
له وقال العلامة ابن عايد: والذي يبدأ به ارتفاع الوقف اى من غلته عمارته
شرط الواقف او لا ثم ما هو اقرب الى العمارة واعم للمصلحة كالا مال للمسجد..... ثم السراج
والسياط الى آخر المصالح - (رد المحتار ج ٢ ص ١٦٤ كتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ٣ ص ٢٩٤ كِتَابُ الْوَقْفِ - يَا ابْنَ الْبَرِّ بِمَجْلَدٍ مَسْجُودًا - دَارُ

مسجد کے لیے موقوفہ زمین کے درختوں کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کچھ زمین پر

مسجد کی دیوار سے ملحق ہی واقف کا گھر ہے، واقف نے وقف شدہ مسجد کے صحن میں اخروٹ کے درخت لگائے تھے، اب وہ کہہ رہا ہے کہ ان درختوں کے پھل پر صرف میرا ہی حق ہے جبکہ اہل محلہ اس کو اس سے منع کرتے ہیں اور اس کو پورے محلہ کا حق قرار دیتے ہیں، شرعاً اس پھل کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف میں واقف کے قول کو اعتبار دیا جائے گا، مذکورہ صورت میں واقف نے اگر وقف کرتے وقت تصریح کی ہوگی کہ اس درخت کو بھی وقف کیا تھا یا کچھ بھی نہ کہا ہو تو دونوں صورتوں میں درخت وقف ہوگا، البتہ اگر وقف کرتے وقت واقف نے اس درخت کا استثناء کیا ہو تو اس صورت میں واقف کے قول کا اعتبار کر کے درخت وقف شمار نہ ہوگا بلکہ وقف کی علیحدہ ملکیت متصور ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: قال في الاسعاف ويدخل في وقف الارض ما فيها من الشجر والبناء دون الزرع - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۱ مطلب في وقف المنقول بتعالل العقار) لہ

پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم | سوال :- ایک مسجد کے

جس میں دو سال سے کسی بھی میت کو دفن نہیں کیا گیا، اب اہل محلہ مسجد میں توسیع کے خواہشمند ہیں اور قبرستان کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنا چاہتے ہیں، تو کیا محلہ والوں کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ قبرستان اگر موقوفہ ہو اور اموات کے اجسام ظن غالب میں خاک ہو چکے ہوں اور گاؤں والوں نے اس میں اموات کو دفناتا چھوڑ دیا ہو تو پھر اس قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا قابل اعتراض نہیں۔

لہ وقال العلامة ابن نجيم: والحاصل ان الوقف كالبيع لا يدخل فيها الزرع والتمر الا بالذكر - (البحر المرقوم ج ۵ ص ۲۰۱ کتاب الوقف -

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الوقف - الفصل الثالث -

لما قال في الهندية : لو بلى الميت وصارت تراباً جاز دفن غيره في قبره وذرعه
 والبناء عليه - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۷ الباب الحادی والعشرون في الجنائز) له
مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم | **سوال** :- کیا محلہ والے یا حاکم وقت
 متولی مسجد کو معزول کر سکتے ہیں یا نہیں؟
الجواب :- متولی مسجد اور اسی طرح امام مسجد کو بغیر خیانت کے کوئی بھی معزول نہیں کر
 سکتا البتہ اگر شرعی جرم ثابت ہو جائے تو متولی اور امام مسجد کو اہل محلہ یا قاضی معزول کرنے
 کے مجاز ہیں۔

لما قال في الهندية : ولوان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف
 غير مأمون على الوقف فللقاضي ان ينزعها من يده -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب الوقف، الباب الخامس ولاية الوقف) له
طریق عام کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم | **سوال** :- ایک شخص نے مسجد کیلئے
 زمین وقف کی جو کہ طریق عام کے ساتھ
 متصل ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب وہ مسجد نازیوں کیلئے نا کافی ہوتی جا رہی
 ہے، اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ اس عام راستہ سے زمین کا کچھ حصہ مسجد میں فراخی کے لیے
 شامل کر لیا جائے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟
الجواب :- اگر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنے سے راستہ تنگ نہ ہوتا ہو

له وقال العلامة ابن عايدین : ولو بلى الميت وصارت تراباً جاز دفن غيره في قبره وذرعه
 والبناء عليه - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹ کتاب الجنائز)۔

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۱ الباب الحادی والعشرون في الجنائز - الفصل السادس -
 له ولما قال العلامة ابن عايدین رحمه الله : لا يصح عزل صاحب وظيفة بلاجنحة
 او عدم اهلية — قال في البحر واستفيد من عدم عزل الناظر
 بلاجنحة عدم مهال صاحب وظيفة في وقت بغير جنحة وعدم اهلية
 (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۶۲۳ کتاب الوقف -

اور لوگوں کو آمد و رفت میں تکلیف نہ ہوتی ہو تو ایسا کرنا شرعاً مریض ہے ورنہ نہیں؟
 لما قال العلامة فخر الدين عثمان الزيلعي رحمه الله: اذا بنى قوم مسجدًا واحتاجوا
 الى مكان لينتفع فادخلوا شيئًا من الطريق في المسجد وكان ذلك لا يضرب باصناف
 الطريق جاز ذلك - (تبيين الحقائق ج ۳ ص ۳۳۱ کتاب الوقف، نزل ومن بنى مسجدًا لم يله
 مسجد کی زمین پر ڈاکخانہ بنانے کا حکم) سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے
 کچھ زمین وقف کی ہے اور وقف بھی تام
 ہوا ہے، اب حکومت اس مسجد کے ایک گونہ میں ڈاک خانہ بنانا چاہتی ہے جس کی
 آمدنی مسجد کو ملے گی لیکن ملکیت حکومت کی رہے گی، اب سوال یہ ہے کہ مسجد کے لیے
 وقف شدہ زمین حکومت کے اغراض و مقاصد کے لیے دینا شریعت مقدسہ کی رو
 سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین مسجد کے لیے ایک دفعہ وقف کی گئی ہو تو اس میں ماسوائے
 مسجد کے متعلقہ امور کے دیگر امور مثلاً دوکان یا ڈاکخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں کیونکہ
 واقف کی نیت سے مخالفت لازم آتی ہے اور واقف کی نیت کے خلاف کرنا شرعاً
 جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحكم
 بهم حکم بلا دلیل - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۵ کتاب الوقف) ۲
 لما قال العلامة شهاب الدين احمد شلبي بطريق اللعا وهي واسعة فبنى فيه اهل الحلة مسجدًا للعامة ولا يضرب
 ذلك بالطريق قالوا لا بأس بهم قوم بنوا مسجدًا واحتاجوا الى مكان لينتفع المسجد فخذوا من
 الطريق فادخلوه في المسجد اذ كان ذلك يضرب باصحاب الطريق لا يجوز والافلا بأس به -
 رشبلى على هامش تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۳۱ کتاب الوقف - ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۵۶ کتاب الوقف -
 ۲ وقال العلامة ابن عابدین، وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم بلا دلیل ای
 لا دلیل علیه سواء كان نصه في الوقف نصًا اظهرًا وهذان موافقان لقول مشائخنا كغيرهم
 شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع -

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۴ کتاب الوقف)

ومثله في الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف -

مسجد میں خیاطت کرنے کا حکم | سوال :- مسجد میں خیاطت کرنا دیکھنے سے سینا، ثریب
کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خیاطت کا تعلق چونکہ دنیاوی امور سے ہے اور مسجد میں دنیاوی امور
سے اجتناب ضروری ہے، لہذا مسجد میں خیاطت (دورزی کا کام) کرنا شرعاً مکروہ
ہے البتہ اگر کوئی مسجد کی حفاظت کے واسطے مسجد میں کپڑوں کی سلائی کا کام کرتا ہے
تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشيخ ابراهيم الحلبي رحمه الله: والخیاطة فيه تکره الا اذا كان
لضرورة حفظه عن الصبيان ونحوهم۔

رحمہ علیہ کبیری ص ۱۱۱ کتاب الصلوٰۃ فصل فی احکام المسجد

متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے | سوال :- ایک شخص نے زمین خرید کر
بغیر مسجد کی تعمیرات میں تصرف کرنا
اس پر مسجد بنائی اور بعد میں وہ اس مسجد
کا متولی مقرر ہوا، اب دوسرے محلے کا ایک

شخص اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جبکہ متولی اس کی اجازت نہیں دے رہا،
تو کیا از روئے شرع متولی کا انکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے بغیر
کسی دوسرے محلے والے کو اس مسجد میں ہدفاً و بناءً تصرف کرنا جائز نہیں، ایسے
معاملات کے اختیارات صرف اہل محلہ اور متولی ہی کو حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی
غیر متعلقہ شخص کو۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: اراد ونقض المسجد وبنائه
وأحكم من الأول ان لم يكن الباني من اهل المحلة ليس لهم ذلك وان كان

لہ وقال العلامة حافظ الدين محمد بن محمد البزاز رحمه الله: والخیاطة
فيه تکره الا اذا كان لحفظ المسجد عن الصبيان وخاط وكذا الكاتب۔

(البزازية علی هامش الہندیۃ ج ۲ ص ۸۲ کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس والعشرون)

ومثله فی الاشیاء والنظائر ج ۲ ص ۵۱ القول فی احکام المسجد۔

من اهل المحلة لم ذلك۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف فی احکام المسجد) لہ

سوال :- ایک مسجد بانی مسجد کے لیے لوگوں کو مسجد سے منع کرنا جائز ہے | کے لیے کچھ زمین وقف

تھی، کسی نے اس زمین پر اپنے خرچ سے مسجد بنائی اور مسجد کی آبادی میں کسی نے بھی اس سے تعاون نہیں کیا، اب اس بانی کے ساتھ اہل محلہ اور پیش امام کی ناراضگی پیدا ہو گئی ہے جبکہ بانی مسجد یہ چاہتا ہے کہ اہل محلہ اور پیش امام کو مسجد میں آنے جانے سے روک دے، تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بشرط صدق وثبوت بانی مسجد کا پیش امام یا اہل محلہ کو مسجد سے منع کرنا شرعاً حرام ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ۔ (سورة البقرة آیت ۱۱۴) لہ

سوال :- ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر خرچ کرنے کا حکم | کا چندہ دوسری مسجد

پر لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر لگانا اس وقت درست ہے جب اس مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر فی الحال اس چندہ کی مسجد کو ضرورت نہ ہو اور آئندہ ضرورت پیش آنے کا امکان ہو تو پھر بھی دوسری مسجد میں اس چندہ کا استعمال

لہ وقال في الهندية: وفي الكبرياء مسجد مبني اراد رجل ان ينقصه ويبيته ثانياً احكم من البناء الا قل ليس له ذلك لانه لا ولاية كذا في المصنوعات۔

والفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب الوقف باب الحادی عشر

وَمِثْلُهُ فِي الْبِزَارِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الوقف باب الرابع في المسجد

لہ وقال العلامة بيضاوي رحمه الله: عام لكل من خرب مسجداً أو سعى في تعطيل مكان مرسوم للصلوة۔ (تفسير بيضاوي ج ۱ ص ۱۰۲۔ سورة البقرة)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ ابْنِ كَثِيرٍ ج ۱ ص ۱۵۶ سورة البقرة۔

درست نہیں، تاہم اگر چندہ دہندگان اجازت دے دیں تو پھر کسی دوسری مسجد پر صرف کرنے میں کوئی عوج نہیں۔

لما قال العلامة الحسکفی: وعن الثاني ينقل الى مسجد آخر باذن القاضي.....
حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر والمبرأذ المينتفع
بهما فيصرف في وقف المسجد والرباط والبئر والخوض الى اقرب مسجد او
رباط او حوض۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الوقف) ۱۰

مسجد کی چھت کی پرانی چادروں کا حکم | سوال :- ایک مسجد جو کہ ۱۰۵۰ء میں تعمیر

کی گئی تھی اور اس کی چھت چادروں کی تھی بعد میں اسے تہید کر کے اس میں توسیع کی گئی اور اس کے ساتھ ہی اہل محلہ پیش امام کیلئے ایک مکان بھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اب اگر اس مسجد کی پرانی چادروں کو پیش امام کے گھر میں استعمال کیا جائے تو شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر یہ چادریں مسجد کے کسی کام میں استعمال نہ ہو سکتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ان کو فروخت کرتا یا امام صاحب کے گھر میں استعمال کرنا اگر وہ شریعت مرخص ہے بلکہ ان کو فروخت کر کے رقم مسجد کی تعمیر جدید میں خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلام الانصاری: سئل ابو بکر عن حشيش المسجد يخرج عن المسجد يا ام الربيع؟ قال ان لم يكن له قيمة فلا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس برفعه والانتفاع به۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج ۵ ص ۸۵ کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون في المساجد) ۱۰

لما قال العلامة عالم بن العلام الانصاری: سئل شمس اللہ الحلواني عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف او قافه الى مسجد آخر او حوض آخر؟ قال نعم۔ (الفتاویٰ تاتارخانیة ج ۵ ص ۸۷ کتاب الوقف) ۱۰ ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۹۳۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: حشيش المسجد اذا خرج من المسجد يا ام الربيع ان لم يكن له قيمة لا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس بدفعه والانتفاع به۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۲۲۵ کتاب الوقف، الفصل الرابع) ۱۰

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الوقف، الباب الحادی عشر۔

متولی مسجد کی وفات کے بعد مسجد کے اختیارات کا حکم | سوال :- ایک آدمی

مسجد کے تمام اختیارات اس کو حاصل تھے، تو اس کی وفات کے بعد اس کے اختیارات اُس کی اولاد کو منتقل ہو سکتے ہیں؟

الجواب :- مسجد کے بانی اور متولی کو تمام تر اختیارات شرعاً حاصل ہوتے ہیں اور مسجد کے لیے مؤذن، امام و خطیب وغیرہ مقرر کرنا اسی کا حق ہوتا ہے، لہذا اس کی وفات کے بعد تمام تر اختیارات اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوں گے، وہ اپنی خوشی سے مسجد کے امور میں جائز اور مناسب تصرفات کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والباقي احق بالامامة والاذان وولد من بعده وعشيرته اولى بذلك من غيرهم وفي المجرى عن ابى حنيفة ان الباني اولى بجميع مصالح المسجد ونصب الامام والمؤذن اذا تأهل للامامة۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹ کتاب الوقت) لے

مسجد کا پنکھا گھر میں استعمال کرنا جائز نہیں | سوال :- ایک شخص نے

مسجد کے لیے وقت کیا، تو کیا مسجد کا پیش امام اس پنکھے کو اپنے گھر میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق اگر یہ پنکھا واقعہ مسجد کے لیے وقت شدہ ہو تو مسجد کے پیش امام کے لیے اس پنکھے کا اپنے گھر میں استعمال شرعاً جائز نہیں، اگرچہ پیش امام کا وجود مصالح مسجد میں سے ہے تاہم اگر واقف نے علی الاطلاق نیت کی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال في الهندية: متولى المسجد ليس له ان يحمل سراج المسجد

لے وقال الشيخ ابراهيم الحلي رحمه الله: وكل اولد الباني وعشيرته من بعده اولى من غيرهم۔ (رجلی کبیری ج ۵ ص ۴۱۵ فصل فی احکام المسجد) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۴۲ کتاب الفصل، الباب الرابع۔

إلى بيته وله أن يحمله من البيت إلى المسجد -

الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الوقف

مسجد میں نکاح پڑھانے کا حکم | سوال :- بعض لوگ مسجد میں نکاح پڑھانے کو سنت سمجھتے ہیں، کیا واقعی مسجد میں نکاح

پڑھانا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب :- نکاح پڑھانا خود ایک مستون عمل ہے جو عبادت کا ایک شعبہ ہے اس لئے مسجد میں نکاح کے ایجاب و قبول کرانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم ایسے مواقع پر کوئی ایسی حرکت کرنا جو مسجد کے آداب کے منافی ہو سے اجتناب کرنا اشد ضروری ہے۔

لما ورد في الحديث : عن عائشة (رضي الله عنها) قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف -

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح)

ذکر واذکار اور نماز میں مشغول لوگوں کو سلام کرنے کا حکم | سوال :- مسجد میں لوگ عموماً ذکر واذکار اور

نماز میں مشغول ہوتے ہیں، تو ایسی حالت میں مسجد میں داخل ہوتے والے کے لیے اُن پر سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا شخص بھی حکماً ذکر ہے جیسا کہ روایت

لہ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله : متولى المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته وله أن يحمله من البيت إلى المسجد -

(خلاصۃ الفتاوى ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف - الفصل الرابع)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۵ ص ۸۵ کتاب الوقف - الفصل الحادي والعشرون -

لہ وقال في الهندية : مباشرة عقد النكاح في المساجد مُسْتَحَبٌّ -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراہیۃ - الباب الخامس)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب النکاح -

سے ثابت ہے، اس لیے یہ بھی ذاکر کے حکم میں ہو کر اس کو سلام کرنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی نماز کے بعد ویسے ہی فارغ بیٹھا ہو تو اسے سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما ورد فی الحدیث : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جلس مجلس ینتظر الصلوۃ فهو فی الصلوۃ۔ (ترمذی ج ۱ مالک ابواب الجمعة) لہ

مسجد میں محقو کئے کا حکم | سوال :- سنا ہے کہ انسان کے منہ سے نکلنے والا محقوک پاک ہے، اس کے پاک ہونے کی صورت میں کیا مسجد میں محقو کنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مساجد اللہ تعالیٰ کا گھر اور مسلمانوں کی عبادت گاہ ہیں اس لیے ان کی عظمت اور عزت برقرار رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، ایسے کام جن میں حقارت کا معمولی سا شائبہ بھی ہو ان سے بھی مساجد کو پاک رکھا جائے۔ مسلمان کی محقوک اگرچہ بالاتفاق پاک ہے لیکن مسجد کی عظمت نشان اور آداب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں سے محقو کنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة الشیخ ابراہیم الحبیب رحمہ اللہ :- ولا یبزیق علی حیطان المسجد ولا علی ارضہ ولا علی البواری وکذا المخطا۔ لکن یاخذہ بطرف ثوبہ وید لك بعضہ ببعض۔ (کبیری ص ۶۱۲ فصل فی احکام المسجد)

مسجد کے لیے موقوفہ زمین پر پیش امام کا تصرف کرنا | سوال :- مسجد کے ساتھ متعلق زمین مسجد کے

لہ وقال فی الہندیۃ : ویکرہ السلام عند قرأۃ القرآن جہراً وکذا عند مذاکرۃ العلم وعند الاذان والاقامۃ والصحیح انہ لا یرد فی ہذہ المواضع ایضاً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ کتاب الکراہیۃ۔ ابواب السابع) ومثلہ فی رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۶ باب ما یفسد الطلاق۔ مطلب المواضع التي یکرہ فیہا السلام۔ لہ ما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم البزاق فی المسجد خطیئۃ وکفارتہا دفنہا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۶۸ باب کراہیۃ البزاق فی المسجد) ومثلہ فی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراہیۃ۔ ابواب الخامس۔

مصارف کے لیے وقف کی گئی تھی، اس زمین میں مسجد کا پیش امام اپنے لیے کھیتی باڑی کرتا رہا، کچھ عرصہ بعد پیش امام نے چپکے سے مسجد کی انتظامیہ یا کسی اور کو بتائے بغیر اس زمین کا ٹکری کاغذات میں انتقال اپنے نام کر لیا ہے، تو پیش امام کے اس اقدام کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا یہ زمین پیش امام کی ملکیت ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ مذکورہ زمین مسجد اور مسجد کے مصالح کے لیے وقف کی گئی ہے جس میں پیش امام کی شخصیت کا کوئی دخل نہیں، لہذا مسجد کے مصارف کے لیے جو چیز وقف ہو وہ مسجد ہی کا حق ہے اور پیش امام کا قبضہ اور اپنے نام انتقال کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے پیش امام کا یہ اقدام خلاف شرع ہو کر اس زمین کا مالک متصور نہ ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ : ارضی وقف علی مسجد صارت بطلان لا تنزع فجعلہا رجل حوضاً للعامة لا یجوز للمسلمین انتفاع عاد ذلک الحوض -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الوقف الفصل الثانی)

ایک مسجد کی موجودگی میں دوسری مسجد تعمیر کرنا | سوال :- ایک وسیع و عریض مسجد کے باوجود بعض لوگ امام سے اختلاف کا بہانہ بنا کر دوسری مسجد تعمیر کر لیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس سے قوم میں بے اتفاقی کا احتمال بھی ہو۔

الجواب :- ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے قوم میں بے اتفاقی اور اختلافات کا ذریعہ بننا بد قسمتی کی دلیل ہے۔ اگر امام سے اختلاف ذاتی وجوہات یا غیر شرعی امور کی وجہ سے ہو تو ایسے اختلافات کا شکار ہونا خود بھی گناہ ہے، پھر اس ایک گناہ کے ارتکاب کے بعد مسلمانوں میں بے اتفاقی کا موقع فراہم کرنا دوسرا بڑا جرم ہے۔ ایسی صورت میں دوسری مسجد بنانے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر ان واقعات کی وجہ سے کوئی شخص زمین باقاعدہ وقف کر کے اس پر مسجد بنائے تو دوسری مسجد بھی مسجد شرعی ہے گی، اس کے ذاتی اغراض کا معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ البتہ بوقت ضرورت یا باہمی اختلافات سے بچنے کے لیے دوسری مسجد بنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

قال ابن نجیم : واذا قسم المحلۃ المسجد وضر بوافیہ حائطاً وکل منہم امام علی حدۃ و مؤذنہم

واحد لا بأس بہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵ باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا)

مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کرنا | سوال :- ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جو اپنے رقبہ کے لحاظ سے نمازیوں کی تعداد کے مقابلہ میں کافی وسیع ہے، اور مسجد کے متصل ایک سڑک بھی بن رہی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کا کچھ حصہ اس سڑک میں شامل کر دیا جائے تاکہ سڑک وسیع ہو کر لوگوں کے مفاد میں بہتر ثابت ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے تو پھر اس کا کچھ حصہ افادہ عام کے لیے سڑک میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اسے کسی اور کام میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں اگرچہ فوائد اس میں زائد ہوں، لہذا مسجد کا کوئی بھی حصہ سڑک میں شامل کرنا جائز نہیں۔

قال المحقق (جعل شی) ای جعل البانی شیئاً من الطريق مسجداً (لضيقه ولم یضرب بالمارین (جاء) لانهما للمسلمین (کعکسہ ای بجواز عکسہ وهو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اهل الامصار فی الجوامع و جاز لكل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والدواب زلیعی (کما جاز جعل) الامام (الطریق مسجداً) کعکسہ) جواز الصلوۃ فی الطريق لا المروءۃ فی المسجد۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۳۷۷ احکام المساجد کتاب الوقف) ۷۲

مساجد میں بلند آواز سے نعت خوانی اور تقریر کرنا | سوال :- مساجد میں بلند آواز سے جلسوں میں ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مساجد میں بلند آواز سے تقریر کرنا اور ایسے ہی نعت خوانی کرنا اگر کسی نمازی کی نماز میں باعث تشویش نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اگر کہیں نمازیوں کی نماز میں تشویش کا ذریعہ ہو تو مکروہ ہے۔

قال المحقق (انتاد ضالة) وشعر الکافیہ ذکر و رفع صوت بذكر الا للمتفرقة۔

لہ وفي الهندية ان ارادوا ان يجعلوا شیئاً من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قيل لیس لهم ذلک وانه صیحم کذا فی محیط۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۴ کتاب الوقف) ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۵ کتاب الوقف۔

قال ابن عابدین تحت هذا القول وفي حاشية الحموی عن الامام الشعرائی
اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استیجاب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش
جهرهم علی نائحه او مصل او قاری الخ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۶ احکام المساجد کتاب الصلوة) لہ

سوال :- ایک مقام پر بعض لوگوں نے
سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے مسجد بنانا | گورنمنٹ کی زمین پر جبراً قبضہ کر کے مسجد

تعمیر کر لی جبکہ حکومت نے انہیں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اب حکومت اپنے نقشہ
کے مطابق شہر کی تعمیر چاہتی ہے، دریافت طلب اس پر ہے کہ کیا ایسی غصب شدہ زمین پر بنائی گئی
مسجد مسجد شرعی کے حکم میں ہے؟ اور کیا حکومت اس کو منہدم کر کے اپنے مصرف میں لاسکتی ہے؟
الجواب :- مسجد کے لیے زمین وقف کرنے کے لیے واقف کا ملک تام ہونا شرط ہے،
جبکہ یہ زمین حکومت کی ملکیت ہے، تو عوام کو حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں۔
کسی کی زمین پر جبراً قبضہ کر کے وہاں مسجد بنالی جائے تو وہ شرعی مسجد نہیں، اسلئے اگر حکومت ایسی
مسجد کو منہدم کر کے اس جگہ کو کسی اور مصرف میں استعمال کرے تو جائز ہے تاہم اگر ضرر نہ ہو تو
اسی جگہ مسجد کو باقی رکھنا بہتر ہے۔

قال ابن عابدین: افاد ان الواقف لا یدان یكون مالکاً له وقت الوقف ملکاً یا تاو لو
بسبب وان لا یكون محجوراً عن التصرف حتی لو وقف الغاصب المغموب لم یصح
وان ملکہ بعد بشاء او صلح ولو جازا مالک وقف الفضولی جاز۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۴ کتاب الوقف، مطلب قد ثبت الوقف بالضرورة) لہ

لہ فی الصیح البخاری عن السائب بن یزید قال: کنت قائماً فی المسجد فخصبني رجل فنظرت
الیہ فاذا عمر بن الخطاب اذہب فأتی بہدین فجثہ بہما فقال من انتما او من
ابن انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لا وجعتکما ترفعان اصواتکما
فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الصیح البخاری ج ۱ باب رفع الصوت فی المسجد)
وَمِثْلُهُ فی الطحاوی حاشیة مراقی الفلاح ص ۲۰ کتاب الصلوة۔

لہ قال ابن نجیم: الخامس من شرائط الملك وقت الوقف حتی لو غصب ارضاً فوقفها ثم
اشتراها من مالکها ودفع الثمن الیہ او صالح علی مال دفعه الیہ لا تكون وقفاً۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸ کتاب الوقف) وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف۔

مسجد کے مسبع ہونے کا حکم | سوال :- ایک مسجد جو کہ عوام کے تعاون سے تعمیر کی گئی ہے لیکن ڈیزائن اور نقشہ کے لحاظ سے مسبع ہے جبکہ عام مساجد کی تعمیر مربع اور مستطیل شکل میں ہوتی ہے اور فقہاء اُمت کے اقوال سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مروجہ طریقہ کو چھوڑ کر جدید طریقہ سے مسجد بنانا جائز ہے؟ جبکہ اس مسجد کا ڈیزائن بعض غیر مسلم عبادت گاہوں سے بھی متشابه ہے؟

الجواب :- مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہ اور شعائرِ اسلامیہ سے ہیں جن کا مقصد یادِ الہی اور صلوٰۃ واذکار ہیں، ان کی یہ حیثیت تب برقرار رہتی ہے جب یہ اسلامی مساجد کی ہیئت اور شکل و صورت کی طرح ہوں اور ان کو بعض غیر مسلم اقوام کی عبادت گاہوں کا ہم شکل بنانا جائز نہیں، تاہم اگر تشبیہ کی نیت کے بغیر محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایسا نقشہ اختیار کیا گیا ہو تو پھر اس مسجد کی شرعی حیثیت پر یہ نقشہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ
ثُمَّ لَا تَنصُرُوهُم - الآية (سورۃ ہود، رکوع ۷۱)

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ رواه احمد وابوداؤد۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب اللباس) لہ

مسجد میں گم شدہ چیزوں کے اعلان کا حکم | سوال :- لاؤڈ سپیکر سے استفادہ کی خاطر عموماً گم شدہ اور حبسوں کے اعلانات مساجد میں ہوتے رہتے ہیں، کیا از روئے شرع یہ امور جائز ہیں؟

الجواب :- مسجد عبادت گاہ ہے اس لیے جو چیز مسجد سے باہر گم ہو گئی ہو تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا جائز نہیں البتہ جو چیز مسجد میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان مسجد کے اندر بھی مخص ہے۔ اسی طرح مسجد میں گم شدہ بچے کا اعلان کرنا انسانی جان کی عظمت کی وجہ سے جائز ہے۔

لما قال العلامة المحصفي: يكره انشاد الضالة قال السيد احمد الطحطاوي في حاشية على الدر المختار تحت قوله وانشاد الضالة لقوله عليه السلام اذا رأيتم من ينشد الضالة في المسجد فقولوا لا ردها الله عليك قوله الامام فيه ذكر نحوه الموعظة لانه

كان ينشد الشعر بين يديه صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد ويا مرحسانا بذلك -
 ر الطحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۸ مکروهات الصلوة - فصل فی احکام المساجد - ۱۷

مسجد کی جائداد موقوفہ پر دعویٰ ارث | سوال :- ایک قطعہ اراضی اور مکان کسی شخص نے مسجد کی ضروریات کے لیے وقف کیا، امام کو مسجد کے

مکان میں رہائش کی اجازت دی گئی، جب تک موصوف مسجد کے امام تھے تو ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا لیکن موصوف کی رحلت کے بعد اس کے پسماندہ ورثاء مکان پر قبضہ جما کر مالکانہ حقوق کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ کیا مسجد کی موقوفہ جائداد پر کسی کے ارث کا دعویٰ درست ہے؟

الجواب :- اگر مکان اور زمین مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہوں تو امام صاحب کے پسماندہ ورثاء بطور وراثت اس پر قابض نہیں ہو سکتے، کیونکہ مسجد کے لیے وقف شدہ چیز کسی کی ملک نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ مسجد کی ضروریات کے لیے ہی استعمال ہوگی۔

قال المرغینانی: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم یکن له ان یرجع فیہ ولا یبیعه ولا یورث عنه لانه یحرر عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى وهذا لان الاشياء كلها لله تعالى - (الهدایة ج ۲ ص ۶۸۵ کتاب الوقف، فصل فی المسجد) ۱۷

لہ لما قال العلامة محمد یوسف البنوری: واما انشاد الفلانة فلها صوتان احدهما وہی اقبم واشتغ بان یضل شیء خارج المسجد ثم یرتشد فی المسجد لاجل اجتماع الناس فیہ -

والثانیة ان یضل فی المسجد نفسه فینشده فیہ وهذا یجوز اذا کان من غیر لغظ وشغب - ر معارف السنن ج ۳ ص ۳۱۳ باب ما جاء فی کواہیة البیع والشراء... (الشعر فی المسجد) ومثله فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۰ مطلب فی افضل المساجد، کتاب الصلوة -

لہ وفی الہندیۃ: اما حکمہ عند ہما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وعند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حکمہ صبرورۃ العین محبوسۃ علی ملکہ بحيث لا تقبل النقل عن ملک الی ملک والتصدق بالغلة البعدومة متى صم الوقف بان قال جعلت ارضی هذه صدقة موقوفة مؤبدۃ او وصیت بہا بعد موتی فانه یصم حتی لا یملك بیعہ ولا یورث عنه لكن ینظر ان خرج من الثلث یجوز - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۳۵۲ ابنا الاول فی تعریف الوقف کتاب الوقف) ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۱، ۳۵۲ کتاب الوقف -

مسجد میں کھانے پینے کا حکم | سوال :- مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں تو ان میں کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد میں کھانا پینا صرف معتکف کے لیے جائز ہے، البتہ غیر معتکف یا قیوم وغیرہ اگر کسی وجہ سے مسجد میں کھانا کھانا چاہتے ہیں تو بغیر نیت اعتکاف کے مکروہ ہے، لہذا مسجد میں کھانا کھاتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے۔ مسجد کے ساتھ متصلہ زمین یا کمرہ کو چھوڑ کر مسجد مسجد میں ہی کھانا کھانا اچھا نہیں۔

وفي الهندية: ويكره النوم والاكل لغير المعتكف واذا اراد ان يفعل ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى او يصلي ماشاء كذا في السراجية۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراهية۔ الباب الخامس في آداب المسجد)

مدرس کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا | سوال :- مسجد میں بچوں کو پڑھانے والے استاد کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مدرس کو مسجد کے لیے جمع شدہ فنڈ سے تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ مدرس مسجد کے مہارف میں سے نہیں ہے، اس لیے مدرس کی تنخواہ کا کوئی اور انتظام کیا جائے۔ البتہ اگر جمع شدہ فنڈ مسجد کی ضروریات سے زائد ہو تو اس کو کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے جو اقرب الاقرب ہو۔

قال المحقق: حثيث المسجد وحصره مع الاستغناء عتقهما (و) كذا (الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الى اقرب مسجد او رباط او بئر) وحوض (اليه)۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۴ ص ۳۵۹ کتاب الوقف) تاہم اگر واقف نے مال دیتے وقت یہ نیت کی ہو کہ اس مال سے مسجد اور اس کے متعلق امام و مؤذن اور مدرس کو تنخواہ دی جائے تو اس صورت میں جائز ہے۔

قال قاضي خان: ويباح للمعتكف الاكل والشرب في معتكفه رج ۱ ص ۲۳۲ باب الاعتكاف، قاضيان على هامش فتاوى هندية)۔ وَمَنْ لَّهُ فِي رَدِّ الْمُجْتَدِ ج ۱ ص ۶۶۱ احكام المساجد۔ لہ وفي الهندية: واذا اراد ان يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد والى مؤذن المسجد ليس له ذلك الا ان كان الواقف شرط ذلك في الوقف۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۶۶۳ کتاب الوقف۔ الباب الحادي عشر في المسجد۔ الفصل الثاني)

مسجد میں رہائش پذیر طلباء کا مسجد کی چیزوں کو استعمال کرنا | سوال :- مسجد میں رہائش پذیر

ہوں کیا وہ مسجد کی اشیاء مثلاً بجلی، لکڑی، درمی وغیرہم استعمال کر سکتے ہیں ؟
الجواب :- مسجد کی موقوفہ اشیاء کا طلباء کو استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ طلباء کو اگر
 مساجد کے مصالح سے متعلق نہیں، ایسے اگر واقف اس کی نسبت کرے تو امام و مؤذن کی طرح ان
 کے لیے بھی استعمال جائز ہے ۔

قال ابن عابدین (قوله اتخذ الواقف والجهة) بان وقف وقفین علی المسجد
 احدہما علی العمارۃ والاخر الی امامہ او مؤذنہ والامام والمؤذن لا یتقرقلۃ المرسوم
 للحاکم الدین ان یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارۃ الی الامام والمؤذن باستصوا
 اهل الاصلاح من اهل المحلۃ ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۶ کتاب الوقف) لہ

عارضی مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں | سوال :- ہم ایک سرکاری کالونی میں رہائش پذیر ہیں
 جبکہ اس کالونی میں کوئی مسجد نہیں ہے اور حکومت نے

ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نقشہ کے مطابق آپ کو مسجد کے لیے زمین دیں گے، کالونی میں
 دو دوکانیں اور ان کے سامنے برآمدہ بھی ہے۔ کیا فی الحال عارضی طور پر ہم ان دوکانوں کی
 ہیئت کو بدل کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ مثلاً ان کے درمیان میں محراب بنا لیا جائے جبکہ یہ
 دوکانیں حکومت کی ملک ہیں۔ اور بعد میں جب حکومت کی طرف سے مسجد کے نام پر زمین الاٹ
 ہوگی تو اس الاٹ شدہ زمین پر مستقل طور پر مسجد بنائی جائے گی۔ کیا یہ دوکانیں جن میں عارضی طور پر
 مسجد بنائی گئی تھی بعد میں اس کو دوبارہ دوکانوں کے کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟

الجواب :- جس زمین پر عارضی طور پر مسجد بنائی جائے یا مقصود یہ زمین پر مسجد بنائی جائے
 تو یہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں، ضرورت ختم ہونے پر مالک اس زمین کو اپنی ذاتی ضروریات کے لیے
 استعمال کر سکتا ہے، چونکہ یہ دوکانیں بھی مالک کی اجازت کے بغیر مسجد کے لیے استعمال ہوئی ہیں

لہ وفي الہندیۃ: واذا اراد ان یصرف شیئاً من ذلک الی امام المسجد او الی مؤذن
 المسجد فلیس لہ ذلک الا ان کان الواقف شرط ذلک فی الوقف کذا فی الذخیرۃ۔
 والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف)۔ ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۴

اس لیے یہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں بلکہ بعد مالک یعنی حکومت اس کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: اقامات الواقف لا بد ان يكون مالكا له وقت الوقت ملكا بانا ولو بسبب فاسد وان لا يكون معجورا عن التصرف حتى لو وقف الغاصب المغضوب لعصم وان ملكه بعد بشار او صلح ولو جاز المالك وقف الفضولي جاز۔

رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳ کتاب الوقف مطلب قد ثبت الوقف بالضرورة) لے

سوال :- رمضان المبارک میں اعتکاف معتکف کا مسجد میں ریح (دھوا) خارج کرنا کے دوران خروج ریح کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- بدبو پھیلنے کے سبب مسجد میں ہوا خارج نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سے مسجد کو پاک رکھا جائے، چونکہ معتکف کے لیے مسجد میں سوتے کی اجازت ہے اس لیے سونے کے ساتھ جو اس کے لوازمات ہیں وہ سب جائز ہیں تاہم بہتر نہیں۔

وفي الهندیة: اختلف في الذي يفسوا في المسجد فلم ير بعضهم بأسا وبعضهم قالوا لا يفسوا ويخرج اذا احتاج اليه وهو الاصح ولا بأس للمحدث ان يدخل المسجد في اصم القولين ويكره النوم والاكل فيه لغير المعتكف۔

(الفتاوى الهندیة ج ۵ ص ۳۲ کتاب الکراهیة) لے
الباب الخامس

له قال ابن نجيم: الخامس من شرائطه الملك وقت الوقت حتى لو غضب ارضا فوقها ثم اشتراها من مالها ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف)

ومثله في الهندیة ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف)

له قال ابن عابدین: وكذا لا يخرج فيه الريح من الدبر كما في الاشياء واختلف فيه السلف فقل لا بأس وقيل يخرج اذا احتاج اليه هو الاصح جموي عن شرح الجامع الصغير للتمرتاشي۔ رد المحتار علی الدر المختار جلد ۱ ص ۲۸۶ احکام المساجد)

ومثله في الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف۔

مسجد کا پانی گھر لے جانا | سوال :- بعض علاقوں میں مسجد کا پانی اکثر لوگ گھر لے جاتے ہیں، کیا مسجد کا پانی گھر لے جانا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- یہ پانی اگر صرف مسجد کے لیے وقف ہو تو پھر مسجد کی ضروریات تک محدود رہے گا، مسجد سے گھروں کو پانی لے جانا جائز نہیں البتہ اگر واقف نے پانی وقف کرتے وقت اس کی اجازت دی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں لیکن مسجد کی ضروریات کو مقدم رکھا جائے گا۔ اب اگر واقف نے کنواں مسجد اور دیگر ضروریات کے لیے تو وقف کیا ہے مگر پانی بجلی کی موٹریا ڈیزل انجن وغیرہ کے ذریعے نکالا جاتا ہو تو اس میں بھی چندہ دہندگان کی نیت ضروری ہوگی۔

قال ابن نجيم: التوضي من السقاية اذا اتخذها للشرب اختلف المشائخ ولو اتخذها للتوضوء لا يجوز الشرب منه بالاجماع - (البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۵ کتاب الوقف) لہ

مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دینا | سوال :- ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لیے وقف کی تھی جس میں اس نے تعین کیا تھا کہ نصف زمین

کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر پر لگا دی جائے اور نصف زمین مزارعت کے لیے ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع امام کی تنخواہ میں صرف کیا جائے۔ اب جس مزارع کے پاس زمین ہے وہ نفع دینے سے انکاری ہے، ان حالات میں مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسا فنڈ جو مسجد کی تعمیر کے لیے خاص ہو اس سے امام کو تنخواہ نہیں دی جاسکتی، اگر واقف اس کی نیت کرے تو اس صورت میں دینا جائز ہے، البتہ مسجد کی عام ضروریات کے لیے رکھے ہوئے چندہ سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ بھی مسجد کی ضرورت ہے۔

قال ابن عابدین: (قوله اتخذ الواقف والجهة) ان وقف وقفین علی المسجد احدهما علی العمارۃ والاخری امامہ او مؤذنہ والاخری امامۃ والمؤذن لا یستقر

لہ ابواللیث السمرقندی: یدل یشتمل فی مسجد اخر فی موضع ما، لعمارة المسجد و فی الطرف للشرب لایجوز التوضی به الا اذا کان کثیراً و کذا لایجوز دفع الجمر من السقاية - (الفتاویٰ النوازل ص ۲۲۳ کتاب الوقف)

ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۶۵ کتاب الوقف

لقلة المرسوم للحاكم الدين وان يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى
الامام والمؤذن باستصواب اهل الصلاح من اهل المحلة۔

رد المحتار على الدر المختار ج ۴ ص ۳۶ کتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه

سوال :- ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس
مسجد کے فنڈ سے امام کے لیے مکان بنانا

اس میں بعض اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ امام صاحب کے لیے مکان تعمیر کرایا جائے، لیکن مکان کی
تعمیر کے لیے مستقل چندہ نہیں کیا گیا بلکہ مسجد کے فنڈ سے ہی مکان کو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا گیا
ہے۔ کیا عند الشریع مسجد کے فنڈ سے امام صاحب کے لیے مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے ؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں مکان کی تعمیر مسجد کے فنڈ کے مصارف میں سے نہیں ہے
البتہ اگر واقف اس کی نیت کرے کہ اس فنڈ سے امام مسجد کے لیے مکان بھی تعمیر کرایا جا
تو پھر شرعاً جائز ہے۔

قال ابن عابدین: قوله اتخذ الواقف والجمعة بان وقف وقفين على المسجد أحدهما
على العمارة والاخرى امامه ومؤذنه والامام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم
الدين ان يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى الامام والمؤذن باستصواب
اهل الصلاح من اهل المحلة۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۴ ص ۳۶ کتاب الوقف)

۱۔ قال طاهر بن عبد الرشيد: ولو شرط الواقف في الوقف الصرف الى امام المسجد وبين قدره
يصرف اليه ان كان فقيراً وان كان غنياً لا يعجل له وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين۔

(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۲۶۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۳ الباب الحادي عشر في المسجد والفصل
الثاني في الوقف على المسجد۔

۲۔ وفي الهندية: واذا اراد ان يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد او الى مؤذن المسجد
فليس له ذلك الا ان كان الواقف شرط ذلك في الوقف كذا في الذخيرة۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف۔ الباب الحادي عشر في المسجد الفصل الثاني)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۲۶۲ کتاب الوقف۔

سوال :- ہماری مسجد کے قریب تقریباً ۵۵ گز کے فاصلہ پر ایک چبوترہ ہے، ہمارے محلہ میں عقائد کے لحاظ

سے بہت اختلاف ہے، اسی اختلاف کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز کو جائز نہیں سمجھتے، ان حالات میں ہر فریق نے اپنے لیے الگ الگ مسجد بنائی ہے لیکن دونوں مساجد اتنی قریب ہیں کہ بسا اوقات ایک دوسرے کی تکبیرات اور قرأت سنی جاتی ہے۔ ان حالات میں دوسری مسجد کا قیام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اہل محلہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ آپس میں صلح کر لیں اور اختلاف کو رفع کر دیں اور اگر اختلاف رفع نہ ہو سکے تو رفع فساد کے لیے ایک مسجد کو تقسیم کرنا شرعاً جائز ہے اس لیے قریب میں دوسری مسجد بنانا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

قال ابن نجيم: واذا قسم اهل المحلة المسجد وضرر بوا فيه حائطاً ولكل منهم امام على حدة ومؤذنين واحداً باس به۔

والبحر الواقع ج ٢٣٥ باب ما يفسد المصلاة وما يكره فيها، له

مسجد میں آنے سے منع کرنا | سوال :- کسی کو مسجد میں آنے سے منع کرنے کا شرع میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مسجد کسی کی ملک نہیں، یہ ایک عبادت گاہ ہے جس میں ہر ایک کو آنے کا حق حاصل ہے کہ اس میں نماز و تلاوت و ذکر کرے۔ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (سورۃ الجن آیت ۱۷) اس لیے مساجد میں آنے سے کسی کو منع کرنا گناہ عظیم ہے، قرآن کریم میں مساجد میں آنے سے منع کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے، ارشادِ ربّانی ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُدْخِلَ فِيْهَا اسْمَهُ وَاسْمٰى فِيْ خُرَابِهَاۙ اَبْقٰہُ ۚ (البقرہ ۱۱۴) البتہ اگر مسجد تنگ ہو تو اپنی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر دوسرے محلے والوں کو مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی القنیة وكن الاهل المخلة ان يمنعوا من ليس منهم

له قال المحصني: وجعل السجدين واحدًا وعكسه لصلوة. (الدراختار على صدر رد المحتار ج ١ ص ٢٤٣)
 أحكام المساجد - وَفِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ٥ ص ٣٢ كتاب الكراهية -

عن الصلوة فيه اذا ضاق بهم مسجد۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۲ کتاب الصلوة) ^۱
سوال :- مسجد میں گوبر کا استعمال کیا ہے؟ جیسا کہ بعض مساجد میں آگ جلانے یا مٹی میں خلط کر کے کاربنا کر استعمال کیا جاتا ہے؟

الجواب :- مسجد میں گوبر کا استعمال جائز نہیں، البتہ ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے تاہم اگر گوبر کے علاوہ کسی تبادل چیز سے ضرورت پوری ہو سکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس تبادل چیز کو استعمال کیا جائے۔

قال ابن عابدین: (ولا تطيينه بنجس) في الفتاوى الهندية يكره ان يطيين المسجد بطين قد بل بماء نجس بخلاف السرقين اذا جعل فيه الطين لان في ذلك ضرورة وهو تحصيل غرض لا يحصل الا به كذا في السراجية۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احكام المساجد) ^۲

سوال :- ہمارے محلہ میں ایک پرانی مسجد ہے جو کسی وقت آباد تھی لیکن اب لوگ اس میں نماز نہیں پڑھتے، بعض لوگ اس میں مویشی بھی باندھتے ہیں، جبکہ کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ اس پرانی اور ویران مسجد کو جنازہ گاہ میں تبدیل کیا جائے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب :- جب کسی مقام پر ایک دفعہ مسجد بنادی جائے اور مستقلاً اس میں نماز بھی پڑھی گئی ہو تو اس کو ویران ہونے کے بعد کسی بھی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، لہذا اس ویران مسجد کو جنازہ گاہ یا اصطبل میں بدلنے کی اجازت

۱۔ قال ابن نجيم: وكذا اهل الحلة ان يمتعوا من ليس منهم عن الصلوة فيه اذا ضاق بهم المسجد۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵ کتاب الوقف)
 ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۲۲ کتاب الکراہیۃ

۲۔ قال ابن نجيم: اذا نزع الماء النجس من البركة له ان يبل به الطين فيطين به المسجد على قول من اعتبر نجاسة الطين۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵ باب ما يفسد الصلوة)
 ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۱ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس في اداب المسجد۔

نہیں بلکہ اگر ہو سکے تو از سر نو اس مسجد کو تعمیر کر کے آباد کیا جائے۔

قال المحقق ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الامام
والثاني) ابدأ الى قيام الساعة (وبه يفتي) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین (عند الامام والثاني) فلا يعود ميراً ثانياً ولا يجوز نقله ونقل
ماله الى مسجد آخر سواء كان يصلون فيه او لا وهو الفتاوى حاوی القدسی
واكثر المشائخ عليه مجتبی وهو الاوجه۔

رد المختار ج ۲ ص ۳۵۸ کتاب الوقت مطلب فيما لو خرب المسجد وغيره) ۱

مسجد شرعی کا تبادلہ | سوال :- زید نے مسجد کے لیے ایک جگہ دی تھی اور باقاعدہ طور پر
اہل محلہ نے وہاں مسجد تعمیر کر کے نماز شروع کر دی، اب یہ شخص کہتا ہے کہ

یہ جگہ مجھے واپس کر دی جائے میں اس کے بدلہ میں دوسری جگہ دیتا ہوں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟
الجواب :- جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف کر دی گئی اور باقاعدہ طور پر وہاں مسجد
بھی بنائی گئی اور نماز شروع ہو گئی تو ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہے گی، اب اس کو منہدم کر اس کے
بدلے میں دوسری مسجد بنانا یا اس کی جگہ کو تبدیل کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال المحقق ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الامام والثاني)
ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتي) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین (عند الامام والثاني) فلا يعود ميراً ثانياً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى
مسجد آخر سواء كان يصلون فيه او لا وهو الفتاوى حاوی القدسی واكثر المشائخ عليه مجتبی
وهو الاوجه۔ (رد المختار ج ۲ ص ۳۵۸ باب الوقت مطلب فيما لو خرب المسجد وغيره) ۲

۱ قال طاهر الخارقي: اذا خرب المسجد وفي الفتاوى اذا خربت القرية فيها المسجد وجعلت مزارع وخرب
المسجد ولا يصلي فيه احد فلا بأس بان ياخذ صاحبه وبيعه وهو قول محمد وعن ابی يوسف لا يعود
الى ملك الباقی ولا الى ملك ورثته وهو مسجد ابدأ۔ (خلاصة الفتاوى جلد ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقت،
الفصل الرابع في المسجد واوقافه) ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقت فصل في المسجد۔

۲ وفي الخلاصة الفتاوى: اذا خرب المسجد وفي الفتاوى اذا خربت القرية التي فيها المسجد وجعلت مزارع
وخرب المسجد ولا يصلي فيه احد فلا بأس بان ياخذ صاحبه وبيعه وهو قول محمد وعن ابی يوسف لا يعود الى
ملك الباقی ولا الى ملك ورثته وهو مسجد ابدأ۔ (رد المختار ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقت الفصل الرابع في المسجد وغيره)
ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقت فصل في المسجد۔

مسجد میں کسی کے لیے جگہ متعین کرنا | سوال :- بعض لوگ مسجد کے اندر اپنے رفقاء کے لیے بیٹھنے کی جگہ متعین کر دیتے ہیں اور اس جگہ پر چادر

یا جائے نماز رکھ کر دوسروں کو وہاں بیٹھتے نہیں دیتے جبکہ ابھی تک وہ لوگ مسجد میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ کیا اس طرح کسی کے لیے مسجد میں جگہ متعین کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :- مسجد میں غیر موجود لوگوں کے لیے جگہ روکنا خصوصاً جموع کے دن ایسا کرنے کو غیر مستحسن اور ناجائز سمجھا گیا ہے کیونکہ مسجد کسی کی ملک نہیں، یہ حق پہلے آنے والوں کا بنتا ہے، علاوہ ازیں بعد میں آنے والا شخص بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں یا کندھوں کے اوپر سے گزر کر جائے گا اور دوسرے مسلمانوں کی اذیت رسانی کا سبب بنے گا جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

عن ابی سعیدؓ و ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعة و لبس من احسن ثیابہ و مت من طیب ان کان عندہ ثمراقی الجمعة فلم یتخط اعناق الناس ثم ما کتب اللہ لہ ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یفرغ من صلوٰتہ کانت کفایۃ لسا بینہا و بین جمعة التی قبلہا۔ ۲ و ۳ ابوداؤد (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۲) باب التنظیف والتکبیر، الفصل الثانی (۱) لہ

مسجد کے باغیچہ پر چھت ڈالنا | سوال :- مسجد کے ساتھ صحن میں ایک باغیچہ ہے، بعض اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ اس باغیچہ پر چھت ڈال دی جائے تاکہ طلباء کرام دینی علوم حاصل کر سکیں یا کسی اور مصالح میں اس کو استعمال کیا جاسکے، کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- اگر مسجد کا یہ صحن مسجد کی حدود میں داخل ہو اور اس میں مستقل طور پر کسی وقت نماز

لہ حد ثنا ہارون بن معروف نا بشر بن السری نا معاویۃ بن صالح عن الزاہدۃ قتال گنا مع عبد اللہ بن بسر صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة فجاء رجل یتخطی رقاب الناس فقال عبد اللہ بن بسر جاء رجل یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجلس فقد اذیت۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۹) باب ۱۵۹ یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة

وَمِثْلُهُ فی الجامع الترمذی ج ۱ ص ۶۱ باب فی کراہیۃ التخطی یوم الجمعة۔

پڑھ لی گئی ہو تو اب یہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس کو کسی اور مصرف میں لانا عند الشرع جائز نہیں۔ تاہم چونکہ دینی تعلیم کا حصول مساجد کے مقاصد میں شمار ہوتا ہے اس لیے مسجد یا اس کے کسی کونے کو مدرسے کے طور پر استعمال کرنا مخصص ہے، لیکن دیگر مصالح کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔

لما روى ابو هريرة عن النبي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من جاء مسجدى لم يأت الا الخيى لتعلمه او يعلمه فهو بمنزلة المجاهد في سبيل الله۔ الخ قال الملا على القارى فيه دلالة على جواز التدريس في المسجد۔ (المرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۲)

باب المساجد الفصل الثالث کتاب الصلوٰۃ ھـ

سوال :- اہل محلہ نے اپنی مسجد کے لیے ایک متولی مقرر کیا

ہے لیکن اس کے لیے اہل محلہ نے کوئی مشاہرہ مقرر نہیں کیا، تو کیا متولی بغیر اذن اہل محلہ مسجد کے فنڈ میں سے اپنی اجرت لے سکتا ہے؟

الجواب :- چنڈہ کے اموال ایک امانت ہوتے ہیں اور یہ وقت عرفی ہے شرعی نہیں، لہذا ایسے امور کے لیے واقفین سے اس کی اجازت لینا ضروری ہے، بغیر اذن کے متولی کو مسجد کے فنڈ سے تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

وفي الهندية: لو وقف دراهم او مكيلاً او شيئاً لم يجز وقيل في موضع تعارفوا ذلك يعني بالجواز قيل كيف الدراهم تقرض للفقراء ثم يقبضها او تدفع مضاربة و يتصدق بالربح والخسرة تقرض للفقراء ين رعون ثم تؤخذ منهم والثياب الكسية تعطى للفقراء ليليسوها عند حاجتهم ثم تؤخذ كذا في الفتاوى العتابية۔ ر الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۶۲ کتاب الوقف۔ الباب الثاني فيما يجوز وقفه الخ

فهو في الشرع عند ابي خنيفة رحمه الله تعالى حيس العین علی ملک الواقف لتصدق بالمنفعة علی الفقراء و علی وجه من وجوه الخیر بمنزلة العواری کذا فی الکافی فلا یكون

له وفي الهندية: يجوز الدرس في المسجد وان كان فيه استعمال للبسود والبوارى المسبلة لاجل المسجد۔ ر الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲ الباب الخامس في آداب المسجد (ومثله في امداد المفتين المعروف بفتاوى دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۸۱۲۔

لازمًا وله ان يوجع ويبيح كذا في المضمرات ولا يلزم الا بطريقين احدهما قضاء التقاضي يلزومه والثاني ان يخرج مخرج الوصية..... وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه لقود منفعة الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية الى العيون التيممة ان الفتوى على قولها كذا في شرح الشيخ ابي المكارم للنقاية -
 دفتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف، الباب الاول في تعريفه (۱) ۱۰۷

مسجد میں ٹیپ ریکارڈر لانا سوال :- بعض لوگ مساجد میں ٹیپ ریکارڈر لے آتے ہیں جس سے تقاریر اور تلاوت وغیرہ سنتے ہیں اور ریکارڈ

کرتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟
الجواب :- ٹیپ ریکارڈر بذاتِ خود ایک آلہ ہے، اس کو اچھے اور بُرے دونوں کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر اسے اچھے کاموں میں استعمال کیا جائے مثلاً تلاوتِ قرآن یا کسی کی تقریر ٹیپ کرنا، اگر اس نیت سے مسجد میں لایا جائے تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ اگر اس ٹیپ ریکارڈر سے گانے سننے جائیں یا کسی اور گناہ کے کام کے لیے لایا جائے تو مسجد و خارج مسجد دونوں میں مطلقاً جائز نہیں۔

قال طه بن عبد الرشيد: وفي الفتاوى استماع صوت الملاحى كالضرب بالقصب وغيره حرام لانه من الملاهى وقال عليه الصلوة والسلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسوق والتلذذ بها من الكفر هذا على وجه التحديد ولكن وجب عليه ان يجتهد حتى لا يسمع لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه اذ دخل اصبه في اذنه منذ ذكر اشعار العرب ان كان فيها ذكر افسق كرههم بالمعصية

۱۰۷
 له قال المحصنى رجبس العين على حكم رملك الواقف والتصدق بالمنفعة، ولو في الجملة والا صح انه رنده، جائز غير لازم كالعارية رندهما هو حبسها على حكم رملك الله تعالى وصرف منفعتها على من احب - (در مختار ج ۳ ص ۳۵ کتاب الوقف)

قال المرغيناني: لا يزول ملك الواقف الا ان يحكم به الحاكم او بطلته بموته فيقول اذامت نقد وقفت دارى على كذا وقال ابو يوسف يزول ملكه بمجرد القول وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف - (الهدية ص ۴۳ کتاب الوقف)

ان عزم علیہ الاثم۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب الکراہیۃ الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعای) ^{لہ}

سوال :- اگر مسجد کے گرجانے کا

بوقت ضرورت متولی کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا **خوف** ہو تو دوسرے محلہ میں سے

کسی شخص کو بغیر اذن متولی یا اہل محلہ کے اس کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بسا اوقات ایسے بلا اجازت تصرفات سے بہت سی بے اعتدالیاں پیدا

ہو جاتی ہیں جس سے مساجد کا انتظام بری طرح متاثر ہوتا ہے، ایسی مساجد میں جملہ تصرفات

بانی مسجد متولی یا اہل محلہ کی اجازت پر موقوف رکھے جائیں، تاہم کسی متعنت اور انارٹی متولی

کے جابرانہ رویہ کا اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم: الباقی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشیرتہ

اولیٰ من غیرہم بنی مسجدانی محلۃ تنازعہ بعض اہل محلۃ فی العمارۃ فالباقی

اولیٰ مطلقاً۔ (الاشیاء والنظائر ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الوقف)

سوال :- ایک شخص نے کسی

مسیحی کے لیے باقاعدہ وقف سے ملکیت کا زائل ہونا **مسجد کے لیے زمین وقف کی ہے**

اس زمین سے اس شخص کی ملکیت کب زائل ہوگی کیا وقف کے بعد اس کو مالکانہ تصرفات کا

حق حاصل رہتا ہے؟

الجواب :- مسجد کے لیے زمین کا وقف باقاعدہ اجازت سے نماز باجماعت پڑھنے پر

موقوف ہے لہذا ایک دفعہ نماز باجماعت پڑھنے سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی، البتہ امام ابو یوسفؒ

لہ قال المحکمی: (وکرہ رکل لہم) لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام کل لہم المسلم حرام الا ثلاثۃ

ملاہنتہ اہلہ وتادیبہ لفرسہ ومناصلتہ بقوسہ (در مختار ج ۵ ص ۲۵۳ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع)

ومثله فی الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۵۱ کتاب الکراہیۃ۔

قال طہر بن عبد الرشید: مرجل بنی مسجدانی سکھ فنازعہ بعض اہل السکۃ فی

عمارۃ ونصب المؤذن والامام فالمختاران الباقی اولیٰ وفی العمارۃ اولیٰ بالاتفاق۔

خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹ باب احکام المساجد، کتاب الوقف۔

کے نزدیک اس میں نماز پڑھنا بھی ضروری نہیں بلکہ صرف اس کے قول سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے،
باقاعدہ وقف کے بعد واقف کو مالکانہ تصرفات کا حق حاصل نہیں۔

قال المحقق ریزول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ، بالفعل (بقوله جعلته مسجداً)
عند الثانی (وشرط محمد) والامام (والصلوة فیہ) بجماعة وقیل یکفی واحد وجعله فی
الخانیة ظاہر الروایة۔ (رد المختار عاشر رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۹ کتاب الوقف) لہ

سوال :- ہمارے شہر ربما میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے

وہاں کے لوگ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اگر شریعت میں
عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت ہے تو ایک جگہ متعین کر کے عورتوں کے لیے بھی مسجد بنادی
جائے جس میں عورتیں نماز پڑھیں اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں شمولیت اختیار کر سکیں۔ ایسا
کرنا اس دور میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرونِ اوٹی میں اگرچہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن اس دور
میں فتنہ و فساد کے عموم کی وجہ سے فقہاء نے انہیں مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ
عورتوں کی مساجد میں حاضری کے اتنے فوائد نہیں جتنے نقصانات یقینی ہوتے ہیں لہذا فساد
زمانہ کی وجہ سے عورتوں کو مسجد میں آنا مستحسن نہیں۔

قال المحقق ریزول ملکہ حضورہنّ الجماعة (ولو لجمعة وعید ووعظ) (مطلقاً)
ولو عجوناً ایلاً (علی المذهب) (الفتی بہ لفساد الزمان۔ (رد المختار علی ہاشم رد المحتار ج ۱۰ باب الامت)

لہذا ذابنی مسجد المیزل ملکہ عنہ حتی یفرده عن ملکہ بطریقہ ویاذن للناس بالصلوة
فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال عن ابی حنیفۃ عن ملکہ وقال ابو یوسف یزول ملکہ
بقوله جعلته مسجداً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوقف تصلی فی المسجد)
وَمِثْلُهُ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۴۰۸ کتاب الوقف الفصل الاول)
لہ قال طاہر: اما اذا امر الرجل النساء فی مسجد بجماعة لیس معہن رجل لا یاس بہ وفي غیر المسجد من
البیوت ونحوها بکرة الا ان یکون معہ ذات رحم محرم وتخرج العجوز الی العید والجمعة وفي الفجر والعشاء دون
الظهر والعصر والمغز مختلف فالحال ان فی المعز اختلاف الروایة وعندہما تخرج الی جمیع الصلوة ہذا جواب
الاصل وقال فی الفتاوی لا تخرج العجائز فی زماننا الی الجماعات۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۵۵ کتاب الصلوة)
وَمِثْلُهُ فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۹ فصل فی الجماعة۔

مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم | سوال :- ایک مسجد کے متولی کو بعض لوگ معزول کرنا چاہتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس کی معزولی کے اسباب

نہ جاننے کی وجہ سے ایسی سرگرمیوں میں شرکت نہیں کرتے۔ کیا کسی متولی مسجد کو اہل محلہ یا حاکم معزول کر سکتا ہے اور وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے متولی کو معزول کیا جاسکتا ہے ؟

الجواب :- اہل محلہ یا حاکم نے جن امور شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی کو متولی بنایا تھا اگر یہ متولی اُن امور شرعیہ کا لحاظ نہیں رکھتا بلکہ کہیں خیانت کا ارتکاب کر کے وقت کے اموال کو غیر شرعی طور سے استعمال کر رہا ہو اور اسی طرح ایسے دوسرے امور کا ارتکاب کر رہا ہو جس سے اہل محلہ تنگ ہوں تو امور فقہیہ کی وجہ سے اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر ایسے امور کا خود واقف بھی مرتکب ہو تو اسے بھی معزول کیا جاسکتا ہے۔

قال المحقق: رجعل الواقف (الولاية لنفسه جاز) وكذا الولي بشرط لا حدًا فالولاية له عند الثاني وهو ظاهر المذهب نهر خلافا لما نقله المصنف ثم لو صيحه ان كان والا فللعالم فتاوى ابن نجيم، قارى الهداية وسيجئى (روينزع وجوباً بزيادة ولو) الواقف رد فقيره بالادنى (غير مامون) او عاجز او ظهريه فسق كشرب خمر ونحوه فتح اوكان يصرف ماله فى الكيمياء نهر بحثاً (وان شرط عدم نزع) (الدر المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۸۲ كتاب الوقف)

مصلح مسجد کے لیے موقوفہ زمین کا حکم | سوال :- اکبر اور ریحان کے آباد اجداد نے مسجد میں پانی کی نکاسی کے لیے ایک رہٹ لگایا

تھا اور اس رہٹ کے اخراجات کے لیے ۵ کنال اور تین مرلہ زمین بخش تھی جس کا اندراج کاغذ میں موجود ہے۔ اب جبکہ مسجد میں بجلی کا پمپ بھی ہے اور کٹری کے رہٹ کے بجائے لوہے کا رہٹ لگا دیا گیا ہے، لہذا اس زمین سے جو اخراجات اس رہٹ کے پورے کیے جاتے تھے اب ان کی ضرورت نہیں رہی، اب اہل مسجد نے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ زمین جو پانی کی نکاسی

له وفى الهندية: ودان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف غير مامون على الوقف فللقاضى ان ينزعها من يده كذا فى الهداية - (ج ۳ ص ۳۸۹ كتاب الوقف) ومثله فى الهداية ج ۲ ص ۶۲۳ كتاب الوقف

کے لیے وقف کی گئی تھی اس کو مسجد کے کسی اور مصرف میں لایا جائے، مثلاً اجارہ پر دے دی جائے یا جن کے قبضہ میں ہے اُن سے ادھانفع لے کر مسجد کے مصالح میں خرچ کر دیا جائے، لیکن ریحان اور اکبر مسجد کی اس اراضی کو اپنے قبضہ سے نکالنے کو تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف رہیٹ کے ذمہ دار تھے جبکہ اب زمین اس سے مستغنی ہو گئی ہے لہذا یہ زمین اب ہمارے ہی ہے، اب ہم اسے اپنے مصرف میں خرچ کریں گے، کیا ان کا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: عرف کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ معاملہ وقف کا ہے لہذا جس نے اپنی زمین کی آمدنی مسجد کے لیے معین کر دی ہے تو یہ زمین بھی وقف سمجھی جائے گی اس لئے ریحان اور اکبر کو اس پر قبضہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ اس کی آمدنی کو پیپ یا مصالح مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ونظیرہ قال ابن نجیم: اشتروا من غلۃ داری ہذہ کل شہر بعشرۃ دارہم خبزاً و فرقوہ علی المساکین صارت دار وقفاً۔ (البحر الرائق ج ۹ ص ۱۰۱ کتاب الوقف)

سوال: مساجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا کیا حکم ہے، خصوصاً جب مسجد میں کیا جائے؟ اس دور میں مساجد میں عام طور پر چندہ مانگا جاتا ہے۔ اگر کسی محلہ والوں کو ایک عام اور پکی مسجد بنانے کی استطاعت ہو لیکن وہ پکی مسجد بنانے کے لیے چندہ کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: مساجد کو تعمیر کرنا اصل کے لحاظ سے سلطان وقت کی ذمہ داری ہے۔ قال ابن عابدین: فانه يجب ان يتخذ الامام للمسلمين مسجداً من بيت المال ومن مالهم ان لم يكن لهم بيت مال كذا في فتح القدير۔ (رد المختار ج ۳ ص ۳۵۸ کتاب الوقف) جبکہ اس دور میں عموماً سلاطین مساجد کی تعمیر کے لیے متوجہ نہیں ہوتے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ مساجد کی تعمیر کے لیے چندہ کریں، چاہے یہ چندہ مساجد میں کریں یا مساجد سے

لہذا فی المندیۃ: رجل قال فی مرضہ اشتروا عن غلۃ داری ہذہ کل شہر بعشرۃ دارہم خبزاً و فرقوا علی المساکین صارت الدار وقفاً۔ (الفتاویٰ المندیۃ ج ۲ ص ۳۵۹ کتاب الوقف فی الافاظ الیتم بہا الوقف) و مثله فی رد المختار ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الوقف

باہر، اور بعض روایات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

عن جریر قال کنا فی صدر النہار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء قوم عساة محتابی النمار والعباء متقلدی السیوف عامتهم من مضر بل کلمہ من مضر فتمعر وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہما رای بہم من الفاقة فدخل ثم خرج فامر بلالاً فاذا نوا قام فصلى ثم خطب فقال یا ایہا الناس اتقوا الذی خلقکم من نفس واحدة۔ (الایہ) اِنَّ اللہَ کانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ (الایہ)۔ اتقوا اللہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّ مَتَّ لِعَیْدٍ۔ تصدق رجل من دینارہ من درہمہ من ثوبہ من صاع برہ من صاع تمرۃ حتی قال ولولیشق تمرۃ الی اخر۔

(مشکوٰۃ ج ۳ کتاب العلم) ۱۷

مسجد کے ہوتے ہوئے مندر میں نماز پڑھنا | سوال: ہمارے علاقے میں اکثر مہاجرین،

ہیں جب ہم ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تو اس علاقے میں کسی جگہ پر بھی کوئی مسجد نہیں تھی البتہ ہندوؤں کا ایک مندر تھا جس کو ہم لوگوں نے نماز کے لیے متعین کر دیا اور کچھ عرصہ باقاعدہ اس میں نماز پڑھتے رہے، بعد میں گورنمنٹ سے منظوری لے کر ایک جگہ مسجد کے لیے متعین کر کے اس پر مسجد تعمیر کر دی، لیکن بعض لوگ اب بھی اس مسجد کے ہوتے ہوئے مندر ہی میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو کیا مسجد کے ہوتے ہوئے اس مندر میں نماز پڑھتی جائز ہے؟

الجواب :- مذکورہ سوال میں مندر کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں، اگر اس کو مستقل طور پر مسجد کی ہیئت میں بنادیا گیا ہو اور اس کی پہلی شکل میں تبدیلی کر دی گئی ہو تو اس کا حکم مسجد جیسا ہے، لہذا یہ مندر بھی مسجد میں شمار ہوگا۔ البتہ اگر مندر کی صورت تبدیل نہیں کی گئی ہو اور اس کو اپنی اصلی حالت میں رکھا گیا ہو اور نہ ہی اس کو مستقل مسجد بنانے کی نیت کی گئی ہو تو یہ مسجد کے حکم میں نہیں اور اس میں نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، تشبہ بالکفار کی حرمت پر بے شمار دلائل ہیں۔ کما قال تعالیٰ: لَا تَرْکُبُوا إِلَى الذِّینَ ظَلَمُوا

۱۷ وفی المسلم: عن جریر قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت علی الصدقة بمعنی حدیث جریر۔ (صحیح مسلم جلد ۳ کتاب العلم باب من سن سنة حسنة الخ)

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ - قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ -

راہوداؤد ج ۲ ص ۵۵۹ کتاب اللباس، باب لبس الشهرة ۱۷

سوال :- ہمارے شہر میں ایک مسجد تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی ہے اور اس کی عمارت بھی بوسیدہ ہو چکی ہے جس

کے گرنے کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے، اگر کوئی شخص اس مسجد کو ترک کر کے دوسری نئی مسجد میں جو کہ قریب ہی تھوڑے سے فاصلے پر بنائی گئی ہے نماز پڑھے تو شرعاً کیسا ہے؟ بعد میں اگر کسی شخص نے اس بوسیدہ مسجد کی عمارت کو شہید کر کے نئے سرے سے اس کی تعمیر کرائی ہے، اس صورت میں اس قدیم مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جدید مسجد میں؟

الجواب :- کسی جگہ جب ایک دفعہ مسجد بن جائے تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے لہذا قدیم مسجد جب نئے سرے سے بنائی گئی ہو تو اس کے حقوق مسجد قریب ہونے کی بہ نسبت دوسری مسجد کے زیادہ ہیں لہذا اس قدیم مسجد کو ہی آباد کیا جائے، بہر حال جدید مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔

قال ابن عابدین ومسجد حية وان نقل جمعه افضل من الجامع وان كثر جمعه۔

رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۸ باب ما یفسد الصلوة ۲۷

سوال :- ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں نمازیوں کی سہولت کے لیے ایک حوض بنانے کا ارادہ ہے، لیکن اگر حوض کو کامل طریقہ سے بنایا جائے تو مسجد کا کچھ حصہ اس حوض میں شامل ہوگا، اور مسجد اپنی وسعت کے لحاظ سے اتنی

۱۷ وعن ابن عمر قال قال رسول الله من تشبه بقوم فهو منهم قال الملا علی القاری ای من تشبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیر... فهو منهم ای فی الاثم۔ (مراجعة جلد ۸ کتاب اللباس الفصل الثانی) وَمِثْلُهُ فی جواهر الفقه ج ۱ ص ۲۲۱ مساجد کی شکلیں اور ان کے مقاصد۔

۲۷ وفي الخلاصة ان نسخه اتفاقية لاما رجل يصلي في الجامع لكثرة الجمع ولا يصلي في مسجد حية فانه يصلي في مسجد منزله وان كان قومه اقل وان لم يكن لمسجد منزله مؤذن۔

ويعلى وان كان هناك واحد۔ رج ۱ ص ۲۲۸ الفصل السادس والعشرون في المسجد ينقل به۔

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة۔

بڑی ہے کہ اس کا کچھ حصہ حوض میں شامل کرنے کی وجہ سے مسجد کے صفوف میں کچھ نقصان نہیں آتا۔
 کیا ایسی صورت میں مسجد کے بعض حصے کو حوض میں شامل کیا جاسکتا ہے ؟
الجواب :- مسجد جب ایک دفعہ مسجد بن جائے تو پھر اس کو کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا، یہ تا قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس لیے مسجد کے کسی بھی حصے پر حوض بنانا جائز نہیں ہے۔

قال المحقق: لا منه مسجد الى عنان السماء وفي رد المحتار وكذا الى تحت الثرى۔
 (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب الصلوة فی الکعبۃ)
 علاوہ ازیں فقہاء کرام نے مسجد میں مضمضہ واستنشاق مکروہ لکھا ہے، اس لیے مسجد کے کسی حصہ میں حوض بنانے سے اس کراہیت کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔
 البتہ اگر مسجد بنانے کے ابتداء ہی میں کوئی جگہ حوض یا وضو کے لیے متعین کر دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وفي الخلاصة ويكره التوضي والمضمضة في المسجد الا ان يكون فيه موضع اتخذ للوضوء ولا يصلي فيه۔ رج ۱ ص ۲۲۹ الفصل السادس والعشرون وما يتصل به له
سوال :- ہمارے علاقے میں ایک مسجد ہے جو چند دکانوں کے اوپر واقع ہے اور باقاعدہ اس میں اذان و جماعت بھی ہوتی ہے جبکہ یہ دوکانیں مالک کی ملک میں ہیں کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کو مسجد شرعی کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- دوکانوں کے اوپر مالک کی اجازت سے مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں، اس میں نماز بلا کراہیت جائز ہے، اگر مالک کی اجازت کے بغیر یہ مسجد بنائی گئی ہو تو اس میں نماز مکروہ ہے، البتہ یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ عرفی مسجد کے حکم میں ہے شرعی مسجد کا حکم اس پر

له قال ابن نجيم: وفي الخلاصة وغيرها ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد الا ان يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولا يصلي فيه۔ رالبحر الرائق ج ۲ ص ۳۲ فصل
 مفاقرغ من بيان الكراهة في الصلوة)
 ومثله في المهدية ج ۱ ص ۲ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة وما لا يكره۔

اُس وقت ہوگا جب دوکانوں سے مالک کی ملکیت کو ختم کر کے مسجد کی ملکیت میں دیدی جائیں۔

قال ابن عابدین: وفي القهستان في ولايد من افرازة ای تمیزہ عن ملكه من جميع الوجوه فلو كان العلو مسجد او السفلى حوانيت او بالعكس لا يزول ملكه لتعلق حق العبد به كما في الكافي - (مراد المختار على الدر المختار ج ۳ ص ۳۷ کتاب الوقف) ۱۷

مسجد کے متولی کی شرعی حیثیت | سوال :- کیا تولیت مسجد میں ارث جاری ہو سکتا ہے اور متولی مسجد کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

الجواب :- متولی نسلًا بعد نسل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ بعد میں آنے والے کے اندر صلاحیت ہو امام و مؤذن اور مسجد کی دوسری ضروریات کا اہتمام کرنا متولی کے فرائض منصبی ہیں۔

قال ابن نجيم: الباقي اولي بنصيب الامام والمؤذن وولد الباقي وغيره اولي من غيرهم بنصيب مسجد في محله فنادعه بعض اهل المحلة في العمارته فالباقى اولي مطلقاً۔

(الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الوقف) ۱۸

سوال :- مسجد میں خانہ کعبہ کی ایسی تصاویر کعبۃ اللہ کی ایسی تصاویر جن میں انسانوں کی آویزاں کرنا جن میں کعبۃ اللہ کی تصویر کے تصاویر بھی ہوں مسجد میں آویزاں کرنا علاوہ انسانی شکلیں بھی طواف کی ہیئت کو

۱۷ من بنی مسجدًا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویأذن بالصلوة فیہ فاذا

صلی فیہ واحد زال ملکہ - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

وایضاً قال ابن نجيم: وحاصله ان شرط كونه مسجدًا ان يكون سفله وعلوه مسجدًا لينقطع

حق العبد عنه لقوله تعالى فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوقف)

۱۸ وفي الهندية: قال في الجامع الفصولين لو شرط الواقف ان يكون المتولى من اولاده

واولاد اولاده هل للقاضي ان يولي غيره بلاخيانة لو كاهل يكون متولاً

قال الشيخ الاسلام بن هان الدين في فوائده لا كذا في النهر الفائق۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الوقف)

(وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الوقف)

نظا ہر کرتی ہوں کیا ایسی تصاویر مسجد میں آویزاں کرنا جائز ہیں ؟

الجواب :- کعبۃ اللہ ایک قابل احترام جگہ ہے اور ایسے ہی غیر ذی روح ہونے کی بنیاد پر اس کی تصویر مسجد میں آویزاں کرنا جائز ہے ، البتہ کعبۃ اللہ کی ایسی تصویر آویزاں کرنا جس میں لوگوں کو طواف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو اور جس میں اشخاص کی معرفت ہوتی ہو شرعاً ناجائز ہے ، پھر جائز نہ ہونے کے علاوہ ایسی تصاویر کو مسجد میں آویزاں کرنا یہ زیادت علی الاثم ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے جیسا کہ مسجد میں تصویریں نہ لگانا مسجد کی عظمت کے منافی ہے ۔

عن عائشةؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق اللہ ۔ متفقٌ علیہ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵) باب التصاویر

عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذاباً عند اللہ المصنوعون ۔ متفقٌ علیہ ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵) باب التصاویر

سوال :- دو قوموں کا ایک قطعہ زمین پر جھگڑا تھا

مسجد پر قبضہ کی شرعی حیثیت | ایک قوم نے دوسری قوم کی املاک پر حملہ کر کے جبراً قبضہ کر لیا اور تمام مکینوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ، ان املاک میں مکان اور زمین کے علاوہ مساجد بھی ہیں اور ان مساجد پر بھی غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کر لیا گیا ہے ۔ اندریں صورت ایسی مساجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قریہ مذکورہ میں جو مساجد ہیں وہ غصب سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں جو کسی کی ملک نہیں اور غاصبین بھی مسلمان ہیں جن کے نزدیک بھی مساجد کا احترام ملحوظ ہے ایسی مساجد میں نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں اور ان مساجد پر اس قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کسی کو

لہ عن عائشة تقول دخل علی رسول اللہ ۔۔۔ یا عائشة اشد الناس عذاباً عند اللہ یوم القیامة الذین یضاهون بخلق اللہ ۔

عن عبد اللہ بن مسعود یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد الناس عذاباً یوم القیامة المصنوعون ۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۰۱) باب تحريم تصویر صورة الحيوان وتحريم الخمر

مسجد سے منع کرنا ظلم عظیم کے مترادف ہے۔

وفی الہندیۃ: قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اذا غصب ارضاً فبنی فیہا مسجداً
او حماماً او حانوتاً فلا بأس بالصلوۃ فی المسجد۔ (ج ۵ ص ۳۲ کتاب الکراہیۃ) لہ

مسجد کی تعمیر کے وقت قبر کے درمیان میں آنے کا حکم | سوال :- ہمارے محلے میں ایک

وجہ سے تنگ ہو گئی ہے، اس کے قریب ہی ایک خالی پلاٹ واقع ہے جبکہ مسجد اور پلاٹ کے درمیان
ایک پختہ قبر ہے، اگر اس پلاٹ کو مسجد میں شامل کر دیا جائے تو قبر مسجد کے دروازہ پر آتی ہے
جس سے مسجد کی زینت خراب ہوتی ہے، اگر اس دروازہ کو بند کیا جائے تو دوسری طرف دروازہ
نکلنے پر جس قائم نہیں رہتا، اندریں صورت قبر کے ساتھ کیا کیا جائے؟

الجواب :- جب مسجد کی وسعت ناگزیر ہو تو قبر کے درمیان میں آنے کی صورت میں
اگر قبر اتنی پرانی کہ اس میں انسانی اعضاء بوسیدہ ہو گئے ہوں تو اس صورت میں اس قبر کو بالکل
منہدم کر کے مسجد کے ساتھ اس جگہ کو ملانے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قبر جدید ہو تو پھر قبر کے
ارد گرد تعین کے لیے دیوار بنا کر دوسرے حصہ میں مسجد بنائی، تاہم اس بات کا خیال رہے کہ مسجد کی
وضع ایسی ہو کہ قبر کی طرف کہیں توجہ نہ رہے تاکہ قبر پرستی کا شبہ نہ رہے، ایسی حالت پر زینت کا
مسئلہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة فخر الدین الزیلعی: ولو بلی المیت وصارت ثراباً جاز دفن غیرہ و
مزارعۃ والبناء علیہ رتبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۳۶ باب الجنائز
قال الطحاوی: وفي القمستانی عن جنائز المصمرات لا تکرہ الصلوۃ الی

لہ قال فی النیایع اذا غصب ارضاً فبنی ہا مسجداً او حماماً فلا بأس بدخول المسجد
للصلوۃ۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۵ کتاب الوقف)

قال قاضی خان: عن ابی یوسف ذکرہ التاطعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الواقعات اذا بنی فی
ارض الغصب مسجداً او حماماً او حانوتاً لا بأس بالصلوۃ فی المسجد۔
(الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۶۶ فصل فی المسجد)

جہۃ القبر الا اذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوة خاشعين دفع بصره عليه۔
(لطاولی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۶۱ مکروہات الصلوۃ ص ۱۷)

مسجد کی دوکان پر مدرسہ تعمیر کرنا | **سوال** :- مسجد کے غسل خانوں اور دوکانوں پر دینی علوم کا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کے غسل خانے اور دوکانیں اگرچہ مسجد کے لیے وقف ہیں لیکن احکام کے اعتبار سے من کل الوجوه ایک ہیں، لہذا جب مسجد کو دینی علوم کے لیے استعمال کرنا جائز ہے تو ان مقامات پر مدرسہ تعمیر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

وفي الخلاصة: اما المعلم الذي يُعَلِّم الصبيان باجيد اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره لا يكره۔ (رج ۱ ص ۲۲۹ کتاب الصلوۃ) ص ۲

مسجد میں رقص و سرود | **سوال** :- مسجد میں رقص و سرود کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- رقص و سرود از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے، مساجد تو درکنار کسی بھی مقام پر اس کا اہتمام اور اس میں شرکت عذاب الہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

وفي الهندية: قال رحمه الله تعالى السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد اليه والجلوس عليه۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۲ کتاب الکراہیۃ، الباب السابع عشر في لغا والهموم ص ۳)

له لما في الهندية ولو بلى الميت وصارت تراباً جاز دفن غيره في قبره وزمره والبناء عليه۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۴ کتاب الجنائز الفصل السادس في القبر والدفن)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔

له قال ابن نجيم: لان المسجد ما بُني الا لهما من صلوة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعليمه و

قراءة قرآن۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۳) وَمِثْلُهُ في الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الصلوۃ

له قال المرغيناني: ان الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب القضيبي وكذا قول أبي حنيفة

والهداية ج ۳ ص ۲۵۳ کتاب الکريهة فصل الاكل والشرب)

وَمِثْلُهُ في الدر المختار على صدارة المختار ج ۴ ص ۳۹۵ کتاب الکراہیۃ، فصل في البيع۔

عید گاہ پر مسجد بنانا | سوال :- ایک شخص نے عید گاہ کے لیے زمین وقف کی، اب وہاں لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا شرعاً اس عید گاہ کے رقبہ پر مسجد

تعمیر کی جاسکتی ہے؟

الجواب :- اگر کوئی قطعہ زمین صرف عید کی نماز کے لیے وقف کیا گیا ہو تو بغیر اذن واقف کے اس پر مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں واقف کی شرائط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جب تک شریعت کے موافق ہوں۔ جب واقف اجازت دے دے تو اس تعمیر میں کوئی حرج نہیں اگر یہ قطعہ زمین قانونی وقف ہو شرعی وقف نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

قال ابن نجيم المصري :- شرط الواقف يجب اتباعه لقوله لم شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة كما بيناه فى شرح الكندى الا فى مسائل - (الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ كتاب الوقف) لہ

مسجد میں سوال کرنے کا حکم | سوال :- عموماً سائلین مساجد میں عوام کی حاضری کو غنیمت سمجھ کر سوال کرتے ہیں، ان کا یہ اقدام کیسا ہے اور ایسے سائلین کے ساتھ مالی تعاون کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- مسجد میں سوال کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ان کو دینے میں دو قول ہیں، بعض علماء تو مطلق کراہیت کے قائل ہیں، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر نمازیوں کو رعایت رکھ کر سائل سوال کر رہا ہے تو اس کو دینا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

قال ابن عابدین تحت هذا القول ويحرمه فيه السؤال ويكره الاعطاء مطلقاً وقيل ان تخطى اى هو الذى اقتصر عليه الشارح فى الخطر حيث قال فرع يكره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم يخط رقاب الناس فى المختار لان علياً تصدق بخاتمه فى الصلوة فمدحه الله تعالى

لہ قال ابن عابدین فان شرائط الواقف معتبره اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ما لمحيث شاء ما لم يكن معصية وله ان يخلص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع فى كلمه قربة - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۳ كتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرة - الخ)

بقوله وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ نَاكِعُونَ ۝ درمہ المختار ج ۱ ص ۶۵۹ فی افضل المساجد ۱
مساجد میں نمازی کی توجہ متناثر کرنے والی زینت کا حکم | سوال :- مساجد میں بطور آرائش و
 طفرے یا خطوط لکھنا جو نمازی کے لیے نماز میں باعث تشویش و غفلت اندازی ہوں۔ کیا اس طرح
 مسجد کی زیبائش کرنا جائز ہے؟

الجواب :- مسجد ایک عبادت گاہ ہے اور اس کی تعمیر فقط عبادت اور یادِ الہی کے
 لیے ہوتی ہے، اور اگر اس میں ایسے نقوش جو آجکل کی مروجہ تعمیرات میں ہیں بنا دیئے جائیں
 تو اس سے مسجد کی تعمیر کا مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ جدید عمارات کی طرح یہ بھی ایک سیر و تفریح
 کا مقام بن جائیں گی، پھر اس میں نماز پڑھنے والے کا دھیان مکمل طور پر نماز میں بھی نہیں ہوگا۔
 لہذا مسجد کی اتنی زینت کر لی جائے جس سے مسجد خوبصورت اور صاف بختری نظر آئے
 البتہ ضرورت سے زیادہ اموال خرچ کر کے مسجد کو مزین کرنا مکروہ ہے۔

قال المحقق (روا بأس بنقشه خلا محرابه) فانه يكره لانه يلهمي المصلّي ويكره
 التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۸ احکام المساجد ۲)

مسجد کے درخت اور پھلوں کا حکم | سوال :- ہماری مسجد کے صحن میں پھلدار درخت
 ہیں۔ کیا شرعاً ان پھلوں کو اپنے استعمال میں لانے کی
 اجازت ہے یا ان کی قیمت سے مسجد کے مصارف پورے کئے جائیں؟

الجواب :- مسجد میں پھلدار درخت اگر وقف برائے مسجد ہوں تو ان کا کھانا جائز نہیں،

۱۔ اعطأ سؤال المسجد انه اذا كانوا لا ينخطون رقاب الناس ولا يمرون بين يدي المصلين يسألون
 ما لا بد لهم منه ولا يلحون في السؤال فلا بأس ولا بالمطانة۔ (فتاویٰ غياثية ص ۲۱)
 ۲۔ وفي الهدية: اما المتولى يفعل من مال الوقف ما يرجع الى أحكام البناء
 دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن كذا في الهداية۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلّٰی وما لا یکرہ

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۱ ص ۱۴۴ بَابُ مَا يَفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يَكْرَهُ فِيهَا۔

البتہ اگر واقف نے ابتداءً اس کی شرط رکھی ہو تو پھر جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے پھل فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

قال ابن نجيم: وفي الحاوي وما غرس في المساجد من الاشجار المثمرة غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين ان يأكل منها وان غرس للمسجد لا يجوز صرفها الا الى مصالح المسجد الا هم فالاهم كسائر الوقوف۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۵ کتاب الوقف) لہ

امام کا مسجد کو ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا | سوال: مسجد کا صحن یا برآمدہ میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے برآمدہ یا صحن کو جب باقاعدہ مسجد کا حصہ قرار دیا جا چکا ہو تو ایک دفعہ مسجد بن جانے کے بعد وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کو اب کسی دوسرے امور میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ تاہم اگر یہ برآمدہ کہیں مسجد کے لیے وقف ہو لیکن نماز اس میں نہیں پڑھی گئی ہو تو ایسی صورت میں مسجد پر وقف ہو کر واقف کی اجازت یا متولی کی صوابدید پر امام کا اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

قال العلامة المحقق: ولو حارب ما حوله واستفتى عنه يفتي مسجداً عند الامام (والثاني) ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتي)۔ قال ابن عابدین: (تحت قوله عند الامام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كان يصلون فيه لولا وهو الفتاوى حاوی القدسی

لہ قال العلامة طاهر بن احمد بن عبد الرشيد البخاري، وسئل ابو بكر عن وقف شجرة اصلها والشجرة فيما ينتفع باوراقها وبثمرها۔ قال فالوقف جائز وينتفع بثمرها ولا يقطع اصلها الا ان يفسد اغصانها فان لم ينتفع باوراقها وبثمرها فانها تقطع وتصرف ثمنها على سبيله فان نبت ثانياً ولا غرس مكانها۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الوقف۔ نوع منه) ومثله في الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۷ کتاب الوقف۔

واكثر المشائخ عليه مجتبیٰ وهو الاوجه فتح (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ مطلب فيما لو خرب المسجد)

مسجد بنانے کے ارادہ سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی | سوال :- اہل محلہ نے ایک

جگہ کا تعین کر کے مسجد بنانے کا ارادہ کیا اور پتھر وغیرہ بھی جمع کر لیے، بعض وجوہات کی وجہ سے اس جگہ مسجد بنانا موزوں نہیں سمجھا گیا، اب ایک دوسری جگہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے، کیا یہ تبادلہ جائز ہے یا اسی جگہ پر جہاں پہلے ارادہ کیا گیا تھا مسجد کے لیے کام شروع کیا جائے؟

الجواب :- ضرر ارادہ کرنے سے یہ جگہ شرعی مسجد کا حکم نہیں رکھتی بلکہ مسجد کیلئے باقاعدہ

وقت کے علاوہ نماز پڑھتی بھی ضروری ہے لہذا وقت تام نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جگہ دوسرے مقام پر مسجد بنانا جائز ہے اور اس جگہ کو اپنی ذاتی اغراض کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

قال المرغینانی: واذا بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یقرنہ عن ملکہ بطریقہ

ویاذن للناس بالصلوۃ فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال عندابی حنیفۃ عن ملکہ

وقال ابو یوسف: یزول ملکہ بقولہ جعلتہ مسجداً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۳ کتاب الوقت فصل فی المسجد)

مسجد کی ضرورت سے زائد اشیاء کی فروخت کا حکم | سوال :- ایک پرانی مسجد کا کچھ

سامان مثلاً شہتیر وغیرہ زائد از ضرورت

پڑا ہے، اگر اسے فروخت نہ کیا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا مسجد کے زائد

سامان کو فروخت کرنا جائز ہے جبکہ اس کے نفع کو مسجد پر ہی خرچ کیا جائے؟

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشد البخاری: وفي الفتاویٰ اذا خربت القرية التي فيها

المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیہ احدٌ فلا بأس بان یاخذہ

صاحبہ ویبیعہ وهو قول محمد وعن ابی یوسف لا یعود الی ملک البانی ولا الی

ملك ورثتہ وهو مسجد ایداً۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۲۳ کتاب الوقت فصل الرابع فی المسجد وقاۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقت فصل فی المسجد۔

قال طاہر بن عبد الرشد: ولو جعل دارہ مسجداً یجوز باکاجاع ولا یجوز مشاعاً وانما یجوز اذا

سلمہ والتسلیم ان یصلی فیہ بجماعہ باذان واقامة یاذنہ عند ابی حنیفۃ ومحمد۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۲۸ کتاب الوقت الفصل الاول)

الجواب: مسجد کے اموال کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی منقول چیز ہو یعنی جو مسجد کی جزئیت میں داخل نہ ہو مثلاً درمی وغیرہ۔ اگر اس کی ضرورت نہ رہے اور مالک موجود ہو یا مالک کے فوت ہونے کی صورت میں اسکے ورثاء موجود ہوں تو مالک یا ورثاء کی اجازت سے اس کی فروخت جائز ہے۔ اور اگر ان میں کوئی نہ ہو تو پھر اہل محلہ کے اتفاق یا قاضی و حاکم کی اجازت سے فروخت جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں باقاعدہ مسجد کا حصہ بن جائیں اور علیحدہ کرنے میں مسجد کا نقصان نہ ہو لیکن کہیں تعمیر کی نیت سے یہ چیزیں الگ کی گئی ہوں تو پھر اہل محلہ کے اتفاق یا قاضی کی اجازت سے ان کی فروخت جائز ہے۔

وفی الہندیۃ: ذکر ابواللیث فی نواز لہ حصیر المسجد اذا صار خلقاً واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان كان الطارح حیا فہولہ وان كان میتاً ولم یدع لہ وارثاً ارجوان لا بأس بان یدفع اهل المسجد الی فقیر وینتفعوا بہ فی شراء حصیر اخر للمسجد والمختار اتمہ لا یجوز لہم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۸ کتاب الوقف) لے

سوال: کیا مسجد کے چندہ کو کسی شرط کے مسجد کے چندہ کو کسی شرط سے معلق کرنا ساتھ مشروط کر کے دیا جاسکتا ہے؟ مثلاً بصورتِ نبیلام ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میری بولی پوری نکلی تو میں ۹۰۰ روپے مسجد میں بطور چندہ دوں گا اب اس کی بولی پوری نکل آتی ہے اور یہ ۹۰۰ روپے چندہ مسجد کے لئے دے دیتا ہے تو دوسرا شخص

لہ قال ابن عابدین: (حشیش المسجد) ای الحشیش الذی یفرش بدل الحصر کیا یفعل فی بعض البلاد کبلاد الصعید کا اخبار فی بہ بعضهم قال الزبلی علی ہذا حصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عتہما یرجع الی مالکہ عند محمد وعند ابی یوسف ینقل الی مسجد اخر۔۔۔۔۔ وصرح فی الخانیۃ بان الفتویٰ علی قول محمد قال فی البحر وہ علم ان الفتویٰ علی قول محمد فی کالات المسجد۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۵۵ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۲ کتاب الوقف۔

اس کی بولی پر بولی بولتا ہے تو یہ شخص چندہ دینے سے انکاری ہے اور واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو کیا یہ شخص چندہ کی واپسی کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کا چندہ ایک صدقہ ہے جس سے مقصود رضاء الہی کا حصول ہے، اگر اس کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا جائے تو شرط باطل ہو کر صدقہ جائز ہو جاتا ہے بعد ازاں اس میں رجوع کا حق حاصل نہیں، لہذا یہ شخص متولی کے قبضہ کرنے کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔
وفی الہندیۃ: وما لا یبطل بالشروط الفاسدة ستة وعشرون) القرض والہبۃ والصدقہ ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الہبۃ) الصدقۃ بمنزلۃ الہبۃ فی المشاع وحاجتها الی القبض الا انہ لا یرجع فی الصدقۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۹۶ الباب الثانی عشر فی الصدقۃ)

سوال :- سکھوں کے دور میں بازار کے اندر ایک خالی مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا | **مقام کو مسلمانوں نے مسجد کے لیے متعین کیا اور اس پر نمازیں پڑھنے لگے، جب اس اراضی کی فروخت شروع ہوئی تو سکھ اس کو خریدنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں نے اس پر ایک کمرہ تعمیر کر لیا اور بعد میں اس پر دوسری منزل بنادی اور باقاعدہ اس میں بیٹھ گاہ نمازیں شروع کیں، یہاں تک کہ جمعہ وعیدین بھی اس میں پڑھنے لگے۔ اب اس مسجد کے فنڈ میں کثرت کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کے نچلے حصے دوکانیں بنادی جائیں اور اوپر والا حصہ مستقل طور پر مسجد ہی رہے گا، جبکہ متولی کہہ رہا ہے کہ جس وقت ہم مسجد کی دوسری منزل بنا رہے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اگر ہمارے پاس گنجائش ہوگی تو ہم نچلے حصہ میں دوکانیں بنائیں گے۔ اندر میں صورت مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟**

الجواب :- مذکورہ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبضہ مسلمانوں نے مشترکہ طور پر مسجد کے لیے متعین کیا ہے اور حکومت وقت کی طرف سے اس پر مسلسل خاموشی اختیار کرنا دلالتاً مسجد کی اجازت ہے۔ لہذا جب مسجد ایک دفعہ مسجد بن جائے تو اب اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اسلئے

لہ قال المحکفی: (رو) حکمها انہا لا تبطل بالشروط الفاسدة) فہبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح ویبطل الشرط۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۸ کتاب الہبۃ)
(والصدقۃ کالہبۃ) بجامع التبرع و جینث (لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم ولا رجوع فیہا)۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۸ کتاب الہندیۃ)

مسجد کے نچلے حصہ میں دوکانیں بنانا اگرچہ مسجد کے مصالح میں سے ہیں جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی ابتداء سے ہی نیچے دوکانیں بنائے اور اوپر مسجد بنائے اور وہ دوکانیں مصالح مسجد کے لیے ہوں تو یہ جائز ہے۔

وفي الهندية: قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في حد المسجد او في فناءه لان المسجد اذا جعل خالواً ومسكناً له قط حرمة وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الوقف) الفصل الثاني الوقف في المسجد له

سوال :- زمانہ قدیم سے منبر عموماً محراب کے دائیں جانب رکھا جاتا تھا، موجودہ دور میں بعض مقامات پر ایسا نہیں ہوتا۔ کیا محراب کی دائیں طرف منبر کا ہونا ضروری ہے یا محض عرف کا فیصلہ ہے؟
الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں منبر مصلیٰ کے دائیں طرف ہوا کرتا تھا، لہذا سنت یہ ہے کہ منبر محراب و مصلیٰ کے دائیں جانب رکھا جائے۔

كان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمين المحراب اذا استقبلت القبلة - ر بذل المجهود ج ۲ ص ۱۸۱ باب موضع المنبر له

سوال :- کیا مسجد کی آمدنی سے تجارت کرنا جائز ہے؟
الجواب :- مسجد کا متولی مسجد کی بہتری کے لیے اپنی صوابدید پر مسجد کے چندہ میں تصرفات کر سکتا ہے، اگر خرید و فروخت میں مسجد کا فائدہ ہو تو متولی کو یہ حق حاصل ہے تاہم

له قال ابن نجيم: في المجتبى لا يجوز لقيم المسجد ان يبني حوانيت في حد المسجد او فناءه - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۹ کتاب الوقف)

له وقال النووي: في مناسكه ما لفظه وفي احيا علوم الدين انه - اي المصلى يجعل عود المنبر حذا منكيه الايمن ويستقبل السارية التي الى جانبها الصندوق وتكون الرأفة التي في قبلة المسجد بين عينيه فذل لك موقف رسول الله صلى الله عليه وسلم - (روفاء الوفا ج ۱ ص ۳۴۲ محراب المسجد النبوي ومتى)

چند دہندگان سے اجازت مستحسن ہے۔

وفي الهندية: القيم اذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً او داراً ان يستغل ويبيع عند الحاجة جاز ان كان له ولاية الشراء واذ اجاز له ان يبيعه كذا في السراجية۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الوقف) لہ

مسجد کے درخت کی ملکیت کا حکم | **سوال** :- مسجد کے صحن میں امام صاحب نے پھلدار درخت لگایا، اب جبکہ وہ درخت تناور ہو کر

قیمتی درختوں میں اس کا شمار ہوا ہے تو امام موصوف اس درخت کی ملکیت کا دعویٰ کرتا

ہے۔ از روئے شریعت اس درخت کا مالک امام موصوف ہے یا مسجد؟

الجواب :- کاشت کرتے وقت جب ذاتی اغراض کی نیت نہیں کی ہو جیسا کہ عام مسلمانوں سے یہی توقع کی جاتی ہے، تو مسجد کی ملکیت شمار ہوگی۔

وفي الهندية: سئل نجم الدين عن رجل غرس قالة في مسجد فكبوت بعد سنين فاراد متولى المسجد ان يصرف هذه الشجرة الى عمارة يترفي هذا السكة والغارس يقول هي لي فاني ما وقفها على المسجد قال الظاهر ان الغارس جعلها للمسجد فلا يجوز صرفها الى البيت ولا يجوز للغارس صرفها الى حاجة نفسه كذا في محيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۴۷۷ کتاب الوقف) لہ

مساجد میں تعویذ فروشی کا حکم | **سوال** :- بعض لوگ مساجد میں منتقل طور پر تعویذ مساجد میں فروخت کرتے ہیں جس کے لیے نا محرم عورتیں بھی مساجد

لہ قال ابن نجيم: قيم يبيع فناء المسجد ليتجر فيه القوم او يضع فيه سريراً اجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس اذا كان لصلاح المسجد ويعذر المستاجر ان شاء الله تعالى اذا لم يكن عمر العامة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۴۲۳ کتاب الوقف الفصل الرابع في المسجد۔ لہ قال ابن نجيم: وفي المحيط رجل غرس في المسجد يكون للمسجد لانه بمنزلة البناء بالمسجد۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۷ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الخلاصة ج ۲ ص ۴۲ کتاب الوقف الفصل الثالث في صحة الوقف۔

کارخ کرتی ہیں، عین ممکن ہے کہ ان میں بعض عورتیں ایسی بھی ہوں جو طبعی بیماریوں کی وجہ سے مساجد میں داخل ہونے کی اہل نہیں ہوں۔ تو کیا مساجد میں تعویذ فروشی کرنا جائز ہے اور ایسی حالت میں شرعاً عورتوں کے لیے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے؟

الجواب :- مسجد میں عورتوں کا فی نقسہ داخل ہونا جائز ہے لیکن فسادِ ازمہ کی وجہ سے انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو تعویذ کے لیے کس طرح اجازت دی جاسکتی ہے، خاص کر جبکہ ان میں بہت سی عورتیں ناپاکی کی حالت میں ہوں اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ تاہم اگر پاک ہوں تو حدود کی رعایت رکھ کر تعویذ لے سکتی ہیں، لیکن مسجد میں تعویذ فروشی کا دھندہ مطلق جائز نہیں۔

قال ابن عابدین: (و) يمنع حل (دخول مسجد) ای ولو مسجد مدرستہ او دار
لا يمنع اهلها الناس من الصلوة فيه۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۱ باب الحيض) لے

مسجد کے ساتھ متصل کمروں میں سونے کا حکم | سوال :- مساجد کے ساتھ متصل جو کمرے ہوتے ہیں ان میں سونے کا شرعاً

کیا حکم ہے؟ اور کیا ان کمروں اور مسجد کا حکم ایک ہی ہے؟
الجواب :- مسجد کے ساتھ متصل کمرے اگر ابتداء ہی سے مسجد سے باہر بنائے گئے ہوں تو ان میں سونا بلا کراہیت جائز ہے، البتہ اگر شروع ہی سے یہ کمرے مسجد میں شامل تھے بعد میں انہیں مسجد سے نکال کر کسی عذر کی بنا پر کمرے بنائے گئے ہوں تو ان کا حکم اور مسجد کا حکم ایک ہے، ان میں بلا ضرورت سونا مکروہ ہے۔

وفي الهندية ويكره النوم في كل فيه لغير المعتكف واذا اراد ان يفعل ذلك

لہ وفي الهندية (ومتها) انه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد سواء كان للجلوس أو للعبور
هكذا في منية المصلی (الفتاویٰ الہندیہ ج ۳۸ الفصل الرابع في احکام الحيض)

مرجل بیع التعویذ فی المسجد الجامع وکتب التعویذ التوراة والانجیل والفرقان
ویاخذ علیہ المال ویقول ادفع الی السہادیۃ لا محل لہ ذلک۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۲۱)

کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد

ومثله فی البحر الرائق ج ۳۸ باب الحيض

ينبغي ان ينوى الاعتكاف فيدخل فيه ويدكر الله تعالى بقدر ما توى او يصلي ثم يفعل ما شاء
كذا في السراجية ولا بأس للغريب ولصاحب الدار ان ينام في المسجد في الصحيح
من المذهب والاحسن ان يتورع فلا ينام كذا في نزاهة الفتاوى۔

والفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراهية) لم

سوال :- ہمارے ہاں تقریباً ایک سو بیس سال سے آباد ایک پرانی
قبلہ کی تحقیق مسجد ہے، اب بوسیدہ ہونے کی بناء پر اس کو شہید کر کے اس کی از سر نو تعمیر
کرنے کے لیے جب نئی بنیادیں رکھنے کا وقت آیا تو مستری نے کہا کہ میں قطب ستارہ کا ماہر ہوں اور
قطب ستارہ کی رو سے اس مسجد کی سمت قبلہ صحیح نہیں۔ اب اگر اس کی بنیادوں میں تبدیلی کی
جائے تو اس میں کئی مفاسد شرعیہ ہیں، مثلاً مسجد کے بعض حصے کا راستہ میں شامل ہو جانا وغیرہ
جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس مستری پر اعتماد کر کے اس کی بنیادوں میں
برائے تعین سمت قبلہ تبدیلی کی جاسکتی ہے یا قیدی حالت میں بدستور برقرار رکھی جائے؟
الجواب :- اس مسئلہ پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ استقبال قبلہ فرض ہے البتہ اس کی
تفصیل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ علماء احناف نے عوام کی آسانی کے لیے یہ حکم فرمایا کہ نمازی کا
بحالت نماز مواجہت مابین المغربین اگر ہو تو استقبال قبلہ ہو جاتا ہے۔ یعنی موسم سرما میں مغرب
کا آخر وقت اور موسم گرما میں مغرب کا آخر وقت کے درمیان میں جو فاصلہ ہو، اگرچہ عین قبلہ سے
قد سے انحراف ہی کیوں نہ پایا جائے

البتہ مستری کا یہ کہنا کہ میں قطبی ستارہ کا ماہر ہوں، یہ اس کا دعویٰ ہے، اگر وہ اپنے
اس دعویٰ میں سچا ہو اور اس میں اس کی شہرت ہو تو اس پر اعتماد کر لیا جائے ورنہ نہیں،
بہر حال تحقیق پھر بھی ضروری ہے۔

قال ابن عابدین: وقال في شرح ناد الفقير وفي بعض الكتب المعتمدة في
استقبال القبلة الى الجهة اقاويل كثيرة واقربها الى الصواب قولان الاول ان ينظر

لـ قال القاضي خان: وقيل لا بأس للغريب ان ينام في المسجد۔

فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۶۶۔

ومثله في رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۶ مكرها الصلوة مطلب احكام المسجد۔

فی مغرب الصیف فی اطول ایامہ ومغرب الشتاء فی اقصر ایامہ فلیدع الثلثین فی الجانب الایمن والثلث فی الایسر والقبلة عند ذلک ولو لم یفعل لھذا وصلى فیما بین المغربین یجوز واذا دفع خارجا منها لا یجوز بالاتفاق -

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۱ میبحث فی استقبال القبلة)

قال ابن عابدین (قوله کالقطب) هو اقوی الادلة وهو نجم صنع فی بنات

الصغری بین الفرقین والجدی اذا جعله الواقف خلف اذنه الیمنی کان

کان مستقبلا القبلة - (رد المحتار ج ۳ ص ۲۳۱ میبحث فی استقبال القبلة) لہ

مسجد کی چھت پر بیت الخلاء بنانا **سوال** مسجد کے اوپر راستہ کی طرف اگر بیت الخلاء بنادیا جائے تو کیا شرع میں اس کی گنجائش ہے ؟

الجواب : مسجد کی حدود میں بیت الخلاء بنانا شرعاً جائز نہیں اگرچہ مسجد کی چھت پر ہی کیوں نہ ہو اور اس کا راستہ علیحدہ ہو۔ البتہ مسجد کے نیچے ابتداء سے واقف کے نیت سے بیت الخلاء وغسلخانہ بنانا جائز ہے۔

قال المحصنی (روکرة تحویلاً) عن الطوفوقه والبول والتفوط) لانه مسجد الى

عتان السماء - (الدر المختار علی صمد رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد) لہ

لہ قال ابواللیث : وقبلة اهل خراسان ما بین مغیب الصیف ومغیب الشتاء قال ابو منصور قبلة ما وراء النھر هو ان یتروک الثلثین من یمین المصلی والثلث من یشارة من المغربین - (فتاوی نوازل ص ۳۷ فصل فی شروط الصلوة)

وفی الطحطاوی اصابہ بجهتها رقالمغرب قبلة لاهل المشرق بالعکس (ص ۱۱۵ باب شرط الصلوة)

اما فی البحار فدلیل القبلة النجوم وقد روى عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال

تعلموا من النجوم ما فہتدوا به الى القبلة اھـ وذالک کالقطب - (طحاوی ص ۱۷۱)

لہ قال ابن نجیم (والوطوفوقه والبول والداخلی) ای کرة الوطوفوق المسجد

وکذا البول والتفوط لان سطح المسجد لہ حکم المسجد -

(البحر الرائق - باب ما یفسد الصلوة وما یکرہ فیہا)

ومثله فی الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۹ فصل فی غلق باب المسجد)

مسجد کے نیچے آتش خانہ بنانا | سوال :- مسجد کے تہہ خانہ میں سردی کے موسم میں بوقت ضرورت آگ جلانے کے لیے جگہ بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- نفس مسجد میں آگ لے جانا یا جلانا بذات خود ممنوع نہیں البتہ بخوبیوں کی طرح مسجد گاہ بنانا جائز نہیں۔ اگر یہ آگ مسجد کے مصالح کے لیے جلائی جائے مثلاً پانی گرم کرنے یا مسجد کے گرم کرنے کے لیے، جیسا کہ بعض ممالک میں ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے تہہ خانہ میں آگ جلائی جاتی ہے جس سے موسم سرما میں مسجد گرم ہو جاتی ہے۔ تو یہ جائز ہے۔

قال ابن عابدین: (رواذا جعل تحته سردابا لمصالحه) ای المسجد (رجا تر) كمسجد القدس اذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ کتاب الوقف، مطلب فی احکام المساجد) لہ

مسجد کے متصل غسل خانہ بنانا | سوال :- ایک شخص نے مسجد کی دیوار کے متصل غسل خانہ بنایا ہے اور غسل خانہ کی چار دیواری میں سے ایک دیوار مسجد کی ہے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- غسل خانہ کو مسجد کے اندر بنانا جائز نہیں، البتہ واقف مصالح مسجد کی رعایت کرتے ہوئے مسجد کے نیچے غسل خانہ اور بیت الخلاء بنا دیا جائے تو جائز ہے۔ بہر حال اگر کسی مسجد کے ساتھ متصل اپنی زمین میں غسل خانہ بنایا ہے اور مسجد کی دیوار کو بطور پردہ استعمال کیا ہے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن خلاف اولیٰ ہے، اس بات کی رعایت ضرور رکھی جائے گی کہ اس سے مسجد کو نقصان نہ پہنچے اور کل کہیں محض پردہ کے استفادہ سے اس دیوار کی ملکیت کا دعویٰ نہ کرے۔

قال ابن عابدین: لو جعل الواقف بیتاً للخلاء هل يجوز كفا في مسجد

له وفي المهندية: ومن جعل مسجداً تحته سرداباً وفوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله فله ان يبيعه وان مات يورث عنه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كفا في مسجد بيت المقدس كذا في الهداية۔ (الفتاویٰ المہندیہ ج ۲ ص ۳۵۵ کتاب الوقف) — ومثله في الهداية ج ۲ ص ۳۴۲ کتاب الوقف۔

محلة الشحم في دمشق؟ لم اكره صريحاً نعم سيأتي متناً في كتاب الوقف انه لو جعل تحت سرداباً لمصالحه جانراً تاملاً - (رد المختار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶) مكروهات الصلوة - مطلب احكام المسجد - له

مسجد کی آمدنی کے لیے بینک میں کھاتہ کھولنا | سوال :- کیا امام یا خزانچی مسجد کا فنڈ اپنے نام پر بینک میں جمع کر سکتا ہے؟ اور کیا اس فنڈ کو اپنے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتا ہے؟

الجواب :- مسجد کا فنڈ خرچ ہونے سے پہلے وقف عرفی ہوتا ہے شرعی نہیں ہوتا۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ چندہ دہندگان کی اجازت کے بغیر مسجد کا فنڈ بینک میں داخل کرائے یا اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرے، البتہ اگر چندہ دہندگان اجازت دے دیں تو امام اسے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اور بینک میں جمع کرنا بغیر اضطراری حالت کے اچھا نہیں، اگرچہ بغیر سود کے، ہی کیوں نہ ہو۔

وفي الهندية: لو وقف دراهم او مكيلا او ثيابا لم يجز وقيل في موضع تغلفوا ذلك يفتي بالجواز قيل كيف قال الدراهم تقرض للفقراء يزرعون ثم تؤخذ منهم والثياب والا كسبة تعطى للفقراء ليلبسوها عند حاجتهم ثم تؤخذ كذا في الفتاوى العتابية - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۶۲ كتاب الوقف)

قال المحقق (رحمته العین علی) حکم رملک الواقف والتصدق بالمشقة ولو في الجملة والا صم انه رعدة) جائز غير لازم كالعارية او عند هاهو جسمها على حكم ملك الله تعالى و صرف منفعتهما على من احب! (الدر المختار على صدر الدر المختار ج ۲ ص ۴۳۴ كتاب الوقف) له

لو في الهندية ومن جعل مسجداً تحت سرداب او فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله فله ان يبيعه وان مات يورث عنه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس كذا في الهداية - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۶۵۵ كتاب الوقف)

ومثله في الهداية ج ۲ ص ۶۴۴ كتاب الوقف - فصل في وقف المسجد -

۲ قال مرغینانی: قال ابو حنیفة لا يزول ملك الواقف عن الوقف الا ان يحكم به الحاكم او يعلقه بموته فيقول اذا مت فقد وقفت دارى على كذا - وقال ابو يوسف يزول ملكه بمجرد القول - وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف متولياً ويسلمه اليه - (الهداية ج ۲ ص ۶۱۶ كتاب الوقف)

مسجد پر وقف شدہ مال کو واپس لینا | سوال :- ایک شخص نے مسجد کی تعمیر کے لیے ایک ہزار روپے چنڈہ دیا، اور اس میں سے بعض رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ ہو گئی ہے، جبکہ اس شخص کا اب یہ مطالبہ ہے کہ میں نے جو رقم مسجد کی تعمیر کے لیے دی تھی وہ مجھے واپس کی جائے میں اس رقم کو دوسری مسجد کی تعمیر کے لیے دیتا ہوں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص اپنی تمام رقم دوسری مسجد کی تعمیر میں نہیں دے گا بلکہ نصف رقم اپنی ذات کے لیے استعمال کرے گا۔ کیا اس شخص کو وقف کی رقم واپس لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- مساجد یا دینی مدارس میں جو چنڈہ دیا جاتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ جیب متصدق کے ملک میں داخل ہو جائے تو پھر اس میں رجوع کرنا درست نہیں۔ چونکہ فقہاء کی عبارات کی روشنی میں مسجد کے لیے تملیک درست ہے، تملیک کے بعد چنڈہ معطی کی ملک سے خارج متصور ہوتا ہے لہذا دینی مدارس یا مساجد میں چنڈہ دینے کے بعد معطی کو حق رجوع حاصل نہیں۔

لما قال فی الہندیۃ۔ رجل اعطی درہمًا فی عمارۃ المسجد ونفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه وان كان لا يمكن تصحيحه وقفًا يمكن تصحيحه تمليكًا للمسجد فانبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح قیّم بالقبض..... كما لو قال وقفْتُ هذه المائة للمسجد يصح بطريق التملك اذا سلمه للقیّم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۹۳ کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیّم۔۔۔ الخ) وایضاً قال العلامة برهان الدین المرغینانی: الصدقة كالهبة لا تصح الا بالقبض ولا رجوع فی الصدقة لان المقصود وهو الثواب وقد حصل۔

(الہدایۃ ج ۳ ص ۲۹۳ کتاب الہبۃ، فصل فی الصدقة) لہ

لہ لما قال الشیخ ظفر احمد العثماني: التملك للمسجد صح قلت فی الحدیث دلیل لما قال علماؤنا من ان التملك للمسجد صحیح فی الہندیۃ۔۔۔ الخ (اعلام السنن ج ۳ ص ۱۹۸ باب الوقف علی المصالح المسجد وحکم ما یهدی الیہ من الاموال۔) لما قال العلامة ابوبکر بن علی الحدادی عنی: الصدقة كالهبة لا تصح الا بالقبض لانها تبرع كالهبة۔۔۔ ولا تصح الرجوع فی الصدقة بعد القبض لانه قد کمل فیہا الثواب من اللہ تعالیٰ۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الہبۃ)

مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا | سوال :- مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا اور اسی طرح مسجد کی چار دیواری کا انتظام نہ کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی چار دیواری تو مسجد کے فنڈ اور رقم سے بنائی جاتی ہے اور اگر مسجد کا فنڈ اتنا نہ ہو کہ اس سے مسجد کی چار دیواری تعمیر کی جاسکے اور اہل محلہ بھی باوجود قدرت رکھنے کے اس کا انتظام نہیں کرتے جس سے مسجد کی املاک کے تلف یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو عند اللہ اہل محلہ گنہگار ہوں گے۔ البتہ مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا یا اس میں گندے پانی کی نالی گزارنا عند الشریعہ جائز نہیں، کیونکہ مساجد کو پاک اور صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قَوْلُهُ تَعَالَى: طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ (سورۃ البقرہ) اے

مسجد کے ساتھ متصل زمین کو جبراً مسجد کے لیے لینا | سوال :- ہمارے علاقہ میں مسجد کے ساتھ متصل ایک قطعہ زمین ہے

جو کہ حکومت کی ملکیت ہے اور جو مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد کو درکار ہے جبکہ حکومت یہ زمین مسجد کو دینے سے انکاری ہے۔ کیا مسجد کی ضرورت کے پیش نظر جبراً یہ زمین مسجد میں شامل کی جاسکتی ہے؟

الجواب :- مسجد کے ساتھ متصل زمین کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ متصل زمین عام راستہ ہے یا مکان اور دوکان ہے، اگر راستہ ہو تو لوگوں کی مصلحت کو دیکھ کر اس کو مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ البتہ اگر اس کو مسجد میں شامل کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہو تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں، اور مکان و دوکان کو مسجد میں شامل کرنے کے لیے قاضی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

وفي الهندية: قوم بنوا مسجد واحتاجوا الى مكان يتسع المسجد واخذوا من الطريق وادخلوه في المسجد ان كان يضرب بأصحاب الطريق لا يجوز، وان كان

اے قال ابن عابدین: (قوله وادخله) عبارة الاشياء وادخل نجاسة فيه يخاف منها التلويث ام۔ ومقادة الجواز لو جافة لكن في الفتاوى الهندية لا يدخل المسجد من على يده نجاسة۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶، مطلب في احكام المسجد)۔ ومثله في قاضيان على هامش الهندية ج ۱ ص ۶۲ فصل في المسجد۔

لا یضرب بہم رجوت ان لا یكون بہ بأس کذا فی المضمرا... ایضاً بہ ارض وقف علی مسجد والارض یجنب ذلک المسجد وأراد وان یزید وافی المسجد شیئاً من الارض جاز لکن یفعون الی القاضی لیاذن لہم ومستعلی الوقف کالدائر والحاوت علی ہذا کذا فی الخلاصۃ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۶ کتاب الوقف

تاہم اگر مسجد کے ساتھ متصل زمین ہو اور حکومت دینے سے انکار کرتی ہو تو مسجد کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر جبراً قیمتاً حاصل کی جاسکتی ہے۔

ولو ضاق المسجد علی الناس وبجنبہ ارض لرجل توخذ ارضہ بالقیمۃ کرہا کذا فی فتاویٰ قاضی خان - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۶ کتاب الوقف ص ۱۰)

سوال :- آجکل جو صفائی کے برش رائج کس برش کا استعمال مسجد میں جائز ہے؟

ہیں ان میں اکثر خنزیر کے بال استعمال کیے جاتے ہیں اور یہ برش کئی لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں اور بعض مساجد میں بھی دیکھا گیا ہے کہ صفائی کے لیے یہ برش استعمال کیے جاتے ہیں۔ کیا ایسے برش کا مسجد میں استعمال شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں ان کو نجاست سے پاک رکھنا بہت ضروری ہے، چونکہ خنزیر کا ہر ہر خزنجس العین ہے اس لیے اس سے کسی صورت میں بھی انتفاع جائز نہیں لہذا ایسے برش جو نجاست سے مخلوط ہوں مساجد ان سے پاک رکھی جائیں۔ لیکن بلا تحقیق کسی چیز کے بارے میں نجس کا حکم صادر کرنا دانشمندی کا تقاضا نہیں۔

قَوْلُهُ تَعَالَى: طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ - (سورة البقرة)
قال العلامة فخر الدین: ولا یبزیق فی المسجد لافوق البہواری ولا تحت الحصیر لانا امرنا بتعظیم المسجد وصونه عن التجاسة فی اخذ النجاسة

۱۰ قال المحقق (توخذ ارض) ودار وحاوت رجب مسجد ضاق علی الناس بالقیمۃ کرہا۔ (الدالمختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۹ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۶ کتاب الوقف۔

بثوبہ ولا یلقیہا فی المسجد۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہاشم الہندیۃ ج ۴۲ فصل فی المسجد)

سوال :- ہمارے علاقہ میں عرصہ قدیم سے عوام کی ضرورت کے لیے مسجد کو مسمار کرنا ایک مسجد آباد ہے جس میں گمروں و نواح کے لوگ نماز

پڑھتے ہیں، جبکہ یہ مسجد سڑک اور دوکانوں کے قریب واقع ہے۔ بعض دوکانداروں نے حکومت کو یہ درخواست دی ہے کہ اس مسجد کو مسمار کیا جائے کیونکہ اس مسجد کی وجہ سے ہمارے کاروبار میں فرق آتا ہے، کیونکہ یہ مسجد ہماری دوکانوں کے سامنے واقع ہے جس سے ہماری دوکانیں مخفی ہو جاتی ہیں۔ اندر میں صورت کسی مسجد کو مسمار کرنا بوقت ضرورت جائز ہے ؟

الجواب :- امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ کسی مقام یا جگہ میں جب ایک دفعہ مسجد بن جائے تو قیامت تک یہ مسجد ہی رہے گی، اس کو مسمار کرنا یا کسی اور کام میں لانا شرعاً جائز نہیں، جن لوگوں نے اس کو مسمار کرانے کی درخواست دی ہے انہیں توبہ کرنی چاہیے کیسی مسلمان یا مومن سے ایسی درخواست کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

قال المحصنی: ولو حارب ما حوله واستغنی عنہ یمتی مسجداً عند اکامام (والثانی) ابدأ الی قیام الساعة (وبہ یفتی) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین: (عند اکامام والثانی) فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر سوا مکان یصلون فیہ اولا وهو الفتاویٰ حاوی القدسی واكثر المشائخ علیہ مجتبیٰ وهو لا وجہ۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۵۸ باب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد)

لہ قال ابن عابدین (قولہ فادخال نجاسة فیہ) عبارة الاشياء وادخال نجاسة فیہ یمتد فیہا التلویث ام۔ ومفاداً لجوانب لو جافة لکن فی الفتاویٰ الہندیۃ لا یدخل المسجد من علی بدنه نجاسة۔

رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶ مطلب احکام المسجد

وَمِثْلُهُ، فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۱۱ فصل غلق المسجد۔

لہ قال طاہر بن عبد الرشید: اذا خرب المسجد وفي الفتاویٰ اذا خربت القرية التي فیہا المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیہ احد فلا بأس بان یأخذہ صاحبه ویبیعه وهو قول محمد وعن ابی یوسف لا یعود الی ملک البانی ولا الی ملک ورثتہ وهو مسجد ابدأ۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۲ کتاب العتق ایضاً فی المسجد)

مسجد کے لیے زمین دینے کا وعدہ کرنا | سوال :- اگر ایک شخص کسی جذباتی فیصلہ کے

لیکن بعد ازاں اس وعدہ پر پابندی نہیں کرتا ہو۔ کیا اس پر زمین دینا ضروری ہے؟
الجواب :- مسجد کے لیے زمین دینے کے وعدہ سے وقف تمام نہیں ہوتا بلکہ وقف کے لیے یہ شرط ہے کہ پہلے زمین کو اپنی ملک سے خارج کر کے باقاعدہ عوام کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے، لہذا صرف وعدہ کی صورت میں وقف تمام نہیں ہوا، تاہم وعدہ کی خلاف ورزی گناہ ہے۔

وفي الهندية: من بنى المسجد لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه رقيقه
 ويأذن بالصلوة فيه اما الاقرار فلا نه لا يخلص الله تعالى الا به كذا في الهداية۔
 الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف

مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا | سوال :- کیا مسجد میں سونا جائز ہے؟ جبکہ بعض لوگ مسجد میں چار پائی بچھا کر سوتے ہیں، ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- مسجد میں سونا بغیر شرعی عذر کے مکروہ ہے، البتہ عذر شرعی ہو مثلاً متکلف ہو یا مسافر وغیرہ، تو اس کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ اور جس طرح مسجد میں بغیر چار پائی کے سونا جائز ہے اسی طرح چار پائی بچھا کر بھی سونا جائز ہے۔

وفي الهندية: ويكره النوم ولاكل فيه لغير المعتكف واذا اراد ان يفعل ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى يقدر ما نوى او يصلي يفعل ما شاء كذا في السراجية ولا بأس للغريب ولصاحب الدار ان ينام في المسجد

الم قال برهان الدين المرغيناني؟ واذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه
 عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فاذا صلى فيه واحد زال
 عند أبي حنيفة (رحمه الله) عن ملكه اما الاقرار فلا نه لا يخلص الله تعالى الا به۔
 الهداية ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوقف، فصل في المسجد

ومثله في كنز الدقائق على هاشم البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۸ کتاب الوقف۔

فی الصیغ من المذهب والاحسن ان يتورع فلا ينال كذا فی خزائن الفتاوی۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراہیۃ)۔

البتہ اگر کوئی غیر معذور آدمی بھی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں سو جائے تو جائز ہے۔

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین اور عرفی سیر کی شرعی حیثیت سوال :- بعض

مساجد کے ساتھ

موقوفہ جائیداد ہوتی ہے جس سے امام اور خطیب استفادہ کرتے رہتے ہیں، لیکن یہ زمین مستقل طور پر مسجد کے لیے وقف ہوتی ہے، ائمہ محض منصب امامت و خطابت کی وجہ سے اس سے استفادہ کے حقدار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض دوسری ایسی جائیداد بھی ہوتی ہے جو کسی امام کو شخصی طور پر دی جاتی ہے تاہم اس میں امام کے موجودہ منصب امامت کا دخل بھی ضرور ہوتا ہے جو اس کے لیے ترجیح کا کام دیتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں کیا یہ جائیدادیں امام قانونی طور پر اپنے نام کرا سکتا ہے؟ اور امام کی وفات کے بعد اگر اس کی اولاد امامت پر مامور نہ ہو پھر بھی اس کی حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب :- جہاں تک اول الذکر قسم کا تعلق ہے تو چونکہ یہ مسجد کے لیے موقوفہ جائیداد ہے اس کا کسی شخص کی ذات سے کوئی تعلق نہیں اس میں ارث جاری نہیں ہو سکتا، جو بھی منصب امامت پر فائز ہو وہ اس سے استفادہ کا حقدار ہوگا، اور جب اس ذمہ داری سے علیحدہ ہو جائے تو یہ شخص اس جائیداد سے استفادہ کا حقدار نہیں رہتا، اس کی خرید و فروخت یا تقسیم کرنے کا اختیار اس کو حاصل نہیں۔

قال المرغینانی: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم یکن له ان یرجع فیہ ولا یبیعہ ولا یورث عنہ لانه یحرز عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالیٰ وھذا لان الاشیاء کلھا لله تعالیٰ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۵ باب الوقف)

وفی الہندیۃ: واما حکمہ فعتد ہما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وعند

لہ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یضع لہ سریراً وراء اسطوانۃ التوبۃ۔ (ابن ماجہ ص ۱۲۴ باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد) ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۶۱ مکروہ الصلوۃ مطلب احکام المسجد۔

ابی حنیفہؒ حکمہ صیرورة العین مجبوسۃ علیٰ ملکہ بحیث لا تقبل النقل..... فانه یصح حتی لا یملك بیعه ولا یورث عنه لکن ینظر ان خرج من الثلث یجوز۔

(الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)۔

البتہ مؤخر الذکر جائداد کے بارے میں تذکرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موصوبہ لہ کی ملکیت ہے کیونکہ یہ اس کو ذاتی طور پر دی جاتی ہے، اس میں مسجد پر وقف کرنے کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا اور محض امام و خطیب کے منصب کی تعظیم کی وجہ سے کوئی چیز دینے سے مسجد پر وقف نہیں سمجھا جاتا، لہذا اس صورت میں امام مسجد کو جملہ مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے، عین حیات میں اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس منصب سے معزول ہونے کے بعد بھی یہ جائداد اس کی ہے گی اور مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

سوال :- ایک جگہ پر کسی مسجد کی تعمیر کیلئے غیر مسلم کے اموال کو جبراً مسجد پر خرچ کرنا

روپوں اور مال کی ضرورت تھی، بعض لوگوں نے غیر مسلموں سے جبراً مال اور روپے وصول کر کے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے۔ کیا غیر مسلم کا مال جبراً وصول کر کے مسجد کی تعمیر میں استعمال کیا جاسکتا ہے ؟

الجواب :- دارالاسلام میں غیر مسلموں کی کئی اقسام ہیں۔ ایک غیر مسلم وہ ہے جو متان یا ذمی ہے، معاملات کے احکام میں مسلمان و ذمی و متان آپس میں برابر ہیں، ان کے اموال کو جبراً وصول کر کے مسجد میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ احکام کے لحاظ سے مسلمانوں کی مثل ہیں۔

البتہ جو عربی ہوں اور دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہوئے ہوں ان کا مال مالِ فتنے

لہ قال ابن نجیم: (قوله ولا یملك الوقف) باجماع الفقہاء کما نقلہ فی فتح القدیر ولقوله علیہ السلام لعمر رضی اللہ عنہ تصدق باصلہا لا تباع ولا تورث ولانہ باللزوم خرج عن ملک الواقف وبلا ملک لا یتمکن من البیع۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۵ کتاب الوقف)

قال المرغینانی: وإذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکہ الا ان یکون مشاعاً عند

ابی یوسف فیطلب الشریک القسمۃ فیصح مقاسمۃ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف)

اور غنیمت ہے، ان کا مال مسجد کیلئے جبراً وصول کیا جاسکتا ہے۔

قال العلامة المحصن: لا يمكن حربي متامن فينا سنة وقيل له ان تمت سنة و
وضعنا عليك الجزية فان مكث سنة فهو ذمي ولا جزية عليه في حول المكث لا بشرط
اخذها منه فيه وعبري القصاص بينه وبين المسلم ويضمن المسلم قيمة تهره وخنزيره
اذا اتلقه وتجب الدية عليه اذا قتله خطأ ويجب كف الاذى عنه۔

قال ابن مابدين: وقوله لا يمكن حربي متامن قيد بالمستامن لانه لو دخل دارنا
بلا امان كان وما معه فينا ولو قال دخلت بامان الا ان يثبت۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۱۶۱ فصل في استئمان الكافر كتاب الجهاد)

تاہم حرام مال کو مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں۔

قال ابن عابدين: تحت هذا القول (قوله ولو بماله الحلال) قال تاج الشريعة
امالاً نفق في ذلك ما لا خيراً ولا سبباً الخبيث والطيب فيكره لان الله تعالى
لا يقبل الا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله۔ (رد المحتار على الدر المختار
جلد ۲ ص ۲۵۸ باب الامامة۔ مطلب كلمة لا بأس دليل على انه المستحب)۔

اور حرام مال سے بنائی ہوئی مسجد شرعی مسجد کے حکم میں سے نہیں ہیں، لہذا ایسی مساجد
میں نماز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے البتہ پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں۔

سوال: مسجد کی کچھ دوکانیں ایسی جگہ واقع
بوقت ضرورت وقف کا تبادلہ جائز ہے | ہیں جو مسجد سے دور ہیں۔ کیا مسجد کے قرب و

جوار میں واقع بعض دوکانوں سے ان کا تبادلہ جائز ہے؟ جبکہ قریب کی دوکانوں میں یہ احتمال
بھی ہے کہ کبھی مسجد کی توسیع میں کام آسکیں گی؟

الجواب: مسجد کے لیے ایسے فائدہ کی توقع میں وقف کا استبدال اور مبادلہ جائز ہے

لہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرة من کسب
طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب فان اللہ یقبلها بیمنہ ثم یریبھا لصاحبھا كما یریب
احدکم فلوۃ حتی تكون مثل الجیل۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۷ باب فضل الصدقة)
ومثله فی البخاری ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الزکوۃ۔

لہذا ان دوکانوں کے تبادلہ میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الہندیۃ: مبادلة دارالوقف بداراخری انما یجوز اذا كانت فی محلۃ واحدة تكون المحلۃ المملوكة خیراً من محلۃ الموقوفۃ وعلی عکسہ لایجوز۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۲ کتاب الوقف۔ الباب الرابع فیما یتعلق بالشروط فی الوقف (لہ
سوال :- ایک قبرستان جس میں اب بھی مردے

دفنائے جاتے ہوں، کیا کسی محلہ میں مسجد کی ضرورت

پڑنے پر قبرستان کو ہموار کر کے اس پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؟

الجواب :- جس قبرستان میں مردے فی الحال دفنائے جاتے ہوں اس کو مسجد کیلئے

استعمال کرنا جائز نہیں تاہم جو قبرستان پرانا ہو چکا ہو اور اس میں مردوں کی لاشیں گل بٹ کر

ان کے نشانات ختم ہو چکے ہوں تو اس کو ہموار کر کے اس پر مسجد بنانا جائز ہے، البتہ ملوکہ ہونے کی

صورت میں مالک سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین۔ وقال الزلیعی ولویلی المیت وصار تراثاً جاز دفن غیرہ فی

قبرۃ ونردعہ والبناء علیہ۔ (رد المحتار ج ۲ مطلب فی دفن المیت، کتاب الجنائز)

سوال :- تقسیم ہند کے وقت جو ہندو اور سکھ پاکستان سے چلے

گئے تھے، اُن کے مندروں اور گوردواروں کو مسلمان مساجد میں

تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کیا ان میں تغیر ضروری ہے؟

الجواب :- ہندوؤں اور سکھوں کے معابد رمندرا اور گوردوارے (مساجد میں تبدیل کرنا

لہ قال ابن نجیم۔ وفی القنیۃ مبادلة دارالوقف بداراخری انما یجوز اذا كانتا فی محلۃ

واحدة او تكون المحلۃ المملوكة خیراً من المحلۃ الموقوفۃ وعلی عکسہ لایجوز۔

والبحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب الوقف (

ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب الوقف، مطلب فی شرط الاستبدال۔

۲۔ وفی الہندیۃ: ولویلی المیت وصار تراثاً جاز دفن غیرہ فی قبر ونردعہ والبناء علیہ۔

رفاویٰ ہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۴۔ الفصل لساں فی القبر والدفن والنقل من مکان الی اخر۔

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔

شرعاً جائز ہیں بشرطیکہ ان کی عبادت کے نشانات مٹا دیئے جائیں اور اس میں تغیر کر دیا جائے، مثلاً ان کو قبلہ رو کرنا، اس میں محراب بنانا یا ان کو مستقل طور سے گرا کر از سر نو ان پر مسجد بنانا۔

عن طلق بن علی قال خرجنا وفدًا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلىنا معه واخبرناه ان بارضنا ببيعة لنا فاستوهبنا من فضل طهورة فدعا بماء فتوضا، وتمضمض ثم صبته لنا في اداة وامرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسروا بيعتكم وانضموا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا ان البلد بعيد والحرق شديد والماء ينشف فقال مَدَّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَانَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طَبِيًّا - رَوَاهُ النَّسَائِيُّ - (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۶۹ باب المساجد)

وفي حاشيته فاكسروا الخ غيروا محرابها وحولوها الى الكعبة وقيل حربوه الخ

مسجد میں آنے سے منع کرنا سوال :- بعض لوگوں نے مسجد کیلئے چندہ جمع کر کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن ایک شخص اس تعمیر سے روک رہا ہے اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کر رہا ہے، ایسے ہی ایک اور شخص مسجد کے راستہ کو بند کر رہا ہے جس سے مسجد ویران ہو رہی ہے اور اس سے مسجد میں آنے جانے والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- مسجد کی تعمیر سے منع کرنا اور ایسے ہی مسجد کا راستہ بند کرنا از روئے شرع جائز نہیں یہ ایک فاسقانہ کام ہے اور یہ شخص قلیل تعزیر ہے۔ البتہ اگر یہ راستہ مسجد کا نہ ہو بلکہ اس کی اپنی ملکیت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کا استعمال مالک کی اجازت پر

لے عن ابیہ طلق بن علی قال خرجنا وفدًا إلى النبي فبايعناه وصلىنا معه واخبرناه ان بارضنا ببيعة لنا فاستوهبنا من فضل طهورة فدعا بماء فتوضا وتمضمض ثم صبته لنا في اداة فأمرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسروا بيعتكم وانضموا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا ان البلد بعيد والحرق شديد والماء ينشف فقال مَدَّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَانَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طَبِيًّا فخرجنا حتى قدمنا بلدنا فكسروا بيعتها ثم انضمنا

مكانها فاتخذوها مسجداً فنادينا فيه بالاذان الخ

(سنن النسائي ج ۱ ص ۱۱۱ باب اتخذ البيع مساجد)

پر موقوف ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ تَمْنَعُ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا
الْحَمْدُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا (الآيَةُ)

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (الآيَةُ)
رمشکوۃ ج ۱ ص ۶۹ باب المساجد، الفصل الثاني

سوال: مسجد کی اشیاء کو عاریتہ استعمال کرنا اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کی اشیاء وقت علی المسجد ہیں ان کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، البتہ اگر وقت اس کی نیت کرے تو گنجائش ہے۔

قَالَ الْمُحْصِفِيُّ: فَإِذَا تَقَرَّرَ وَلِزَمَ الْوَقْتُ وَلَا يَمْلِكُ وَلَا يَعَادُ وَلَا يَرَهُنَ -

قَالَ ابْنُ عَابِدِينَ: وَلَا يَعَادُ وَلَا يَرَهُنَ لَا قِتْنَا تَهُمَا الْمَلِكُ -

رَبَّادُ الْمُحْتَازِ عَلَى الدَّمْرِ الْمُخْتَارِ ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف، مطلب في شرط واقف الكتب

سوال: ہمارے والد صاحب نے ایک قطعہ اراضی مسجد کے لیے وقف کیا تھا اور باقاعدہ اس کی حد بندی کی

گئی تھی اور اس میں شکرانے کے نقل بھی پڑھے گئے تھے، اب ہمارے والد صاحب فوت ہو چکے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اس زمین کے بدلے دوسری زمین مسجد کے لیے متعین کر دیں اور اس قطعہ اراضی کو اپنے مصرف میں استعمال کریں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: جب کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی ملوکہ زمین وقف کر کے اپنے سے جدا کر دے تو اب اس زمین کے ساتھ اس کا مالکانہ تعلق ختم ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وقف کے

لَمْ قَالَ فِي الْهَنْدِيَّةِ: وَلَا يَحِلُّ الْقِيَمُ سَرَّاجِ الْمَسْجِدِ إِلَى بَيْتِهِ وَيَحِلُّ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَلَا
يَأْسُ أَنْ يَتْرَكَ سَرَّاجِ الْمَسْجِدِ إِلَى ثَلَاثِ اللَّيْلِ وَلَا يَتْرَكَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا شَرِطَ
الْوَقْفُ ذَلِكَ أَوْ كَانَ ذَلِكَ مَعْتَادًا ذَلِكَ الْمَوْضِعُ -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۱، هل فی کرا غلق باب المسجد)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۳ کتاب الوقف، للفصل الرابع في المسجد.

مرنے کے بعد اس موقوفہ زمین میں ورثاء کا حق وراثت ثابت نہیں اور اس کی بیع بھی جائز نہیں، جہاں تک استبدال کا تعلق ہے تو اس کی بھی چند صورتیں ہیں :-

(۱) واقف اپنے لیے یا کسی وارث کے لیے استبدال کی شرط رکھے۔
(۲) اور اگر شرط نہ رکھی ہو لیکن اس جگہ سے انتفاع کلیتہً ختم ہو چکا ہو تو اس صورت میں باذن القاضی یا حاکم کے استبدال اصح قول کے مطابق درست ہے۔

چونکہ صورت مسئلہ میں دونوں وجود مفقود ہیں اس لیے مذکورہ زمین مسجد کی رہے گی اس کو دوسری کسی زمین میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن الہمام: وقوله ولو شرط ان يستبدل به ارضا اخرى (تكون وقفاً مكانه) فهو جائز عند ابی یوسف وھلال والخفاف وهو استعسان وكذا لو قال علی ان ابیعها واشتری بتمتها اخرى مكانا وكذا ایس للقیم الاستبدال الا ان يتصل له بذلك.... ولو قيد شرط الاستبدال للقیم بحیاة الواقف ایس له ان يستبدل بعد موته۔ وفي فتاویٰ قاضیخان قول ھلال وابی یوسف هو الصمیم..... وكذا ارض الوقف اذا قل نزها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مونتھا ويكون صلاح الارض في الاستبدال باذن اخرى وفي نحو هذا عن الانصاری صحة الشرط لكن لا یبیعھا الا باذن الحاكم وينبغي للحاكم اذا رفع الیہ ولا منفعة في الوقف ان يأذن فی بیعھا اذا رآه انظر كهل الوقف۔

فتح القدیر ج ۵ ص ۳۹۹ کتاب الوقف (۱) لہ

لہ لما قال العلامة ابن عابدین: اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة۔ وجو الاول: ان یشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه و غیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصمیم وقیل اتفاقاً والثانی: ان لا یشرطه سوا شرط عدمه او سکت لكن صار بحيث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منه شیء اصلاً ولا یفی بمؤنة فهو ایضاً جائز علی الاصم اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحة فیہ۔ والثالث: ان لا یشرطه ایضاً ولكن فیہ نفع فی الجملة وبدلہ غیر متہ ربعا ونفعا وهذا لا یجوز استبدالہ علی الاصم المختار۔

رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب الوقف۔ مطلب فی استبدال الوقف وشرطہ

ومثله فی امداد المفتین الشہیر بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۹۔

مساجد میں سکول کھولنا | سوال :- آج کل حکومت کی طرف سے مسجد مکتب سکول کے نام سے مساجد میں پرائمری سکول کھولے جا رہے ہیں، اساتذہ کرام مساجد میں کرسیاں لگا کر عام پرائمری سکولوں کی طرح بے اعتدالیاں کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے جبکہ اس سے مسجد کا تقدس بھی پامال ہوتا ہے اور مسجد کی حالت ایک عام حجرہ اور بیٹھک جیسی ہو جاتی ہے ؟

الجواب :- مذکورہ حالات کی روشنی میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے مسجد کا تقدس اور عظمت باقی نہیں رہتا جس سے اس عہدے کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ کہیں خیر خواہی کے لبادہ میں شعائر اللہ کی توہین کا منظم پروگرام تو نہیں ؟ اس لیے تعلیم کا یہ سلسلہ کسی دوسری جگہ پر جاری رکھنا چاہیے، مساجد کو نماز، ذکر اللہ اور قرآن و حدیث کی تعلیم تک محدود رکھیں۔

لما قال الشيخ احمد الحموي: في شرح الجامع الصغير للمترياشي ولا يجوز تعليم الصبيان القرآن في المسجد للمروى، جنبوا صبيانكم المساجد انتهى. وهو صريح في عدم الجواز سواء كان بأجرة أم لا. (الاشباه والنظائر ج ۴ ص ۵۶ القول في احكام المسجد ص ۵۶)

مسجد کی تعمیر میں قادیانیوں کی شرکت | سوال :- کسی مسجد کی تعمیر کے لیے ایک قادیانی نے دو ہزار اینٹیں دیں، کیا از روئے شریعت

یہ اینٹیں مسجد میں استعمال کی جاسکتی ہیں ؟

الجواب :- قادیانی اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان اور اہل قبلہ کہتے ہیں، لیکن عقیدہ ختم نبوت کے انکار اور دیگر بہت سی ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے مرتد کے زمرہ میں داخل ہیں، اس صورت میں ان کا ہر موقوف رہے گا اور اگر یہ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہر بہ نافرمان ہوگا، اور اگر اپنے ارتداد پر بدستور قائم رہیں تو بوجہ مرتد ہونے کے ان کا ہر باطل ہے۔

لما قال ابن عابدین: لما اخرجہ المنذرى: مرفوعاً جنبوا مساجدکم صبیاناً ومجانینکم وبيعکم وشراءکم ورافع اصنوا تکم الی اخره۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد)

ومثله في المہندیۃ ج ۵ کتاب الکراہیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد۔

قال ابن نجيم: توقف مبايعته وعتقه وهبته فان امن نفذ وان هلك بطل - (البحر الرائق ج ۵ ص ۳۳۳ باب المرتد) لے
 قادیانیوں کے اموال قبول کرنے سے ایک دوسرا نقصان یہ بھی ہے کہ ان کے کفر کے بارے
 میں پوری اُمتِ مسلمہ کا جو عقیدہ ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لیے ان کا ہر کسی صورت
 میں قبول نہ کیا جائے۔

مسجد کے لیے موقوفہ زمین کی فروخت | سوال :- کیا مسجد کی منتظمہ کمیٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ مسجد کے لیے موقوفہ زمین کو فروخت کر

دے یا اجارہ پر دے یا اُسے کسی اور مصرف کے لیے استعمال میں لائے؟
الجواب :- مسجد کے لیے موقوفہ زمین کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں، البتہ زمین کے
 تبادلہ کا جواز کتب فقہ سے ثابت ہے، یہ تبادلہ بھی اُس صورت میں جائز ہے کہ جس میں مسجد کا
 فائدہ ہو، اسی طرح مسجد کے نفع کی خاطر اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے۔

وفي الہندیة: مبادلة دار الوقف بدار اخرى انما تجوز اذا كانتا في محلة
 واحدة تكون المحلة المملوكة خيراً من محلة الموقوفة وعلى ملكه لا يجوز۔
 (الفتاوى الہندیة ج ۲ ص ۲۷۷ کتاب الوقف، البنا الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف) لے

لے قال المحقق: يتوقف منه عند الامام وينفذ عندهما كل ما كان مبادلة مال بمال
 او عقد تبرع (كالمبايعة) والصرف والسلم والعتق والتدبير والكتابة والهبة۔
 (الدر المختار على صدرة المختار ج ۳ ص ۲۵۸ باب المرتد، قريب من مطلب العصية تبقى بعد الردة)
 وَمِثْلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ النُّبَرَةِ ج ۲ ص ۳۷۹ کتاب السیر۔

لے قال ابن عابدين: قال وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار اخرى انما يجوز
 اذا كانتا في محلة واحدة او محلة الاخرى خيراً وبالعكس لا يجوز وان
 كانت المملوكة اكثر مساحة وقيمة اجرة لاحتمال خرابتها في ادون
 المحلتين لدنائتها وقلة الرغبة فيها۔ رد المحتار على الدر المختار ج ۴ ص ۳۸۶
 کتاب الوقف مطلب في شروط الاستبدال)
 وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب الوقف۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

جس مسجد کی زمین کا باقاعدہ وقف نہ ہو تو وہ شرعی مسجد نہیں مسئلہ کے بارے میں کہ انگلینڈ میں مکانات کی دو قسمیں ہیں، ایک فری ہولڈ اور دوسرا لیس فری ہولڈ۔ قسم اول میں زمین اور عمارت مالک مکان کی ملکیت ہوتی ہے، اور قسم ثانی میں صرف مکان پر مالک کی ملکیت کا حق ہوتا ہے جبکہ زمین اجارہ کی ہوتی ہے، لیکن یہ فرق بھی صرف امتیازی ہوتا ہے۔ دونوں قسموں کی صورت میں حکومت کو مکمل اختیار حاصل ہے، کیونکہ ان دونوں قسموں کے لیے حکومت کی طرف سے ایک میعاد مقرر ہوتی ہے۔ اگر مقررہ مدت سے قبل حکومت کو اس زمین کی ضرورت پڑ جائے تو حکومت اس مقررہ مدت کو منسوخ کر کے اس زمین کو اپنے مصرف میں لاسکتی ہے، اس میں کسی شخص کو بھی حکومت کے فیصلے کو چیلنج کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

آیا ایسی زمین جس پر مالک کو مکمل اختیار حاصل نہیں اگر اس پر مسجد تعمیر کر لی جائے اور باقاعدہ اس میں اذان اور جماعت بھی ہوتی ہو، لیکن جب اس زمین کو جس پر مسجد واقع ہے ضرورت پڑنے کی وجہ سے حکومت اسے اپنے مصرف میں لانے کا ارادہ کرے اور اس کے مالک کو اپنی جانب سے اس عمارت کا عوض دے دے، تو کیا ایسی زمین پر مسجد تعمیر کرنا مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی؟ اور آیا اس کی خرید و فروخت اور اس میں تغیر و تبدل جائز ہے؟ اور اس شہید کر کے کسی اور مصرف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ اہل علم کی تحقیق کے مطابق مسجد شرعی کے لیے زمین اور مکان دونوں کا وقف مؤید ہونا شرط ہے، جبکہ یہ شرط یہاں متحقق نہیں۔ اور اہل علم کے نزدیک مسجد کے معاملہ میں اگر کوئی ایسی شرط لگادی جائے جس سے وقف مؤید میں فرق آ رہا ہو تو وہ شرط باطل ہے اور وقف مطلق اور مؤید ہوگی۔

قال ابن عابدین: تحت هذا القول (قوله ولا ذكر معه اشتراط بيعه الخ) في الحصاص لو قال على ان لي اخراجها من الوقف الى غيره او على ان اهبها واتصدق بتمنها او على ان اهبها لمن شئت او على ان ارهنها متى بدالي واخرجها عن الوقف بطل الوقف ثم ذكر ان هذا في غير المسجد اما المسجد لو اشترط ابطاله او بيعه صح وبطل الشرط۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الوقف قبل مطلب في وقف المرتد والکافر

جس ملک میں خود مالک کو کسی زمین یا مکان پر ملک مؤبد حاصل نہیں اور اُس کو اس زمین میں تصرف من کل الوجہ حاصل نہیں تو وہ کس طرح وقف مؤبد کر سکتا ہے اور کس طرح اس مسجد کو مسجد شرعی کا حکم دیا جاسکتا ہے؟ اس لیے یہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدین: افاد ان الواقف لا بد ان يكون مالکھ وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد وان لا يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف الموقوف لم يصح وان ملكه بعد بئراً او صلح ولواجاز المالك وقت تصولي جاز۔
(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۲ کتاب الوقف، مطلب قد ثبت الوقف بالضرورة) ۱۷

مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی | سوال :- ایک شخص نے کسی محلہ میں مسجد بنوائی اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی کچھ مدت کے بعد اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ مسجد میری ملکیت ہے لہذا اس میں تمام تصرف میرا ہی چلے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کسی شخص کی ملکیت میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس نے خود ہی یہ مسجد تعمیر کرائی ہو؟

الجواب :- جب مسجد ایک دفعہ مسجد بن جائے اور اس میں لوگوں کو نماز کے لیے باقاعدہ اذن عام ہو تو پھر یہ کسی کی ملکیت نہیں رہتی، البتہ باقی کو تولیت کا حق حاصل ہے۔
قال المحقق: اراد اهل المحلة نقض المسجد وبنائه احکم من الاول ان البانی من اهل المحلة لهم ذلك الا لا الدر المختار علی صدر رد المحتار ص ۳۵۴ ج ۲، کتاب الوقف، احکام المساجد ۱۷

۱۷ قال ابن نجیم: من شرط الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن اليه او صالح علی مال دفعه اليه لا تكون وقفا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف) ومثله في الهندية ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف۔

۲ قال طهرون عبد الرشيد، رجل بنی مسجد اف سكة فنازعه بعض اهل السكة في عمارته او نصب المؤذن والامام فالخيار ان البانی اولی وفي العمارة اولی باتفاق۔
(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۱ الفصل الرابع في المسجد ووقفه الخ) ومثله في الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الوقف۔

مسجد کے فنڈ سے معاوضہ دینا | سوال :- ہمارے محلہ میں مسجد کے محراب کے ساتھ کچھ دوکانیں تھیں، جب مسجد کو شہید کر کے از سر نو

تعمیر کرنے کا ارادہ کیا گیا تو یہ دوکانیں بھی منہدم ہو گئیں، حکومت نے دوکانداروں کی درخواست پر اس کے تبادلہ جگہ ان کو دے دی، اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ جتنے دن ہمارے کاروبار میں فرق آیا ہے اس کا معاوضہ دیا جائے، ہر دوکاندار تقریباً پانچ ہزار روپے کا طالب ہے اس طرح کل رقم تقریباً بیس ہزار روپے بنتی ہے، جبکہ مسجد کے پاس فنڈ بھی کافی مقدار میں موجود ہے۔ کیا دوکانداروں کے مطالبہ پر ان کو یہ معاوضہ مسجد کے فنڈ سے دینا جائز ہے؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں دوکانداروں کا یہ مطالبہ کہ تعمیر مسجد کی وجہ سے جتنے دن ہمارا کاروبار متاثر ہوا ہے اس کا معاوضہ ہمیں دیا جائے، غیر شرعی ہے۔ کیونکہ مالک مکان پر کاروبار کے متاثر ہونے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تاہم ان ایام کا کرایہ دوکانداروں سے وصول نہیں کیا جاسکتا اس لیے ایسا غیر شرعی خرچہ مسجد کے فنڈ سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اگر شرفساد کا خطرہ ہو تو دفع شر کیلئے کچھ رقم دینا منحصر ہے لیکن دوکانداروں کے لیے اس کی وصولی ناجائز اور حرام ہے۔

قال ابن عابد بن: الثالث اخذ المال يسوي امره عند السلطان دفعاً
للضرر، او جلياً للنفع وهو حرام على الاخذ - رد المحتار على الدر المختار ج ٣،
كتاب ادب القاضي، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية (١)

مسجد کی خرید و فروخت کا عدم جواز

سوال :- قیام پاکستان کے وقت جب
اور کھ پاکستان سے کوچ کر کے ہندوستان

چلے گئے تو اپنے بہت سے مکانات، زمینیں اور جائیداد چھوڑ گئے، ہہا جبرین کی ایک جماعت نے ایک جگہ کا انتخاب کر کے باقاعدہ ڈپٹی کمشنر سے اجازت لیکر اور نقشہ منظور کرا کر مسجد تعمیر کی، بعد ازاں جب حکومت متروکہ زمین کی قیمت وصول کرنے لگی تو حکومت نے اس جگہ کی قیمت وصول

له قال ابن نجيم: ومنها إذا دفع الرشوة يسوى أمره عند السلطان حل له الدفع ولا يحل للأخذان يأخذ. (البحر الرائق ج ٣ ص ٢٦٢ كتاب ادب القاضي) ومثله في فتح القدير على الهداية ج ٦ ص ٣٥٩ كتاب ادب القاضي.

کرنے سے پہلے ہی مسجد اپنی تحویل میں لے لی اور تقریباً اٹھارہ سال تک اپنی تحویل میں رکھا اور مسجد کے یہ موقوفہ دوکانوں کی آمدنی بھی حکومت وصول کرتی رہی، اب جبکہ حکومت نے اس سے اپنا قبضہ اٹھالیا ہے تو حکومت اس مسجد کی جگہ کی قیمت کا مطالبہ کرتی ہے، حالانکہ ہم نے یہ مسجد حکومت کی اجازت سے ہی بنائی تھی۔ اندر میں صورت کیا اب مسجد کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے؟ اور کیا یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب: مستفتی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد حکومت کی اجازت سے تعمیر کی گئی۔ لہذا اگر کسی سرکاری جگہ پر قیمت کی ادائیگی کے بغیر حکومت کی اجازت سے مسجد تعمیر کی جائے تو اس سے وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، کیونکہ مساجد کا اہتمام کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

قال ابن عابدینؒ، فانه يجب ان يتخذ الامام للمسلمين مسجداً من بيت المال او من مالهم ان لم يكن لهم بيت المال۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۳۹، کتاب الوقف، مطلب لو وقف علی الاغنیاء و حدھم لہم یجوز) اور حکومت کا نقشہ کی منظوری دینا باقاعدہ اجازت کے مترادف ہے، اب باقاعدہ مسجد بن جانے کے بعد اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

قال المرغینانیؒ: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا بیعہ ولا یورث عنہ لانه یعرض عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى وهذا لان الاشیاء کلہا لله تعالى۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۲ باب الوقف۔ فصل فی وقف المسجد) لہ

لہ وفي الہندیۃ: اما حکمہ عند ہما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وعند ابن حنیفۃؒ حکمہ صیورۃ العین محبوسۃ عن ملکہ بحيث لا تقبل النقل عن ملک الی ملک والتصدق بالعلۃ المعدومۃ مٹی صح الوقف بان قال جعلت ارضی ہذہ صدقۃ موقوفۃ مؤبدۃ او اوصیت بہا بعد موتی فانه یصح حتی لا یمکن بیعہ ولا یورث عنہ لکن ینظر ان خرج من الثلث یجوز۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)۔

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب الوقف۔

عید گاہ میں کھیل کود اور اسے راستہ بنانے کا حکم | سوال: ہمارے گاؤں میں

ہے وہ یہ کہ گاؤں کی وقت عید گاہ ہے، محلے کے بچے جو توں سمیت اس میں کھیلنے رہتے ہیں اس عید گاہ کے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ گاؤں کی طرف اور دوسرا سڑک کی طرف کھلتا ہے گاؤں کی طرف کھلنے والے دروازے کو لوگ عید گاہ سے گزرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جس میں بعض اوقات حیض اور نفاس والی خواتین بھی گزرتی ہیں۔ اب ایک صاحب نے عید گاہ کی حرمت برقرار رکھنے کے لیے اس کے ایک دروازے کو بند کر دیا ہے مگر گاؤں کے لوگ خصوصاً عید گاہ کے قرب و جوار میں رہنے والے اس صاحب کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں اور اس پر سخت ناراض بھی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عید گاہ کو گزر گاہ بنانا، اس میں چلنا پھرنا اور کھیلنا کو دنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں یا نہیں؟

الجواب: عید گاہ اور جنازہ گاہ کا مسجد شرعی کے حکم میں ہونا اگرچہ مختلف فیہ ہے مگر راجح مذہب یہ ہے کہ عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں ہے۔

كما قال العلامة قاضی خان: مسجد اتخذ لصلوة الجنائز او لصلوة العيد هل يكون له حكم المسجد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يكون مسجد حتى لو مات الواقف لا يورث۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۹ کتاب الوقف)

وقال العلامة ابن عابدین: المتخذ لصلوة الجنائز العبد فهو مسجد في جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافي حق غيره به يفتى نهاية۔
وعبارة النهاية والمختار للفتوى انه مسجد في حق جواز الاقتداء..... فان الباقي لم يعد له لذلك فينغي ان لا يجوز..... وما صححه تاج الشريعة ان مصلی العيد له حكم المساجد وتماه في الشرب لا لية۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲ کتاب الوقف)

وفي احسن الفتاوى: جميع احكام میں عید گاہ کا حکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامیہ سے جمیع احکام میں حکم مسجد ہونے کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

اس لیے عید گاہ میں ہر وہ عمل جو اس کی بے حرمتی اور بے احترامی کی طرف منافی ہونا جائز و حرام ہے، مثلاً عید گاہ میں راستہ بنانا اور اس میں ہر قسم کے لوگوں (حائفہ، نفاس، بجنب وغیرہ) کا گزرنہ، اس کو کھیل کود کا میدان بنانا، اس کی بے حرمتی کرنا وغیرہ۔

كما قال العلامة ابن نجيم: وقال بعضهم له حكم المسجد حال اداء الصلوة لا غير وهو
والجنانة سواء ويجتنب هذا المكان عما يجتنب المسجد احتياطاً.

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

وفی کفایت المفتی: عید گاہ کے احاطے کے اندر کارخانہ کھولنا جس میں ہر قسم کے آدمی
کام کرتے ہوں جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۷ ص ۱۱۳)

وفی امداد المفتیین: نیز احتیاطاً تعظیم و حرمت میں بھی فقہاء نے اس کو مثل مسجد قرار
دیا ہے اور زراعت اس کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص ۸۱۵)

وفی احسن الفتاویٰ: عید گاہ کا احترام بہر کیفیت واجب ہے، اگرچہ اس کے مسجد ہونے
میں اختلاف ہے مگر بیحیثیتی سے حفاظت بہر حال ضروری ہے لہذا امور مستولہ (کھیل کود)
دعوت وغیرہ کا انتظام کرنا کی اجازت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۶ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

اور عید گاہ میں یہ امور اس لیے بھی جائز نہیں کہ واقف نے اس زمین کو ان امور مذکورہ
کیلئے وقف نہیں کیا ہے بلکہ اس کا وقف صرف اور صرف عید گاہ تک محدود ہے اور واقف کی
نیت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ شامی میں ہے: نیت الواقف کنص الشارع.

(رہدالمختار ج ۴ ص ۴۳۳ کتاب الوقف)

اور پھر جب عید گاہ کے ساتھ دوسرا متبادل راستہ موجود ہو تو پھر بھی اس میں راستہ بنانا مسجد
میں راستہ بنانے کے مترادف ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے
ارشاد فرمایا: لا تجعلوا المساجد مساہداً (الحديث) کہ مسجد کو راستہ مت بناؤ۔

اس لیے شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید گاہ کی حفاظت کرنا ضروری ہے
تاکہ اس کو راستہ نہ بنایا جاسکے، اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے ساتھ تعاون
کریں جو اس کی حفاظت کرتا ہو، عید گاہ کو کھیل کود کا میدان یا راستہ بنانے سے منع کرنے
والے پر کسی کو بھی اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں، اس جگہ کو صرف عیدین کی نماز
یا دیگر دینی تقریبات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اس کو بطور راستہ
کھیل کے میدان اور دیگر خلاف شرع امور میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

واللہ اعلم و علمہ اتم

جنوبی افریقہ کی قدیم مساجد و مدارس وغیرہ کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین مندرجہ ذیل سوالوں کے اندر کہ :

(۱) جنوبی افریقہ ایک ایسا ملک ہے کہ جہاں کبھی بھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی ہے، حقیقت میں یہ ملک غیر آباد تھا۔ سب سے پہلے ہالینڈ کی ڈچ قوم جاوا سے تین سو سال پہلے یہاں آئی تھی۔ اور یہی ڈچ قوم قریباً ڈیڑھ سو ملائی مسلمان، جو کہ سیاسی قیدی تھے، اپنے ساتھ لائی تھی، پھر انگریز آئے اور انہوں نے ہندوستان سے ہندوستانیوں کو کام کاج کے واسطے بلایا، جب ان ہندوستانیوں کا وقت پورا ہو گیا تو بعض واپس ہندوستان چلے گئے اور اکثر یہاں پر ہی مقیم ہو گئے جن میں سے کچھ تو تجارت، کچھ مزدوری اور کچھ زراعت میں مشغول ہو گئے۔ اس ملک میں سفید فام قوم ۲۵ لاکھ جتنی زیادہ ۵ لاکھ، ایشیائی قوم ۵ لاکھ، خالص جتنی ایک کروڑ بیس لاکھ اور مسلمان تقریباً ایک لاکھ ہوں گے۔ اور حکومت اس ملک پر سفید فام عیسائی قوم کی ہے، مسلمان نماز اذان، قربانی اور حج وغیرہ ادا کرنے میں آزاد ہیں، مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے آباد ہیں، اب حکومت نے نسلی امتیاز کا قانون بنا دیا ہے جس کی بنیاد رنگ پر ہے، مذہب پر نہیں۔ اس قانون کی وجہ سے ہر قوم کو الگ الگ جگہوں پر آباد کیا جا رہا ہے، اب جو علاقے سفید فاموں کے لیے مخصوص کئے گئے ہیں وہاں سے ہندوستانیوں کو نکالا جا رہا ہے اور ان کے مکانوں اور زمینوں کی معمولی قیمت دے کر زبردستی ان کو بے دخل کیا جا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ملک دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر دارالحرب ہے تو پھر مسلمانوں کو یہاں پر رہنا جائز ہے یا ہجرت کر کے چلے جانا چاہیئے؟

(۲) جو علاقے سفید فام قوم کے لیے مقرر ہو چکے ہیں ان علاقوں کے اندر جو مسجدیں آگئی ہیں ان کو فروخت کر کے قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا ان کو ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیئے، جبکہ آج ان کی قیمت کئی لاکھ پونڈ سے بھی زیادہ ہے، اور جب ان علاقوں میں مسلمان ہی نہ رہیں گے تو یہ مسجدیں بھی غیر آباد اور شہید ہو جائیں گی۔ اب آپ سے التجا ہے کہ یہ ملک کیسا ہے، اور جو مسجدیں سفید فاموں کے علاقے اند آگئی ہیں ان کے

واسطے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل مطلوب ہے؟
الجواب:- محترم! آپ کے سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں
 حسب ذیل ہیں:-

(۱) عباراتِ فقہیہ پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کا ملک یعنی جنوبی افریقہ آپ
 کے واسطے نہ دارالحرب ہے کہ جس سے ہجرت لازم ہو جائے اور نہ مکمل دارالاسلام ہے،
 بلکہ دارالامن اور دارعہد اگر اس کو کہا جائے تو بجا ہے۔ اس بارے میں فقہاء کرام کی چند
 عبارات ملاحظہ ہوں:-

(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اعلم ان دارالحرب تصیر دارالاسلام بشرط
 واحد وهو اظہار حکم الاسلام فیہا قال محمد فی انبیا دات انما تصیر
 دارالاسلام دارالحرب عند ابی حنیفۃ بشروط ثلاثہ احدها اجراء
 احکام الکفار علی سبیل الاشتہاد وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام والثانی
 ان تكون متصلة بدارالحرب لا یتخلل بینہما بلد من بلاد الاسلام والثالث
 ان لا یبقی فیہا مؤمن ولا ذمی آمناً یا مائ الاول الذی کان ثابتاً قبل
 استیلا الکفار للمسلم باسلامہ والذمی لعقد الذمۃ۔ وقال ابو یوسف
 بشرط واحد لا غیر وهو اظہار احکام الکفر وهو القیاس۔ (رج ۲ من ۳)

(ب) خزانۃ المفتیین میں ہے: دارالاسلام لا لقید دارالحرب الا باجراء
 احکام الشریک فیہا وان یکون متصلاً بدارالحرب لا یکون بینہما
 و بین دارالحرب مصر آخر للمسلمین وان لا یبقی فیہا مسلم و ذمی
 بالامان الاول فما لم توجد هذه الشرائط لقید دارالحرب وقال
 اذا اجدوا فیہا احکام الشریک فانہا لقید دارالحرب سوا کانت
 متصلة بدارالحرب اولم تکن بقی فیہا مسلم او ذمی آمناً بالامان
 الاول او لریق۔

(ج) اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: قال السيد الامام والبلاد التي في ايدي
 الكفرة اليوم لا شك انها بلاد الاسلام بعد اتصالها ببلاد دارالحرب
 ولم فيها احكام الكفر بل القضاة مسلمون اما البلاد والتي

علیہا قال مسلم جہتہم فیجوز فیہا اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج
وتقلید القضاۃ وتذویج الایامی والارامل لا یتلاء المسلم علیہ اما البلاد
والتی علیہا ولایۃ کفار فیجوز فیہا ایضاً اقامۃ الجمع والاعیاد والقاضی قاض
بتراضی المسلمین الخ۔ و ذکر الحلوائی انہ انما لقید دار الحرب باجراء احکام
الکفر وان لا یحکم فیہا بحکم من احکام الاسلام وان یتصل بدار الحرب
وان لا یبقی فیہا مسلم ولا ذقی آمناً بالاول فاذا وجدت الشرائط کلہا
صارت دار الحرب وعند تعارض الدلائل والشرائط یبقی ما کان او یترجح
جانب الاسلام احتیاطاً۔ انتہی ملخصاً۔

(د) اور شرح زیادات للقبانی میں ہے: دار الاسلام انما لقید دار الحرب بثلاث
شرائط احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار، والثانی ان تكون
متا بدار الحرب ای متصلۃ لا یتخلل بینہما بلدۃ من بلاد المسلمین
والثالث ان لا یبقی فیہا مسلم او ذقی آمناً بالامان الاول فشرط ہذہ
الشرائط لا یكون علماً علی تمام القہر والاستیلاء اذا دار السلام یحتاج
لا ثباط لہا وعندہا یصیر دار الاسلام دار الحرب باجراء احکام الکفر
فیہا۔ انتہی

(ه) اور طحاوی حاشیہ در مختار میں ہے: قوله باجراء احکام الشریک ای علی
الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم اہل الاسلام ہندیۃ۔ وظاہرہ انہ
لو باجریۃ احکام المسلمین و احکام اہل الشریک لا تكون دار الحرب۔ انتہی
ان مجموعہ عبارات اور ان کے امثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دار الاسلام کے دار الحرب
ہونے میں شرط یہ ہے کہ احکام کفر علی سبیل الاشتہار جاری ہوں اور احکام اسلام
بالکلیہ موقوف کر دیئے جائیں اور شعائر اسلام و ضروریات دین میں کفار مداخلت کرنے
نہیں، اور یہ شرط اتفاقی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے سوا اور بھی دو شرطیں
زائد کیں، ایک یہ کہ اس بلاد میں اور دار الحرب میں کوئی بتہ مملکت اہل اسلام کا
باقی نہ رہے، دوسرے یہ کہ امان اول مرتفع ہو جاوے اور بامان کفار اقامت کی نوبت
آتی ہو، اور دار الحرب سے دار السلام ہونے میں ایک شرط ہے، اور وہ ہے اظہار حکم اسلام۔

اس ساری تفصیل کی روشنی میں جب جنوبی افریقہ کے ملک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ شرائط مذکورہ کا روسے دارالحرب نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ وہاں شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت و ممانعت نہیں ہے، جیسا کہ آپ کے سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت سفید فام عیسائی قوم کی ہے اور مسلمان جو کہ تقریباً ایک لاکھ ہیں۔ اذان، نماز، قربانی اور حج وغیرہ شعائر اسلام میں آزاد ہیں اس لیے اس ملک کو نہ تو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور نہ دارالسلام کہہ سکتے ہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت مسلمانوں کی نہیں ہے، اور نہ پہلے کبھی اس ملک پر اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے، جیسا کہ آپ کے سوال سے بھی ظاہر ہے کہ اس ملک پر اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی بلکہ یہ ملک غیر آباد تھا، اور سب سے پہلے ایک ڈچ کافر قوم کی حکومت قائم ہوئی، پھر انگریزوں کی حکومت آئی اور اب سفید فام عیسائیوں کی حکومت ہے۔ غرضیکہ احکام مسلمین اور احکام شرک دونوں اس میں جاری ہیں، لہذا جانب اسلام کو ترجیح دے کر دارالسلام بھی نہیں کہا جاسکتا، البتہ ایک درمیانی صورت ہے کہ اس کو دارالامن اور دارعہد کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یا تو آپ کا سفید فام حکومت سے باقاعدہ معاہدہ ہوا ہوگا اور اگر باقاعدہ معاہدہ نہ ہوا ہو تو آپ کے ملک کے حالات پر نظر ڈالنے سے عملاً معاہدہ معلوم ہوتا ہے جس کے ماتحت آپ امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور آپ اپنے تصفیہ طلب معاملات ان کی عدالتوں میں لجاتے ہیں اور جانی و مالی امور میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور دیگر معاملات میں بھی ان کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں فریقین معاہدہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے یہ معاہدہ توڑا بھی نہیں ہے کیونکہ آپ نے کوئی قومی تحریک شروع نہیں کی جس کی وجہ سے توڑ پھوڑ، مار پیٹ اور سول نافرمانی وغیرہ قسم کی چیزوں تک نوبت نہ پہنچ گئی ہو اس لیے عہد بھی قائم ہے اور امن بھی، پس آپ کا ملک جنوبی افریقہ، دارالامن اور دارعہد ہے۔ ہذا ما ظہری وان لم یشرح بہ القلب و لم یطمئن بہ النفس فان للمقال فیہ بحالاً، واللہ اعلم

(۲) جو مسجدیں سفید فاموں کے علاقے کے اندر آگئی ہیں مجبوراً آپ ان کا عوض لے سکتے ہیں، ان کو فروخت کر کے قیمت لینا اور اس سے اپنے علاقے میں مسجد تعمیر کرنا درست

ہے۔ چند عبارتیں کتبِ فقہ کی اس مدعی کے اثبات کے لیے درج کی جاتی ہیں :

وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجسده رباط آخر
قال السيد الامام ابو شجاع: تصرف غلته الى الرباط الثاني كما لمسجد
اذا حُزب واستغنى عنه اهل القرية نرفع ذلك الى القاضي
فباع الخشب وصرف الثمن الى مسجد آخر جاز۔

وفي فتاوى النسفی: سئل شيخ الاسلام عن اهل القرية
رحلوا وتدعى مسجدها الى الخراب وبعض المتغلبة ليستولون
على خشبه وينقلونها الى دورهم هل الواحد من اهل المحلة
ان يبيع الخشب بامر القاضي ويسك الثمن ليصرفه الى بعض
المساجد او الى هذا المسجد قال نعم۔ (ہ رشامی ج ۳ ص ۵۱۴)
اس فتویٰ کی تائید میں علامہ شامیؒ نے یہ دلیل بیان کی ہے: فان المسجد
او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل ياخذ انقاضه للصوم
والمتغلبون كما هو مشاهد۔

ہاں اگر ان کے ساتھ اس بات کا سمجھوتہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے شعائرِ دین کو
اپنے حال پر ہی رہنے دیں گے اور انہیں ڈھاکر ویران ویر باد نہ کریں گے تو اس
صورت میں اصل حکم یہ ہے کہ ان مساجد کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو
فروخت نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہ
لا يعود الى ملك مالك ابدًا كذا في المضرات۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۴۵)
فقط واللہ اعلم



أدبُنا وألحافنا المسلمين ما استطعتم

کتاب الحدود والتعزیرات

(حدود اور تعزیرات کے احکام و مسائل)

حدود جاری کرنا حکام کا حق ہے | سوال :- کسی مجرم کو کوڑوں یا قصاص کی سزا دینے کا استحقاق صرف حاکم کو ہے یا عوامی

جرم بھی جاری کر سکتا ہے؟

الجواب :- حدود جاری کرنا حکام اور ان کی طرف سے مقرر شدہ قضاة وغیرہ کا حق ہے کسی اور کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

وفي الہندیة : وركنه (الحد) اقامة الامام او نائبه في الامة۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۳ ص ۱۳۱ کتاب الحدود ص ۱۷)

کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت | سوال :- اسلامی قانون میں

لگائے جاتے ہیں اس کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ وہ کس طرح کا ہونا چاہیے اور کس چیز سے بنا ہوا ہونا چاہیے اور اس کی لمبائی چوڑائی کا کیا اعتبار ہے؟

الجواب :- حدود و تعزیرات میں استعمال ہونے والے کوڑے کی ساخت متوسط ہونا ضروری ہے خواہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہو تاہم اگر لکڑی کا ہو تو نرم سی چھڑی ہونی چاہیے حدود و تعزیرات میں لاکھڑی کا استعمال جائز نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم المصنف (بسوط لا ثمرة له متوسطا) ای لا عقدة له لان

له وقال الامام علاؤ الدین ابی بکر ابن مسعود الکاسانی : واما شرائط جوارن اقامتها فمئتها ما یعم الحدود وکملها ومنها ما یخص البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود کملها فهو الامامة وهو ان یكون المقيم للحد هو الامام او من ولاة الامام وهذا عندنا۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الحدود)

وَمِثْلُهُ فِي كِتَابِ الْفَقْهِ عَلَى الْمَذَاهِبِ الرَّابِعَةِ ج ۵ ص ۲۲۹ کتاب الحدود۔

علیٰ فی اللہ عندہ لما الاد ان یقیم الحد کسر ثمرته والمتوسط بین المبرح وهو الجارح وغیر المثل لا فضاء الاول الی الهلاک وخلق الثاني عن المقصود وهو الانزجار کذا فی الہدایۃ وحاصلہ انہ المثل غیر الجارح۔

(البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۰۰ کتاب الحدود)

زنا کا جرم ثابت ہو جانے پر حد جاری کرنے کا حکم | سوال :- ایک بالغ لڑکے

تو کیا ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں جبکہ آج کل ملک میں اسلامی حکومت بھی نہیں ہے، اگر وہ دونوں آئندہ اور ماقبل تمام گناہوں سے توبہ کر لیں تو کیا ان سے حد ساقط ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون میں زنا کی سزا محسن (شادی شدہ) مرد و عورت کو زنا ثابت ہونے پر رجم (سنگسار) کرنا ہے اور غیر محسن کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: واذا وجب الحد وكان الزانی محسنًا رجمه بالحجارة حتى يموت اهو وان لم يكن محسنًا وكان حرافحًا مائة جلدة۔ (الهدایۃ ج ۲ ص ۵۰ کتاب الحدود)

تاہم اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے حدود کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے اسلئے اگر زنا کا مرد اور عورت توبہ کر لیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا یہ گناہ معاف کر دے گا علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اس توبہ کا طریقہ کچھ یوں بیان کیا ہے کہ: ”اچھی طرح وضو کے دو رکعت نماز نفل خشوع و خضوع سے پڑھے پھر نہایت آہ و زاری سے آنسو بہا کر عاجزی و ہرجہ کے جیسے کوئی مجرم غلام اپنے آقا سے قصور معاف کراتا ہے دعائے مغفرت کرے

لہ قال الزیلعی: بسوط لا ثمرۃ لہ متوسطاً ان یضرب بسوطاً لعقدۃ لہ ضرباً متوسطاً..... وعن علی رضی اللہ عنہ انہ کسر ثمرتہ ولولم یکسر الثمرۃ بعد کل ضربۃ یضربتین..... والضرب المتوسط هو المثلید غیر الجارح لان الجارح یفضی الی التلف وبقی فی جسدہ اثریشینہ ولہذا یکسر عقدتہ وغیر المثلید لا یفید والواجب التادیب دون انہلاک۔ (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۰۰ کتاب الحدود)

اور دل میں اس گناہ سے ندامت رکھے اور یہ قصد کرے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اور اس عورت کے حق میں بھی دعائے مغفرت کہے اور اگر ابتداء میں وہ عورت راضی نہ تھی تو اس سے بھی عفو و قصور کرائے تاکہ وہ حشر میں دامنگیر نہ ہو، واللہ اعلم۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۵۷ کتاب الحدود)۔

نابالغہ سے زنا بالجبر کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک عاقل بالغ لڑکے نے نابالغ لڑکی سے زبردستی

زنا کیا اور جرم ثابت بھی ہو گیا تو اس نابالغ لڑکی پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟
الجواب :- اگر کوئی عاقل بالغ لڑکا ایسی نابالغ لڑکی سے زنا کرے جس کے مثل کے ساتھ جماع کیا جاسکتا ہو اور قاضی کے ہاں اس کا ثبوت بھی ہو جائے تو لڑکے پر حد لگائی جائے گی اور لڑکی پر بوجہ عدم بلوغ کے کوئی حد نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی: (اولاً) حد بزنی غیر مکلف بہ کلفة مطلقاً (اعلیہ ولا علیہا) (و فی عکسہ حد) فقط۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷)

الباب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیٹی کے ساتھ حقیقی بیٹی سے زنا کرنے کی سزا | زنا کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئی اور وہ نابالغ بچے کی ماں بن گئی اور اس نے بلا جبر و اکراہ بچے کو اپنے سگے باپ کی طرف منسوب کیا اور

قال العلامة ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی: فان کان محصناً رجلاً فی قضاء حتی یموت ام ولو غیر محصن جلدہ مائتہ۔ (کنز الدقائق ص ۱۸۱ کتاب الحدود) ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶ | الباب الثالث فی کیفیۃ الحد واقامتہ۔

قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی: (توہ وبزنا صبیۃ او مجنون بمکلفۃ بخلاف عکسہ) ائی لا یجب الحد اذا زنی الصبیۃ او المجنون بأمرأة مکلفۃ وہی ابالغۃ العاقلۃ بخلاف العکس وهو ما اذا زنی البالغ العاقل بصبیۃ او مجنونۃ حیث یجب الحد علی الرجل۔

(تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۸۳ | الباب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ) ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۹ | الباب الرابع فی الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ۔

باپ نے بھی بلا جبر و اکراہ بیٹی سے زنا کرنے کو تسلیم کر لیا، شریعت مقدسہ میں ان دونوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- زنا کو اسلام میں ایک انتہائی قبیح فعل کہا گیا ہے، کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کرنا قطعی حرام ہے اور بیٹی تو محرمات میں سے ہے اس کے ساتھ زنا کرنا تو اور بھی زیادہ سخت جرم ہے اور زنا کو حلال سمجھنا موجب کفر ہے، برادر کی لوگ ایسے شخص کے ساتھ قطع تعلق کریں اور حکومت وقت اس پر حد زنا جاری کرے۔

قال العلامة ابن نجيم: من استحل ما حرمه الله تعالى على وجه الظن لا يكفر وانما يكفر اذا اعتقدا لحرام حلالا۔ (ابو البراءة ج ۲ ص ۱۶ باب المرتد) ^{لہ}

پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا | سوال :- اگر کوئی شخص کبھی

زنا کی تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کی شرعاً کیا سزا ہے؟

الجواب :- جو شخص کسی آزاد مسلمان مکلف اور پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکے تو دارالاسلام میں ایسے شخص کو اسٹی کوڑے لگائے جائیں گے، اور شریعت میں اس کو حد قذف کہا جاتا ہے بشرطیکہ قاذف تہمت لگانے والا آزاد ہو اس لیے کہ غلام کو آدمی سزا دی جائے گی یعنی چالیس کوڑے لگائے جائیں گے، البتہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی صورت میں قاذف تو یہ کہے اور مقذوف سے معافی مانگے۔

لما في الهندية: اذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصریح الزني بأن قال زني أو يازاني وطالب المقذوف بالحد حدة الحاكم ثمانين سوطاً ان كان القاذف حدّاً وان كان عبداً اربعة سوطاً كذا في الفقه لقديم (فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۱۶۱ باب في القاذف)

لہ قال العلامة ابن عابدین: من استحل ما حرمه الله تعالى على وجه الظن لا يكفر وانما يكفر اذا اعتقدا الحرام حلالا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۳ باب المرتد)

لہ قال العلامة برهان الدین مرغینانی: واذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصریح الزنا وطالب المقذوف بالحد حدة الحاكم ثمانين سوطاً ان كان حراً لقوله تعالى: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ان ان قال فاجلدوهم ثمانين جلدًا والمراد الرمي بالنزأ بالاجماع وان كان القاذف عبداً جلد اربعين سوطاً۔ (الہدایہ ج ۲ ص ۱۵۹ کتاب الحدود باب حد القاذف)

قابل تعزیر سرقہ کی مقدار | سوال :- قابل تعزیر سرقہ کا نصاب تو دس درہم ہے لیکن آجکل کی کرنسی کے حساب سے یہ نصاب کتنا بنتا ہے ؟

الجواب :- ”اوزان شرعیہ“ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے دس درہم یا پینتیس^{۲۵} ماشے چاندی یا اس کی مالیت نصاب سرقہ بنتا ہے اور یہ بات تو مسلم ہے کہ مقدار حد سرقہ دس درہم ہے، لہذا موجودہ کرنسی کے اعتبار سے جتنی قیمت ۲۵ ماشے چاندی کی بنتی ہو سرقہ لازم ہو گا۔

وفي الهندية : أقل النصاب في السرقة عشرة دراهم مضر وبه بوزن سبعة جياذ كذا في العناية - (الفتاوى الهندية جلد ۲ من کتاب السرقۃ) -

سارق کے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنے کا حکم | سوال :- اگر سارق کا ہاتھ بطور حد کاٹ دیا جائے تو اجراء حد کے بعد اس کو دوبارہ

جوڑنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سارق کو سرقہ کے جرم میں صرف سزا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اس کو ایک ہاتھ سے محروم کرنا ہے تاکہ وہ آئندہ کے لیے یہ کام نہ کر سکے اور اسے دیکھنے والے عبرت حاصل کریں، اس لیے سارق کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنا شرعاً درست نہیں ہے۔

وفي الهندية : وتقطع يمين السارق من الزند وتحسم وثن الذیت وكلفة الحیم علی السارق عندنا - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۲ الباب الثاني فيما يقطع فيه وما لا يقطع - الفصل الثالث) -

۱۔ قال العلامة الحصكفي رحمه الله : (هـ) الحز عشرة دراهم (الخ جياذ ومقدارها) (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۲ کتاب السرقۃ)

وَمِثْلُهُ فِي كُنْزِ الدَّقَائِقِ ص ۱۷۱ کتاب السرقۃ -

۲۔ قال العلامة ابوالبركات التستقي^{رحمۃ اللہ علیہ} : وتقطع يمين السارق من الزند وتحسم -

(كنز الدقائق ص ۱۹۵ کتاب الحدود، باب حد السرقة)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۳ ص ۲۰۶ باب كيفية القطع اثباته -

مزارات سے قیمتی اشیاء چرانے کا حکم | سوال :- اہل کچھ لوگ اولیاء اللہ کے

مزارات پر عموماً قیمتی غلاف چڑھاتے ہیں اس کے علاوہ مزارات پر روپے پیسے اور قیمتی چیزیں بھی رکھی جاتی ہیں، اگر کوئی شخص ان اشیاء کو چرائے تو اس پر حدِ سرقہ جاری کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ ان اشیاء کو چوری کرنا جائز تو نہیں تاہم ان اشیاء کو چرانے سے حدِ سرقہ واجب نہیں ہوتی اور ان اشیاء کا وہی مالک ہوگا جس نے مزار پر رکھی ہوں۔

وقی الہندیۃ : ولو سرق من القبر دہراہم اودنا نیراً وشیئاً غیر الکفن لم یقطع بالاجماع اختلاف مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ فیما اذا کان القبر فی بیت مقفل الاصرانہ لا یقطع سوا ربش الکفن اوسرق مالاً اخر من خلک البیت وکذا اذا سرق الکفن من تابوت فی القافلۃ لا یقطع فی الاصر کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۷۸)

الباب الثانی فیما یقطع فیہ وما لا یقطع فیہ

رہزن کو قتل کرنے کا حکم | سوال :- کیا رہزن، ڈاکو اور ہروہ آدمی جس کا

فساد ظاہر اور عام ہو تو اس کو صرف حاکم وقت یا قاضی تعزیراً اور سیاستہ قتل کر سکتے ہیں یا عوام الناس بھی دفعِ فساد کے لیے اس کو قتل کرنے میں مختار ہیں؟

الجواب :- اگرچہ دفعِ فساد کے لیے حاکم وقت اور قاضی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کے آدمی کو قتل کر دے، تاہم اگر عوام رہزن کو دورانِ واردات قتل کر دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفی : (وعلیٰ ہذا) القیاس (المکابر بالظلم وقطاع الطریق

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : (ونیش) لقبور (ولو کان القبر فی بیت مقفل فی الاصر) (او) کان (الثوب غیر الکفن) وکذا (الوسرقہ من بیت فیہ قبر او میت لیتاً) ولہ زیادۃ القبر او التجہیت۔

(الدرا المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ کتاب السرقۃ مطلب فیضان الساعی)

وَمِثْلُهُ فی بدائع الصنائع فی ترتیب احکام الشرائع ج ۶ کتاب السرقۃ۔

وصاحب المكس وجميع الظلمة اهـ) وافق الناصبي بوجوب قتل كل مؤذوف في رد المحتار
ج ۳ ض ۱۸۱ لعل الوجوب بالنظر للامام د انوابه والا باحة بالنظر لغيرهم۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ض ۱۸۱ مطلب ویکون التعزیر بالقتل) لہ

مفسد کو سزا دینے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص لوگوں میں فساد پیدا کرتا ہو تو اس کے ساتھ شرعاً کیا سلوک کیا جائے گا؟

الجواب :- حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے ایسے شخص کو روکے اور اس کو تعزیراً سزا بھی دے، اور عوام الناس کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ ترک موات کریں حتیٰ کہ وہ اپنے اس فعل بد سے باز آجائے۔

قال العلامة الحصکفی: (وعلى هذا) القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بأدنى شيء له قيمة۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۳، ض ۱۸۱، ۱۸۲ مطلب ویکون التعزیر بالقتل) لہ

چار پائے کے ساتھ بد فعلی پر تعزیر کا حکم | سوال :- ایک شخص نے بکری چار پائے کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کیا تو

اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے، جبکہ اس کا یہ جرم گواہوں کے ذریعہ ثابت بھی ہو چکا ہے؟
الجواب :- بشرط صدق وثبوت جانور سے وطی (بد فعلی) کرنے والے پر تعزیر ہے جو قاضی اور حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے تاہم کوڑوں کی سزا کی صورت میں چالیس سے کم کوڑے لگائے جائیں گے، کوڑوں کے علاوہ بھی تعزیر ہو سکتی ہے بشرطیکہ یہ تعزیر

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري: وعلى هذا القياس المكابرة بالظلم وقطاع الطريق..... فيباح قتل الكل ويثاب قاتلهم۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۰ باب حد القذف، فصل في التعزير)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۶۴ ابواب اسابيع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير۔
لہ قال العلامة ابن نجيم المصري: وعلى هذا القياس المكابرة بالظلم وقطاع الطريق وجميع الظلمة بأدنى شيء له قيمة وجميع الكبائر والاعونة والظلمة والسعاة فيباح قتل الكل ويثاب قاتلهم۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۰ باب حد القذف، فصل في التعزير)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۶۴ ابواب اسابيع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير۔

جان ضائع ہونے تک نہ پہنچے، ایسے جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے، تاوان و طی کرنے والے کے ذمے ہے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: وفي شرح الطحاوی رجل وطي بهيمة يعزرها فان كانت البهيمة له تذبح ولا توكل وعن عمر انه امر بالبهيمة حتى احترقت بالنار. وفي الفتاوى الصغرى في الذی یوکل یدبح ویوکل عند ابی حنیفة ولا یحرق وعند ابی یوسف لا یوکل ویحرق بالنار الخ

(خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۴۳۵، ۴۳۶ کتاب الحدود، الفصل الثانی فی الزنا) لہ

بیوی کو وطي فی الدبر کے لیے مجبور کرنے کا حکم | سوال :- ایک عورت کا دعویٰ

وطي فی الدبر کے لیے مجبور کرتا ہے تو اس شخص کی سزا شرعاً کیا ہے؟ نیز اس عورت کے والدین اسے اپنے گھر لے جانے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں عورت اور اس کے اولیاء کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس خاوند کو اس قبیح فعل سے روکیں ورنہ ارتکاب کی صورت میں حاکم اس کو تعزیراً سزا دے اور عادی ہونے کی صورت میں حاکم وقت اس کو قتل بھی کر سکتا ہے۔

قال العلامة الحسکفی: أو (بوطاً جب) وقالان فعل فی الاجانب حد وان فی عبدة وامته او زوجته فلا حد اجماعاً بل یعزرو قال فی الدرر الاحراق بالناس۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۵ باب التعزیر مطلب فیمن وطي....)

لہ قال العلامة الحسکفی: (و) لا یجد بوطاً (بہیمۃ) بل یعزرو وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بہامیۃ ومیتۃ مجتبئاً وفي النہر الظاہر انه یطالب ندباً لقولہم تضمن بالیتمۃ۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۵ مطلب فی وطي الدابة)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِيهِنَ الْحَقَائِقَ ج ۳ ص ۱۸۱ باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبہ۔

لہ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ومن اتى امرأة في الموضع المكروه او عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند ابی حنیفة و یعزرو قال فی الجامع الصغیر ویودع فی السجن و

قالا هو كالزنا فيحد۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۵۱۵ باب الوطء الذي یوجب الحد والذي لا یوجبہ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۲ ص ۱۵۱ الباب الرابع فی الوطء الذي یوجب الحد والذي لا یوجبہ۔

جادوگر کی سزا کا حکم | سوال :- اگر کوئی کسی پر جادو وغیرہ کرتا ہو اور اس کا یہ فعل گواہی سے ثابت ہو جائے تو شرعاً اس کو کس قسم کی سزا دی جائے گی ؟

الجواب :- جادوگر جو نیکہ مفسد فی الارض ہے اس لئے اگر جادوگر جادو کرتے ہوئے پکڑا جائے اور وہ خود بھی اس کا اقرار کر لے یا گواہی سے اس کا جادو کرنا ثابت ہو جائے تو قاضی یا حاکم وقت اس کو قتل کر سکتا ہے تاہم اگر وہ گرفتاری سے پہلے صدقِ دل سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی اور اس کے بعد اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامة علاؤ الدین الطرابلسی : قال فی التوائل الخناق والساحر یقتل ان اذا اقرا لا نهما ساعیان فی الارض بالفساد فان تابا ان کان قبل الظهور بهما قبلت توبتهما وبعد ما اخذ الا ویقتلان کما قطع الطريق۔ رمعین الحکام ط ۲۲۹

فاسق سے ترکِ موالات کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں طلاق کے بعد علماء نے اسے بتایا کہ اب

بغیر حلالہ شرعی کے یہ عورت آپ کے لیے جائز نہیں لیکن اس کے باوجود اس نے بدستور مطلقہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے، تو ایسے اعلانیہ فاسق اور قاہر کا شرعاً کیا حکم ہے ؟ کیا اس کو اور اس کے والد کو مسجد میں آنے سے منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اپنی مطلقہ غلیظہ بیوی کے ساتھ بغیر حلالہ شرعی کے ازدواجی تعلقات قائم رکھنا صریح زنا ہے ایسا شخص مستحق سزا ہے مگر خود اسے یا اس کے والد کو مسجد سے یا نماز باجماعت سے منع نہیں کیا جاسکتا، تاہم اس کے رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کا سوشل بائیکاٹ (ترکِ موالات) کریں۔

ونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین عن کلامنا الخ واما انا فکنتا اشب القوم واجلد هم فکنت اخرج فاشهد الصلوة واطوف فی الاسواق ولا یکل منی احد واتی رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ قال العلامة ابن عابدین : قال ابو حنیفۃ السّاحر اذا اقر سحره اثبت یقتل ولا یستتاب منه الخ۔ (رد المحتار ج ۳) ۲۹۵ قوله والکا قریب سبب اعتقاد السحر۔ باب المرتد ومثله فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی ج ۳ ۲۹۲ باب المرتدین۔

علیہ وسلم فاسلم علیہ وهو فی مجلسہ بعد الصلوۃ الخ
(الصحيح المسلم ج ۲ ص ۳۶۱ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک) لہ

اعلام بازی کی سزا | سوال :- جناب مفتی صاحب! اعلام بازی مرد کا مرد سے منہ کالا کرنے کی شرعی سزا کیا ہے؟

الجواب :- اعلام بازی ایک قبیح و خبیث فعل ہے، شریعت نے اس کے لیے کوئی باضابطہ سزا تو مقرر نہیں کی، البتہ اس قبیح فعل کی سزا کو حاکم کی صوابدید کے موافق رکھا ہے وہ چاہے تو اس فعل کے مرتکب کو جلا کر ختم کر دے یا کسی بلند مقام سے الٹا دھر کے بل کر اگر اوپر سے پتھر برساتے کا حکم دے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا اس پر دیوار گرانے کا حکم دے یا سخت سزا دے کر قید کر دے یہاں تک کہ توبہ کر لے یا قید میں مرجائے۔

قال العلامة المحقق، ولا یحد بوطء دبر و قال ان فعل فی الجانب حد وان فی عبدة اوامته او زوجته فلا حد اجماعاً بل یعذر قال فی الدرر بنحو الاحراق بالنار وهدم الجدار والتکیس من محل مرتفع باتباع الاحجار۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱ کتاب الحدود) لہ

مردہ عورت سے وطی کرنا موجب تعزیر ہے | سوال :- اگر کوئی شخص کسی مردہ عورت سے وطی کرے تو اس سے عورت سے وطی (زنا) اگر

لہ قال المفتی علاؤ الدین الطرابلسی الحنفی، والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین فقد عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالہجر وذلک فی حق الثلاثة الذین ذکرہم اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم فہجروا تخمین یوماً لا یکلمہم احداً وقصبتہم مشہورۃ فی الصحاح۔ (معین الحکام ص ۲۳۱ باب التعزیر)

ومثله فی شرح الصحيح المسلم للنووی ج ۲ ص ۳۶۳ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک لہ لما قال المفتی محمد شفیع، اس قبیح فعل کے لیے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کے لیے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا کر کچل دینا، اونچی جگہ سے پھینک کر سنگار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا وغیرہ۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۴۲ سورۃ النساء)

تو کیا وہ حد کا مستحق ہے یا تعزیر کا ؟

الجواب :- مردہ عورت کے ساتھ زنا کرنے والے پر حد زنا لازم نہیں آتی تاہم وہ مستحق تعزیر ضرور ہے۔

وفي الهندية: رجل زنى بأمرأة ميتة اختلفوا فيه قال اهل المدينة حد وقال اهل البصرة يعذر ولا يحد وقال ابو الليث رحمه الله تعالى وبه نأخذ۔
الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۵۱ الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجب له

والدين کی بے ادبی کرنے والے کی سزا | سوال :- ایک شخص اپنے والد سے ہمیشہ

بھی دیتا ہے، اس کے علاوہ بسا اوقات والد کو ایسی بے رحمی سے مارتا ہے کہ وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- والدین کو مارنے یا گالی گلوچ کرنے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ اس کی سزا حاکم وقت اور قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا تجویز کرے، اگر کوڑے مارنے کی سزا تجویز کرے تو یہ سزا انتالیس^{۳۹} کوڑوں سے زیادہ اور تین^{۴۰} سے کم نہ ہو، یا پھر اس کو جیل میں اس وقت تک ڈال دیا جائے جب تک کہ وہ اپنے جرم سے توبہ نہ کرے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: ومن يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس اجسده واخلاه في السجن حتى يتوب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار جلد ۳ ص ۱۸۸ مطلب فی تعزیر المثلثم) لہ

العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وفي الفتاوى رجل زنى بأمرأة ميتة لا حد عليه ولكن يعزr۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۵ کتاب الحدود۔ الفصل الثاني في الزنا) ومثله في فتاوى قاضيان ج ۲ ص ۲۰۶ کتاب الحدود۔

لہ وفي الهندية: من يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس يحبس الناس ويخلد في السجن الى أن تظهر التوبة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۶۹ ابنا السابع في الحدف والتعزير فصل في التعزير) ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۲۲ کتاب الحدود، فصل في التعزير۔

نابالغ قاتل کو تعزیراً سزا دینا | سوال :- کیا حکومت کسی نابالغ قاتل کو تعزیر کے طور پر قتل کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن جرائم عظیمہ میں صداور قصاص عوارض خارجیہ کی وجہ سے ساقط ہوں تو اس میں حسب مصلحت تعزیراً سزا دینا جائز ہے چاہے تعزیر سزائے موت تک پہنچ جائے خواہ مجرم نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین: رأيت في القصارم المسلول للحافظ ابن تيمية ان من اصول الحنفية أن ما لا قتل فيه عند هم مثل القتل بالمثل والجماع في غير اقليل اذا تكرر فللامام أن يقتله فاعله الخ وليس مونه القتل سياسة وفيه ايضاً ومن ذلك ما سيذكره المصنف من ان للامام قتل السارق سياسة أي عن تكرر منه وفيه وان الحد لا يجب على الصبي والتعزير شرع عليه۔

رد المحتار ج ۳ مکا باب التعزير، قوله ويكون التعزير بالقتل،
سوال :- دینی مدارس اور سکولوں میں طلباء کو کسی شرارت
شاگرد کو سزا اور تعزیر دینے کا حکم | پیر یا سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے بطور تنبیہ اور تادیب

کے سزا دی جاتی ہے، تو کیا استاد شاگرد کو شرعاً سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- استاد شاگرد کو تعزیر دینے کا حق رکھتا ہے اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو، لیکن نابالغ ہونے کی صورت میں تو معلم اسکے اولیاء کی طرف سے تادیب کا مالک بنا دیا گیا ہے اور بالغ نے خود معلم کو تعزیر کا اختیار دیا، لیکن یہ احتیاط ہے کہ سزا ایسی نہ ہو کہ اس سے طالب علم بدنی یا ذہنی طور پر مفلوج ہو جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: (قوله وفي القنية الخ) وفيها عن الروضة ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور بضربه بخلاف الحرف فهذا تنصيص على عدم جواز الضرب ولد الأمر بخلاف المعلم لان المأمور يضربه نيابة عن الاب بمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتعليم ابیه بمصلحة الولد ام وهذا اذا لم يكن الضرب فاحشاً۔ (رد المحتار جلد ۳ ص ۱۸۹ باب التعزير) لہ

قال العلامة ابن نجيم: ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور بضربه بخلاف الحرف قال رضي الله عنه فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الأمر بخلاف المعلم لان المأمور يضربه نيابة عن الاب بمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتعليم ابیه لمصلحة الولد ام۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹۹ فصل في التعزير)

بیوی کو بد فعلی کی بنا پر قتل کرنا | سوال :- اگر کسی شخص کو پختہ یقین ہو کہ اس کی بیوی سے قتل کر دے تو اس شخص کا یہ انتہائی اقدام درست ہے یا نہیں؟
 الجواب :- اگر شوہر دورانِ زنا بیوی کو قتل کرے تو مجرم نہ ہوگا، بصورتِ دیگر بیوی کو قتل کرنا قابلِ مواخذہ جرم ہے۔

وفي الهندية: وان طاعته المرأة حلّ له قتلها ايضاً كذا في النهاية وفيها ايضاً ج ۲ ص ۱۶۷۔ قالوا لكل مسلم اقامة التعزير حال مباشرة المعصية واما بعد الباشرة فليس ذلك لغیر الحاکم۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۲ ص ۱۶۷) الباب السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير له

جنگل سے جانور چوری ہونے کی صورت میں حد کا حکم | سوال :- ہمارے گاؤں کے قریب ایک جنگل ہے جس کو ہم بیلہ کہتے ہیں، گاؤں کے لوگ اپنے مال مولشی اس میں چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں جبکہ وہ جگہ غیر محفوظ ہے، اب اگر کوئی شخص اس بیلہ سے کسی کے مولشی چمرا کر لے جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- قطع ید کی سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ چوری کسی ایسے مقام سے ہوئی ہو جو محفوظ ہے، اور اگر چوری کسی غیر محفوظ جگہ سے ہو جائے تو سرفہ کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے مجرم سے حد ساقط ہوگی تاہم وہ تعزیر سے

له قال العلامة ابن نجيم المصنف: سئل الهندواني عن رجل وجد رجلاً مع امرأة يعمل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر بالصباح والضرب بما دون السلاح لا وان كان يعلم انه لا ينزجر الا بالقتل حلّ له القتل وان طاعته المرأة حلّ له قتلها ايضاً وفي الملية رأى رجلاً مع امرأته وهو يزني بها أومع محرمه وهما مطاوعتان قتل الرجل والمرأة جميعاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷۷) ايضاً قالوا لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية واما بعد الفراغ منها فليس ذلك لغیر الحاکم۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷۷) باب حد القذف فصل في التعزير ومثله في شرح النقاية ج ۲ ص ۳۹۷ فصل في التعزير۔

نہیں بچ سکتا۔

لما قال العلامة ابن البزاز، ومنها ان يكون المال الماخوذ محرراً اما بالمسكات
للمحفظ كالدور والدسكات الخ (البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۳)
كتاب السرقة ۱ لہ

سکول کالج میں طلباء کو جرمانے کا حکم | سوال :- عصرِ حاضر میں سکولوں اور کالجوں
کی انتظامیہ کا ایک دستور ہے کہ جب کوئی
طالب علم غیر حاضری کرتا ہے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اساتذہ یا ادارے کا
سربراہ اس سے مالی جرمانہ وصول کرتے ہیں جو کہ اصلاً ان کے والدین سے وصول کیا جاتا
ہے، تو کیا شرعاً یہ جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- طالب علم کا مدرسہ وغیرہ سے انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کثرت سے
غیر حاضر رہنا یا دیگر کسی اخلاقی جرم کا ارتکاب کرنا اگرچہ موجب سزا ہے مگر یہ سزا جسمانی
حتک محذور ہونی چاہیئے مالی جرمانہ شرعاً صحیح نہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ جرم تو
طالب علم کرے اور سزا کے طور پر مالی جرمانہ اس کے والدین ادا کریں، یہ بات مناسب نہیں۔
لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: تعزیر مالی
یعنی جرمانہ تو خفیفہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث لا یعمل مال امرئ
مسلم الا بطیب نفس منہ اس کی مؤید بھی ہے، پس جرمانہ کے طور پر
تولینا درست نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۳ کتاب الحدود،
حکم جرمانہ بغیر حاضری طالب علم) لہ

لہ وفي الهندية: وهي في الشرع اخذ العاقل البالغ نصاباً محرراً..... على وجه
الخفية۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۲ ص ۲ کتاب السرقة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۲۳ کتاب السرقة۔

لہ قال المفتي محمود الحسن: (الجواب) مالی جرمانہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں

منسوخ ہے اگر لیا گیا ہو تو اسکی واپسی لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب الحدود)

وَمِثْلُهُ فِي كَفَايَةِ الْمُفْتَى ج ۲ ص ۱۶۵ کتاب الحدود۔

فصل کو نقصان پہنچانے پر جرمانہ کا حکم | سوال :- اگر کسی کا جانور دوسرے

نقصان پہنچائے تو شرعاً جانور کے مالک کو کیا سزا دی جاسکتی ہے؟

الجواب :- اگر جانور کے ساتھ مالک خود موجود ہو اور اس کی موجودگی میں وہ جانور دوسرے کے کھیت میں جا کر فصل کا نقصان کرے تو شرعاً صرف نقصان کے مطابق رقم وصول کرنا درست ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ تاہم اگر جانور کے ساتھ کوئی بھی نہ ہو اور وہ فصل کا نقصان کرے تو اس صورت میں جرمانہ لینا ناجائز ہے۔

لما قال الشيخ اشرف علی تھانوی، (الجواب) اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو اس صورت میں تو یہ جرمانہ ناجائز ہے اور اگر کوئی ساتھ ہو تو جتنا نقصان ہوا ہے اتنا وصول کرنا درست ہے مگر وہ کھیت والے کا حق ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۳ کتاب الحدود) لہ

حفاظت کی نیت سے مال اٹھانے پر سزا کا حکم | سوال :- ایک آدمی نے

دوسرے پر مال چوری کرنے کا دعویٰ کیا مگر مدعی علیہ (جس پر چوری کا دعویٰ کیا گیا ہے) کہتا ہے کہ میں نے اس شخص کا مال چوری کی نیت سے نہیں بلکہ حفاظت کی نیت سے اٹھایا ہے اور میں نے اس شخص کو اطلاع بھی دی ہے، تو کیا اس شخص پر چوری کی سزا نافذ ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر چوری کا دعویٰ کیا گیا ہے اس نے وہ مال کسی غیر محفوظ مقام سے اٹھایا ہے جس کی موصوف نے مال کے مالک کو اطلاع

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولوانہ قال لصاحب الدابة ان دابتك في الزرع ولم يقل اخرجها فاخرجها صاحبها فافسدت شيئاً في اخراجها كان ضامناً.....
ولوان دابة رجل اقلت ليلاً او نهاراً من غير ارسال فافسدت زرع انسان لا يجب الضمان على صاحبها لان فعل العجماء هدر۔

(الخانية علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۵۹ باب جناية البهائم)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ ج ۱ ص ۲۵۹ کتاب الجنایۃ ۔

بھی دی ہے اور دوسری طرف ملزم مال کو بطور امانت لینے کا بھی مدعی ہے، اس لیے ان حالات کے پیش نظر ملزم کو چوری کی سزا نہیں دی جائے گی (یعنی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا) تاہم اگر مدعی گواہان شرعی سے اس بات کو ثابت کر دے کہ یہ مال محفوظ مقام میں تھا تو پھر اس صورت میں اثبات جرم کے تحت مجرم کو چوری کی سزا دی جائے گی۔

قال العلامة الحصكفي: ويقطع لو سرق من السطح نصاباً لانه حرز شرح
وهبانيه او من المسجد اذ به كل مكان ليس بحد فعم الطريق والصمداء و
رب المتاع عنده اى بحيث يراه ولو الحافظ نائماً فى الاصم۔

رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب السرقة (۱) لہ
سوال :- اگر کوئی شخص کسی حیوان سے بد فعلی کرتے
ہوں تو شریعت مقدسہ میں ایسے شخص کی کیا سزا ہے؟

الجواب :- کسی حیوان سے بد فعلی کرنا اگرچہ شرعاً حرام اور غیر فطری فعل ہے
لیکن شریعت مقدسہ میں ایسے شخص کے لیے کوئی مقرر شدہ سزا نہیں ہے البتہ اس فعل بد
کے مرتکب شخص کو تعزیراً سزا دی جا سکتی ہے جو حاکم وقت یا قاضی کی صوابدید پر منحصر
ہے وہ جتنی مناسب سمجھے ایسے مجرم کو سزا دے سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: تحت قوله رولا عند وطء بهيمة
وفي القنية مرفى اجناس الناطقى فرج البهيمة كفيها لا غسل فيه
بغير انزال ويعذر وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الاستحباب

لہ قال العلامة وهبة الزحيلي: الاصل في اشتراط هذا الشرط المتفق عليه
قوله عليه السلام لا قطع في ثمرة ولا كثر حتى يؤويه الجرين فاذا اواه الجرين
ففيه القطع وفي رواية فاذا اواه المراح او الجرين والحد لغة: الموضع
الذي يعرّض فيه الشيء وشرعاً هو ما نصب عادة لحفظ اموال الناس
كالدار والحانوت والخيمة والشخص الخ۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۴ ص ۱۷۲)
الفصل الثالث في احذ السرقة

ولا یدرم اکل لحمہا بہ۔ دردمختار ج ۱۲۲۔ باب الغسل ۱۷۵
سوال۔ اگر کوئی شخص بجلی چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا
جائی اور گواہان کے ذریعہ جرم ثابت ہو جائے تو کیا اس شخص
کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: کسی جرم کی سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسکی جملہ شرائط پوری کی پوری پائی
 جائیں، اگر ان میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو تو سزا جاری نہیں ہوگی۔ چوری کی سزا کے معاملہ
 میں یہ ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ سے اٹھایا جائے تب سزا نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔ صحت مسئلہ
 میں چونکہ بجلی مال ہونے کے باوجود غیر محفوظ ہے ایسے حد فتنہ ہوگی تاہم تعزیراً سزا فرو ملتی چاہیے۔
 قال العلامة الحسکفی: ویقطع لوسرق من السطح نصاباً لانه حرز شرح وہبانیۃ
 او من المسجد اراد بہ کل مکان یسبحون فعم الطريق والصحراء ورب المتاع عندہ ای بحیث
 یراہ ولو الحافظ ناٹماً فی الاصح۔ (الدرا المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب السرقة) ۱۷۵

۱۷۵ قال الشیخ علامۃ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ: واطئی البھیمة یعذر فان کانت البھیمة
 للواطی ففی شرح الطحاوی وحدود الاصل تذبح ولا تؤکل۔ وفق فتاوی الصغری
 انها تؤکل وافتی ابوسعید بہذا وقال صدر الشہید الاعتقاد علی روایۃ
 شرح الطحاوی۔ (معین القضاۃ والمفتیین ص ۹۲ مادة ۵۲۲)
 ومثله فی الفقہ الاسلامی وأدلته ج ۶ ص ۶۶ کتاب الحدود۔
 ۱۷۶ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ومنها ان یکون الماخوذ
 معرزا وانما یرامی المکان حرزا باحد الامرین اما ان یکون
 معداً لحفظ الاموال کالدور والدکاکین والخانات والنجیبۃ
 والفساطیط او بالحفاظ حتی لو سرق شیئاً من الصحراء ولہ حافظ بان
 سرق شیئاً من تحت رأسہ وهو ناٹم فی العمراء او فی المسجد یقطع ولو
 کان المال موضوعاً بین یدیه اختلف المشائخ قال الامام سرخسی انه
 معرذ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب السرقة)
 ومثله فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۵ ص ۱۶۸ کتاب السرقة۔

بیماری کی حالت میں حد جاری کرنے کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص پر زنا کا جرم

دل کا مر فیض بھی ہو، اب اگر اس پر حد جاری کی جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا، تو اس صورت میں شرعاً کیا کیا جائے، حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر حدود کا مجرم کسی ایسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کہ حد جاری کرنے کی صورت میں اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو مرض کے ختم ہونے تک حد کو موقوف کر کے مجرم کو جیل ہی میں رکھا جائے گا۔

قال العلامة الحصكفي: تقطع يمين السارق من ذننه هو تحسم الآفي حر وبرد شديدین فلا تقطع لان الحد ناجر لا متلف ويحبس ليتوسط الامر۔
قال العلامة ابن عابدین: ر قوله الآفي حر وبرد شديدین والآفي حال مرض مفتاح وقيرة في البناية بالمرض الشديد افادة عن الحموى۔

{ رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۶ کتاب السرقة }
{ باب كيفية القطع واثباته }
الله

له قال العلامة عالم بن علاء الانصاري: وشرطا صوابنا لقطع اليد اليمنى ان تكون اليد اليسرى والرجل اليمنى صحيحين حتى أنه اذا كانت يده اليسرى بحيث لا ينفع بها لا تقطع يده اليمنى وكذلك اذا كانت اليد اليسرى صحيحة الا ان الرجل اليمنى مقطوعة او هي شلاء او بها عرج يمنع المشي عليها تقطع اليمنى۔

{ الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۱۱ کتاب السرقة }
{ الفصل الاول في بيانها }

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۱ ص ۱۵۶ كِتَابُ السَّرْقَةِ، فَصْلُ فِي كَيْفِيَّةِ قَطْعِ وَاثِبَاتِهِ۔

زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں تفریق کی تحقیق | سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زنا جو حرام قطعی ہے، اس کی

قطعی حرمت کے پیش نظر صوبائی اسمبلی میں بعض اسلام پسند ممبروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ ہمارا یہ ملک ایک اسلامی ملک ہے اس لیے شادی شدہ مرد اور عورت دونوں کو قرآنی ہدایت کے مطابق زنا کی پاداش میں سنگسار کرنا چاہیے اور غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کو تلوٹوٹو دروں کی سزا دینی چاہیے اور دونوں قسم کے مجرمین کو سزا دینے میں نرمی یا رعایت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مگر بجائے اس کے کہ یہ جائز اور اسلامی مطالبہ منظور کیا جاتا حکومت کی اکثریتی پارٹی نے زنا کو دو حصوں (زنا بالرضا اور زنا بالجبر) میں تقسیم کر کے زنا بالرضا کو جائز قرار دیا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حکومتی سطح پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کی صریح خلاف ورزی کر کے ایک حرام فعل کو قانون کی مدد سے جائز قرار دیا گیا، اور دوسری طرف اسلام کے عمومی حکم حرمت سے زنا بالرضا کو مستثنیٰ کر کے زنا بالاختیار اور زنا بالجبر کے درمیان حکم کے لحاظ سے تفریق کر دی گئی ہے۔ تو کیا شرعی طور پر طے شدہ ایک حرام فعل کو جائز کرنے کا اختیار کسی شخص یا ادارہ کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اسلامی شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا زنا کے بارے میں قرآن کریم کی مقرر کردہ سزائوں سے زنا بالرضا مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟ اس مسئلہ کو قرآن و حدیث اور فقہاء امت کے فیصلوں کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

الجواب :- سوال کے مضمون پر غور کرنے سے حسب ذیل تین امور پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) قانونی سزا کے بارے میں اسلامی شریعت زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے درمیان تفریق کی قائل ہے؟

(۲) اگر قائل نہیں تو پھر کیا کسی با اختیار ادارہ اور برسر اقتدار جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شریعت کی قانونی سزائوں سے زنا بالاختیار کو مستثنیٰ کر سکے؟

(۳) حرام قطعی کو جائز کرنے اور حلال سمجھنے والا آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟
ذیل کی سطور میں تینوں اجزاء کے احکام کتاب اللہ، سنت رسول اور فقہاء اسلام کے قطعی فیصلوں کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں :-

(جواب بخش ۱) زنا کے لیے اسلامی شریعت میں جو سزا مقرر کی گئی ہے اس میں شریعت نے زنا کی دونوں قسموں کے مابین فرق اور امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا ہے نہ وہ اس طرح کی کسی

تفریق کی قائل ہے۔ اسی طرح کتاب و سنت کے واضح احکام کی روشنی میں فقہاء اسلام بھی اس بات پر متفق ہیں کہ زنا کی دونوں قسموں میں زنا کرنے والے مرد پر قانونی سزا نافذ کی جائے گی، البتہ عورت زنا یا بھجری صورت میں قانونی سزا سے مستثنیٰ ہوگی اگرچہ اختیاری زنا کی صورت میں وہ بھی مرد کی طرح سزا کی مستحق رہے گی اور مرد کی طرح اس پر بھی حد شرعی قائم ہوگی۔ ذیل میں مذکور بالا دعویٰ کا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث اور فقہاء اسلام کے فیصلوں کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

زنا قرآن کی نظر میں | قرآن کریم نے زنا کے لیے جو قانونی سزائیں تجویز کی

ہیں ان میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ سزائیں جبری زنا کے لیے ہیں اور اختیاری زنا میں ان کا نفاذ نہیں کیا جائے گا بلکہ قرآن کریم میں جہاں بھی یہ سزائیں بیان کی گئی ہیں وہاں مطلق زنا کا ذکر کیا گیا ہے اور زنا یا بھجری کا نام تک نہیں لیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا خواہ با بھجری ہو یا بالرضا قرآنی قانون کی نظر میں یکساں طور پر جرم ہیں، اور دونوں قسم کے زنا میں یہ قانونی سزائیں نافذ کی جائیں گی۔ اختیاری اور جبری زنا کا یہ فرق اگر مغربی اور عیسائی شریعت میں ہوتا ہو مگر اسلامی شریعت اس فرق سے قطعی طور پر نا آشنا اور یقینی طور پر نا بلد ہے اب ذیل میں وہ قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں زنا کے لیے قانونی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

زنا ایک قبیح فعل ہے | وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ

سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل)۔ ”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ ایک قبیح فعل اور برا راستہ ہے۔“

اس آیت میں مطلق زنا کا ذکر کیا گیا ہے، خاص زنا یا بالرضا یا زنا یا بھجری کا کوئی ذکر موجود

نہیں ہے بلکہ مطلق زنا کو فاحشہ (قبیح فعل) کہہ کر مسلمانوں کو اس کے قریب جانے سے روکا

گیا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مطلق زنا فاحشہ اور قبیح فعل

ہے اور معاشرے کو اس سے پاک رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس بارے میں جو لوگ

اس قسم کے قبیح افعال کو معاشرے میں فروغ دینے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں

کہ یہ بے حیائی لوگوں میں پھیل جائے قرآن کریم نے صریح لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے کہ:-

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (التورہ ۱۹) جو لوگ مسلمانوں اور مسلم معاشرے میں بیحیائی اور قبیح افعال

کو فروغ دے کر پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ ہی

خوب جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ہو۔

ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ خود زنا جیسے قبیح فعل میں اپنے آپ کو ملوث کرے یا دوسرے مسلمانوں میں اس بے حیائی کے پھیلنے کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش ظاہر کرے۔

زنا کے چودہ دروازے | اسلام نے مسلم معاشرے میں زنا اور عوام کاری کے مکمل انسداد کے لیے یہاں تک انتظام کیا ہے کہ جو امور اس قبیح فعل کے لیے مبادی اور ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو اس کے لیے بمنزلہ چور دروازہ کے ہیں قرآن کریم نے قفل لگا کر ان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے اور صریح طور پر انہیں ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ ”سُئِلَ اللَّيْلُ“ اس نے مردوں اور عورتوں دونوں پر ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے مسلم معاشرے میں زنا وقوع پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے سب سے پہلے عورتوں پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اجنبی اور غیر محرم مردوں کے سامنے بے پردہ ہو کر نہ آئیں اور نہ ہی دور جاہلیت کے ”تَبَرُّجِ“ کی نقالی کرتی پھریں، ارشاد قرآنی ہے :-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب ۳۳) ”یعنی اپنے گھروں میں عزت اور وقار کے ساتھ رہو اور دور جاہلیت کے تبرُّج کی نقالی نہ کرتی پھرو، نمازیں قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری ہو“

لیکن بعض اوقات گھروں سے نکلنے کی بھی ضرورت پیش آتی رہتی ہے تو اس کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ بے پردہ ہو کر نہ نکلیں بلکہ بڑی بڑی چادریں وغیرہ اپنے اوپر ڈال کر رکھیں تاکہ ایک طرف آپ کی زینت اور حسن و جمال دوسروں کے لیے باعثِ فتنہ نہ بنے اور دوسری طرف آپ کے متعلق یہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ شریف اور باجاء عورتیں ہیں جو شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں، تو بدطینت لوگ آپ سے چھڑ چھاڑ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے اور نہ کوئی بدتماش آپ کو اذیت پہنچا سکے گا۔ ارشاد قرآنی ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (مَدَالاحزاب ۵۹) ”اے پیغمبر حکم دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو، اور مسلمانوں کی تمام عورتوں کو کہ (گھروں سے نکلنے وقت) اپنے

اوپر بڑی بڑی چادریں وغیرہ ڈال کر نکلیں اس سے بآسانی ان کی پہچان ہو سکے گی اور انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچائی جائے گی۔

ایک دوسرے مقام پر پوری سوسائٹی کو جس میں مرد اور عورت سبھی شامل ہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حجاب شرعی کے بغیر ایک دوسرے سے آزادانہ اختلاط نہ کرو نہ ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے دیکھو بلکہ دونوں فریق ”غض بصر“ پر عمل کرتے رہو اس سے آپ کی عفت محفوظ رہ سکتی ہے، اور زنا جیسے قبیح فعل میں ملوث ہونے سے بھی آپ بچ سکتے ہیں ارشاد قرآنی ہے:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ... وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ (سورة النور ۳۱-۳۲)۔ اور مومن مردوں کو بھی یہ حکم کیجئے اور عورتوں کو بھی کہ وہ اپنی اپنی نگاہوں کو نیچے رکھ کر شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور بجز اپنے شوہروں اور محارم کے عورتیں اپنی زینت کو دوسروں کے سامنے نہ کھولیں۔

اس آیت مبارکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کو یہ حکم کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں اور زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں لیکن ”غض بصر“ پر حفاظت کو مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا زنا جیسے قبیح فعل میں ملوث ہونے کا قوی ذریعہ ہے لہذا ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہ جائے تاکہ زنا میں ملوث ہونے کی نوبت ہی پیش نہ آئے۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تمام کاروائیاں انسداد زنا کے لیے تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں، اب اگر اسلام کی نظر میں صرف زنا بالجبر ہی ممنوع ہوتا اور اختیاری زنا ممنوع نہ ہوتا تو ”غض بصر“ کا حکم صرف مردوں ہی کو دیا جاتا تاکہ ان کے دلوں میں نظر شہوت سے اجنبی عورتوں کی طرف نا جائز میلان پیدا ہو کر کسی وقت ان سے جبراً زنا کے مرتکب نہ ہوں عورتیں ہرگز اس حکم کے تحت نہ آجائیں، کیونکہ ان کی طرف سے جبراً زنا کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آیت ہذا میں فریقین یعنی مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر ”غض بصر“ کا حکم دیا گیا ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں زنا بالا اختیار بھی اسی طرح ایک سنگین جرم ہے جس طرح زنا بالجبر سنگین جرم ہے اور چونکہ وہ مرد و عورت دونوں کی باہمی نظر بازی سے

پیدا ہوتا ہے اس لیے دونوں کو ”غض بصر“ کا حکم دے کر زنا بالا اختیار کے اس چور دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

قانونی سزائیں | قرآن کریم میں زنا کے لیے جو قانونی سزائیں بیان کی گئی ہیں ان میں بھی زنا بالا اختیار اور زنا بالجبر کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزائیں دونوں قسم کے زنا کے لیے مقرر کی گئی ہیں اور زنا بالا اختیار ان سے مستثنیٰ نہیں ہے، ارشادِ باری ہے :-

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلِيشْهَدَ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ٥ (التورع) بدکاری کرنے والی عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو مارو سوشتواؤرے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم کے نافذ کرنے میں اگر تم یقین رکھتے ہو خدا پر اور پچھلے دن پر اور دیکھیں ان کی یہ سزا کچھ لوگ مسلمانوں میں سے۔“

اس آیت میں کوڑوں کی جو سزا بیان کی گئی ہے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کے لیے بیان کی گئی ہے بلکہ زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عورت اس سزا کی زیادہ مستحق ہے، حالانکہ زنا بالجبر کی صورت میں پوری صلت اس پر متفق ہے کہ عورت نہ سزا کی مستحق ہے اور نہ اس پر کسی قسم کی حد جاری کی جاسکتی ہے بلکہ اس میں سزا کا مستحق صرف زانی (مرد ہوگا اور اسی پر کوڑوں یا رجم کی سزا نافذ کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو سزا بیان کی گئی ہے وہ اختیاری زنا کی سزا ہے نہ کہ جبری زنا کی، لیکن الفاظ کے عموم میں چونکہ دونوں قسم کے زنا داخل ہیں اس لیے مرد کی سزا تو دونوں قسم کے زنا میں بحال رہے گی اور عورت جبری زنا میں چونکہ مجرم نہیں ہے ہوتی اس لیے وہ اس صورت میں سزا کی بھی مستحق نہ ہوگی۔ چنانچہ روایات میں آگے اس کی تصریح آتی ہے۔ اب قرآن کریم کی اس تصریح اور واضح فیصلے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یا ادارہ اس حکم سے زنا بالا اختیار کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے تو اس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ یا نادانستہ طور پر قرآن کریم کے صریح فیصلے میں تحریف کرنا چاہتا ہے۔

عہد نبوت میں یہ قانونی سزائیں | زنا کے بارے میں قرآن کریم کے بعد جب ہم حدیث رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی صاف طور پر عہد نبویؐ کے ایسے صریح فیصلے ملتے ہیں جن میں زنا بالا اختیار کی صورت میں مرد اور عورت دونوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں۔ اور اس بات کے لیے عہد نبویؐ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کبھی زنا بالا اختیار کی صورت میں ثبوت جرم کے بعد مرد یا عورت پر قانونی سزا نافذ نہ کی گئی ہو، بلکہ عہد نبوت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ زنا بالا اختیار میں زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں پر کوڑوں کی سزا بھی اعلانیہ طور پر جاری کی گئی ہے اور سنگساری کی سزا بھی۔

رجم کی سزا | چنانچہ مشہور صحابی حضرت ماعزؓ کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا حالانکہ وہ زنا اختیاری تھا نہ کہ جبری۔ حضرت ماعزؓ کی سنگساری کے ہولناک واقعہ کے بعد حضرت غامدیہؓ کو بھی حضرت ماعزؓ کی طرح سنگسار کیا گیا تھا، حالانکہ حضرت غامدیہؓ کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے ساتھ کسی نے جبراً زنا کیا تھا ورنہ انہیں ہرگز سنگسار نہ کیا جاتا بلکہ اس شخص کو سنگسار کیا جاتا جس نے اُن سے زنا بالجبر کیا تھا۔ کیونکہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ وہ سزا کی مستحق ہے۔

کوڑوں کی سزا | اس کے علاوہ کوڑوں کی سزائیں بھی عہد نبوت میں مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر دی گئی ہیں، حالانکہ عورت پر جبری زنا کی صورت میں کوڑوں کی سزا بھی جاری نہیں کی جاسکتی۔ ذیل میں ایک دو واقعات ایسے ذکر کیے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اختیاری زنا میں مرد و عورت دونوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں۔

زنا کا جرم قابل راضی نامہ نہیں ہے | عن ابی ہریرۃؓ ان رجلیۃ اختصم الی النبیؐ فقال احدهما ان ابنی کان علی ہذا فذنی یا مرأتہ فانخبرونی ان علی ابنی الزم فافتدیت منه بمائۃ شاة وبجاریۃ لثم فی سالت اهل العلم فانخبرونی ان علی ابنی جلد مائۃ وانما الرجم علی امرأتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما والذی نفسی بیدہ لا قضین بینکما بکتاب اللہ تعالیٰ اما غمک و جاریتک فرد علیک و جلد ابنتہ مائۃ و امرائیس الا سلمیٰ ان یأتی امرأۃ الا

فان اعترفت فارجمها فاعتوقت فرجها۔ (ابوداؤد ج ۲ ضلحہ) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو آدمی اپنا ایک مقدمہ لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدوری کرتا تھا پس اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے بیٹے کی سزا سنگساری ہے، میں نے اس کے بدلے میں اس شخص کو سو بکریاں اور ایک جاریہ دے دی، پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سو کوڑے ہے اور سنگساری اس شخص کی بیوی کی سزا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں آپ دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا اور وہ یہ ہے کہ تمہاری بکریاں اور جاریہ تمہیں واپس کی جائیں گی اور سزا کے طور پر تیرے بیٹے کو ستودہ گے۔ اور انیس اسلمی کو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کی بیوی کے پاس اور معاملہ کی تحقیق کرو، اگر اس نے زنا کا اقرار کر لیا تو اس کو رحم کرو، چنانچہ اس نے اعتراف جرم کر لیا اور رحم کی سزا اس پر جاری کی گئی۔

اس حدیث میں زنا کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جبری زنا کا واقعہ تھا کیونکہ یہ گھر کے ایک مزدور کا گھر کی مالکہ کے ساتھ زنا کا واقعہ ہے اور اس میں جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آخر اس مزدور کی کیا مجال تھی کہ وہ گھر کی مالکہ کے ساتھ جبراً زنا کرے۔ اس کے علاوہ اگر یہ زنا جبری ہوتا تو عورت پر رحم اور سنگساری کی سزا جاری نہ کی جاتی، کیونکہ جبری زنا میں عورت سرے سے مجرم ہی نہیں تو اس پر سزا جاری کرنے کے کیا معنی؟ اور سزا بھی وہ جو سخت ترین سزا ہے، کیا یہ انصاف ہے کہ عورت باوجود مجبور ہونے کے سنگساری جیسی سنگین سزا جاری کی جائے اور مرد باوجود مجرم ہونے کے کوڑوں کی سزا کا مستحق گردانا جائے۔

حاشا وکلا۔
تو معلوم ہوا کہ یہ زنا اختیاری تھا نہ کہ جبری، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جرم زنا اسلامی شریعت میں قابلِ راضی نامہ نہیں ہے، ورنہ اگر یہ جرم قابلِ راضی نامہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ میں متاثرہ فریقین میں ہونے والے راضی نامہ کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر فسخ نہ فرماتے اور اس کے ہوتے ہوئے زانیہ عورت اور زانی مرد پر سزا جاری نہ فرماتے۔

ایک اور واقعہ | عن ابن عمرؓ انہ قال ان الیہود جاد والی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فذكر والہ ان رجلاً منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم ما تجدون فی التوراة فی شان الزنا فقالوا نفضحهم ويجلدون
فقال عبد الله بن سلام كذبتم ان فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فجعل احدہم
يدہ على آية الرجم ثم جعل يقرأ ما قبلها وما بعدہا. فقال له عبد الله ابن سلام
ارفع يدك فرفعها فاذا فيها آية الرجم فقالوا صدق يا محمد فيها آية الرجم فامر
بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجما. قال عبد الله بن عمر فرأيت
الرجل يحنى على امرأة يقيها الحجارة انتهى (سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۳۱۳)
(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ واقعہ
بیان کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ زنا کے بارے
میں تمہاری تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں
اور ان پر کوڑے بھی لگاتے جلاتے ہیں، عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں
تو زنا کی سزا رجم ہے، انہوں نے تورات کو لا کر کھولا تو ان میں سے ہی ایک شخص نے آیت رجم
پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنا شروع کر دیں تو عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ
اس نے جب ہاتھ اٹھایا تو نیچے آیت رجم موجود تھی، اس پر انہوں نے کہا کہ عبد اللہ واقعی تم سچے ہو
تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی اور مزنیہ) کے بارے میں رجم
کا حکم فرمایا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ
مرد عورت پر جھکتے ہوئے پتھروں سے اس کو بچا رہا تھا۔

اس حدیث میں یہودیوں کے جس سنگسار شدہ مرد اور عورت کا ذکر کیا گیا ہے اُن کی باہمی محبت
کا یہ عالم تھا کہ عین سنگساری کے دوران بھی زانی مرد زانیہ عورت پر جھک کر آخر دم تک پتھروں
سے اُسے بچانے کی کوشش کرتا رہا، کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ خیال تک دل میں لا سکتا ہے کہ یہاں
مرد نے عورت کے ساتھ جو زنا کیا تھا وہ اختیاری نہیں بلکہ زنا بالجبر تھا؟ حالانکہ ہم پہلے بیان کر چکے
ہیں کہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت قانون کی نظر میں اصلاً مجرم نہیں نہ وہ سزا کی مستحق ہے، پھر
اس پر سنگساری جیسی سنگین سزا جاری کر کے یہ دوہرا ظلم کیوں کیا گیا؟

زنا بالجبر کی صورت میں عودت | ذیل میں ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس
قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے | سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ زنا بالجبر کی

صورت میں عورت قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ اس پر زنا کی حد جاری کی جاسکتی ہے۔
عن وائل ابن حجر قال استكرهت امرأة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم
قدراً عنها الحد واقامه على الذي اصابها۔ (جامع الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱)
(ترجمہ) وائل ابن حجر کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت سے
جبراً زنا کیا گیا تو آپ نے عورت سے حد ساقط کر کے اسے معاف فرما دیا اور زنا کرتے والے مرد
پر حد قائم کر دی۔

وعنه ان امرأة خرجت على عهد النبي صلى الله عليه وسلم تريد الصلاة فتلقاها
رجل فتجللها فقضى حاجته منها فصاحت وانطلق ومرت عصاة من المهاجرين
ف قالت ان ذلك رجل فعل بي كذا او كذا فاخذوا الرجل فاتوا به رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقال لها اذهبي فقد غفر الله لك وقال للرجل الذي وقع عليها ارجوه۔
(جامع الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱)

(ترجمہ) یہ بھی وائل ابن حجر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت
گھر سے نماز کے ارادہ سے نکلی، راستہ میں اسے ایک شخص ملا جس نے اسے پکڑ کر زبردستی اس
زنا کیا، اس پر عورت نے شور مچانا شروع کر دیا جس سے گھبرا کر زنا کرنے والا شخص بھاگ گیا،
اتنے میں مہاجرین کی ایک جماعت پہنچ گئی، عورت نے انہیں بتایا کہ فلاں آدمی نے مجھ سے جبراً
زنا کیا ہے، انہوں نے اس آدمی کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور
عورت بھی اس کے ہمراہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا کہ جاؤ خدا نے تجھے معاف
کیا ہے اور زانی مرد کے بارے میں مجرم کا حکم فرمایا۔ (چنانچہ وہ آپ کے حکم سے رجم کر دیا گیا)۔
اس حدیث کو اوپر والی روایتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو مجموعہ روایات حدیثیہ اور
نصوص قرآنیہ سے رو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت
اسلامی قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ اس پر قانونی سزا جاری کی جاسکتی ہے، دوسری یہ کہ
قرآن و حدیث میں زنا کے لیے جو قانونی سزائیں بیان کی گئی ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
میں زنا کے واقعات میں جن لوگوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر
واقعات زنا اختیاری سے متعلق تھے نہ کہ زنا بالجبر سے متعلق، ورنہ پھر عورت پر مرد کی طرح ہرگز یہ
قانونی سزائیں جاری نہ کی جاتیں۔ — بہر حال قرآن و حدیث کی رو سے اس حقیقت میں ذرہ برابر کوئی

نہا نہیں ہے کہ اسلامی شریعت نے زنا کے لیے جو قانونی سزائیں مقرر کر رکھی ہیں، ان میں زنا بالافتیان اور زنا بالجبر میں کوئی فرق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی اسلامی شریعت نے ان قانونی سزائوں میں زنا بالافتیان کو مستثنیٰ کیا ہے، بلکہ زنا کی یہ دونوں قسمیں اسلام کی نظر میں یکساں جرم ہیں اور مرتکب جرم سزا کا مستوجب ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اسلام کی قانونی سزائیں دراصل زنا بالرضا ہی کے لیے مقرر کی گئی ہیں، کیونکہ ان قانونی سزائوں سے اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کثرت زنا سے محفوظ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ معاشرے میں جو زنا کثیر الوقوع ہے یا ہو سکتا ہے وہ زنا بالجبر نہیں وہ زنا بالرضا ہے اور اسی کے انسداد کے لیے اسلام نے یہ سزائیں مقرر کی ہیں۔ تو اگر اس (زنا بالرضا) کو ان سزائوں سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو قانون کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل کے مغرب سے متاثر بعض مسلم دانشور آخر کس معقول دلیل کی بناء پر زنا بالرضا کو اسلامی قانون سے مستثنیٰ کر رہے ہیں؟

”کیا اس میں یہ راز پوشیدہ تو نہیں کہ یہ حضرات اپنے اس ملک میں زنا کاری کے کاروبار میں قانون کے ذریعہ سے توسیع کرنا چاہتے ہیں؟ اور اس ملک میں یونہی تہذیب کی جڑوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کر رہے ہیں؟ یا اس ملک میں پہلے سے جو عیاشی و فحاشی کا خطرناک رجحان پایا جاتا ہے اسے یہ حضرات مزید تقویت اور ترقی دینا چاہتے ہیں؟“ (اللہم اھدنا وایاھم صراطک المستقیم، آمین)

(جواب جزء ۱) اب دوسرے سوال کا جواب سن لیجئے۔ یہ بات مسلمات شریعت میں ہے اور امت مسلمہ کے ہاں طے شدہ ہے کہ جو حکم قرآن و حدیث میں منصوص طریقہ سے بیان کیا گیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس پر اسلامی معاشرے میں عمل درآمد بھی رہا ہو، نیز کتاب و سنت سے اس حکم کا کسی مخصوص زمانے کے لیے ہونا یا کسی جزوی مصلحت پر مبنی ہونا بھی معلوم نہ ہو تو ایسے حکم میں تمام امت اور پوری ملت بھی مل کر قیامت تک ادنیٰ سے ادنیٰ ترمیم اور تغیر و تبدیل نہیں کر سکتی۔ ایسی کوئی بھی ترمیم ایک طرف آسمانی شریعت میں بندوں کی طرف سے ایک تحریف ہے اور دوسری طرف ان کی جانب سے ایک مکمل تشریح ہے اور آسمانی شریعتوں میں اُمتیں تحریف کی مجاز نہیں ہیں اور نہ مستقل تشریح کا حق رکھتی ہیں بشرطیکہ مکہ نے اس قسم کی ترمیموں اور تبدیلیوں کا مطالبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے یہ کہا کہ ائت بقوان غیر هذا و بدلہ، ہمیں کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسمیں

ہماری منشاء کے مطابق کوئی تبدیلی کرو، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مطالبہ کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ ملی، قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي اِنْ اَتَّبَعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ سُوْرَةُ (م ترجمہ) ”ان سے یہ کہہ دو کہ مجھے یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے خدا کے اس قانون میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کر سکوں، میرا حق صرف اس قانون کی حرف بہ حرف پابندی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بذریعہ وحی بھیجا جا رہا ہے۔“ جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین اور احکام میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم یا تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں تو دوسرے لوگوں کو ایسی ترمیم اور تبدیلی کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ قرآن کریم نے اس حقیقت سے بھی پردہ کشائی کی ہے کہ جو لوگ اپنی خود ساختہ قانون سازی کے ذریعہ سے خدائی احکام میں تبدیلی کرتے ہیں پھر لوگوں کو یہ باور کرتے ہیں کہ ہمارا بنایا ہوا یہ قانون بھی اسلامی قانون کا حصہ اور مسلمانوں کے لیے قابل عمل ہے، ایسے لوگ خدا کی نظر میں بڑے مغرض اور عذابِ عظیم کے مستحق ہیں، ارشادِ باری ہے :-

قَوْلٌ لِّلْذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ اَلْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا قَوْلٌ لَّهٖمْ مِّمَّا كَتَبْتُ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ مِّمَّا يَكْتُمُوْنَ (بقمر)

(ترجمہ) ”وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اپنے ہاتھوں سے کوئی کتاب (قانون) لکھ لیتے ہیں، پھر لوگوں سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بھی خدا کا قانون ہے (ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں) کہ اس سے اپنے لیے دنیا کا قلیل منافع حاصل کریں، یہ لوگ ایسی قانون سازی کی وجہ سے بھی مبتلائے عذاب ہوں گے اور جو منافع ان کو اس سے حاصل ہوگا اس کی وجہ سے بھی ہلاکت نصیب ہوگی۔“

بہر حال قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ شرعی قوانین اور منصوصی احکام میں پوری نوع انسانی کے افراد مل کر بھی کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کر نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نوعیت مستقل تشریع (شریعت سازی) کی ہے اور تشریع کا حق اللہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے، البتہ غیر منصوصی مسائل اور معاملات میں ثبوت احکام کیلئے منصوصات شرعیہ سے اجتہاد کے ذریعہ سے احکام اخذ کر کے مستنبط کیے جاسکتے ہیں، مگر تشریع کا مجاز کوئی بھی فرد بشر نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہوگا کہ کوئی بھی فرد بشر شرعی قوانین اور منصوصی احکام میں کوئی تغیر اور ترمیم نہیں کر سکتا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زنا جیسے فحش جرم کی اسلامی شریعت نے جو قانونی سزائیں مقرر کی ہے اُن سے کوئی بھی با اقتدار جماعت یا ادارہ زنا بالاختیار کو

مستثنیٰ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

(جواب جُز ۳) رہا تیسرا سوال کہ حرام قطعی کو جائز کرنے اور حلال سمجھنے والا آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ قرآن و حدیث نے اس کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے اُسی کو پیش کر دوں، نیز فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے لوگوں کے حق میں جو احکام صادر کئے ہیں انہیں کو بیان کر دوں۔

قرآن کریم اور تحلیل حرام | یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور پوری ملتِ اسلامیہ اس پر متفق ہے کہ کائناتِ عالم کا واحد مالک اور بلا شرکتِ غیرے حقیقی حاکم اور حکمران صرف اللہ رب العالمین ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی خاص ملکیت ہے اور سب کا اصل حاکم وہ ہے۔ جب تمام کائنات کا خالق و مالک وہی ہے تو تمام کا حاکم بھی وہی رہے گا اور تمام کائنات میں حکم اور قانون بھی اُسی کا چلے گا۔ اِلٰہُ الْخَلْقِ وَ الْاَمْرِ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ ”یہ حقیقت ہے کہ پیدائش بھی خاص اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلے گا، اللہ بڑا بابرکت اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔“ اِنَّ الْحُکْمَ اِلَّا لِلّٰهِ اَمْرًاۤ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ۔ ”حکم نہیں ہے مگر اللہ کے لیے، اُسی نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت و پرستش نہ کرو۔“ وَلَا یُشْرِکْ فِیْ حُکْمِهٖۤ اَحَدًا۔ ”وہ اپنے حکم اور فیصلے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

قانون کی اس بنیادی دفعہ کے تحت اشیاء کی تحریم اور تحلیل دونوں کا حق اور اختیار صرف خالقِ اشیاء کو حاصل ہے مخلوق کو قطعاً اس کا حق حاصل نہیں ہے، اس بارہ میں قرآن کریم کا فیصلہ انتہائی صاف اور واضح ہے۔ اُس نے جس طرح تحریمِ حلالِ خدا کی حلال کر دہ اشیاء کو حرام جاننے کی قطعی ممانعت کر رکھی ہے اور فرمایا ہے کہ: لَا تَحْرُمُوا طِیْبَاتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ ”وہ پاکیزہ چیزیں حرام نہ سمجھو جو خدا نے تمہارے لیے حلال کر رکھی ہیں اور خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ اور فرمایا ہے کہ: لِمَ تَحْرُمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ۔ ”کیوں حرام کرتے ہو اپنے اوپر وہ چیزیں جو خدا نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔“ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْ لَا ذَہْمَ سَفَہًاۤ بَغْیْرِ عِلْمٍ وَ حَتٰی مُوْاۤ مَا رَزَقْنٰہُمُ اللّٰہُ اِفْتِرَآءً عَلٰی اللّٰہِ۔ ”تھقیق بڑے خسارہ میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے علم کے بغیر حماقت اور نادانی سے اپنی اولاد کو قتل کیا ہے اور

خدا نے ان کو جو حلال رزق دیا ہے اُسے خدا پر جھوٹ باندھ کر حرام سمجھ رکھا ہے۔ بعینہ اسی طرح قرآن کریم نے تحلیل حرام خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال جاننے کی بھی قطعی طور پر ممانعت کر رکھی ہے، ارشادِ ربانی ہے، وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنْتُكُمْ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ۔ یعنی مت کہو ان چیزوں کو جنہیں تمہاری زبانیں بھوٹ کے طور پر بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام ہیں اس کا انجام خدا پر جھوٹ باندھنا ہے۔ لَا تَجْعَلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُنَ الْحُرَامَ وَلَا الْهَدْيَ شَعَائِرَ اللَّهِ۔ اشیاءِ حرام اور قربانی کے جانوروں کی ہتک و حرمت کو حلال نہ سمجھو۔ وَلَا يُخْرِتُمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ۔ یہ لوگ خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔ ان آیات میں صریح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ تحریم اور تحلیل کا حق بجز اللہ تعالیٰ کے بالذات کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، یہ حقیقت بھی قرآن کریم سے واضح ہے کہ جو چیزیں آسمانی شریعتوں کی رو سے قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں، انہیں جب بھی کسی نے حلال سمجھنا شروع کیا آسمانی شریعتوں سے اس کا تعلق بحال نہیں رہا ہے بلکہ منقطع ہو چکا ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے کفر اور عالمِ اسلام کے مابین حدِ فاصل مقرر کی ہے کہ خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دل سے حرام سمجھنے اور اس کی حلال کردہ اشیاء کو دل سے حلال جاننے کا مضبوط اعتقاد رکھا جائے، اس اعتقاد کے بغیر کوئی شخص نہ مؤمن سمجھا گیا ہے نہ مسلم۔ مثال کے طور پر شرک ہی کو لیجئے، اس کو انسانی تاریخ کے ہر دور میں آسمانی شریعتوں کی رو سے حرمتِ قطعی کی حیثیت حاصل رہی ہے اور جب بھی کسی نے اس کو جائز اور حلال سمجھا ہے تمام آسمانی شریعتوں نے اسے اپنے اپنے دائرہ سے خارج تسلیم کیا ہے اور اس کا تعلق ہر آسمانی شریعت سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے۔

حدیثِ رسول اور تحلیل و تحریم قرآن کریم کے بعد جب ہم حدیثِ

رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی تحلیل و تحریم کے بارے میں وہی فیصلہ ملتا ہے جو قرآن کریم نے اس بارے میں کیا ہے۔ یعنی سنتِ رسول کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ جس نے خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھا یا اس کی حلال کردہ اشیاء کو حرام جانا اس کا اسلامی شریعت سے تعلق بحال نہیں رہے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع رہے گا۔

علماء اور مشائخ کے بارے میں اہل کتاب کا عقیدہ قرآن مجید میں یہودی عوام

اور عیسائیوں کے متعلق یہ آیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے سوا اپنے لیے معبود بنا رکھا تھا، ارشاد ربانی ہے: **وَ اتَّخَذُوا اَاجْبَارَهُمْ وَ تَهْبَانَهُمْ اَزْبا بَاتِن دُونِ اللّٰهِ** (سورۃ آیت ۲) جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اہل کتاب میں سے ایک یہودی عالم "عدی ابن حاتم" جو مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! ہم نے تو کسی عالم یا درویش کو خدا نہیں کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَمَّا كَانُوا اِذَا اَعْلَوَالَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَاِذَا حَرَمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَمُوهُ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ هُوَ ذَاكَ۔** (ادکما قال ترمذی) کیا وہ ایسے نہیں تھے کہ جب ان کے علماء اور مشائخ ان کے لیے کوئی چیز حلال کرتے تو وہ اسے حلال سمجھتے اور جب کوئی چیز ان پر حرام کرتے تو وہ اسے حرام سمجھتے؟ عدی ابن حاتم نے کہا کہ ایسے تو تھے ہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو ان کا شرک تھا!

حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی ابن حاتم سے فرمایا کہ خدائی شریعت سے سند حاصل کئے بغیر جب یہود کے علماء اور مشائخ عوام پر کوئی چیز حرام کرتے تو کیا عوام اسے حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اسی طرح اگر خدائی شریعت سے دلیل حاصل کئے بغیر کسی چیز کو ان کیلئے حلال کرتے تو یہودی عوام اسے حلال نہیں سمجھتے تھے؟ اس کے جواب میں عدی ابن حاتم نے کہا کہ ایسا تو تھا ہی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو بے سند تحلیل و تحریم تھی جس کی وجہ سے وہ شرک میں مبتلا ہوئے تھے۔

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ جو بھی شخص یا ادارہ اور جماعت خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھے گا یا اس کی حلال کردہ اشیاء کو حرام سمجھے گا اسلام کے ساتھ اس کا تعلق ختم ہو جائے گا۔

فقہاء اسلام کا فیصلہ | قرآن و حدیث کے ان واضح احکامات کی روشنی میں فقہاء اسلام نے بھی اس بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو قرآن و حدیث کے منشاء سے زیادہ قریب ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "شرح العقائد" میں لکھا ہے کہ: **استحلال المعصیۃ کفر اذا ثبت کونها معصیۃ بدلیل قطعی۔** گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے بشرطیکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو! آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:-

وعلى هذا اتفرع ما ذكر في الفتاوى من انه اذا اعتقد الجرام حلالا فان كانت

حرمۃ لعینہم وقد ثبت بدلیل قطعی یکفر واکلا فلا بان تكون حرمۃ لغيرہ
اوثبت بدلیل قطعی۔ وبعضہ لم یفرق بین الحرام لعینہم ولغيرہ وقال من استحل
حراماً وقد علم فی دین النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریمہ کسکاح المحارم کافر۔

(بحوالہ شامی ج ۲ ص ۳۵، ص ۳۶)

(ترجمہ) اسی قاعدے پر وہ مسئلہ مبنی ہے جو کتب فتاویٰ میں ذکر ہے کہ جب کوئی شخص حرام
کو حلال جانے تو اگر وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو تو شیخ کافر ہوگا،
اولاً اگر اس کی حرمت غیرہ ہو یا وہ دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوئی ہو تو کافر نہ ہوگا، اور بعض علماء
نے حرام لعینہم اور غیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے بلکہ مطلقاً یہ کہا ہے کہ دونوں کا متحل کافر ہو
گا بشرطیکہ دین نبوی میں اس کی حرمت کا ثبوت معلوم ہو جیسے نکاح محارم۔

علامہ ابن عابدینؒ نے مندرجہ بالا دونوں مذاہب پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:-

وحاصلہ ان مشروط الکفر علی القول الاول شیئان قطعیۃ الدلیل

وکونه حراماً لعینہ وعلی الثانی یشتراط الشرط الاول فقط

وقد علمت ترجیحہ۔ ۱۰

(ترجمہ) اس اختلاف کا حاصل یہ ہوا کہ کفر کی شرط بنا بر قول اول دو چیزیں ہیں۔ ایک دلیل کا
قطعی ہونا اور دوسرے اس کا حرام لعینہ ہونا۔ اور بنا بر قول ثانی کفر کے لیے شرط صرف یہ ہے کہ
حرمت کی دلیل قطعی ہو اور بس اس قول کا راجح ہونا معلوم ہے۔

اسی کے قریب قریب وہ مضمون ہے جو تفتازانیؒ نے ”شرح العقائد العسدیہ“ میں ذکر کیا ہے
چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

واستحلال المحرمات کفر ولا بد من التقید بكون تحریمہ مجمعاً

علیہ دون تكون حرمۃ من ضروریات الدین، وبدون القید الثانی ان کان

الاجماع مستنداً الی الظن لا یثبت ایضاً وکذا ان کان مستنداً الی

دلیل قطعی ولہ یکن مشتہراً بحیث یکون من ضروریات الدین۔

(شرح العقائد العسدیہ ص ۱۰۵)

(ترجمہ) محرمات کو حلال سمجھنا کفر ہے بشرطیکہ ان کی حرمت اتفاقی ہو، نیز ان کی حرمت ضروریات

دین میں سے ہو، اور اگر ان کی حرمت اتفاقی نہ ہو بلکہ اختلافی ہو تو کفر ثابت اصلاً نہ ہوگا اور اگر ان کی

حرمت ضروریات دین میں سے نہ ہو مگر اتفاقی ہو تو اگر یہ اجماع بنتی برتن ہو تو پھر بھی کفر ثابت نہ ہوگا، اسی طرح اگر وہ بنتی بر دلیل قطعی ہو مگر دین میں اس کی حرمت اس قدر مشہور نہ ہو چکی ہو کہ ضروریات دین میں شمار ہوتے کے قابل ہو تو اس وقت بھی کفر ثابت نہ ہوگا۔

مندرجہ بالا تصریحات کا ماحصل فقہاء اسلام کی مذکورہ بالا تصریحات

سے جو امور بطور ماحصل ثابت ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) کسی چیز کی حرمت اگر قطعی ہو اور لذاتہ بھی ہو، نیز دین نبوی میں اس کی حرمت اس قدر مشہور ہوئی ہو کہ وہ ضروریات دین میں شمار ہوتی ہو، تو ایسی حرام چیز کو حلال سمجھنا بالاجماع کفر ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۲) لیکن اگر اس کی حرمت قطعی تو ہو مگر لذاتہ نہ ہو یا لذاتہ بھی ہو مگر ضروریات دین میں سے نہ ہو تو ایسی چیز کو حلال سمجھنے والے آدمی کا کفر مختلف فیہ ہے، جن لوگوں کے نزدیک کفر کے لیے حرمت کا قطعی ہونا فقط کافی ہے، لذاتہ ہونا اور ضروریات دین میں سے ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے ان کے نزدیک تو کافر ہے کیونکہ حرمت کی قطعیت دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ اور جن کے نزدیک کفر کے لیے حرمت کی قطعیت اور اس کا لذاتہ ہونا دونوں ضروری ہیں، ان کے نزدیک پہلی صورت میں کفر نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف حرمت کی قطعیت ہے اور لذاتہ حرمت نہیں ہے، اور دوسری صورت میں کفر ہے کیونکہ اس میں حرمت قطعیہ کے ساتھ اس کا لذاتہ ہونا بھی موجود ہے، اور جن لوگوں کے نزدیک کفر کے لیے یہ ضروری ہے کہ حرمت مشہور اور ضروریات دین میں سے ہو ان کے نزدیک ۲ میں کفر اصلاً نہیں ہے کیونکہ یہ حرمت ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

فقہاء کی ان تصریحات کی روشنی میں جب ہم زنا کی حرمت پر غور کرتے ہیں تو وہ حرمت قطعی بھی ہے اور لذاتہ بھی اور اس قدر مشہور بھی ہو چکی ہے کہ ضروریات دین میں شمار ہو چکی ہے لہذا اس کو حلال سمجھنا بالاجماع موجب کفر ہوگا۔ اس اجماعی فیصلہ کے تحت آپ خود غور فرمائیں کہ جو لوگ محرمات شرعیہ کو حلال سمجھ رہے ہیں قرآن و حدیث اور فقہاء اسلام کے ان واضح فیصلوں کی روشنی میں ان کا انجام کیا ہوگا؟

ہم اور تکفیر لیکن ہم بذات خود کسی شخص یا ادارہ پر کفر کا فتویٰ دینے سے اس بناء پر معذور اور قاصر ہیں کہ فتویٰ تکفیر کے لیے ضروری ہے کہ مفتی کو اس بات کے متعلق یقینی علم

حاصل ہو کہ جس شخص یا ادارہ پر وہ کفر کا فتویٰ دے رہا ہے اس کے دل میں قطعیات اور ضروریات دین سے قطعی طور پر انکار پایا جاتا ہے اور یہ علم ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور نہ حاصل ہو سکتا ہے، اس کے بغیر کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ لہذا ہم ان ممبران اسمبلی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے زنا بالا اختیار کو شرعی سزاؤں سے مستثنیٰ قرار دینے کا غلط اقدام کیا ہے، اور ان سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ خدا را اپنے اس فیصلہ پر جلد از جلد نظر ثانی فرما کر خدا و رسولؐ کے ناراضگی اور دنیا و آخرت کی رسوائی کا خطرہ مول نہ لیں۔ امید ہے جملہ ممبران اسمبلی ہماری اس اپیل کو صدا بصر اِثابت نہ ہونے دیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (آیت)

قرائن اور شہرت کی وجہ سے عدالت کا کسی کو سزا دینا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک پندرہ سالہ لڑکے نے ایک شخص پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اسلحہ کی نوک پر زبردستی میرے ساتھ بد فعلی کی ہے، لڑکے نے اس واقعہ کی تھانہ میں رپورٹ بھی درج کرائی ہے اور معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے، ملزم اس فعلِ بد سے انکاری ہے جبکہ لڑکے کے پاس اس دعویٰ کے اثبات کے لیے کوئی گواہ بھی نہیں البتہ میڈیکل رپورٹ لڑکے کے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے اور مذکورہ شخص اس عملِ بد کی وجہ سے مشہور و معروف اور کافی بدنام ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عدالت اس شخص کو اس فعلِ بد میں شہرت اور میڈیکل رپورٹ کی بناء پر سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی جرم کے اثبات کے لیے محض دعویٰ کرنا کافی نہیں جب تک شریعت کے مطابق شہادت موجود نہ ہو، البتہ قرائن اور شہرت کی وجہ سے جب قاضی (جج) کو اس شخص کے مہم یا فعل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر محض سیاستہ سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ کے مطابق اگر میڈیکل رپورٹ اور اس فعلِ بد میں مذکورہ شخص کی شہرت کے بارے میں عدالت کو اطمینان ہو جائے کہ اس نے مدعی کے ساتھ بد فعلی کی ہے تو عدالت اسے تعزیراً سزا دے سکتی ہے، اور اس قسم کے واقعات میں عدالت اطمینان کر لینے کے بعد مجرم کو سیاستہ

مزد دینے کا اختیار رکھتی ہے۔

لما قال العلامة المحصن ^{رحمہ اللہ} ومن يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس ا جلدہ
واخلد في السجن حتى يتوب لأن شق هذا على الناس وشر الاول على الناس۔
والدر المختار على صدر رد المحتار ج ۴ ص ۷۶ کتاب الحدود باب التعزیر مطلب تعزیر المتهم) لہ



لہ لما قال العلامة ظفر احمد الغنمافی ^{رحمہ اللہ}؛ (الجواب) محض عودت کے کہنے سے مرد پر سبب اس قدر تعزیر
نہیں ہو سکتی بلکہ اگر قاضی کا رائے میں قرائن اخبر سے وہ متہم کے درجہ میں ہو جائے تو تعزیر کچھ مزدوری ہو سکتی
ہے، مگر قاضی آج کل کہاں؟ البتہ بعض قوموں میں پنچایت کا زور ہوتا ہے، تو پنچایت اس بارہ میں بمنزلہ قاضی
کے ہے اگر وہ مسائل شرعیہ سے باخبر ہوں یا کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرتے ہوں۔ واللہ اعلم
(امداد الاحکام ج ۳ ص ۱۲۸ کتاب الحدود)



كل مسكر خمر
وكل مسكر حرام

کتاب الاشربة (اثربہ نشہ اور اشیاء کے احکام و مسائل)

نسوار کی شکل میں تمباکو کے استعمال کا حکم | سوال :- نسوار کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- نسوار چونکہ تمباکو سے ہی بنتی ہے لہذا اس کا استعمال تمباکو کی طرح فی نفسہ مباح اور جائز ہے کیونکہ اس میں نہ نشہ ہے اور نہ مستی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: فانه لم يثبت اسكاره ولا تقيده ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لايلزم منه تحريم على كل واحد۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۶ کتاب الاشربة)

البتہ نسوار کی بدبو کی وجہ سے مسجد میں نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے نیز اس میں اسراف اور تبذیر کے علاوہ طبعی نقطہ نگاہ سے بھی مضر صحت ہے اس لیے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اذا شرب الماء وغيره من المباحات يلهو وطرب على هيئة الفسقة حرام۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشربة)

گنے کے رس سے کشید کی گئی شراب حرام ہے | سوال :- جو شراب گنے کے رس سے بنائی گئی ہو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

له قال الشيخ محمد الكامل الطرابلسي: وقد حقق المتأخرون من اهل مذهبنا الحنفية انه ليس بحرام وانما في تعاطيه الكراهية وقد قدمنا ان احسن ما قيل فيه قول الامير رحمه الله فاختلف فيه الدخان والورع تركه۔

{ الفتاوى الكاملة ۲۸۶ کتاب الخطر والاباحة }
{ مطلب في حكم شرب الدخان في مجلس قراءة القرآن }

الجواب :- انکور اور کھجور سے بنائی گئی شراب تو بالاتفاق حرام ہے ، ان دو چیزوں کے علاوہ جن اشیاء سے شراب بنائی جاتی ہے تو ایسی شراب امام محمد رحمہ اللہ کے مفتی بہ قول کے مطابق حرام ہے کیونکہ یہ نشہ آور شراب ہے ، ظاہر حدیث سے ہر مسکر شراب کی حرمت معلوم ہوتی ہے ۔

لما اخرجہ الامام مسلم : کل مسکر حرام ۔ والصیوم المسلم ج ۲ باب بیان کل مسکر حرام
قال العلامة الحسینی : والکل حرام عند محمد وبہ یفتی ۔ (رد المحتار علی
ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشریۃ) لہ

اضطرابی حالت میں افیون کا استعمال جائز ہے | سوال :- ایک شخص افیون کھانے کا عادی ہے حتیٰ کہ زندگی افیون

کھانے میں گزر گئی ، اب بوڑھا ہو گیا ہے ، ایسے آدمی کا افیون کھانا اور اس کو کھلانا یا اس سے
میں اس سے تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر یہ شخص افیون کھانے کا ایسا عادی ہے کہ افیون چھڑانے کی صورت
میں اس کی موت واقع ہونے کا خدشہ ہو تو افیون کھانا اس کے لیے جائز ہے اور اس کی
اعانت کرنا بھی جائز ہے ، اور اگر ایسی حالت نہیں تو کھانا اور کھلانا دونوں طرح ناجائز
ہے بشرطیکہ ایسا شخص تدریجاً افیون چھوڑنے کی کوشش اپنے اوپر لازم کر لے ورنہ
سخت گنہگار ہوگا ۔

قال العلامة ابن عابدین : سئل ابن حجر عن من ابتلی بأکل نحو الافیون وصار ان لم یأکل منه
هلك اجاب ان علم ذلك قطعاً حل له بل وجب لاضطرارہ الی ابقاء روحہ کالمیتۃ للمضطر یشیب
علیہ التدریج فی تنقیصہ شیئاً فشیئاً ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۰۸ کتاب الاشریۃ) لہ

لہ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ : کل شراب اسکر فہو حرام ۔ رواہ البخاری
(تبیین الحقائق ج ۶ ص ۴۰۸ کتاب الاشریۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۴۹۸ کتاب الاشریۃ ۔

لہ قال العلامة البصاص الرازی : فافتق ذلك وجود الاحابة بوجود الضرورة فی کل حال وجدت
الضرورة فیہا ۔ (الاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۶ باب ذکر الضرورة المبیحة لاکل المیتة)

الکحل علی خوشبو کے استعمال کا حکم | سوال :- یورپی ممالک سے درآمد شدہ

خوشبویات (پرفیومز) میں الکحل شامل ہوتی ہے، تو کیا بدن اور کپڑوں پر ان کی اسپرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسی حالت میں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن خوشبویات (پرفیومز) میں الکحل ملی ہوتی ہے اگر یہ الکحل انگور یا کھجور کی ہو تو بالاتفاق ایسی خوشبو کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ خوشبو میں الکحل کا استعمال بلا ضرورت ہے اور بلا عذر شرعی شراب کا استعمال خواہ کم ہو یا زیادہ حرام ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وحرم الانتفاع بهما ولو لستی دواب او لطین او قطر للتلی اوفی دواء او دهن او طعام او غیر ذلک۔ رالدر المختار علی هامش رد المحتار

ج ۵ م ۲۸۹ کتاب الاشریۃ

اگر یہ الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی حرام ہے، اگرچہ متقدمین علماء نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو منقہ بہ قرار دیا ہے لیکن متاخرین محققین نے عموم بلوی کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو توسع کی خاطر قابل عمل قرار دیا ہے کہ انگور اور کھجور کے علاوہ دوسرے الکحل ملے پرفیومز کا استعمال حرام نہیں۔

قال العلامة محمد تقی العثماني: ان معظم الکحول التي تستعمل اليوم في الادوية والعطور وغیرها لاتتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیره كما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع و جینیذ هناك فسحة فی الاخذ بقول ابی حنیفة عند عموم البلوی۔

{ تکملة فتح الملهم ج ۳ م ۶ کتاب الاشریۃ
حکم الکحول المسکرة }

تاہم اگر استعمال نہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

منشیات ہر قسم کی ممنوع ہیں | سوال :- ایک شخص افیون، بھنگ، چرس کے استعمال کا عادی ہے اور ان اشیاء کے استعمال سے اس شخص پر

کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا، اگر شخص ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ترک نہ کرے تو کیا شرعاً اس کے لیے گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ويجرم اكل البنج والحشيشة والافيون لانه مفسد للعقل ويصد عن ذكر الله وعن الصلوة۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۴ کتاب الاشربة)

لہذا ان کا استعمال حرام ہے، ان مضر اشیاء کے استعمال کی اجازت نہ عادی کو ہے نہ غیر عادی کو، بلکہ عادی پر واجب ہے کہ ان کے استعمال میں آہستہ آہستہ کمی کرتا جائے تاکہ ایک وقت آئے اور جان پھوٹ جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: ويجب عليه التدریج في تنقيصه شيئاً فشيئاً۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۸ کتاب الاشربة)

نیگو نہ پودے کی جڑوں کے شربت کی تحقیق | سوال: فیجی آئرلینڈ میں نیگو نہ (NAGONA) نامی ایک پودا پایا جاتا

ہے جس کی جڑیں خشک کر کے اس میں پانی ملا کر لوگ پیتے ہیں جس سے مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں: ۱۔ پینے کے بعد آدمی خاموش رہتا ہے ۲۔ زیادہ استعمال کرنے سے جوان بوڑھا نظر آتا ہے ۳۔ زیادہ استعمال سے جسم پر سفید لکیریں نکل آتی ہیں۔ ۴۔ ہاتھ سخت اور بدن خشک ہو جاتا ہے ۵۔ بدن میں سستی اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے ۶۔ اکثر ممالک میں اس کو نشہ آور سمجھ کر اس کے استعمال پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس پودے کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- سوال میں ذکر کردہ مضر اثرات کی وجہ سے نیگو نہ (Nagone) پودے کی جڑوں کا شربت استعمال کرنا ناجائز ہے، اس لیے کہ بدن پر اس کے بُرے اثرات پڑتے ہیں جبکہ یہ نشہ آور بھی ہے، شریعت مقدسہ نے کسی بھی مضر صحت و بدن چیز کے استعمال سے

لہ قال العلامة ابوبکر بن الحداد الیمنی: ولا يجوز اكل البنج والحشيشة والافيون وذلك

كله حرام۔ (الجوهرۃ النيرة ج ۲ ص ۲۷ کتاب الاشربة)

وَمِثْلُهُ فِي تَنَاقُصِ الْكَامِلِيَةِ ص ۲۷ کتاب الاشربة۔

منع کیا ہے جیسے زمہ میں نشہ تو نہیں مگر پاک ہے لیکن اس کا استعمال حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: كالسّم القاتل فانه حرام مع انه طاهر۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاشربة)

اور اس پودے (نیگونہ) میں تو نشہ بھی ہے لہذا اس کا استعمال حرام ہے، اگرچہ اس پودے کا ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا لیکن اس کے نظائر موجود ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: وهكذا يقال في غيره من الاشياء الجامدة المضرة في

العقل او غيره يحرم تناول القدر المضر دون القليل۔ اگر نشہ آور کم ہو یا زیادہ حرام ہے۔ وقال محمد ما اسكر كثيره فقليله حرام۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاشربة)

بطور دوائی شراب کے استعمال کا حکم | سوال :- ایک قریب المرگ مریض جس پر ہر قسم کا علاج آزمایا گیا لیکن کارگر نہ ہوا،

اس کے لیے ڈاکٹر نے آخری علاج کے طور پر شراب تجویز کی ہے، کیا ایسے مریض کے لیے بقدر ضرورت شراب پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کسی مسلمان ڈاکٹر کو تجربات سے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ شراب سے مریض کو شفاء مل جائے گی تو ضرورتاً اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ شراب کے علاوہ دوسری دوائے ہو اس لیے کہ حالت اضطرار میں حرام چیز کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے۔

لما في الهندية: ولوان مريضاً اشار اليه الطبيب بشرب الخمر روى عن جماعة ائمة بلغ انه ينتظر ان كان يعلم يقيناً انه يعم حل له تناول۔ (فتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۵) البائمان عشر في التداوى والمعلجات

له قال العلامة الزيلعي: وعن ابن عمر انه عليه الصلوة والسلام قال ما اسكر كثيره فقليله

حرام۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۴ کتاب الاشربة)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشربة

له قال العلامة الكاساني: انه يحرم شرب قليلها وكثيرها الا عند الضرورة۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱ کتاب الاشربة)

ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۲۱۵ کتاب الاشربة۔

بطورِ دوا شراب کے خارجی استعمال کا حکم | سوال :- ایک شخص کی قوتِ سامعہ خراب ہے، ڈاکٹروں نے بطورِ علاج شراب کے چند قطرے خارجی طور پر استعمال کرتے کی تجویز دی ہے، کیا یہ طریقہ علاج شرعاً جائز ہے ؟
الجواب :- متقدمین فقہاء کے نزدیک شراب کا داخل و خارجی استعمال اور اس سے نفع لینا حرام ہے۔

قال العلامة المرجعنا فیہ رحمہ اللہ: وبکہ الاحتقان بالخمر واقطارها فی الاحلیل لانتفاع بالمحرم۔ (الہدایۃ ج ۴ ص ۵۵ کتاب الاشریۃ)
 لیکن متاخرین نے جب بطورِ تداوی کے شراب کے داخلی استعمال کی اجازت دی ہے تو خارجی استعمال کے مرتخص ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

لما فی الہندیۃ: یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۵ باب ثامن عشر فی التداوی والمعالجات

الکحل ملی ادویات کے استعمال کا حکم | سوال :- جن دوائیوں میں الکحل کے آمیزش ہوتی ہے اُن کا استعمال ڈاکٹر کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- انگریزی ادویات کے استعمال کے بارے میں متاخرین فقہاء کرام کا قول یہ ہے کہ اگر ان ادویات میں شراب یا کسی اور حرام شے کا اختلاط یقینی یا ظن غالب کے طور پر معلوم ہو تو ان کا استعمال شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں شفاء کا امکان ہو، اگر ان دوائیوں میں الکحل کا صرف احتمال (شک) ہو تو پھر ایسی دوائیوں کے استعمال کرنے میں مزید گنجائش نکلتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ففی النہایۃ عن الذخیرۃ یجوز ان

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: اما اذا علم ولس لہ دواء غیرہ یجوز

رحمہ المختار ج ۵ ص ۳۱۵ باب المتفرقات، مطلب فی التداوی

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشریۃ۔

علم فيه شفاء ولم يعلم دواء اخر۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۴ مطلب في التداوي في المحرم) لہ
افیون بطور دوائی استعمال کرنے کا حکم | سوال :- بطور دوائی افیون کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس طرح دیگر حرام اشیاء کا بوقت ضرورت بطور دوائی استعمال جائز ہے اسی طرح افیون کا استعمال بھی دوائی کے طور پر جائز ہے بشرطیکہ حدِ سکر کو نہ پہنچے۔
 لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : من غاب عقله بالبنج والاقیون يقع طلاقه اذا استعمله للهو وادخال الاوقات قصداً لكونه معصية وان كان للتداوي فلا يعد محلاً كذا في فتح القدير وهو صريح في حرمة البنج والاقیون لالدواء۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشریة) لہ

سیون اپ اور کوکا کولا پینے کا حکم | سوال :- سیون اپ اور کوکا کولا مشروبات کے بارے میں سنا ہے کہ ان میں الکحل ملا ہوتا ہے اس

لحاظ سے ان مشروبات کا پینا جائز ہے یا نہیں

الجواب :- سیون اپ اور کوکا کولا کے بارے میں تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان میں الکحل کی ملاوٹ نہیں ہوتی، صرف شک کی بناء پر یہ بات کی گئی ہے، ایسے شک سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، البتہ محض شک کی بناء پر اگر کوئی احتیاطاً مذکورہ مشروبات نہ پئے تو ٹھیک ہے لیکن ان کا پینا حرام نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم باز : وهذا بناء على ان الشك يورث الاحتياط دون الحرمة لان اليقين لا يزول بالشك۔ (شرح المجلة الاحکام، المادة ۴ ص ۲) لہ

لہ و لہ ما فی الہندیۃ : يجوز للعلیل شرب الدماء والبوال وکل البیتۃ للتداوی اذا خبر طیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۵۵ باب الثامن عشر فی التداوی والعلاجات) ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشریة۔

لہ قال العلامة الشیخ الزرقاء : ومعناها ان ما كان ثابتاً متیقناً لا یرتفع بمجرد طرؤ الشک علیہ لان الامر الیقینی لا یعقل ان ینزلہ ما هو اخف منه بل ما كان مثله اوقوی۔ (شرح القواعد الفقہیہ ص ۳ القاعدة الثالثة البقین یزول بالشک)

فتاویٰ رشیدی کی ایک عبارت پر پیدا ہونے والے سوال کا جواب | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

مسئلہ میں کہ فقیہ الزمان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں حقہ کشی کو مباح قرار دیا ہے۔ تو کیا ان کے اس قول کا فقہ حنفی میں کچھ ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف کے ان الفاظ کل دخان حرام کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: ذوی العقول اہل اسلام پر مخفی نہ ہو کہ حقہ کشی کا حدوث سن ایک ہزار ہجری (۱۸۸۸ء) کے بعد ہوا ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک علماء مذاہب اربعہ کے اس کے بارے میں نظریات رہے ہیں، بعض نے حرمت کا حکم دیا ہے، بعض کراہت تحریمیہ کے طرف مائل ہیں اور بعض دوسرے کراہت تنزیہیہ کے قائل ہیں اور بعض نے اباحت مطلقہ کا حکم لگایا ہے۔

اس مسئلہ کی پوری وقاحت عبارات مع مالہا و ما علیہا کو حضرت مولانا عبدالحی صاحب کفویؒ نے اپنے ایک رسالہ ”ترویج الحنتان بتشریح حکم شرب الدخان“ میں کی ہے۔ مزید معلومات کے لیے اس کا مطالعہ کرنا ضروری اور انتہائی مفید ہے اور پوری تشفی کی امید اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر بھی آپ کے سوال کے حوالے سے یہاں چند ضروری باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: اضطربت آراء العلماء فیہ فی بعضہم قال بکراہتہ و بعضہم قال بحرمتہ و بعضہم باباحۃ و افرحہ بالتالیف و فی شرح الوہبانیۃ الشرنبلالیؒ

و یمتنع من بیع الدخان و شربہ
و شاربہ فی الصوم لا شک یفطر

وللعلامة الشيخ علی الاجمہوری رسالة نقل فیہا انه افش بحلہ من یعتمد علیہ من ائمة المذاہب الاربعۃ قلت وalf فی حلہ سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی الحنفیؒ رسالة سمیها الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان و اقامة النظامۃ الکبریٰ علی القائل بالحرمة و بالکراہۃ فانہما حکمان

شرعیان لا بد لهما للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل احد - انتہی - یہ تمام عبارات
”شامی ج ۵ کتاب الاشریۃ“ میں موجود ہیں۔

اور عبدالغنی نابلسی ”حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ“ میں لکھتے ہیں: من ابدع
العادیۃ استعمال التتن والقهوة - انتہی

اور شیخ عبدالخالق زجاجی زبیدی حنفیؒ اپنے بعض فتاویٰ میں لکھتے ہیں: قد تکلم العلماء المتأخرون
فی ذلك لانه لم یکن فی القرون السابقۃ فمن مفرط فی ذمہ حتی جزم بالحرمۃ
ومن مفرط فی مدحہ ومنہم من توسط وقال انه مکروه تحریمًا وهذا عندی
احسن الاقوال واعد لها اذ لا قاطع بتحریمہ ولس کل مؤید ومنتن حرامًا
والارکان اکل الثوم والبصل والفعل والکرات حرامًا هذا کله فی شرب دخانہ
واما کله وشمہ فهو مکروه تنزیہًا عندی لانہا دون شرب دخانہ - انتہی ملخصاً۔
(یہ عبارات مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۶ سے نقل کی گئی ہیں)

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ علماء کے اس اختلاف کا منشاء کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک اس
اختلاف کا منشا وہی ہے جس کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:-
”یہ حقہ قریب تین سو برس ہوئے کہ کفار نے نکال دیا ہے، پھر سب لوگوں میں شائع ہوا، اور اصل
میں یہ ایک دوا ہے، بعض امراض کو نافع بھی ہے اور کثرت اس کی مضر ہے جیسا کہ کتب طب سے
معلوم ہوتا ہے۔ اب پینے والوں کی مختلف غرضیں ہیں، مختلف مزاج ہیں، مختلف طور ہیں اور مختلف
خیال اور مختلف عادتیں ہیں۔ کوئی مرض کے لیے پیتا ہے، کوئی شوقیہ پیتا ہے، کسی کو کچھ نافع ہے
کسی کو مضر ہے، کوئی پی کر منہ صاف کرتا ہے، کوئی سڑا لیتا ہے، کوئی احتیاط سے پیتا ہے، کوئی احتیاطی
سے، کوئی برا سمجھ کر پیتا ہے، کوئی اچھا جان کر پیتا ہے، یہاں تک کہ بعض روزہ میں پیتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، کوئی بہت کثرت سے پیتا ہے، کوئی کبھی کبھی پی لیتا ہے، بعض کو اگر
ایک گھنٹہ نہ ملے بے چین ہو جاتے ہیں، بعض کو کئی کئی روز تک خیال نہیں ہوتا۔ پھر تمباکو میں بھی
بعض اقسام بہت تیز اور مضر ہیں، بعض کم درجے میں ہیں، کسی میں بوز زیادہ ہے کسی میں کم ہے، کسی
میں نوبت نشہ یافتہ کی ہے کسی میں نہیں، کوئی ایسی چیز کے ساتھ مرکب ہے جس سے اس کی خباثت
کم ہو جاتی ہے کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح حقہ اور نیچہ میں بھی، بعض نیچہ کے کپڑے پاک ہوتے ہیں کسی کے
ناپاک، اور کسی کے مشتبہ، کوئی بیچوان ہے اس میں اثر قبیل آتا ہے، کسی میں زیادہ آتا ہے۔ کوئی

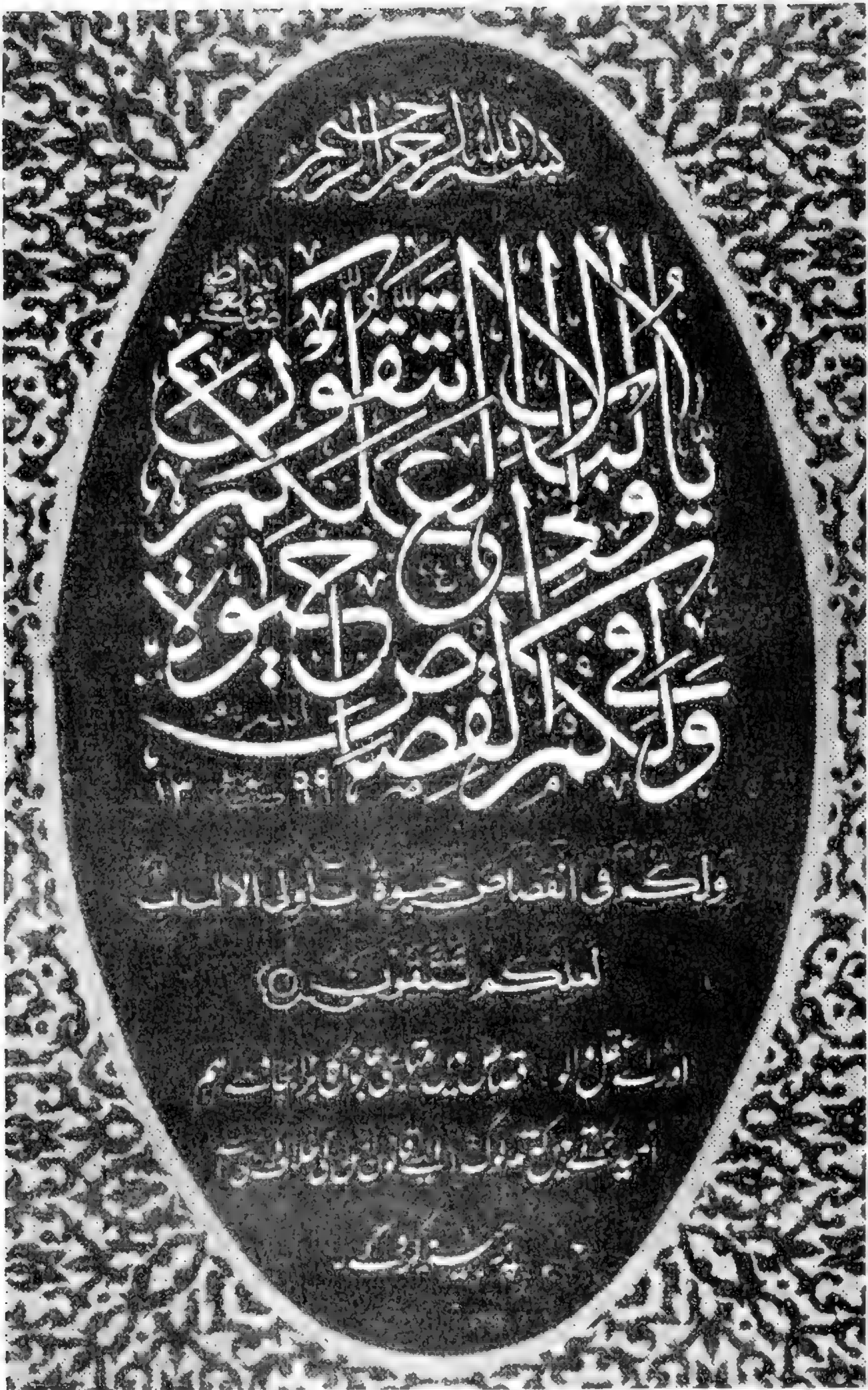
جلد جلد تازہ کیا جاتا ہے، کوئی کئی کئی دن تک سڑتا رہتا ہے، کوئی عام ہے کہ سب کا منہ لگتا ہے جیسے ٹیکوں کے ٹھقے، کوئی خاص ہے غرض نہ سب پینے والے برابر نہ سب تمباکو ایک طرح کے، نہ سب ٹھقے و نیچے ایک طرح کے، سب متفاوت اور مختلف، ہر ایک کا حکم الگ ہوا۔ پس اگر کسی نے ضرورت شدید میں کسی مرض و شواہد کے علاج کے لیے احتیاط سے بطور دوا کے کبھی کبھی ایک آدھ بار پی لیا تو چنداں جُرم نہیں ہے، اور جو بعد از ازالہ مرض بغیر ضرورت کے شوقیہ پیو جیسا آچکل شائع ہے کہ یہی محفل کی زیب و زینت ہو گئی ہے اور اسی کی خاطر و تواضع ہو گئی اس کے نہ ملنے کی شکایتیں ہوتی ہیں کہ فلا نے نے ٹھقے تک بھی نہیں پیلا یا اور زبان چکا ہے بُرا کہتے ہوں اور شاید دل میں بھی بُرا جلنٹے ہوں مگر ظاہر میں بے باکانہ اس کو پیتے ہیں اور ذرا بھی محبوب و منقبض نہیں ہوتے اور آخر میں مُضر بھی ہوتا ہے اور منہ میں برابر بدبو آتی ہے اور ہر دم منہ میں گھسار رہتا ہے اور حواس میں بھی کمورت آ جاتی ہے اور تشبہ اہل نار کے ساتھ ہے کہ منہ اور ناک میں سے دھواں نکلتا ہے اور خود دھواں اور آگ بھی آلہ عذاب کہ ہے اس کے ساتھ متلبس رہتے ہیں، اس طور اس کا عادی ہو جانا بسبب اجتماع ان امور کے بیشک بُرا اور سخت مکروہ ہے، پھر امور مذکورہ سابق کے تفاوت سے کراہت میں بھی تفاوت ہوگا۔ اور بعض پینے والے جو بد احتیاط ہیں اور سڑے ہوئے ٹھقے اور ناپاک نیچے، تیز تمباکو پینے پیتے نشہ ہو جاتا ہے اور شراب کی سی مدموشی ہوتی ہے، اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں۔ حاصل یہ کہ کوئی ٹھقہ زیادہ مکروہ کوئی کم مکروہ، کوئی حرام، کوئی ضرورت شدیدہ میں بطور دوا کے ایک آدھ بار مباح۔ اس تقریر پر درمیان اقوال علماء و فقہاء کے ہو اس کی اباحت، کراہت و حرمت میں مختلف ہیں، تطبیق بھی ممکن ہے، پس جیسا موقعہ کسی نے دیکھا ہوگا ویسا کہہ دیا ہوگا۔ بہر حال پینے والا اس کا اکثر حالتوں میں نہ کل حالتوں میں، گناہ سے خالی نہیں۔ انتہی حضرت تھانویؒ کی اس تقریر سے اختلاف علماء و فقہاء کا منشا اور ان کے اقوال کی تطبیق پر روشنی پڑ گئی۔ دلائل کے اعتبار سے جب علماء و فقہاء کے اختلاف پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بعد قیاس دلائل طریقین یہ واضح ہوتا ہے کہ حرمت کا قول تو لایعبار بہ ہے کیونکہ حرمت قطعی دلیل تحریم پر موقوف ہوتی ہے۔ جن علماء نے حرمت کا حکم دیا ہے انہوں نے کوئی قطعی دلیل اس پر قائم نہیں کی ہے بلکہ ان کے تمام ظنی دلائل بھی مخدوش ہیں، جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے ”ترویج الجنان“ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اور قول اباحت بلا کراہت بھی خدشات سے خالی نہیں ہے البتہ قول کراہت قابل اعتبار

ہو۔ اور بالفرض اگر اس کی حرمت ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کے مختلف فیہ ہونے میں شک نہیں ہے جیسا کہ عبارات سابق سے معلوم ہوا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی حرمت سے انکار کیا ہے اور انہوں نے کراہت یا اباحت کا فتویٰ دیا ہے اور کراہت میں بھی بعض نے تحریمی کا قول کیا ہے اور بعض نے تنزیہی کا۔ علامہ ابوالسعود کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور کراہت تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: قال ابوالسعود فتکون الکراہۃ تنزیہیۃ والمکروۃ تنزیہیۃ بما جماع الابلاحت۔ اگر حضرت گنگوہیؒ نے جن کو حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے فقیہ النفس کا موزوں خطاب فرمایا تھا، اس کی اباحت کا قول کر کے فتویٰ دے دیا تو کون سے گناہ کا ارتکاب کیا۔ ہو سکتا ہے کہ فقیہ النفس حضرت گنگوہیؒ نے ان علماء و فقہاء کے اقوال و آراء اور دلائل کو ترجیح دی ہو جو اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ اور خود حضرت گنگوہیؒ بھی بہت بڑے درجے کے عالم ہیں اور تمام علوم اسلامیہ میں منصب امامت اُن کو حاصل تھا مگر جو خصوصی مناسبت آپ کو فقہ اور حدیث سے تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم آپ کی سرشت میں داخل ہو چکے تھے، وہ مشکل مسائل جن کے حل کرنے میں علماء عصر حیران و پریشان رہتے تھے حضرت گنگوہیؒ ان کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اپنی تحقیق کی ہو اور ان کی تحقیق میں اس کی اباحت کسی درجہ میں ثابت ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ اگر انہوں نے اباحت کا قول کر کے فتویٰ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کئی وقت اور حالت اور موقع میں بھی یہ کراہت کے درجہ تک نہ پہنچے گی، نیز اگر کوئی اس کی اباحت کا قائل ہو جائے تو یہ کفر تو نہیں، کیونکہ اس کی اباحت، کراہت اور حرمت میں اختلاف تو ہے۔ اور شرح عقائد نسفیؒ اور اسی طرح فتاویٰ بزازیہؒ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ حرام مختلف فیہ کے محل کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور کل دخان حرام یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اصل حدیث اس طرح وارد ہے: کل مسکر خمر و کل مسکر حرام۔ رواہ مسلم، یا یہ حدیث ہے: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتیر۔ رواہ احمد عن ام سلمہؓ، جب یہ ”کل دخان حرام“ حدیث کے الفاظ ہی نہیں ہیں تو ان پر بحث کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مسئلہ فی نفسہ بقدر ضرورت واضح ہو گیا۔

فقط واللہ اعلم

۲۰۸





کتاب القصاص والدّیّة

(قصاص اور دیت کے احکام و مسائل)

قاتل کو معاف کر دینے کے بعد قصاص کا مطالبہ کرنا جائز نہیں | سوال :- ایک شخص نے دوسرے

آدمی پر قتل عمد کا دعویٰ دائر کیا، اب اگر مقتول کے ورثاء گواہوں کے سامنے قاتل کو معاف کر دیں تو بعد میں کسی وجہ سے دوبارہ قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- ورثاء کا قاتل کو باقاعدہ معاف کر دینے کے بعد حق قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور مقتول کے ورثاء کو دوبارہ مطالبہ قصاص کا حق باقی نہیں رہتا، بلکہ کسی ایک وارث کے معاف کر دینے سے بھی بقیہ ورثاء کو قصاص لینے کا حق نہیں رہتا۔

وفی الہندیّة : ومن عفا عن ورثة المقتول فلا سبیل الی القصاص۔

(الفتاویٰ الہندیّة ج ۶ ص ۲۲۰ الباب السادس فی الصلح والعفو) لہ

صلح ہو جانے کے بعد عدالت کا قاتل کو سزا دینا | سوال :- ایک آدمی مثلاً زید نے کسی کو عمدًا قتل کیا جس کا مقدمہ

عدالت میں زیر سماعت تھا کہ مقتول کے ورثاء نے دیت لے کر مقدمہ کی پیروی چھوڑ دی جس کی وجہ سے زید پھانسی کی سزا سے بچ گیا لیکن عدالت نے اس کو عمر قید کی سزا سنائی ہے کیا یہ سزا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- قتل عمد میں قصاص لینا ورثاء کا شرعی حق ہے جبکہ ورثاء قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں اور دیت لے کر صلح بھی کر سکتے ہیں، صورتِ مسئلہ کے مطابق ورثاء

لہ قال العلامة الجصاص الرازی رحمہ اللہ :- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العمد قودا لا ان یعفو ولی المقتول۔ (الاحکام القرآن ج ۱ ص ۵۸ بحث تنازع اہل العلم فی معنی قوله تعالیٰ، فمن عفی له من انیہ شیء، الآية)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۴۶ بیان ما یسقط القصاص بعد وجوبہ، کتاب الجنایات۔

نے جب دیت لے کر قاتل کو معاف کر دیا تو حکومت کو مزید سزا دینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے اب عدالت کا اسے عمر قید کی سزا سننا نامرور ہے قانونی سزا تو ہو سکتی ہے شرعی نہیں۔

لما قال الله تعالى: فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ..... فَمَنْ اُعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ قَلْبُهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورة البقرة آیت ۱۷۸)

قال العلامة المرحوم تاج الدين: انها نزلت في الصلح. (الهدية ج ۳ کتاب الصلح) لہ

بدل صلح صرف قاتل پر ہے | سوال :- ایک آدمی کے باپ کو کسی نے قتل کیا، بیٹا اب صلح کرنا چاہتا ہے تو کیا قاتل کے ورثاء دیت

ادا کرنے کے پابند ہیں یا نہیں؟

الجواب :- صلح کی صورت میں بدل صرف قاتل پر واجب ہے دیگر رشتہ دار صرف بطور احسان تعاون کر سکتے ہیں۔

کافی الہندیۃ، وکل آرش وجب بالصلح فہو فی مال القاتل۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الصلح) لہ

قتل یا سبب کی دیت کا حکم | سوال :- ایک عورت نے اپنے خاوند کی روٹی میں

زہر ملا یا لیکن اتفاق سے وہ روٹی کسی دوسرے شخص نے کھالی جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی، جب عورت کو پتہ چلا تو وہ اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی، پکڑے جانے پر سسر نے اس عورت کو قتل کر دیا، زہریلی روٹی کھانے سے مرنے والے کے ورثاء اب اس عورت کے ورثاء سے دیت طلب کرتے ہیں، جب کہ اس واقعہ کو کافی عرصہ گزر چکا ہے، اس مسئلہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

لہ قال العلامة الجصاص الرازی: من قتل بعد اخذ الدية فوليہ لقتل لا يقبل منه الدية۔

(الاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۱ بحث تنازع اهل العلم فی معی قوله فمن عفی له من اخیه شیء)

لہ قال العلامة ابوبکر الجصاص الرازی: دلالة الدية ظاهرة على ان الصلح دم العمد

وسقوط القود بعفو بعض الدليلاء بوجوب الدية في مال العاني۔

(الاحکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۵۸ بحث تنازع اهل العلم الخ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۲ ص ۲۵۵ بیان من تجب علیه الدية، کتاب الجنایات۔

الجواب: - زہریلی روٹی کھانے سے موت کا واقع ہونا قتل بالسبب ہے، صورتِ مسئلہ میں جس عورت نے روٹی میں زہر ملا یا ہے اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے اور عورت پر کفارہ نہیں، اگرچہ عورت مرگئی ہے لیکن اس کے عاقلہ تو موجود ہیں اُن سے دیت وصول کر کے مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین: لو زلق بماء صبه رجل فوقه في البئر فاضمان على الصّاب - (رہد المختار ج ۵ ص ۳۲۲ کتاب الجنایات) لہ

سوال: - ایک مریض کو دوائی کھلانے سے موت واقع ہوتے پر دیت کا حکم

آدمی نے کسی مریض کو کوئی ایسی دوائی کھلا دی جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، تو کیا دوائی کھلانے والے پر دیت یا ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب: - اگر مریض کو دوائی کسی ماہر و تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق کھلانے سے اس کی موت واقع ہو جائے تو کوئی دیت و ضمان نہیں۔ اور اگر دوائی کھلانے والا نہ ڈاکٹر ہے اور نہ حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق دوائی کھلائی یا تجویز کردہ نسخہ کے مقدار سے زیادہ کھلا دی جس سے مریض کی موت واقع ہو گئی تو اب کھلانے والا ضامن ہے اس پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما ورد في الحديث: قال النبي صلى الله عليه وسلم من تطيب ولا يعلم منه طب فهو ضامن. (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الدیات) لہ

لہ قال العلامة الزيلعي: موجب القتل بسبب الدية على العاقلة الا الكفارة. (تبیین المعانی ج ۶ ص ۱۰۲ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۴ ص ۵۶ کتاب الجنایات۔

لہ قال العلامة خليل احمد السهارنفوی: قال الخطابي لا اعلم خلافا ان العالج اذا تعدى فتلّف المريض ضمن ای الدية۔ وفيه ايضا: لا ضمان على جّام ولا اختان ولا متطيب بشرطین احدهما ان يكون اذوی حذق وبصائر في ضاعته فان لم يكن كذلك لم يحل له مباشرة القطع۔ (حاشیة بذل المجهود ج ۱ ص ۱۸ کتاب الدیات)

مقتول کی دیت کے مستحقین | سوال :- ایکسڈنٹ میں ہلاک ہونے والے کے لیے گاڑی کے ڈرائیور کی طرف سے بطور تاوان ملنے والی رقم میت

کی بیوہ کو دی جائے گی یا اس کے بھائیوں کو؟ جبکہ بیوہ کسی دوسری جگہ نکاح کرتا چاہتی ہے۔

الجواب :- ایکسڈنٹ کی صورت میں ہلاک ہونے والے کی دیت ڈرائیور اور اس کے عاقلہ پر واجب ہے اور یہ دیت میت کے ورثاء میں شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔ مذکورہ صورت میں میت کی بیوہ بھی اس کی وارث ہے اگرچہ وہ کسی اور سے نکاح کر لے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ان القصاص حق جميع الورثة وكذا الدية۔ (الهداية ج ۲ ص ۵۷۲ کتاب القصاص فی ما دون النفس) لے

بیتہ کی حالت میں ماں کے نیچے دب کر بچہ مر جائے تو کفارہ اور دیت کا حکم | سوال: بچہ ماں کے پہلو

میں سویا ہوا تھا کہ اچانک ماں کے نیچے دب کر مر گیا، اب والدہ کے لیے دیت اور کفارہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- ایسی حالت میں بچے کا مرجانا جاری مجزی خطا کی قسم میں آتا ہے جس میں عاقلہ پر دیت اور قاتل پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ آجکل عاقلہ سے دیت کی وصولی اسلامی قانون کے اجراء نہ ہونے کی وجہ سے مشکل ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں ماں فراغت ذمہ کے لیے کفارہ ادا کرے گی، نیز بچہ مرتے وقت اگر کسی جائیداد کا مالک ہو تو ماں اس قتل کی وجہ سے بچے کی جائیداد سے محروم ہوگی۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ۔ (سورة النساء آیت ۹۲)

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: والرابع ما جرى مجراه مجرى الخطاء كنائم انقلب على رجل فقتله لانه معذور كالمخطئ وموجبه الكفارة

لے قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والورثة في ذلك كلهم

سواء۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۳۱ فصل فی الصلح علی المال)

ومثله في التفسيرات احمدية ص ۱۹۶۔

الدیۃ علی العاقلۃ - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب الجنایات) لہ

سوال :- نیند کی حالت میں بچہ
ماں کے پہلو میں دب کر مر جائے تو
وجوب دیت اور کفارہ پر آپ یہ

نیند کی حالت میں ماں کے پہلو میں دب کر
بچہ کے مرنے پر پیدا ہونے والے اشکال کا جواب

دلیل دیتے ہیں کہ کناثم انقلب علی رجل فقتله، کیا یہ قتل خطا یا اس کا قائم مقام ہو
سکتا ہے؟ کیا بیداری اور نیند میں فرق نہیں ہے؟ اگر فرق نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب
ہے؟ رفع القلم عن ثلث النائم حتی استيقظ۔ آپ کی دلیل کناثم انقلب میں لفظ
ام موجود نہیں، نیز آیت کریمہ وَلَا تَضَارُوا وَالِدَکَ بِوَلَدِہَا اگرچہ رضاعت کے بارے میں ہے
لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہے، آپ نے استقار حاصل کی دلیل بھی دی ہے لیکن اس میں
عورت کا ارادہ ہوتا ہے جبکہ نیند میں ایسا نہیں ہوتا، روزہ کی حالت میں مرد کو احتلام
ہو جائے تو روزے کا کفارہ یا قضا نہیں اس لیے کہ روزہ دار مجبور ہے۔ ازراہ کرم مجھے ان
اشکالات کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب :- (۱) رفع القلم عن ثلث کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں پکڑ نہ ہوگی،
یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا ضمان نہ ہوگا اور نہ قتل خطا میں
وجوب دیت پر، نماز میں ترک واجب پر سجدہ سہو، مجنون اور بچہ اگر کسی کا مال ضائع کر
دے تو اس پر وجوب ضمان کا حکم کیونکر لگتا، بچہ اور مجنون اگر کسی کے ساتھ مل کر کسی کو
قتل کریں تو ان کے عاقلہ پر دیت ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانی: فتجب الدیۃ ثم ما یجب علی الصبی والمجنون
والخاطی تتحملہ العاقلۃ - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۳۶ کتاب الجنایات)

لہ قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: النائم ینقلب علی انسان فیتقتلہ فہذا القتل
فی معنی القتل الخطا من کل وجہ لوجودہ لا عن قصد لانہ ما ینقلہ فتوتب علیہ احکامہ
من وجوب الکفارة والدیۃ وحرمان المیراث۔

بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۴۱ کتاب الجنایات

وَمِثْلُہُ فی الہدایۃ ج ۴ ص ۵۶ کتاب الجنایات۔

(۲) فقہاء نے جو مثال دی ہے کنائم انقلاب علی رجل یہ عام قاعدہ ہے اس میں ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ سب داخل ہیں اس سے مراد شخص کلی ہے ماں باپ وغیرہ اس کے افراد ہیں اس سے ماں کو متثنیٰ کر کے اوروں کو داخل کرنا غلط ہے۔

(۳) ماں پر وجوب دیت اور کفارہ اس کو ضرر دینا نہیں جیسا کہ آپ سمجھے ہیں اس طرح تو باپ کے باپ کے بارے میں بھی حکم ہے کہ بچے کی وجہ سے اس کو تکلیف نہ دو۔ ولا مودلہ بولدہ لیکن باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو اس پر دیت واجب ہے، نیز دیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت اگر بچے کو دودھ دینے سے بالکل معذور ہو تو خاوند اس کو ضرر نہ دے، یہاں عورت بالکل مجبور ہے لیکن نیند میں اگر ماں کے نیچے بچہ دب کر مر جائے تو اس میں اس کی بے احتیاطی کا دخل ضرور ہے، اس لیے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فان النائم ليس من اهل القصد اصلاً وانما وجبت الكفارة لترك التحرز عن نومه موضع يتوهم تأثراً والكفارة في قتل الخطاء انما يجب لترك التحرز۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۲ فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبہ)۔

(۴) چونکہ اسقاطِ حمل نہ قتلِ عمد ہے نہ شبہ عمدہ اور نہ فعل سببی ہے لعدم التوریت اسقاطِ حمل کے لیے دوائی کھانا اور ماں کا بچے کے ساتھ سوتا اختیار ہی ہے لیکن قتل دونوں صورتوں میں غیر اختیاری ہے لہٰذا

روپے کی شکل میں دیت کی مقدار | سوال :- قتلِ خطا کی دیت آجکل رائج کرنسی کے حساب سے کتنے روپے بنتی ہے؟

الجواب :- قتلِ خطا کی دیت سواونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے۔
کافی الہندیۃ : ومن العين الف دينار ومن الورق عشرة الاف درهم۔
الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۸۵ کتاب الدیات)۔

ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشے چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ (اوزان شرعیہ از مفتی محمد شفیعؒ ص ۱۵)

لے قال العلامة الزيلعي: كنائم انقلاب على رجل بيان لما جرى مجرى الخطاء لان هذا ليس بخطأ حقيقة لعدم قصد النائم الى شيء حتى يصير عطاء مقصود ولما وجد فعله حقيقة وجب عليه ما اتلفه كفعل الطفل۔ (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۱۰ کتاب الجنایات)

اس حساب سے چاندی کی مقدار ۳۶ سیرے چھٹانک ایک تولہ ۸ ماشے بنتی ہے اس مقدار چاندی کی مارکیٹ ریٹ میں جو قیمت بنتی ہے وہ قتلِ خطا کی دیت ہوگی۔ لے
دوش رکاندھے کی ہڈی توڑنے پر حکومت عدل کا حکم | سوال :- ایک شخص

خوب مارا جس کی وجہ سے اس کی دوش رکاندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی، مضروب نے ان آدمیوں پر دعویٰ کیا کہ مجھے ضمان دیا جائے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- صورتِ مسئلہ میں جس مضروب کے کاندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اس کے لیے تینوں ضاربین (مارنے والے) ضامن ہیں، مساوات کی رعایت ممکن نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حکومتِ عدل ہے یعنی مضروب جب علاجِ معالجہ کرانے کے بعد اچھا ہو جائے تو اس کے علاجِ معالجہ (یعنی ڈاکٹر کی فیس، ادویات وغیرہ) کا بقتنا خرچہ بنتا ہو وہ ان تینوں ضاربین سے مضروب کو دلایا جائے گا۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانی: فنقول في كسر العظام كلها حكومة عدل
 الا للسنن۔ (بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۸۸ فصل يجب فيه اُدش غير مقدس) ۲۷
صلح کے بعد اگر زخمی مر جائے تو دیت کا حکم | سوال :- دو فریقین میں لڑائی

کہا کہ چونکہ مضروب اس لڑائی میں زخمی ہوا تھا لہذا اس کی موت اسی زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔
 اور واقعی وہ اسی زخم کی وجہ سے فوت ہوا ہے، اب سوال یہ ہے کہ زخمی کرنے والے

لصقال العلامة ابوبکر الجصاص الرازی: فمن الدراهم عشرة آلاف درهم ومن الذانير
 الف دينار۔ (الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۷)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۷ ص ۲۵۴ فصل في وجوب الدية والكلام فيها۔
 قال العلامة ابن نجيم: ولا قصاص في عظم لقوله عليه الصلوة والسلام لا قصاص في
 العظم قال عمرو ابن مسعود لا قصاص في عظم الا في السن۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۳۶۷ باب القصاص في ما دون النفس)
 وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۵ ص ۳۵۴ باب القود في ما دون النفس۔

شرعاً دیت ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر یہ صلح اور معافی صرف جنایت اور زخم کی ہے اور زخمی اسی جنایت سے پیدا ہونے والے اثرات سے خاموش رہے اور اس زخم کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے تو زخمی کرنے والے اور جانی پر دیت لازم ہے اور اگر صلح زخم اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات کے بارے میں ہو تو اس کے (صلح کے) بعد اگر زخمی مر جائے تو زخم لگانے والے پر کوئی دیت نہیں ۔

لما قال الامام المرغینانی : ومن قطع يد ساجل فعقا المقطوعة يد عن القطع ثم مات من ذلك فعلى القاطع الدية في له وان عفا عن القطع وما يحدث منه ثم مات من ذلك فهو عفو عن النفس ۔ (الهدایة ج ۲ ص ۵۴۶ کتاب الجنایات) لہ

رشتہ ولادت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے | **سوال :-** نیند کی حالت میں ماں سے اگر بچہ ہلاک ہو

جائے تو عند البعض ماں پر کفارہ نہیں اس لیے کہ الدر المختار میں ہے : والقتل الموجب للقتل اول كفارة وان سقطت بحدمة الابوة على مامر ۔ (ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب الفرائض) یعنی ایسا قتل جو موجب کفارہ یا قصاص ہو تو رشتہ ولادت سے دونوں ساقط ہو جاتے ہیں ۔ بہرہانی فرما کر الدر المختار کی اس عبارت کی وضاحت فرمائی جائے ؟

الجواب :- ماں سے اگر نیند کی حالت میں بچہ ہلاک ہو جائے تو موجب کفارہ و دیت ہے کیونکہ یہ قتل خطا ہے ۔

لما قال العلامة الحسکفی : والرابع ما جرى مجراه مجرى الخطاء كنائم القلب على رجل فقتله لانه معذوم كالمنطى وموجب اى موجب هذا النوع من الفعل وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۲ کتاب الجنایات)

لما قال العلامة التمریاشی : ومن قطع فعقا عن قطعه فمات منه ضمن قاطعه الدية ولو عفا عن الجنایة او عن القطع وما يحدث منه فهو عفو عن النفس ۔ (تنویر الا بصار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۱ فصل فی القتلین) ومثله فی تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۱۸ فصل ومن قطع يد رجل ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دیت اور کفارہ دونوں کا وجوب ہے۔

الدر المختار کی مذکورہ بالا جس عبارت سے عدم قصاص اور کفارہ معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ ولادت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے کفارہ ساقط نہیں ہوتا، اس لیے کہ علی مامر سے مراد کتاب الجنایات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب الجنایات سے صرف سقوط قصاص معلوم ہوتا ہے اور دیت اور کفارہ کا وجوب، کتاب الفرائض کی عبارت سہو کا تب ہے، وجوب کفارہ کی تائید ”در مختار“ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی ہوتی ہے۔
قال العلامة المحقق رحمه الله شربیت دواء تسقط له عمدًا فان كان الولد حيًّا فمات فعليه الدية والكفارة ^{۳۴۹} رد المختار ج ۲ فصل الجنین کتاب الجنایات حالانکہ یہ نہ قتل عمد ہے اور نہ شبہ عمد۔
قتل خطاء اور شبہ عمد کے حکم میں فرق نہیں ہے بلکہ

سوال :- ایک بچے کو ٹرک
جینم کی کسی بڑی کو توڑنے پر حکومت عدل ہوگی
پر جیپ نے ٹکر ماری جس سے

اس کے پاؤں کی بڑی ٹوٹ گئی اور بدن پر زخم بھی آئے، بچہ ہسپتال میں زیر علاج ہے، تو کیا ڈرائیور پر تاوان ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس جنایت میں قصاص نہ ہو اور مقرر دیت بھی نہ ہو تو وہاں پر حکومت عدل ہوتی ہے یعنی حاکم، قاضی یا تجربہ کار ڈاکٹر متاثرہ حصہ کے ٹھیک ہونے کے بعد علاج معالجہ پر ہونے والے اخراجات کا حساب لگا کر زخمی کرنے والے سے وصول کر کے زخمی کو دلوائے جائیں گے۔ بدن کے کسی بھی حصے کی بڑی ٹوٹ جانے کی صورت میں حکومت عدل ہوتی ہے لہذا مذکورہ صورت میں بھی پاؤں کی بڑی ٹوٹنے میں حکومت عدل ہوگی۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ : فنقول فی کسر العظام کلھا

لہ لما قال العلامة الکاسانی : النائم ینقلب علی انسان فیقتله فهو القتل فی معنی قتل الخطاء من کل وجه لوجودہ لامن قصد لانه مات بشقلہ فترتب علیہ احکامہ من وجوب الکفارة والدية وحرمان الميراث والوصية - (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۱ مطلب فی معنی القتل الخطاء)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۵۶۱ کتاب الجنایات ۔

حکومتہ عدل اللسن - (بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۲۳ فصل یجب فیہ اُرش غیر مقدس) لہ

والدین کی عدم حفاظت کی وجہ سے بچہ | سوال :- ماں نے بچے کو چولہے کے
مر جائے تو موجب ضمان نہیں | پاس بٹھا رکھا تھا کہ بچہ اچانک چولہے کی
آگ کے ساتھ جل کر مر گیا، تو کیا بچے کی

والدہ پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین اگر بچے کی حفاظت سے غافل ہو گئے ہوں یا سرے سے
حفاظت ہی نہیں کی ہو جس کی وجہ سے بچہ آگ میں جل کر مر گیا یا کسی اور طریقے سے
اس کی موت واقع ہو گئی تو والدین پر یا ان میں سے کسی ایک پر کوئی ضمان نہیں، ہاں ان
دونوں کو اللہ سے توبہ استغفار کرنا چاہیئے۔

کافی الہندیۃ : وعن ابی القاسم فی الوالدین اذا المیتعاہد القبیّ حتی
سقط من سطح ومات او احترق بالنار لا شیء علیہما الا التوبۃ والاستغفار
واختیار الفقیہ ابی اللیث علی انه لا کفارة علیہما ولا علی احدہما۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۳۳۶ باب الامر بالجناية ومسائل الصبیان) ۲

کسی کے ہاتھ سے اچانک کوئی چیز گرنے سے | سوال :- ایک بچہ چارپائی
کوئی ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان ہے | پر سویا ہوا تھا اس کی والدہ نے
اس کے قریب ہی دیوار کے

طاق میں گرم دودھ یا پانی رکھا تھا، جب وہ اس کو اٹھانے لگی تو وہ گرم دودھ یا پانی

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ولا قصاص فی عظم لقوله علیہ الصلوۃ
والسلام لا قصاص فی عظم وقال عمرو ابن مسعود لا قصاص فی عظم الا
فی السن - (البحر الرائق ج ۸ ص ۳۰۶ باب القصاص فی ما دون النفس)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّمِ الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۵ ص ۳۵۲ باب القود فی ما دون النفس۔

۲ لہ قال اکامام قاضی خان رحمہ اللہ : وقال بعضهم یس علی الوالدین

شیء الا الاستغفار وهو الصمیم - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ

ج ۳ ص ۲۴۴ فصل فی اثلاث الجنین)

بچے کے اوپر گرا جس کی وجہ سے بچے کی موت واقع ہو گئی، تو کیا بچے کی ماں پر دیت اور ضمان ہے یا نہیں ؟

الجواب :- والدین سے اس طرح اگر کوئی بچہ ہلاک ہو جائے تو یہ قتل بالسبب کے حکم میں ہے، اس قتل سے قاتل کے عاقلہ پر دیت ہے اور خود اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ بچہ اس کی غلطی سے ہلاک ہوا اس لیے کہ قاتل کے ہاتھ سے گری ہوئی چیز بچے کی ہلاکت کا سبب ہے۔

قال العلامة البو بکر الكاساني رحمه الله: وكذا لك اذا كان يمشي في الطريق حاملاً سيفاً او حجراً او لبنة او خشبة فسقط من يده فقتله، لوجود معنى الخطاء فيه وحصوله على سبيل المباشرة لوصول الآلة لبشرة المقتول۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۷ مطلب قتل الذي في معنى القتل الخطاء)۔

سوال :- ایک آدمی سرکاری ملازم تھا، کام کی زیادتی کی وجہ سے دماغی عارضہ میں مبتلا ہو گیا جبکہ ڈاکٹر نے بھی

سرکاری ملازم کو دورانِ ڈیوٹی کوئی نقصان پہنچے تو حکومت پر کوئی ضمان نہیں

اس کی تصدیق کر دی ہے جس پر اسے قبل از وقت نوکری سے نکال دیا گیا، کیا حکومت پر اس ملازم کی وجہ سے کوئی ضمان ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس آدمی نے بخوشی یہ ملازمت اختیار کی تھی، اسے معلوم تھا کہ کام زیادہ ہے یا کم، اب اگر زیادہ کام کرنے کی وجہ سے اس کو کوئی دماغی نقصان پہنچا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے، اب اس آدمی کا دماغی عارضہ میں مبتلا ہو جانے سے حکومت نہ مباشر ہے نہ سبب ہے، اس لیے حکومت پر کسی قسم کا ضمان نہیں حکومت کا

قال العلامة الزيلعي: ومن حمل شيئاً في الطريق فسقط على انسان ضمن سواد تلف بالوقوع أو لعثرة به بعد الوقوع لان حمل المتاع في الطريق على رأسه أو على ظهره مباح له لكنه مقيد بشرط السلامة بمنزلة الرمي الى الهدف أو الصيد۔

(تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۶۶ باب ما يحدث الرجل في الطريق)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۳۵۱ باب ما يحدث الرجل في الطريق ۔

یہ قانون بھی ہے کہ وہ سرکاری ملازم جس کا ریٹائرمنٹ سے قبل میڈیکل بورڈ ہو جائے تو حکومت اس کو یکمشت کچھ رقم ادا کر دیتی ہے یہ حکومت کی اچھی پالیسی ہے۔
فقہاء نے یہاں ایک مثال دی ہے کہ دو آدمی رسہ کشی کر رہے ہوں اور رسی ٹوٹنے کی وجہ سے دونوں پیچھے کی جانب گر کر ہلاک ہو جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے ضامن نہیں کیونکہ دونوں کی ہلاکت ان کے اپنے فعل (زور) سے واقع ہوئی ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر الساسانی: فلما سقط على قفاه علم الله سقط بفعل نفسه وهو مده ففقد مات كل واحد منهما من فعل نفسه فلا ضمان على واحد۔

(بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲۷۳ مطلب فی المعنی القتل الخطأ) لہ

قتل کی نیت سے تلوار اٹھانے والے کے قتل کا حکم | سوال: اگر ایک شخص اپنی جماعت میں سے کسی ایک

فرد یا تمام جماعت والوں کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونت لے تو کیا اس تلوار سونتنے والے کو وہ شخص یا جماعت اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مشاہیر کا خون مباح ہے اس کو قتل کر دینے سے کوئی ضمان لازم نہیں آتا۔

وفي الهندية: ومن شمر على المسلمين سيفاً وجب قتله ولا شئاً بقتله وكذلك إذا

شمر على رجل سلاحاً فقتله أو قتل غيره دفعاً عنه فلا يجب بقتله شئ الخ

(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۱۱۱ الباب الثاني فيمن يقتل قصاصاً ومن لا يقتل) لہ

لہ قال العلامة الزيلعي رحمه الله: فان وقع على القفلا لا تجب له مادية

لان كل واحد منهما مات بقوة نفسه بتبيين الحقائق ج ۶ ص ۱۵۱ باب

جناية البهيمه

ومثله في الهندية ج ۶ ص ۸۸ کتاب الجنایات

لہ قال العلامة المحقق: (ويجب قتل من شمر سيفاً على المسلمين) یعنی

فی الحال مک انص علیہ ابن الکمال الخ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۹۱

فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبه)

ومثله في الهداية ج ۴ ص ۵۶۷ باب ما يوجب القصاص وما لا يوجب۔

کسی کی ٹانگ کی دیت | سوال :- سڑک پر ایک بچہ جا رہا تھا کہ اچانک زید نے گاڑی سے اُسے ٹکرا دی جس کی وجہ سے بچے کی ٹانگ ٹوٹ گئی، تو کیا زید پر کچھ ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب :- گاڑی کے ایکسیڈنٹ میں دیت واجب ہوتی ہے اور جب ایک ٹانگ ٹوٹ جائے تو آدھی دیت واجب ہوتی ہے تاہم یہ دیت حالاً نہیں دی جائے گی بلکہ ایک سال تک انتظار کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ دیت عاقلہ سے وصول کی جائے گی جو مسلمان حاکم اور قاضی کے بغیر کوئی اور ادا نہیں کر سکتا، موجودہ وقت میں عاقلہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپس میں صلح کر لینا بہتر ہے۔

وفي الهندية : وان كان صاحب الدابة من أكبا على الدابة والدابة تسيران وطئت بيدها أو برجلها يضمن وعلى عاقلته الدية وتلزمه الكفارة ويعزم عن الميراث۔ وقال في الهندية (ج ۱۶ الباب السابع في اعتبار حاله القتل) وفي الرجلين كمال الدية في الخطاء وفي أحدهما نصف الدية كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۶ الباب الثاني عشر في جنایة البهائم والجنایة علیها) لـ

دیت کی شرعی مقدار | سوال :- جناب مفتی صاحب! شریعت مقدسہ میں قتل کی دیت کتنی مقرر فرمائی گئی ہے؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں قتل کی دیت کی مقدار اونٹوں کے اعتبار سے سواونٹ ہے اور سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار ہے اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار دو سو ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی: والدية في الخطاء مائة من الابل اخماسا عشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون ابن مخاض

لـ قال الشيخ علاؤ الدین الحسکفی: (ضمن الراكب في طريق العامة) وطئت دابة وما اصابته بيدها أو برجلها ورأسها۔ والرجلان ففيهما الدية وفي أحدهما نصفها۔ (تنوير الألبصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۸۲ کتاب الجنایات) ومثله في كثر الدقائق ۲۶۵۔ وفيها أيضاً ۴۵۹ کتاب الجنایات۔

وعشرون حقة وعشرون جذعة وقال ومن العين الف دينار ومن الورق عشرة آلاف درهم۔ (الهداية ج ۲ ص ۵۸۲ کتاب الجنایات) لہ

قتل موجب کفر نہیں | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر قتل کو حرام سمجھتے ہوئے کرے تو قاتل کافر نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد ہو اور ایسے قاتل کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، تاہم قتل کو حلال سمجھتے ہوئے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

قال العلامة بدر الدين العيني: وعندنا ان المؤمن اذا قتل مؤمناً لا يكفر بفعله ولا يخرج به من الايمان الا ان يقتله استحللاً. رعدة القاري جلد ۱ ص ۱۸۳

لہ قال الامام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمہ اللہ: فان کان (لمقتول) ذکراً خلاف فی ان الواجب بقتله من الابل مائة۔ لقوله عليه الصلوة والسلام فی النفس المؤمنة مائة من الابل ولا خلاف ايضاً فی أنَّ الواجب من الذهب ألف دينار لما روى انه عليه الصلوة والسلام جعل دية كل ذي عهد في عهده الف دينار (وقال بعده) واما الواجب من الفضة فقد اختلف فيه قال اصحابنا رحمهم الله تعالى عشرة آلاف درهم ورنوا وزن سبعة۔ (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع ج ۲ ص ۲۵۴ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۶ ص ۱۲۶ کتاب الدیات۔

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: واعلم ان قتل النفس بغیر حق من اکبر الکبائر بعد الکفر بالله تعالیٰ وتقبل التوبة منه فان قتل مسلماً ثم مات قبل التوبة منه لا يتعم دخوله النار بل هو فی مشیئة الله تعالیٰ کسائر اصحاب الکبائر فان دخلها لم یخلد فیها الخ أما الایة فمؤولة بقتله لا یمانه أو بالاستحلال أو بان یراد بالخلو المکت الطویل۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي التفسيرات الاحمدية ص ۵ سورة البقرة۔

کسی کو زخمی کرنے پر قصاص کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دے اور زخم سے خون نکل آئے تو

اس کے قصاص کی کیا صورت ہوگی ؟

الجواب :- اگر زخم ایسا ہو کہ جس میں مماثلت ہو سکے تو اس میں قصاص واجب ہے۔
قال العلامة المرغینانی: وفي كل شجة تتحقق فيها المماثلة لقصاص انتهى
وفي العناية لقوله تعالى والجروح قصاص - الهداية ج ۴ ص ۲۶۹ باب القصاص
فيما دون النفس ۱۰

دانت توڑنے کا قصاص | سوال :- اگر کوئی شخص ضرب لگا کر کسی کا دانت توڑ دے تو ضارب سے قصاص اور دیت کا معاملہ کیسے

حل کیا جائے گا؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں اس ضارب پر قصاص واجب ہے البتہ مصالحت کے طور پر رقم کا لین دین بھی جائز ہے خواہ ہر دانت کے بدلے میں پانچ سو درہم دیا جائے یا کم و بیش دیا جائے۔

لما في الهندية: وفي السن القصاص وان كان سن من يقتص منه اكبر من سن الاخر ولا قصاص في عظم الا السن كذا في الهداية - ايضاً: وان شأ ضمنه أورش ستة خمسمائة - (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۱۲۱) الباب الرابع في القصاص
فيما دون النفس ۱۰

۱۰ قال ابوالبركات عبد الله بن احمد النسفي: وريقتص كل شجة يتحقق فيها المماثلة -
(كنز الدقائق ص ۳۹۳ باب القصاص)

و مثله في مختصر القدوري ص ۱۰۰ کتاب الجنایات -

۲ قال العلامة ابن نجيم المصري: وقال عمر وابن مسعود لا قصاص في عظم الا في السن - البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۶ وفيه ايضاً ص ۳۰۵ - وفي السراجية في السن الرجل خمسمائة وفي السن المرأة نصف ذلك -

و مثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۵۴، ۳۵۳ باب القود فيما دون النفس -

متسبب اور مباشر پر دیت | سوال :- (۱) ایک شخص ویش کا ڈرائیور ہے اور ویش وہ مشین ہے جس کے ذریعے کنوئیں سے پتھر وغیرہ نکالے جاتے ہیں،

عام معمول کے مطابق جس کنوئیں میں کام شروع تھا اس پر تین آدمی کام کر رہے تھے کہ ویش کی رسی ٹوٹ گئی اور اس کا ڈول ان تینوں آدمیوں پر گر پڑا جس سے دو آدمی زخمی اور ایک ہلاک ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس ڈرائیور کے ذمہ شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس ہلاک ہونے والے شخص کا صرف ایک رشتہ دار موقع پر موجود تھا جبکہ اصل ورثاء پاکستان میں تھے اور یہ واقعہ سعودی عرب میں پیش آیا تھا اور ہلاک ہونے والے شخص کے اس دور کے رشتہ دار کے پاس اسناد موجود نہیں تھے اس لیے اس کو پاکستان میں تصور کر کے اسناد (کاغذات) پاکستان میں بنا کر بھیجے گئے۔ تو ہلاک ہونے والے شخص کے اس رشتہ دار اور ایک شریک شخص نے جس کے ساتھ سعودی عرب کے اسناد موجود تھے ان دونوں نے سعودی عدالت میں اس ڈرائیور کو معاف کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہلاک ہونے والے کے اس رشتہ دار اور شریک کا ڈرائیور کو معاف کر دینے کے بعد اس کے اصل ورثاء یعنی والد اور بھائیوں کو دعوے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور ڈرائیور کو ان دونوں کی طرف سے معاف کر دینے سے اصل ورثاء کا حق دعوے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہلاک ہونے والا شخص اس کام کا ٹھیکیدار اور ویش کا مالک بھی خود تھا اور یہ اندوہناک واقعہ ویش کی رسی کمزور ہونے کی وجہ سے پیش آیا جبکہ ویش کا مالک رسی کی اس کمزوری سے آگاہ بھی تھا اور اس نے اس کمزوری کو دور نہ کیا۔

الجواب :- (۱) صورتِ مسئلہ میں یہ قتل (ہلاکت) اقسامِ قتل میں سے ایک قسم جارحی خطا میں داخل ہے شرعاً اس قسم کے قتل میں دیت لازم ہوتی ہے جو قاتل ادا کرے گا۔ چونکہ بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول نے خود کمزور رسی ڈرائیور کو مہیا کی تھی اور بار بار اس کمزوری سے مطلع کرنے کے باوجود لیت و لعل سے کام لیتا رہا اور اس کمزور رسی کو تبدیل نہ کیا کہ اچانک یہ حادثہ پیش آگیا۔ تو گویا مقتول خود ہی ایک گونہ اس حادثے کا ذمہ دار ہے اس لیے دیت دونوں (قاتل و مقتول) کے مابین مشترک ہوگا اور مقتول چونکہ قوت ہو چکا ہے لہذا اس کا حصہ دیت ساقط ہوا، باقی قاتل (ڈرائیور) کے

کے ذمے مقتول کے ورثاء کو نصف دیت یعنی پانچ ہزار درہم چاندی کے یا پانچ سو دینار ہونے کے یا اس کی مروجہ قیمت ادا کرنا لازم ہے، مروجہ کرنسی کا حساب کسی ماہر شمار سے لگوایا جائے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: يفرض المتسبب مع المباشر اذا كان للسبب تاثير يعمل بانفراد في الائلاف متى انفرد عن المباشر اي اذا تعادلت قوة السبب والمباشر واعتدل السبب والمباشر بان تساوى اثرهما في الفعل كان المتسبب والمباشر مسئولين معاً عن القتل كان اجتماع على قيادة دابة سائق وراكب عليها فما احدثته من تلف كان الضمان عليهما لان سوق الدابة وحده يؤدي الى التلف وان لم يكن هناك شخص راكب عليها وكذلك اذا انحس رجل الدابة بأمر راكبها يكون الضمان على الاثنين الآن الناحس بمنزلة السائق۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۲۲۸)

ثالثاً تفهمين المتسبب والمباشر معاً۔

(۲) کسی قاتل کو دیت وغیرہ معاف کرنا شرعاً مقتول کے ان ورثاء کا حق ہے جو اس کی میراث میں حصہ شرعی کے ہتھ دار ہوں کوئی دوسرا شخص ان کے اس حق میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا۔ صورت مسئلہ کے مطابق ڈرائیور کو معاف کرنے والے دونوں حضرات چونکہ مقتول کے حقیقی وارث نہیں تھے ایک تو مقتول کا دُور کا رشتہ دار تھا اور دوسرے کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا جبکہ مقتول کے اصل وارث یعنی اس کا باپ زندہ تھا اسلئے ان ہر دو حضرات کی معافی بلا اذن باپ صحیح نہیں اور نہ اس سے ڈرائیور کے ذمے سے دیت ساقط ہوتی ہے لہذا قاتل اپنا حصہ دیت مقتول کے باپ یا اسکے دیگر شرعی ورثاء کو ادا کرے گا تاہم اگر وہ دیت معاف کریں تو پھر اس صورت میں ڈرائیور کے ذمے سے دیت ساقط ہوگی۔

لما قال العلامة الحصكفي: ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا اذنه ولا ولايته إلا

في مسائل الخ۔ (الدر المختار علیٰ ما مشرد المختار جلد ۵ ص ۱۴ کتاب الغصب)

وقال العلامة وهبة الزحيلي: ومن لا حوله في العفو هو الاجنبي غير الوارث عند الجمهور وغير

صاحب المالكية وكذا الاب والجد في قصاص للصغير عند المالكية والحنفية لان الصغير هو

صاحب الحق والابيه وحده ولاية الاستيفاء فقط۔ (الفقه الاسلامي وادلته جلد ۶ ص ۲۸۸ شروط العفو)

اُجرتی قاتل سے قصاص لینے کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت پاکستان کے قانون

کے متعلق کہ جس شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی شخص کو پیسوں کے ذریعے یعنی اُجرتی قاتل سے قتل کرایا ہے تو اس کی سزا بھی قاتل کے برابر ہے یعنی اس کو بھی قصاصاً قتل کیا جاوے گا۔ شریعت مقدسہ میں اُجرت پر کسی کو قتل کروانے والے کیلئے کیا حکم ہے؟
الجواب :- صورتِ مسئلہ میں ضابطہ کے مطابق قصاص اُجیر پر آتا ہے مستأجر پر نہیں آتا، البتہ مستأجر کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولو قال اُقتل ابی فقتله كان علی القاتل دية لا ینہ۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۱۱ کتاب الجنایات۔ فصل فیمن یقتل قصاصاً وفیم لا یقتل) لہ

سوال :- جناب مفتی صاحب! مقتول کے ورثاء کے ذریعے قصاص کے اجراء کی شرعی حیثیت

امارت اسلامی افغانستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے جب قصاص لیا جاتا ہے تو بعض اوقات قاضی مقتول کے وارث کو اسلحہ دے کر اپنی موجودگی میں قصاص کا اجراء کراتا ہے، کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- حدود و قصاص کا اجراء حاکم وقت کی ذمہ داری ہے، البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ حدود کا اجراء صرف حاکم وقت بلا واسطہ کرے گا، بخلاف قصاص کے کہ حاکم کی موجودگی میں اس کی اجازت پر مقتول کے وارث سے بھی اس کا اجراء کرایا

لہ وفي الہندیۃ: وفي جنایات المنتقی قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی رجل قَطَطَ رجلاً فطرحہ قد ام سببع فقتله السبع لم یکن علی الذی فعل ذلک قودٌ ولا دية لکنہ یعزرو ینصرب ویجس حتی یموت الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۶۱۱ کتاب الجنایات۔ الفصل الثانی فیمن یقتل قصاصاً وفیم لا یقتل)

وَمِثْلُهُ فِي دُرِّ الْحُكَّامِ شَرْحَ مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ ج ۱ ص ۹۱ الماحۃ ۸۹-۹۰۔

جاسکتا ہے، اور اگر اس طرح قصاص کا اجراء کرنے سے بعد میں فریقین میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو اس کا اجراء بھی قاضی خود کراٹے تاکہ کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: استيفاء الحدود يكون بواسطة الامام الحاكم واما القصاص فيجوز لولي الدم استيفاؤه بشرط وجود الامام۔

والفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۴ الفرق بين القصاص والحدود الاخرى

قصاص کے اجراء سے گناہ کے ختم ہونے کا حکم | سوال :- اگر کسی قاتل سے شریعت کے مطابق قصاص لیا جائے تو کیا اس سے

قاتل کا یہ گناہ معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ یا توبہ و استغفار کرتا بھی لازمی ہے کہ بدون اس کے معاف نہ ہوگا؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب سے مستفید فرمائیں۔

الجواب :- کسی شخص کو قتل کرنے سے دو قسم کے حق قاتل کے ذمے ہوتے ہیں ایک

حق العبد یعنی مقتول کے ورثاء کا حق جو کہ قصاص لینے سے پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا حق۔ تو حنفیہ شر اللہ سواد ہم کی اس بارے میں رائے یہ ہے کہ قصاص لینے یا مقتول کے ورثاء کے معاف کر دینے سے اگرچہ حق العبد ادا ہوا لیکن اللہ کے حق کی ادائیگی کا کفارہ نہ ہو سکا بلکہ اس کے لیے توبہ و استغفار ضروری ہے، اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک حدود زواجر ہیں جو ابر نہیں، البتہ جمہور علماء کے نزدیک حدود چونکہ جوابر کفارات ہیں اس لیے ان کے ہاں قصاص اور عفو سے بھی یہ گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: اختلف العلماء في امرة بما اختلفوا في الحدود

هل هي زواجر ام جوابر؟ قال الجمهور القصاص من القاتل او العفو عنه يكفر

اثم القتل لان الحدود كفارات لاهلها وهذا عام لم يختص قتل من غيره۔

قال النووي: ظواهر الشرع تقتضي سقوط المطالبة بالعقوبة في الآخرة۔

قال الحنفية: القصاص او العفو لا يكفر اثم القتل لان المقتول المظلوم لا منفعة

له في القصاص وانما القصاص منفعة للاحياء ليتناهي الناس عن القتل

وكم في القصاص حيوة۔ (الآية) (الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۴ هل القصاص يكفر اثم القتل)

قاضی کا اپنے علم پر قصاص کے اجراء کا حکم دینا | سوال :- ہمارے علاقے میں ایک شخص

بڑا ظالم اور بد معاش ہے، لوگوں کے

عزت و آبرو اور جان و مال کو ہر وقت اس سے خطرہ رہتا ہے، اور اس نے علی الاعلان کئی قتل بھی کیے ہیں جس کا جج (قاضی) صاحب کو بھی خوب علم ہے جبکہ لوگ اس کے ڈر اور خوف کے مارے اس کے خلاف عدالت میں گواہی دینے کو بھی تیار نہیں۔ تو کیا جج اپنی معلومات کے حوالے سے اس کو قصاصاً قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- حنفیہ کے ہاں اس مسئلہ میں دو قسم کی آراء ہیں۔ (۱) متقدمین احناف کے نزدیک قاضی یا جج اپنے علم کے مطابق قصاص لے سکتا ہے (۲) جبکہ متاخرین احناف عدم اجازت کے قائل ہیں کہ قاضی اپنی معلومات کے مطابق قصاص جاری نہیں کر سکتا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: يجوز القضاء بعلمه في القصاص دون الحدود۔
قال ابن عابدین، تحته مبنی علی ان القاضی یقضی بعلمه في غير الحدود والفتویٰ
اليوم علی عدم جواز القضاء بعلمه مطلقاً۔ (رد المحتار والدر المختار ج ۶ کتاب الجنایات)۔
حالت نشہ میں قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا حکم | سوال:- اگر کوئی آدمی نشہ

فرق نہ کر سکتا ہو اور نہ ہی اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کی تمیز رہتی ہو، اب اگر وہ اسی حالت میں غیر اختیاری طور پر کسی کو قتل کر دیتا ہے تو کیا شرعاً اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- قاتل سے قصاص لینا مقتول کے ورثاء کا شرعی حق ہے اور وہ بالاتفاق مذاہب اربعہ سکران (نشہ والے) سے ساقط نہیں ہوتا، اس لیے صورتِ مسئلہ کے مطابق قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ قرآن و سنت کے حکم کا مخاطب ہونے کیلئے نشہ مانع شرعی نہیں۔
لما قال العلامة وهبة الزحيلي: القصاص من السكران ولتقص من السكران

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: يجوز للقاضي القضاء بعلمه الشخصي في القصاص دون الحدود وهذا عند متقدمي الحنفية وافتى المتأخرون بعدم القضاء بالعلم مطلقاً سداً للذريعة اما قضاء السوء سواء في القصاص والحدود دام في الاموال وغيرها۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۴ الفرق بين القصاص والحدود الاخرى)

بشراب محرم باتفاق مذاہب الاسرعة لان السكر لا ينافي الخطاب الشرعي
اي التكليف فتلزمه كل احكام الشرع وتصح عبارته كلها في العقود كالبيع - الخ
والفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۵ شروط القتال) له

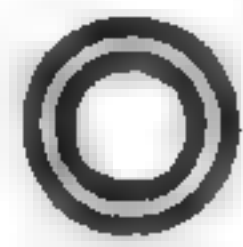
مقدار دیت سے کم مال پر صلح کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہم چند ساتھی مل کر

قتل کے سلسلہ میں دو گروپوں کی آپس کی دشمنی کو ختم کرنے
کی کوشش کر رہے ہیں اور فریقین بھی صلح پر آمادہ ہیں، اب اگر ہم مقدار دیت سے کم مال پر

فیصلہ کریں اور مقتول کے ورثاء اس پر راضی ہو جائیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟
الجواب :- قتل عمد سے صلح کرنے کی صورت میں دیت کی مقدار کی پابندی ضروری
نہیں ہے بلکہ جتنی مقدار مال پر فریقین راضی ہو جائیں اور صلح کر لیں تو قاتل پر مقتول کے ورثاء

کو اتنی مقدار میں مال ادا کرنا لازم ہو گا چاہے وہ مال مقدار دیت سے کم ہو یا زیادہ۔
قال العلامة الحصكفي: وصح في الجناية العمد مطلقاً ولو في نفس مع اقرار بالكثر
من الديّة والأرثش أو باقل لعدم الرئو۔ وقال العلامة ابن عابدين: تحت
(قوله لعدم الرئو) لان الواجب فيه القصاص وهو ليس به مال۔

(مراد المختار علی الدر المختار ج ۴ ص ۵۳۲ کتاب الدیات) له



له لما قال العلامة علاؤ الدین الحصكفي رحمه الله: يجب القود اى القصاص
بقتل كُـلِّ محقون الدم بالنظر لقاتله در..... بشرط كون
القاتل مكلفاً لما تقرر أنه ليس لصبي ومجنون عمد۔

{ الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ ص ۵۳۲ }
{ کتاب الجنایات فصل فیما یوجب القود الخ }

له لما قال العلامة وهبة الزحيلي: يجوز الاعتياض في القصاص بخلاف
الحدود ومنها حد القذف واجاز الشافعية المعاوضة فيه۔

{ الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۲ }
{ الفرق بين القصاص والحدود الاخرى }

مسودہ آرڈیننس نفاذ قصاص و دیت

مجربہ ۱۹۸۰ء

== اور ==

دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و تراجم

حکومت پاکستان نے نمبر ۳ (۲۲) (۲۲) آر.سے، آف آف مجربہ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۰ء کے تحت جرائم خلاف جسم انسانی (نفاذ قصاص و دیت آرڈیننس) ۱۹۸۰ء کا مسودہ قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس مسودہ کو دارالعلوم حقانیہ کے تجاویز اور اصلاحی ترمیمات کے لئے بھیجا، چنانچہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحب، نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمن صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے رائے نامے، مشورہ اور موجودگی میں اس مسودہ پر اندوئے فقہ و شریعت نظر ثانی کے اور جہات جہات قابل اصلاح چیز نظر آئے اس کے اصلاح کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کے خدمت میں ارسال کیا، اور قانون قصاص و دیت میں کل ۹ سفارشات پیش کی گئیں۔ (مرتب)

بخدمت اقدس جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے مرسلہ مسودہ آرڈیننس جرائم خلاف جسم انسانی (نفاذ قصاص و دیت آرڈیننس ۱۹۸۰ء) پر تفصیلی غور کیا گیا، چونکہ بعض دفعات ایسی تھیں جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً تھا اور ان کا تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا ہے، تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے

اور ہم ان کے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے فی الوقت جواب دینے سے قاصر ہیں، جیسا کہ دفعہ ۲ (۱۰۵) الف (ب، ج) (۱۰۶) ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۱، (۱۲) ۱۲۱ (۱۲) ۲ تعزیرات پاکستان سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر دفعات کے متعلق تجاویز اور ترامیم پیش خدمت ہیں۔

(۱) اس مسودہ میں تقریباً ۳۰ مقامات ایسے ہیں جہاں قید محض یا قید با مشقت کو مختلف نسلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یا بعض مقامات پر مختلف تعداد میں کوڑوں کی سزا بیان کی گئی ہے، تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ تمام سزائیں جو بیان کی گئی ہیں ان کے ساتھ ساتھ یہ تصریح ضروری کرتی چاہیئے کہ یہ سزائیں محض تعزیرات ہیں جو حکومت کی سیاسی مصلحتوں پر مبنی ہیں ورنہ یہ سزائیں شرعی نہیں ہیں جو کسی خاص نص کے تحت آتی ہوں، البتہ کوڑوں کی سزا کا جن مقامات پر ذکر ہے تو چونکہ یہ غیر منصوص سزاؤں میں ایک شدید ترین سزا ہے لہذا اس کے نفاذ میں نہایت احتیاط چاہیئے اور بصورت تعزیر دفع فساد کیلئے بعض مواقع پر اس کا اجرا کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کے لیے عبرت بنے لیکن اس کو کلیہ نہ بنایا جائے۔

مسودہ کے مندرجہ ذیل مقامات پر یہ سزائیں مذکور ہیں۔ دفعہ (۵) شق ب، ج۔ دفعہ ۱۶، دفعہ ۲ ب، دفعہ ۲۳ ب، دفعہ ۳۵، الف، ب، دفعہ ۳۷، الف، ب۔ دفعہ ۳۹، دفعہ ۴۳ ب، ج۔ دفعہ ۴۵ ب، دفعہ ۴۷ ب، دفعہ ۴۸، دفعہ ۵۱ ب، دفعہ ۵۸، دفعہ ۵۹، دفعہ ۶۰، دفعہ ۶۲ دفعہ ۶۳، ۶۴، ۶۸، ۷۰، ۷۱، دفعہ ۷۱ ب، ۸۱-۸۲ الف، ۹۰-۹۱-۹۲ ج، دفعہ ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۹-۱۱۱۔

(۲) چونکہ یہ آرڈیننس نفاذ قصاص و دیت سے تعلق رکھتا ہے اور شریعت میں قصاص و دیت کے قانون کو حفاظتِ نفس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرمایا ہے، لہذا اس میں حفاظتِ نفس کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے تاکہ مبادا کسی طریقہ سے مظلوم و رشاہ کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ لہذا قاتلوں کا پورا پورا محاسبہ ہونا چاہیئے، اور جو لوگ قاتلوں کی حمایت کرتے ہیں یا ان کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں اُن کے لیے بھی از روئے مصلحت کوئی تعزیری قانون مقرر کیا جائے، اگرچہ پناہ دینے والے ایک قوم، ایک قبیلہ یا ایک خاص علاقہ یا حکومت کے بعض افراد ہی کیوں نہ ہوں، اور نیز اُن علاقوں میں بھی قاتلوں کو گرفتار کرنا چاہیئے جو علاقے پولیٹیکل ایجنٹ کے زیرِ نگرانی ہوں جہاں قاتل مفرور ہو کر پناہ لے لیتا ہے۔

(۳) اس مسودہ کے صفحہ ۲ پر دفعہ ۲ کی شق (ج) میں جہاں بالغ کی تعریف کی گئی ہے اس میں کچھ اضافہ ضروری ہے اور یہ تعریف یوں ہونی چاہیے کہ:-
 ”بالغ سے مراد ہر وہ مرد و زن ہے جس پر علامات بلوغ ظاہر ہوئی ہوں مثلاً اقبال، حمل یا موٹے زیر ناف کا ہونا۔ اور یا عورت سترہ سال اور مرد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو۔“

مذکورہ دونوں صورتوں میں سے ہر اس صورت کو اعتبار دیا جائے گا جو صورت پہلے وقوع پذیر ہو۔

(۴) صفحہ ۲ دفعہ ۲ کی تشریح میں جہاں گلا گھونٹنے کی صورت کو قتل عمد کی صورتوں میں شمار کیا گیا ہے وہاں یہ تصریح کرنی ضروری ہے کہ اس گلا گھونٹنے کی صورت میں قاتل کو قتل کرنا حد نہیں ہوگا بلکہ سیاست ہوگا۔

ولو خنق رجلاً لا یقتل الا اذا كان الرجل خناقاً معروفاً خنق غیر واحد
 فیقتل سیاستاً۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات، الباب الثالث) لکھ
 (ترجمہ) ”اور اگر کسی کا گلا گھونٹا گیا تو اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر قاتل مشہور گلا گھونٹنے
 والا ہو جس نے اس کے علاوہ اور لوگوں کے گلے بھی گھونٹے ہوں تو پھر اس کو از روئے
 مصلحت سیاست قتل کیا جائے گا۔“

۱۔ سرکاری مسودہ میں بالغ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو شخص ۱۸ سال یا بلوغت کی عمر کو پہنچ چکا ہو الخ۔
 ۲۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، صاحبین کے نزدیک ہر دونوں کے لیے پندرہ سال تک پہنچنا عمر بلوغت ہے۔

۳۔ یعنی گلا گھونٹنے اور مطلق زہر پلانے کو قتل عمد کہنا صحیح نہیں ہے، البتہ بعض صورتوں میں ایسے شخص کو تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ شرعی اصلاحات حد اور تعزیر کو بدلنا اور غلط کرنا مستقبل میں بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

۴۔ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولو خنق رجلاً لا یقتل الا اذا كان الرجل خناقاً معروفاً خنق غیر واحد فیقتل سیاستاً۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴ کتاب الجنایات، باب القتل)

(۵) مذکورہ بالا صفحہ ۴ دفعہ ۴ کی مذکورہ شق میں زہر دلانے کی صورت میں جو قتل عمد میں شمار کیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ واضح کرنا چاہیئے۔

”کہ اس سے زہر دلانا مراد ہے جسے پلانے والے نے زور اور جبر کے بالا کراہ پلایا ہو تو پھر اس میں قصاص اور دیت دونوں نہیں ہیں، البتہ حکومت اس صورت میں بھی دفع فساد کے لیے از روئے مصلحت سیاست تعزیر دے سکتی ہے۔“
 جیسا کہ عالمگیری میں اس کی تشریح موجود ہے۔

واذا ناوله فشرّب من غير ان اكرهه عليه لم يكن عليه قصاص ولا دية سواء علم الشارب بكونه سماً او لم يعلم۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات الباب الثانی)

(ترجمہ) ”اور جب کسی کو زہر دے کر بغیر کسی زور اور جبر کے پلایا ہو تو اس صورت میں اس پر قصاص اور دیت دونوں واجب نہیں ہیں اگرچہ پینے والے کو اس کے زہر ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔“
 صفحہ ۱۲ دفعہ ۱۲ میں قاتل کو بصورت عفو یا صلح کے بعد تعزیراً قتل کرنے میں تہایت ہی اختیار کرنی چاہیئے تاکہ غیر اسلامی قوانین بالخصوص یہودیت سے امتیاز ہو۔

(۶) صفحہ ۱ دفعہ ۲۸ میں قتل کی صورت میں قاتل کو وراثت سے محرومی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ یہ قتل عمد، شبہ عمد، خطا، جارحی خطا کی صورت میں ہے یعنی ان چار صورتوں کے قتل کی صورت میں قاتل مقتول کی وصیت یا حق وراثت سے محروم رہے گا اور قتل بسبب کی صورت میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں رہے گا، جیسا کہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ کسی دوسرے کی جگہ میں کنواں کھودا اور کوئی شخص اس کنوئیں میں گمر کر ہلاک ہو گیا تو اس کو قتل بسبب کہا جائے گا جس میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ الہندیہ)

واما القتل بسبب فمثل حضرات البیرو وضع الحجر فی غیر ملکہ وموجبہ اذا تلف بہ ادمی الدیۃ علی العاقلۃ ولا یتعلق بہ الکفارة ولا حرمان المیراث عندنا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات۔ الباب الاقل)

(ترجمہ) ”اور قتل بسبب جیسا کہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ میں کنواں کھودا یا کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ کوئی پتھر رکھا اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک،

- ہو گیا تو اس میں بصورت ہلاکت انسان قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور ہمارے مذہب میں اس میں کفارہ اور وراثت سے محرومی نہیں ہے۔“
- (۷) صفحہ ۲۶ دفعہ ۱۱۳ میں سزائے موت کی توثیق کا اختیار جس عدالت مرافعہ کو دیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ضرور کرنی چاہیے کہ بشرطیکہ اس عدالت مرافعہ کا فیصلہ بھی شرعی ہو۔“
- (۸) صفحہ ۲۸ دفعہ ۱۲۳ کے آخر میں یہ اضافہ کرنا چاہیے: ”نیز خاص اور معتد علیہ اداروں اور اہل حل و عقد سے بھی رائے طلب کرنی چاہیے۔“
- (۹) مذکورہ دفعات میں جہاں جرم مانہ کا ذکر آیا ہے وہاں جرم مانے سے مراد تعزیر یا ضرب یا بائیس مراد ہونہ کہ تعزیر بالمال، یہ موجودہ مروجہ جرم مانہ ایک غیر شرعی امر ہے۔
-

مسودہ قانون نیت وقصاص کے بعض زیر بحث نکات

وہی تو ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں کہ جنہ کو دینے میں جتنی دیر سے
 کاڑا شوق ہوتا ہے اور وہ ہر مسئلے میں چاہے وہ دینے ہو یا دنیاوی
 ایک جدت پیدا کرنے کے نام نہاد کوششیں میں لگے رہتے ہیں۔ دنیاوی امور
 میں تو ایسا کرنا ممکن ہے مگر دینے امور اور ان کے مسائل میں اپنے ذہنی
 ساخت کو داخل کر کے اسلام کے مسلمہ اصولوں کو پامال کرنا کسی بھی دور
 کے علماء حق اور مفتیان کرام نے گوارا نہیں کیا اور جب بھی کسی مغرب زدہ
 اور مفسد خیال شخص نے اسلام کو انیت پر تلم اٹھا کر بزعم خود ان میں
 جدت پیدا کرنے کے کوششیں کیں تو انے محافظین نے دینے نے ایسے لوگوں
 کا بھرپور تعاقب کیا اور ان کے ہر ایک نقطے کا دندانے شکن جواب دیا۔
 اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جب دیت وقصاص آرڈیننس نافذ
 ہوا تو اسے ”روشن خیال“ طبقہ نے اسے آرڈیننس کے مسلمہ نکات کو اپنے مذموم
 مقاصد کے حصول کے لئے رسائل و جرائد اخبارات میں مشقے سخن بتایا۔
 روزنامہ ”شرق“ میں نام نہاد ”محقق“ اور ”سکالر“ نے انے مسلمہ اور طرہ
 نکات پر سوالات اٹھائے۔ جامعہ حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی
 غلام الرحمن صاحب نے اسے ”محقق“ کا بھرپور تعاقب کیا اور قرآن و سنت
 کے روشنی میں اس کے ہر سوال کا مدلل جواب دیا جو اسے وقت دارالعلوم
 کے ترجمانے ماہنامہ الحق میں شائع بھیجے ہوا ہے اب افادہ عام کے لئے
 فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)۔

مسودہ قانون دیت قصاص کے بعض زیر بحث نکات

عورت، غیر مسلم اور نابالغ کی شہادت

روزنامہ مشرق مؤرخہ میں کسی ایڈوکیٹ کا مضمون بعنوان ”دیت اور قصاص کے مسودہ قانون کا جائزہ، قصاص سے مستثنیٰ قاتل“ نظر سے گذرا، مضمون کے عنوان سے بظاہر مضمون نگار کا اخلاص مترشح ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک خالی اور بے معنی بلکہ مفسد اخلاص ہے، مضمون نگار کی اکثر باتیں قرآن و حدیث سے لاتعلقی پر مبنی ہیں کیونکہ صاحب مضمون ہر جگہ اپنی رائے سے قرآن و حدیث کو متصادم کر کے اپنی عقلی توجہات کو ترجیح دیتے ہیں، مثلاً صاحب مضمون لکھتے ہیں:۔۔۔ ”اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنت ہے، تمام قوانین حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنت کی روشنی میں تشکیل دیئے جانے ضروری ہیں، اجتہاد ہی کے ذریعہ سابقہ فقہاء کی رائے سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ سابقہ فقہاء نے اپنے وقت اور حالات کے تحت قرآن و سنت کی روشنی میں کسی مسئلہ پر رائے دی تھی، چونکہ وہ حالات اب نہیں رہے اس لیے ان حالات کے تحت قائم شدہ رائے بھی بدلی جاسکتی ہے، موجودہ مجوزہ مسودہ قصاص و دیت میں سابقہ فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن حالات کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے ہیں۔۔۔“

صاحب مضمون کے مذکورہ جملے اس بات پر دال ہیں کہ ائمہ کرام جو اپنے اپنے زمانوں میں محنت و مشقت کر کے لاکھوں مسائل مستنبط کر گئے ہیں، یہ مسائل موجودہ حالات کے تقاضوں کے موافق نہیں ہیں، چند امور چھوڑ کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر کوئی نئے طریقہ اختیار کرنے چاہئیں معلوم نہیں کہ مضمون نگار کس مسئلہ سے تعلق رکھتے ہیں، اگر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک مسئلہ سے وابستہ ہوں تو پھر ان کا یہ نظریہ اور رائے غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر اس نظریہ پر عمل کیا جائے تو پھر ائمہ مجتہدین کے ان تمام مسائل کو پس پشت ڈالنا ہوگا جن کے لیے ائمہ کرام نے سالہا سال تک رات دن ایک کر کے محنت کی ہے اور پھر بھی احادیث اور نصوص قرآنیہ سے مسائل کا استنباط کرنا بھی کامیاب نہ ہو تو درکنار خواص کو بھی حاصل نہیں ہے، لہذا اس فساد و شر کے دور میں ائمہ کرام کی تقلید کے علاوہ کامیابی کا

اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے بلکہ ہم جیسے لاعلموں کے لیے تقلید شخصی واجب ہے، چونکہ تقلید کا موضوع خود ایک مستقل موضوع ہے جس پر مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے صرف سید الطائف مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک دواشاد تقلید سے متعلق نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة وتبع التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالانقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان يأخذ كل طبقة ممن قبلها بالاتصال -

(عقد الجہد فی الاجتہاد والتقلید ص ۳۶ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کا حکم) ترجمہ ”بیشک تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے سمجھنے میں اسلاف ہی پر اعتماد کرنا ہوگا، تابعین نے صحابہ پر اعتماد کے دین کو بیا ہے اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے اور ایسا ہی ہر دور کے علماء نے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دین پر عمل کیا ہے، اور عقلاً بھی یہ ایک اچھی بات ہے کیونکہ شریعت کا دار و مدار نقل پر ہے اور نقل مسوائے اس اتباع اسلاف (تقلید) کے اور کسی طریقہ پر ممکن نہیں“ اور چند صفحات آگے چل کر حضرت شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں :-

وبما اندر است المذاهب الحق الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم - (عقد الجہد فی الاجتہاد والتقلید ص ۳۸ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے ترئے کا حکم) ترجمہ ”اور جو تحقیقی صدی (ہجری) میں ماسوائے ان مذاہب اربعہ کے اور کوئی حق مذہب نہ رہا تو ان مذاہب کی تقلید اجماع امت اور تقلید نہ کرنا مخالف اجماع امت ہے“

لہذا اگر کرام نے جو مسائل مستنبط کئے ہیں وہ آج بھی حالات کے موافق اور مناسب ہیں، اگر کوئی حکم بظاہر نا موافق معلوم ہوتا ہو تو یہ ہمارے ہی فہم کا قصور ہوگا نفس الامر میں یوں نہیں ہوگا۔ تاہم اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حکم فقہ کی کسی کتاب میں موجود نہ ہو تو پھر مستند علماء اور با اعتماد صاحب علم حضرات ایسے جزئیات کا حکم باہم مشورہ کر کے قرآن و حدیث اور فقہ کے ان اصولوں کے مطابق نکال سکتے ہیں جن اصولوں پر فقہ کا دار و مدار ہے، لیکن ان حضرات کے لیے بھی خاص شروط ہیں جو کتب فقہ میں موجود ہیں۔ ”تھون کا مسئلہ اور آنکھ کی تبدیلی“ پر ”مجلس تحقیق مسائل طہرہ“ کا بحث و تحقیق کے بعد انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے نام سے رسالہ جاری کرنا اس کا بین ثبوت ہے۔

لیکن قصاص و دیت یا اس کے علاوہ اور اس جیسے مسائل جن کا حکم صرف ایک کتاب میں نہیں بلکہ تمام کتب فقہ میں موجود ہیں تو پھر اس کے باوجود ان کو چھوڑ کر نئے رستے تلاش کرنا کہاں انصاف ہے بلکہ ماسوائے تصبیح اوقات اور باعث اقلال و تضلیل کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مذکورہ نام نہاد دانشور صاحب اپنے خود ساختہ نظریہ اجتہاد کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ:۔
”مثلاً مجوزہ آرڈیننس میں قتل عمد کے ثبوت کے لیے عورت کی گواہی اور معصوم بچے کی گواہی کو قابل قبول نہیں سمجھا گیا ہے، دفعہ ۱۸ میں قتل عمد کے ثبوت کے لیے دو بالغ مردوں کی گواہی کو ہی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اب فقہاء کے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا قرآن و سنت میں عورت اور نابالغ کی گواہی کی ممانعت کر دی گئی ہے، قرآن و حدیث میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔“
صاحب مضمون کی یہ تجویز نفاذ شریعت کے لیے معاون نہیں بلکہ مبطل ضرور ہے کیونکہ یہ سراسر اسلام کے خلاف ہے بلکہ حقیقت میں اسلام کی بیخ کنی ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم کہ بامن ہرچہ کرداں آشنا کرد
شاید صاحب مضمون کو اس حدیث اور آیت کریمہ کا علم نہیں جو حدود اور قصاص میں صرف بالغ مردوں کی گواہی کے متعلق وارد ہے، لیکن ان کے عدم علم کی وجہ سے آیت اور حدیث کا عدم وجود لازم نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں یہ پابندی ہے کہ قتل کے امور میں صرف اور صرف ۲ بالغ مردوں ہی کی گواہی قابل قبول ہے عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ چنانچہ علامہ زلیعیؒ فرماتے ہیں:۔
لحدیث الزہری مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفين من بعده ان لا شهادة للنساء في الحدود والقصاص۔ وقال الله تعالى واستشهدوا شہیدین

من رجالکم۔ (تبیین الحقائق ج ۴ ص ۲۰۸ کتاب الشہادۃ)
(ترجمہ) ”حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر خلفائے راشدینؓ میں سے شیخینؓ کے دور تک کسی نے حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ تم دو مردوں کو گواہی کے لیے پیش کرو۔“
اور آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:۔

ولان شهادة النساء فيها شبهة البدلية لان كل اثنين منهن قاتبة مقام رجل
فلا يقبل فيما يندمأ بالشبهة۔ (تبیین الحقائق ج ۴ ص ۲۰۸ کتاب الشہادۃ)

(ترجمہ) ”اور چونکہ دو عورتوں کا ایک مرد کے قائم مقام ہو کر گواہی دینے کی وجہ سے شبہ بدلیت ہے لہذا حد و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔“

اب صاحب مضمون خود غور کریں کہ کیا عورت کی گواہی پر شریعت مقدسہ میں کوئی پابندی ہے یا نہیں؟ موصوف ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

”اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی قتل کو ایک بچہ نے جو کہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے، اپنی آنکھوں سے خود دیکھتا ہے وہی اکیلا اس قتل کا گواہ ہے باقی گواہ چشم دید نہیں ہیں بلکہ بچہ ہی واقعی گواہ ہے تو اس بچے کی گواہی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے، جبکہ فطرتاً ایک بچہ جھوٹ بھی کم بولتا ہے، اسے جھوٹ پڑھایا بھی نہیں جاسکتا، وہ قاتل کو بھی پہچانتا ہے اور آئے قتل کو بھی پہچانتا ہے، اپنی زبان سے پورا واقعہ قتل بتا سکتا ہے، تو پھر اس کی گواہی کو نظر انداز کر دینا انصاف کے تقاضوں کے متافی ہے۔“

واضح ہو کہ ایسے واقعات میں بچے کی گواہی کو اعتبار دینا عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ نقلاً تو اس لیے کہ قرآن مجید نے گواہی دینے کے لیے رَجُلَيْنِ کا لفظ استعمال کیا ہے اور قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے بچے کی گواہی کا ناقابل قبول ہونا صریح ہے کیونکہ بچے کو مرہل نہیں کہا جاسکتا اور نہ اردو زبان میں بچے کو مرد کہا جاتا ہے، اور عقلاً بھی باطل ہے۔

(۱) فقہار نے بالاتفاق گواہی کی ادائیگی کے وقت گواہ کا بالغ ہونا شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولا تقبل شهادة المملوك والصبي لانها من الولاية ولا ولاية لهما على انفسهما
فالاولى ان لا يكون لهما على غيرهما ولاية۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۶۷ کتاب الشهادة)

(ترجمہ) ”غلام اور نابالغ کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ گواہی ایک طاقت کا استعمال ہے یہ دونوں عاجز ہو کر غیر پر کیا طاقت استعمال کریں گے۔“

(۲) یہ مسلمات میں سے ہے کہ گواہی کے لیے عقل کامل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاگل کی گواہی قابل قبول نہیں ہے، لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا نابالغ بچے کی گواہی درست ہے یا نہیں؟ تو یہ ظاہر ہے کہ بچہ کم عقل اور کم ہوشیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ نابالغی کی عمر میں اپنے مستقبل کی کامیابی کو نہیں سمجھتا، بلکہ ایسے بچے کو والدین یا کسی دوسرے سرپرست کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ایک بچہ اس حیثیت سے کسی ایسے واقعہ کو کہاں من وعن یاد رکھ سکتا ہے اور پھر

ان حالات میں گواہی کا مکمل اظہار بھی نہیں کر سکتا، اس لیے بچے کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔
(۳) اور اگر بالفرض ایک نابالغ رط کا کسی گواہی کو زبانی یاد کر بھی لے تو عدالت یا کسی مجاز افسر کے سامنے اس کے رعب و جلال اور ہیبت کی وجہ سے مکمل گواہی نہیں سنا سکتا۔

(۴) نابالغ کی قوت ارادی مضبوط نہیں ہوتی اس لیے ڈرانے دھمکانے پر بچہ آسانی سے اپنی گواہی سے منحرف بھی ہو سکتا ہے، حقیقت کو غیر حقیقت اور غیر حقیقت کو حقیقت میں تبدیل کر سکتا ہے، بخلاف بالغ آدمی کے جو اپنی قوت ارادی پر مضبوطی سے ڈٹ سکتا ہے، گواہی درست اور صحیح نقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر ایک نابالغ کی گواہی پر عمل کیا جائے تو واللہ علم کتنے مفاسد کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی۔

صاحب مضمون آگے چل کر لکھتے ہیں :-

— ”غیر مسلم کی گواہی کو نظر انداز کر دینا بھی اسلام کی روح کے خلاف ہے۔“
تو واضح ہو کہ غیر مسلم کی گواہی غیر مسلم پر درست ہے، جیسا کہ خود مذکورہ مسودہ آئین کی دفعہ ۱۱ کی شق (ب) میں کہا گیا ہے۔ اس لیے غیر مسلم کی گواہی مسلمان پر درست نہیں ہے اور یہ اسلام کی روح انصاف کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وقيد بقوله على مثله لانها لا تقبل على مسلم ولا ية ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (المحرر لائق ج ۶ ص ۹۲ کتاب الشہادۃ)
(ترجمہ) ”یعنی غیر مسلم کی گواہی غیر مسلم پر درست ہے لیکن غیر مسلم کی مسلمان پر گواہی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا۔“
اور نیز کفار چونکہ فطرتاً اسلام سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور وہ اپنے اسی بغض و عناد کی وجہ سے اسلام کے ماننے والوں پر نہ جانے کیا کیا جھوٹی گواہی دیں گے جو حقیقت میں اصلاً معاشہ کے لیے ایک تباہ کن چیز بن جائے گی۔

صاحب مضمون مزید لکھتے ہیں :-

— ”دس سال کی عمر سے اوپر کے قاتل قصاص سے مستثنیٰ نہ ہونے چاہئیں۔“
یہ تجویز بھی مذکورہ بالا تجاویز کی طرح ایک مضحکہ خیز تجویز ہے، کیونکہ شریعت میں مرد کے بلوغ کے لیے کم از کم دس سال کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے بلکہ کم از کم بارہ سال ہیں لہذا دس سال کے

قاتل کو قصاص سے مستثنیٰ نہ کرنا خلاف شریعت ہے، کیونکہ شریعت میں نابالغ کے فعل پر عدم عقل کی وجہ وجہ سے قصاص نہیں ہے، البتہ عاقلہ سے دیت لینا واجب ہے تاکہ ہر ایک اپنے اپنے نابالغ بچوں کا خیال رکھے۔

مضمون نگار آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”اولاد کے قاتل کا معاملہ بھی عجیب ہے۔۔۔۔۔ کوئی شخص کسی جنسی ترغیب پر اپنی اولاد کو قتل کر دے یا حب چلے دوسرے لڑکوں کی ترغیب پر وراثت سے محروم کرنے کے لیے اپنے لڑکے کو قتل کر دے، مستوجب قصاص نہیں، یہ استثنیٰ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔“

(۱) والد کو اولاد کے قتل پر قصاص میں قتل نہ کرنا اہل اسلام کا ایک اجماعی مسئلہ ہے، خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

لا یقتاد الولد بولدہ۔ (جامع الترمذی ج ۱ ابواب الديات) — (ترجمہ) ”باپ کو بیٹے کے قتل پر قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔“

(۲) والد کی ہمیشہ کے لیے اپنی اولاد سے نہایت ہی محبت اور شفقت ہوتی ہے اور بتقاضائے شفقت پدری کوئی سلیم العقل شخص اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرتا، لہذا اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں :-

ولان الوالد لا یقتل ولده غالباً لوفور شفقتہ فیکون ذلک شبہ فی سقوط القصاص۔ (البحر الرائق ج ۸ ط ۲۹۶ کتاب الجنایات)

(ترجمہ) ”باپ عموماً اپنے بیٹے سے شفقت پدری کی وجہ سے بیٹے کو قتل نہیں کرتا تو اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔“

(۳) باپ چونکہ بیٹے کے احیاء اور زندگی کے لیے بظاہر ایک سبب ہے لہذا بیٹے کو اب باپ کے خاتمہ کے لیے سبب نہیں بننا چاہیے۔

ولان الاب لا یتحقق العقوبة بولده لانه سبب لاحیائه فمن المحال ان یکون الولد سبباً لفناءه۔ (البحر الرائق ج ۸ ط ۲۹۶ کتاب الجنایات)

(ترجمہ) ”باپ بیٹے کے قتل پر مستحق قصاص نہیں ہے کیونکہ باپ بیٹے کی زندگی کے لیے ایک سبب تھا تو اب بیٹے کا باپ کے فناء کے لیے سبب نہیں ہونا چاہیے۔“

(۴) باپ اگر مشرک ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو باوجود مشرک ہونے کے بیٹا باپ کو قتل نہیں کر سکتا تو

قصاص میں کیسے قتل ہوگا۔

ولهذا لا يقتله اذا وجد في صف المشركين مقاتلته۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۹۶ کتاب الجنایات)
(ترجمہ) ”اور بیٹا مشرک باپ کو جہاد کے دوران بھی قتل نہیں کر سکتا۔“
علاوہ ازیں اگر ایک باپ باوجود اس قدر احترام کے اپنے کسی نختِ جگر کی زندگی کا چراغ
گل کر دے تو پھر اس پر دیت واجب ہوگی جو کہ خود اس کے اپنے مال سے تین سالوں میں ادا
کی جائے گی، اور بصورتِ مصلحت عدالت کی استصواب رائے سے تعزیر کا بھی مستحق ہے، لیکن
از روئے شرع والد پر قصاص نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے :-

وهذه الديات كلها على العاقلة الا في قتل الاب ابنه عمد فانها في ماله في ثلاث
سنين ولا تجب على العاقلة۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۶ کتاب الدیات)
(ترجمہ) ”دیگر تمام دیات قاتل کے عاقلہ سے لیے جائیں گے البتہ اگر باپ بیٹے کو قتل کر دے تو
اس کی دیت باپ کے مال سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی عاقلہ پر واجب نہیں ہے۔“
میں آخر میں لاعلم مجاہدین سے عرض کروں گا کہ دین اسلام کا دار و مدار نقل پر ہے عقل پر
نہیں لہذا خدا را اس میں ذاتی رائے نہ دیجئے، مستند علماء سے بات بوجھ کر سپردِ قسط اس کیا کریں
تاکہ کسی کی گمراہی کا ذریعہ نہ بنے، اور اگر کوئی خواہ مخواہ بغض و عناد سے کام لے تو پھر ار باپ اقتدار
پر لازم ہے کہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات پر اس کا مواخذہ کریں۔

عورت کی دیت نصف ہونے کا مسئلہ

وفاق کو نسل میں کی گئی تقریر

مسودہ قصاص و دیت پر ۲۵ جولائی ۱۹۸۴ء کو وفاق کو نسل میں مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے دس منٹ کے محدود وقت میں کچھ تقریر وفاق کو نسل پکڑیٹ کے ضبط شدہ ریکارڈ سے نقل کر کے "ماہنامہ الحق" نے شائع کیا تھا۔ قانون قصاص و دیت کے ساتھ مناسبت کے وجہ سے افادہ عام کے لیے نفاذ بھی تھا۔ یہ شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

مولانا سمیع الحق: بحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
جناب چیئرمین! یہ موضوع مختلف پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے اس لیے دس منٹ میں تو اس کو سمیٹنا بڑا مشکل ہے، میں صرف دو چار اصولی باتیں عرض کروں گا اس لیے کہ جو اختلافی نوٹ ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں زیادہ تر انہی باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

حدیث کا تشریحی مقام | سب سے پہلی چیز جو سارے نظریاتی انتشار کی اساس بن جاتی ہے اور جس کی طرف میرے ایک دوست نے بھی اشارہ فرمایا کہ حدیث کی جو عظمت اور حیثیت ہے، اور جو تشریحی مقام ہے اسلام میں حدیث کا، اس پر ان دوستوں کی نظر نہیں پڑتی، قرآن کریم نے واضح طور پر بار بار حدیث کی تشریحی حیثیت کو اجاگر کیا ہے اور اس کو حجت تسلیم کرنا اسلام کی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

میرے رب کی قسم! (حضور اکرم کو خطاب ہے) کہ یہ لوگ مومن نہیں بن سکتے جب تک تجھے ثالث، فیصلہ کن، رسول اللہ اور حکم تسلیم نہ کر لیں پھر ان کے دل میں بھی آپ کے فیصلوں پر کچھ بوجھ محسوس نہ ہو اور آپ کے فیصلوں پر تسلیم نہ کر لیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى
يُحْكَمُوا لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(سورۃ النساء، ۶۵)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ
اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ
الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۳۳) | اختیار ہو۔ بلکہ وہ لازماً تسلیم کرے گا۔

ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک خاتون آئی اور جسم پر نقش و نگار بنانے (گوندھنے) کے مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جیسے آجکل بھی بعض لوگ جسم پر نقش و نگار گوندھتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس خاتون نے اس وقت یہی کہا کہ میں نے تو اللہ سے والناس تک سارے قرآن کا مطالعہ کیا ہے لیکن اس مسئلے کا ذکر مجھے قرآن میں کہیں نہیں ملا۔ اس خاتون کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ قرآن کریم میں جو بات ہے صرف وہی حجت ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن کریم کو غور سے پڑھا ہوتا تو ضرور اس کا حکم قرآن میں پالیتی، خاتون نے پھر کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا لو قرآن تیبہ لوجدتہ یعنی یہ کہ اگر تو نے غور کیا ہوتا تو معلوم کر لیتی پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ قرآن مجید میں نہیں ہے : مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (سورۃ الحشر ۷) یعنی اللہ نے فرمایا جو حکم تمہیں رسولؐ نے دیا اور جو کچھ دیں اس کو بے لیا اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

جب قرآن نے یہ اصول بیان کیا ہے اور تمام وہ تفصیلات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں تو گویا وہ عین قرآن ہیں۔

تو ایک تو بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں نے اس سارے مسئلہ میں حدیث کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کیا۔ ہمارے فاضل دوست چودھری الطاف وغیرہ نے اپنے اثملاتی نوٹ میں صفحہ ۱۳۲ میں یہاں تک لکھا ہے کہ احادیث جن کا زیادہ تر بلکہ ۹۹ فیصد حصہ اخبار احاد پر مشتمل ہے ان میں نہ تو حقانیت ہے اور نہ ہی پورا یقین شامل ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سب کے جو روایت الگ الگ یا ایک ایک راوی کے ذریعہ نقل ہوئیں اور جو اکیلے کسی صحابی نے سنی اور وہ اُمت کو بیان کی

ان سب کو اختیار احاد کہا جاتا ہے، اب اگر احادیث کے مارے ذخیرے کو یہ کہا جائے کہ ان میں حقانیت ہی نہیں (نعوذ باللہ) تو پھر ہمارے پاس رہ ہی کیا جائے گا؟

عورت کی دیت نصف ہونے کی روایات | دوسری بنیادی بات جس پر سارا زور دیا جاتا ہے کہ نصف دیت کے بارے میں

جو روایت ہے وہ ضعیف ہے، تو اس کے بارے میں صرف اتنی گزارش ہے کہ حدیث کا ایک سلسلہ جو ہے اس مسئلے کا اسی کو انہوں نے نشانہ بنایا ہے، حالانکہ مسئلہ صرف ایک حدیث میں مذکور نہیں ہوا کہ عورت کی دیت نصف ہے بلکہ حدیث کی وہ مستند کتابیں جو صحاح ستہ میں شامل ہیں ان سب میں منقول ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، ان کی کتاب سنن النسائی صحیح ستہ میں شامل ہے، مؤطا امام مالک نے ان احادیث کو نقل کیا ہے جبکہ امت کا ایک بڑا طبقہ امام بخاریؒ کی ”صحیح“ پر بھی اس کو ترجیح دیتا ہے، گو عام رائے یہی ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاریؒ یعنی قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب بخاریؒ ہے۔ مگر امت کا ایک طبقہ خاص کہ مغربی ممالک، الجزائر، مراکش، تیونس اور افریقہ کے کئی علاقے وہ مؤطا امام مالکؒ کو بخاری شریف پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کنز العمال، نصب الرایہ اور مصنف عبد الرزاق وغیرہ ————— نے ان روایات کو نقل کیا ہے

روایت بھی ایک سے نہیں ہے بلکہ حضرت عمرؓ سے حضرت عثمانؓ سے، حضرت علیؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ سے اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے کبار صحابہ کی یہی رائے نصف دیت کی، تھی۔ اور علامہ کاسانیؒ نے "مبدائع الصنائع" میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورت کی نصف دیت کا جو فیصلہ دیا تھا صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ سب نے اس کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع قرار پایا۔ اس کے بعد یعنی خلفائے راشدین کے بعد ائمہ اربعہ کا جب زمانہ آنا ہے تو سارے کے سارے ائمہ کرامؒ اس مسئلے پر متفق نظر آتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قدیم و جدید کسی بھی عالم کا ایک قول اس کے خلاف نہیں سنا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے حامل ہیں، تو گویا ان سب کی اس کے بارے میں یہی رائے تھی۔

فقہ جعفریہ بھی متفق ہے | ہمارے دوست علامہ سید محمد رفی مجتہد بیہاں تشریف رکھتے ہیں میں ان کی موجودگی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ فقہ جعفریہ، فقہ زیدیہ اور

شیعہ مکتب فکر کے جتنے بھی فقہاء و مجتہد ہیں سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کی دیت نصف دیت ہے۔ تو ہمارے ان دوستوں کو اس سارے ذخیرے میں سے ایک دو قول ہی ملے ہیں۔

جناپ والا! یہ ضروری مسئلہ ہے لہذا اس کی تشریح کرنے کے لیے آپ مجھے ایک دو منٹ اور دیں کیونکہ یہ مسئلہ اس سارے ہنگامے کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، تو نصف دیت کے بارے میں صرف ان دو حضرات کا قول پیش کیا گیا ہے، ایک ابوبکر اصم اور دوسرے ابن علیہ۔ جبکہ بدقسمتی سے ہمارے یہ دوست ان میں سے کسی بھی نام کا تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے، کبھی اس کو ابن اولیاء لکھتے ہیں کبھی اس کو کیا کہتے ہیں۔

اب ابن علیہ اور ابوبکر اصم کے بارے میں ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ہیں کون لوگ؟ تو سب سے پہلے ان کی یہ رائے امام ابن قدامہؒ نے المغنی میں نقل کی، ان دو حضرات کے رائے نقل کرتے وقت وہ یہ کہتے ہیں کہ ان راویوں کے علاوہ کسی اور سے دینی نامعلوم راوی سے (مذکور ہے کہ ابن علیہ اور ابوبکر اصم یہ کہتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کے مساوی ہے، ان راویوں کا نام تک نہیں لیا گیا۔ پھر ان دُعلیہ اور اصم) کا قول ذکر کرنے کے بعد ابن قدامہؒ نے صراحت کر دی ہے کہ یہ قول پوری امت کے ہاں متروک ہے کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ اب ہم ان دونوں کو علم حدیث کے رجال اور اسماء الرجال کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں کہ یہ دونوں کون ہیں؟ اسماء الرجال کا علم اس امت کا عظیم الشان قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ ہر ہر راوی کو محدثین اور علماء جرح و تعدیل نے پرکھا ہے۔ تو اب سب سے پہلے ابوبکر اصم کو لیتے ہیں، جرح و تعدیل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ انہوں نے ایک کمزور راوی کا نام لے کر کہا کہ میں اس کو بھی ابن علیہ پر ترجیح دوں گا۔ امام نسائیؒ نے کہا کہ یہ شخص متروک ہے اور محدثین کے ہاں بالکل مقبول نہیں ہے۔ ابن معینؒ نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ اسماء الرجال کی ایک مستند کتاب "لسان المیزان" میں تو ان کی پوری قلعی کھول دی ہے۔

جناپ چیمبرلین: مولانا قبلہ کل بھی یہ بات ہوئی جو آپ بتا رہے ہیں اور آج صبح آپ سے پہلے بھی ایک صاحب نے انہی کتابوں کے حوالے سے یہ چیزیں بتائیں، بار بار کہوں وہی باتیں آپ دہرا رہے ہیں؟

مولانا سمیع الحق: میں نے اس مسئلہ پر یہ اختلافی نوٹ دیا تھا کہ دفعہ ۲۸ کے بارے میں جب قرآن کریم، احادیث اور فقہاء کی واضح ہدایات ہیں تو اسے.....

جناب چٹیرین : اس طرح سے دوسروں کا حق مارا جائے گا اور کوئی بات نہیں۔
مولانا سمیع الحق : میں یہ عرض کروں گا کہ یہ (نصف دیت کا مسئلہ اتنا واضح، قطعی اور مسئلہ ہے کہ اگر اس کو اسی ایوان میں طے شدہ قرار دیا جاتا اور اس بارے میں اللہ اور رسولؐ نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر ہم سب تسلیم کر لیتے اور اس کو سپریم کورٹ یا کسی اور ادارے کے پاس مزید تفصیل کے لیے نہ بھیجتے تو اچھا ہوتا، کیونکہ اس وقت ہزاروں ایسے کیس ہیں جو اس آرڈی ننس کے نفاذ کے منتظر ہیں، سینکڑوں لوگ جو کال کوٹھڑیوں میں بند ایک ایک لمحہ اس انتظار میں گن رہے ہیں کہ کب یہ نافذ ہوگا اور کب مصلحت کی راہ کھلے گی اور ہمیں انصاف ملے گا۔ اگر اس کو ہم اسی طرح ملتوی کرتے رہے تو اس کے نفاذ میں مزید تاخیر ہو جائے گی۔ پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کے بیان کردہ مسائل و احکام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، اس میں نہ تو عورتوں سے زیادتی کی گئی ہے نہ مردوں سے، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور غیر مسلم سب کا خالق ہے اور آزاد اور غلام تک سب کے قصاص میں مساوات رکھی گئی ہے اسلام میں۔

صرف دیت کے ایک مسئلہ میں جو صرف قتلِ خطا کی صورت سے تعلق رکھتا ہے یہ تفصیل ہے، واضح حدود اور ہدایات ہمارے سامنے ہیں۔ تو میری رائے یہ ہے کہ ہمارے معزز ارکان اس مسئلے کو بھی جس طرح اس کی تشریح قرآن میں ہے اس طرح رکھ دیں، اور اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں بھی اس کی تفصیل تھی کہ مقدار نصف دیت ہوگی تو اسی کو رکھا جائے۔

جناب چٹیرین : مولانا صاحب بہت بہت شکریہ !

الابتدائیہ



جب حکومت پاکستان نے قصاص و دیت آرڈیننس جاری کیا تو کچھ لوگوں نے ہڑتالوں اور جلاؤ گھیراؤ کے ذریعہ اس آرڈیننس کو ختم کرنے کیلئے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا کام کوشش کیا۔ اس سلسلہ میں علماء کرام، مفتیانِ عظام اور دوسرے اہل علم حضرات نے اسلام کے اس مادلانہ قانون کے وضاحت اور لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی تاکہ عقل سلیم رکھنے والا انسان بغیر تسلیم و رضا کے رہ نہ جائے۔ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اور استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے بھی اس آرڈیننس کا اجمالی جائزہ لیا اور اس پر تبصرہ اور بعض شبہات کا ازالہ پیش کیا جو دارالعلوم کے ترجمان رسالہ ماہنامہ الحق میں شائع ہوا، بعد ازاں گوجرانوالہ کے ایک عالم دین مولانا سید تھقدیس بخاری صاحب نے اس پر اپنا تنقیدی مکتہ نظر پیش کیا وہ بھی نذر قارئین ہے، پھر اس کے جواب الجواب میں حضرت مفتی صاحب نے اس کا بھرپور تعاقب کیا جو کہ ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا۔ چونکہ ان مضامین کا تعلق بھی فقہ اسلام کے ایک اہم مسئلہ سے ہے اس لیے بطور افادہ عام دارالعلوم حقانیہ کے فتاویٰ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)۔

اسلام کا نظام قصاص و دیت

اجمالی جائزہ و تبصرہ اور بعض شبہات کا ازالہ

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب

قصاص و دیت کے اعلان کے بعد جب ڈرائیور برادری کی طرف سے اس پر ملک گیر احتجاج ہوٹا تو ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے لیے یہ مسئلہ بڑی اہمیت سے موضوع بحث بنا رہا۔ موجودہ قصاص و دیت کے حکومتی اعلان میں اگر شرعی تقاضے پورے کئے گئے ہوتے تو اس کی تائید و تصویب اتنے زوردار لہجے میں ہوتی جتنے کہ اس کی مخالفت میں مقالے لکھے گئے۔ بعض اہم امور میں بے احتیاطی اور نکل سلا کا یہ نتیجہ نکلا کہ پوری دنیا اسلام کے نظام قصاص و دیت سے مذاق کرنے پر اتر آئی۔ خدا نخواستہ اگر اسلام کی ان فوجداری دفعات میں شرعی تقاضے پورے نہ کیے گئے تو شاید آئندہ کے لیے کوئی بھی اس ملک خدا داد میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جرأت نہ کر سکے۔

تا دم تحریر اس مسئلہ پر جو مقالات سامنے آئے ہیں ان میں کوئی ایسا مقالہ نظر سے نہیں گذرا جس میں قصاص و دیت کے سرکاری شائع کردہ قانون میں سقم اور کمزوری کے ہوتے ہوئے شرعی نقطہ نظر سے اس کے قابل عمل ہونے کو ثابت کیا گیا ہو، ارباب علم و دانش اور نفاذ اسلام کے مخلص اصحاب فکر نے اصلاح کی کوشش کی، کمزوریوں اور اسقام کی نشاندہی کرنے کے بعد متبادل تجاویز پیش کیں۔

دوسری طرف بعض جدت پسندوں نے موجودہ مسودہ قانون قصاص و دیت میں سقم اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے نظام قصاص و دیت کو اپنا ہدف اور دشنامی کا نشانہ بنایا، ایسے رکبیک اور غیر معیاری اعتراضات اور شبہات کئے جو کسی مسلمان سے ناقابل توقع ہیں۔

دیچسپ بات یہ ہے کہ ان کے اکثر اعتراضات کا منشاء مذہب اور عقیدہ سے ناواقفیت کے علاوہ مروجہ نام نہاد آزادی اور جدت پسندی کی مذموم خواہش رہی۔

قصاص و دیت کے بارے میں اہم شبہ | قصاص و دیت آرڈیننس کے بعد قصاص و دیت کے بارے میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی اس میں ڈرائیور کو

ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی ادائیگی کا ذمہ دار ٹھہرانے کے علاوہ خود اس کا فعل بھی موضوع بحث رہا، یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ ڈرائیور کے ہاتھوں کا قتل قابل مواخذہ جرم نہیں قرار دینا چاہیئے، کسی بھی ڈرائیور کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ وہ کسی شخص کو شوقیہ قتل کرے، ڈرائیور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرتا ہے، موت کے منہ میں بیٹھ کر انسان کی خدمت کرتا ہے، آخر اس سے یہ توقع کیسے ممکن ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے، جبکہ بسا اوقات ڈرائیور کو خود اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، ایسی صورت میں ایکسیڈنٹ کی موت کو قابل مواخذہ جرم قرار دینا نا انصافی کے مترادف ہے۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایکسیڈنٹ کا تصور زمانہ قدیم میں نہیں تھا کیونکہ اس وقت گاڑیاں نہیں تھیں اس لیے اس کو خواہ مخواہ قتل کی پرانی قسموں میں شمار کرنا لایعنی کوشش ہے۔

قصاص و دیت کے بارے میں قابل تشریح نکات | ان شبہات کے ازالہ کے لیے اسلام کے نظام قصاص و دیت کے چند

پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ ایسے غیر معیاری شبہات کا موقع نہ رہے۔

(۱) ایکسیڈنٹ کی صورت میں قتل کی کیا حقیقت ہے اور یہ قتل النفس کی کون سی قسم میں آتا ہے۔

(۲) اسلامی نظام قصاص و دیت میں ایسی قسم کے لیے کون سی سزا مقرر ہے اور اس کے اثرات و منافع کیا ہیں؟

(۳) قصاص و دیت آرڈیننس کے مسودہ قانون میں اس اعتبار سے کونسی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

تحفظ نفس کا مجرا العقول نظام | ایکسیڈنٹ کے قتل کی حقیقت بیان کرنے سے قبل یہ جاننا چاہیئے کہ اسلام کی رو سے انسانی نفس کو جو عزت و عظمت

اور تقدس حاصل ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں پایا جاتا۔ ایک اسٹیٹ میں انسان کے خون کو بلا امتیاز مذہب و عقیدہ ہر لحاظ سے تحفظ حاصل ہے، یہ ممکن نہیں کہ نفس محترمہ کا خونہ رائیگاں ہو جس صورت میں نفس محترمہ سے کسی غیر شرعی طریقہ سے کھینچا گیا تو اس کا حساب لیا جائے گا، اگر قصاص کی صورت میں ممکن ہو تو قصاص لیا جائے گا ورنہ دیت لازم ہوگی، اگر قاتل معلوم

نہ ہو تو قسامت کی رو سے اہل محلہ سے دیت لی جائے گی ورنہ بصورت دیگر حکومت ذمہ دار ہوگی اس لیے فقہاء کرام نے نفس محترمہ کے ضیاع کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں، جن میں قاتل عمد میں قصاص اور قتل شہید بالعمد، خطا، جارحانہ خطا اور قتل بسبب میں دیت لازمی قرار دی ہے۔ موجودہ زیر بحث مسئلہ کا تعلق ”قتل خطا“ سے ہے اس لیے دوسری قسموں کی حقیقت بیان کرنے سے قطع نظر ہم صرف قتل خطا کی حقیقت کا جائزہ لیں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایکسڈنٹ کا قتل قتل خطا کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

قتل خطا کی حقیقت | ”خطا“ کے عنوان سے یہ واضح ہے کہ یہ ایسا قتل ہے جس میں قاتل کا ارادہ اور نیت شامل نہیں، گو با قتل خطا کی حقیقت یہ ہے کہ بغیر کسی نیت اور ارادہ کے کسی انسان کے ہاتھ سے دوسرے انسان کی جان ضائع ہو، عموماً اس کی دو صورتیں بتائی جاتی ہیں۔
۱۔ خطا فی القصد ۲۔ خطا فی الفعل۔

اول الذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قاتل غلط فہمی کا شکار ہو یعنی کسی انسان کو حیوان سمجھ کر شکار کے نیت سے اسے مارے، اور مؤخر الذکر کا بیان یہ ہے کہ کسی بے احتیاطی یا فنی غلطی سے کسی انسان کی جان اس کے ہاتھ سے ضائع ہو، مثلاً شکار کو مارتے ہوئے اس کی گولی اچانک انسان کو لگے، یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن میں قاتل کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو قتل کرے بلکہ بغیر قصد و عمد سے انسان کی جان ضائع ہوئی۔

ایکسڈنٹ کی صورت بھی کچھ اسی طرح کی ہے کیونکہ اس میں ڈرائیور کا ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی انسان کو قتل کرے، ڈرائیور تو اپنے مقصد میں مصروف عمل ہوتا ہے، شاید کسی بے احتیاطی یا غفلت اور پررویی سے کسی انسان کی زندگی اس کے ہاتھوں سے تمام ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات ڈرائیور کی غلطی نہ ہو بلکہ مقتول خود عمداً یا سہواً گاڑی کے آگے آئے، لیکن ایسی صورتیں بھی ڈرائیور کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قتل ہر صورت میں ڈرائیور کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ مثلاً شکار کو مارتے ہوئے کوئی شخص قصداً شکاری کی بندوق کے سامنے کھڑا ہو جائے تو فقہاء کی رائے میں شکاری کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہر حال ایکسڈنٹ کا قتل، قتل خطا سے کسی صورت میں زیادہ نہیں۔

قتل خطا کی سزا | دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں خطا قابل مواخذہ جرم نہ ہو، اگر کوئی شخص کسی کی کوئی قیمتی چیز غلطی سے توڑ دے تو کیا توڑنے والے کو معاف کر دیا جائے گا؟ کہ وہ محض یہ کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ شریعت مقدسہ میں خطا اور نسیان انہی اعتبار

قابل مواخذہ جرم نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

”میری امت کا محاسبہ خطا اور بھول پر نہیں ہوگا۔“

لیکن دنیوی احکام کے اعتبار سے اس پر مواخذہ ہے، جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے اس میں خطا اور نسیان کوئی عذر نہیں خاص کر جب کسی چیز کے ضائع ہونے پر ضمان اور تاوان کا مسئلہ ہو۔ قتل خطا بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل مواخذہ جرم ہے، اس پر جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ تین ہیں:-

(۱) اگر مقتول قاتل کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی موت پر قاتل کو وراثت کا حق پہنچتا ہو تو قتل کرنے کی وجہ سے قاتل حق وراثت سے محروم رہے گا، کیونکہ اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ کہیں قاتل نے جائیداد ہتھیانے کے لیے قتل کا یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔

(۲) دوسری سزا یہ ہے کہ انسانی جان اللہ تعالیٰ کی عظیم مقدس امانت ہے اس میں خیانت کرنے پر قاتل دو چھینے متواتر روزے رکھے گا تا کہ قاتل کو اپنے کیے ہوئے جرم پر ندامت اور افسوس کا احساس ہو۔ اس کا تعلق چونکہ فیما بینہ و بین اللہ ہے اس لیے اس میں جبر اور طاقت کے استعمال کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری سزا خون بہا کی ادائیگی ہے تاکہ انسان کا خون ضائع نہ ہو، قتل خطا کی صورت میں خون بہا دس ہزار درہم ہیں جو دو ہزار نو سو سولہ تولہ آٹھ ماشہ (۲۹۱۶ تولہ، ۸ ماشہ) چاندی کے مساوی ہے لہذا اتنی مقدار میں چاندی کی مرقوم قیمت دیتے شمار ہوگی۔ خون بہا کی اتنی خیر رقم کی تقرری میں بنیادی فلسفہ مقتول کے زخم خوردہ و زناہ کے لیے تسلی ہے، ممکن ہے کہ اس مالی تعاون سے ان کے جذبات ٹھنڈے ہوں اور انتقامی جذبہ کا جولا و اُن کے دلوں میں اُبل رہا تھا شاید خود بہا کی وصولی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

لیکن اتنی بڑی رقم کی ادائیگی شاید قاتل کے بس میں نہ ہو، دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار کون ہے؟

نذرانہ پیش کر سکے جس سے دیت کی ادائیگی ناممکن ہو، اس لیے شریعت نے اس کو ممکن بنانے اور قاتل کو ہلاکت کے اس بھنور سے نکلانے کے لیے دیت کی ادائیگی کی ذمہ داری ”عاقلہ“ کے کندھوں پر ڈالی ہے ”عاقلہ“ سے مراد اہل دیوان (دفتری ریکارڈ میں متعلقہ زمرہ) قوم، قبیلہ ہے۔ ”عاقلہ“ کے تعین میں بنیادی تصور یہ ہے کہ جن لوگوں سے تکلیف اور مصیبت کے وقت قاتل تعاون اور مدد کی امید رکھتا ہو وہی اس کا

عاقلہ تصور ہوگا، موجودہ وقت میں یونین، محکمہ اور کمپنی اس کے ضمن میں آسکتے ہیں۔ مثلاً سکول کا ایک استاد کہیں قتلِ خطا کا مرتکب ہو تو اس قتل کی دیت پورے صوبہ کے اساتذہ سے لی جائے گی۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک گمنام شخص کے جرم کی سزا پورے محکمہ والوں کو دی جائے، لیکن اسلامی ذہن رکھنے والا شخص ایسے لایعنی شہادت کا بھی تصور بھی نہیں کرتا، کیونکہ تمام مسلمان بمنزلہ جسدِ واحد ہیں، ایک عضو کی تکلیف پر پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، مشرق میں رہنے والے کی خوشی اور غم کا احساس مغرب میں رہنے والے مسلمان کو بھی ہوگا۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مصیبت میں مبتلا ہونے سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اسلام میں قومی وحدت اور یگانگت بنیادی چیز ہے؛ لہذا ایسی مصیبت میں کم از کم اس کے عاقلہ کو تعاون کا ہاتھ لگنا چاہیئے۔

عاقلہ پر دیت کے تعین کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ اتنی بڑی قوم حبِ دیت ادا کرے گی تو لازماً قاتل کو ایسے اوصاف اور باتوں سے یاد کرے گی جن کا سننا قاتل کے لیے ناگوار ہوگا۔ ایسے قبض حالات اور مناظر سے بچنے کے لیے آئندہ ہر ایک شخص نہایت احتیاط سے کام لے گا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ بھی مہذب طریقہ سے قاتل کو سزا دینے کی ایک صورت ہے، ورنہ ایک معزز شخص لاکھوں روپے قربان کر کے اپنے بارے میں ایسی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا۔

دیت کی وصولی کا طریقہ کار | عاقلہ پر دیت کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے یہ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو اس کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہو، عاقلہ سے دیت مجموعی طور پر تین سالوں میں وصول کی جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی روشنی میں ایک شخص پر تین سالوں میں چار درہم یعنی چودہ ماشہ چاندی کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ لہذا اگر چاندی کی قیمت ۶۰ روپے فی تولہ ہو تو ایک شخص سے تین سالوں میں صرف مقررہ ۷۰ روپے وصول ہوں گے جو ماہانہ طور پر دو روپے سے بھی کم بنتے ہیں، پھر اگر قریبی علاقہ میں اتنی گنجائش نہ ہو تو عاقلہ کا دائرہ وسیع کیا جائے گا تاکہ ایک شخص پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جاسکے۔

پھر دیت کی وصولی کے لیے آسان طریقہ متبعین کیا گیا ہے کہ دیت لوگوں کے ماہانہ، ششماہی اور سالانہ وظائف سے منہا کی جائے گی۔ موجودہ دور میں اگر ہر ملازم کی تنخواہ سے ماہانہ دیت کی رقم کاٹی جائے تو شاید ہی دو روپے سے متجاوز ہو جو کہ تنخواہ دار طبقہ پر کوئی خاص بوجھ نہیں۔

اس مجیر العقول نظام تحفظِ جان کے کسی کو ڈرنا نہیں چاہیئے، اسلام دینِ فطرت ہے اس میں نہ ظلم کی حوصلہ افزائی ہے اور نہ ظالم کا استیصال مقصود ہے۔ اسلام میں ظالم اور مظلوم دونوں سے تعاون

کیا جاتا ہے۔ ظالم سے تعاون کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے باز رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مظلوم کی طرف ہمدردی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا جاتا ہے۔ اسلام کے نظامِ دیت میں اگر ایک طرف قاتل کو جھنجھوڑا جاتا ہے تو دوسری طرف عاقلہ پر یہ ذمہ داری ڈال کر اس کے ساتھ سہولت اور آسانی کا رویہ رکھتا ہے، پھر دیت کی وصولی سے مقتول کے غمزدہ ورثاء کے لیے اطمینان دلانے کا ہمدردانہ رویہ اسلام کا انفرادی مقام ہے۔

موجودہ نظامِ قصاص و دیت کی خامیاں | نظامِ قصاص و دیت کا آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کردہ مسودہ کوئی نیا نہیں، اس پر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بہترین کام کیا ہے، اس وقت قصاص و دیت کا سرکاری مسودہ علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم دارالعلوم حقانیہ کے خدام نے اپنی طرف سے کچھ تجاویز حکومت کو بھیجی تھیں جو ماہنامہ الحق جلد ۷۱ شمارہ ۱۰۷ میں شائع ہوئی تھیں۔ حالیہ آرڈیننس میں اسلامی عدوئال کی رعایت نہیں رکھی گئی، قتلِ خطا کی صورت میں صرف ڈرائیور کو دیت کا ذمہ دار ٹھہرانا اسلام کے عادلانہ نظام کی روح کے منافی ہے، ڈرائیور سے صرف اتنی رقم لی جائے گی جو اس کی برادری کے عام ممبر سے لی جاتی ہے اس میں عاقلہ کو بری الذمہ قرار دینا اسلامی نظامِ عدل کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

ایسا ہی ایک لاکھ تتر ہزار روپے کا قطعی تعین بھی شرعاً درست نہیں اس لیے کہ چاندی کے اعتبار سے شرعی مبیار کا اظہار ضروری ہے، یہ قیمت تو وقت کے ساتھ ساتھ یکم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے، پھر حکومت کا یہ فیصلہ بھی غیر دانشمندانہ ہے جس میں دیت کی ذمہ داری انشورنس کمپنی کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے کیونکہ انشورنس کمپنی ہر ایک کی عاقلہ نہیں اور بغیر عاقلہ ہونے کے دیت کی ادائیگی اس کی ذمہ داری نہیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ محکمہ یونین اور قوم قبیلہ عاقلہ قرار دے کر ان کو دیت کی ادائیگی کا پابند قرار دیا جائے۔

علاوہ ازیں شرعی نظامِ شہادت کے فقدان کی وجہ سے قصاص و دیت آرڈیننس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع بے سود ہے، موجودہ نظامِ شہادت کے ہوتے ہوئے اس نظام کا کامیابی سے ہمکنار ہونا مشکل نظر آتا ہے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نظامِ قصاص و دیت کے ساتھ ساتھ نظامِ شہادت کا بھی شریعت کے مطابق اعلان ہو۔

ایک غلط تاثر کا دفاع

مولانا فاضل العظیم کلاچوی مدظلہ

حمد و صلوة کے بعد عرض ہے کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ کے مبارک دن ملک میں قصاص و دیت کا قانون نافذ کیا گیا تو دیندار مسلمانوں نے اسے صدر مملکت کا بہترین کارنامہ قرار دیا جو کہ حقیقت کے عین مطابق تھا۔ نئی حکومت قائم ہوئی اور معائبس ڈرائیوڈوں کی عام ہڑتال کا سانحہ پیش آیا تو افواہ اڑادی گئی کہ اسلامی قوانین کا برداشت کرنا آسان کام نہیں یہ تو ایک قانون نافذ کر دینے کا رد عمل ہے اور اگر شریعت اسلامیہ کو مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

اس شرارت کے بین السطور دراصل موجودہ حکومت کو خوفزدہ کرنا ہے کہ وہ سینٹ اور قومی اسمبلی سے شریعت کو منظور کرانے کے وعدوں سے پھر جائے اور جس طرح وہ (سابقہ حکومت) خود اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے کر غرق ہوئی ہے اسی طرح یہ بھی طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے پہلے غرق ہو جائے۔

ہڑتالیوں سے بات چیت کے بعد اخبارات میں یہ اعلان چھپا کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قصاص و دیت کے قانون میں ترمیم کرے اور یہ بتایا جائے کہ ڈرائیوڈ پر جو دیت عائد ہوگی وہ اس کا عاقلہ یعنی یونین وغیرہ برداشت کرے گی نہ کہ وہ ذاتی طور پر۔ اب شریعت اسلامیہ کے نفاذ سے خوفزدہ لوگوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ۔۔

”دیکھا! اسلامی قوانین جنہیں ابدی کہا جاتا ہے اس میں طاقت کے بل بوتے پر ترمیم کی جاسکتی ہے اور یہ کہ نفاذ شریعت کا نعرہ لگانے والے ع۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں!“

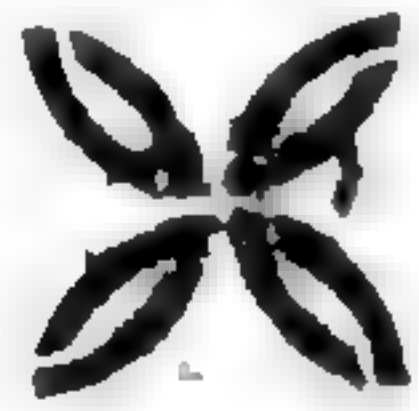
در اصل نفاذ شریعت کے مخالفین کو موجودہ انتخابات سے جو دھچکا لگا ہے وہ اپنی نفرت کو مٹانے کے لیے اس قسم کے حربے استعمال کرنے لگے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہڑتالیوں کو جو پریشانی لاحق ہوئی ہے وہ اسلام کے **اظہار حقیقت** قانون دیت سے نہیں بلکہ اسلام کے قانون دیت میں ترمیم کرنے سے پیش

آئی۔ باوثوق ذرائع کے مطابق سینٹ میں موجود علماء کرام نے قصاص و دیت سے متعلق جو مسودہ پیش کیا تھا اور اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل نے اس کے متعلق جو سفارشات پیش کی تھیں اس میں پہلے ہی سے یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ اسلامی شریعت کی رو سے قتلِ خطا کی دیت مجرم پر نہیں بلکہ عاقلہ یونین پر عائد ہوتی ہے اور یہ کہ وہ تین سال تک اس کو ادا کرنے کے پابند ہیں لیکن سابق حکومت کے کارندوں نے دانستہ یا نادانستہ، اسلام سے ناواقفیت کی بناء پر اسلام کو بڑا کر کے کے لیے ”عاقلہ“ کا لفظ اڑا دیا جس سے متاثرین کو پریشانی لاحق ہوئی۔ یعنی اسلامی قانون دیت سے سے تم نے ایک لفظ (عاقلہ) اڑا دیا تو پریشانی لاحق ہو گئی، تم نے توہم کی اود حذف شدہ لفظ کو کو واپس لا کر اس قانون کو اسلام کے مطابق کر دیا تو اطمینان ہوا۔ اس لیے ملک کے عوام کو غموں اور حکمرانوں کو خصوصاً یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شر اور فساد کا منبع اسلامی قوانین میں رد و بدل اور ان سے لاپرواہی ہے نہ کہ اسلامی قوانین کا صحیح نفاذ۔

شاعر مشرق کا یہ پیغام ایک لمحہ بھی نہیں بھولنا چاہیے وہ فرماتے ہیں

وہ معزز تھے زلمے میں مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ



اصل دیت کیا ہے

سواونٹ یا دس ہزار دراهم؟

جواب مضمون مفتی غلام الرحمن صاحب از مولانا سید تصدق بخاری

مؤقر جریۃ الملت "دسمبر ۱۹۹۰ء موافق جمادی الاول ۱۴۱۱ھ میں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ اعلیٰ کا مقالہ "اسلام کا نظام قصاص و دیت" نظر سے گذرا تو بڑا قلق ہوا کہ حضرت موصوف کو بھی دیت کی مقدار کے تعین میں سخت ذہول ہوا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "قتل غلام کے صورت میں یہ خون بہا دس ہزار دراهم ہیں جو دو ہزار نو سو سولہ تولہ آٹھ ماشہ چاندی کے مساوی ہے لہذا اتنی مقدار میں چاندی کی مروجہ قیمت دیت شمار ہوگی" (الحق ص ۳۶)۔ رہ گز نہیں پھر لگے جا کر یوں خامہ فرسایں کہ۔

"چاندی کے اعتبار سے شرعی معیار کا اظہار ضروری ہے" (الحق ص ۳۸)

حضرت مولانا صاحب موصوف سے اس فی مول کا ارتکاب اس لیے ہوا ہے کہ وہ اصل دیت کی احادیث مبارکہ پڑھنے کے باوجود بھول گئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سونا، چاندی، گائے اور بکریوں وغیرہ کی تعداد کے تعین میں خیر القرون میں کمی بیشی اسی لیے ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی قیامت تک بوقت ضرورت ہوتی ہی رہے گی کیونکہ یہ چیزیں اصل دیت نہیں ہیں، اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اسی لیے ان کی تعداد میں کبھی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، مولانا موصوف خود لکھتے ہیں کہ:

"یہ قیمت تو اس وقت کے ساتھ ساتھ کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے"۔ (الحق ص ۳۸)

موصوف نے جب حکومت کی مقرر کردہ دیت کو غیر شرعی دیت تسلیم کیا ہے تو پھر مقرر موصوف کی تولوں اور ماشوں والی پیش کردہ دیت بدرجہ اولیٰ و اتم غیر شرعی ہے کیونکہ جس طرح حکومت نے سونے یا چاندی کو اصل دیت تصور کر کے مزلت پذیر غلطی کا ارتکاب کیا ہے اسی طرح حضرت صاحب نے دس ہزار دراهم کو اصل دیت تسلیم کر کے بہت ہی بڑی غلطی کا اظہار کیا ہے، آپ خود لکھتے ہیں:-

"ایسا ہی ایک لاکھ مٹر ہزار (چھ سو دس) روپے کا قطعی تعین بھی شرعاً درست نہیں لے لے"

چاندی کے اعتبار سے شرعی معیار کا اظہار لازمی ہے۔ (الحق ص ۳۸)
درحقیقت اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اس لیے دیت کے فیصلہ کے وقت سواونٹوں کی جو قیمت ہو وہی اصل دیت ہے دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ سواونٹوں کی مروجہ قیمت کے مساوی دی جائیں گی مقررہ چیزوں کی صورت میں اس سے کم یا زیادہ دینے سے شرعی دیت ادا نہ ہوگی جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

۲۹۱۶ تو لے ۸ ماشے چاندی کی موجودہ قیمت بحساب ۵۵ روپے فی تولہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار چار سو سترہ روپے بنتی ہے جو کہ شرعی دیت نہیں ہے۔

غور فرمائیے موصوف کی مقرر کردہ دیت نفس حکومت کی مقرر کردہ دیت نفس دس ہزار روپے سے بھی زیادہ کم ہے جو ناقص ہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔

حکومت نے قصاص و دیت کا جو آرڈیننس ۱۴ اگست ۱۹۹۰ء کو جاری کیا وہ ۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء موافق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو نافذ العمل قرار دیا گیا جس کی دفعہ ۳۴ غیر محتاط ڈرائیونگ کے متعلق ناقص ہی نہیں بلکہ ناقص تھی اس لیے اس کے خلاف ملک بھر میں زرینی ذرائع آمد و رفت کو معطل کر دینے والی ہڑتال ہوئی۔ مذکورہ آرڈیننس میں یہ مرقوم ہے کہ غیر محتاط ڈرائیونگ کرتا ہوا جو ڈرائیور حادثہ کر کے کسی آدمی کو مار دے گا وہ مرنے والے کے ورثاء کو ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے بطور دیت دے گا۔ اس کے خلاف مظاہرے اور ہڑتال اس لیے ہوئے تھے کہ اس میں بھی دو نقص تھے۔ ایک تو اس میں اصل دیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، دوسرا عاقلہ کا تعارف نہیں کرایا گیا اور نہ ہی ان کو دیت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

اس ہڑتال کا مطلب یہ لینا کہ لوگ اسلامی قوانین کو برداشت نہیں کرتے اسرار غلطی اور بے اصل ہے۔ درحقیقت یہ ہڑتال اس لیے ہوئی تھی کہ قصاص و دیت کے آرڈیننس میں ناقابل برداشت نقائص تھے جن کی تیقح لازمی ہے۔ پھر انشورنس کمپنی کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا ہر طرح سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

قانون دیت۔ اصل دیت سواونٹ ہی ہیں | ابو محمد عبد المانک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری المہری المتوفی بہا سنۃ ثمان

وعشرة ومائتین (۲۱۸) ہجری مطابق ۸۳۳ء "الرسالۃ المستطرفۃ" میں رقمطراز ہیں:-

"پہلا مقتول جس کا خون بہا دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ

میں ادا فرمایا وہ جنید بن اکوع کا ہے، اسے بنو کعب نے قتل کیا تھا، نبی علیہ السلام نے اس کے خون بہا دیت میں سواونٹیاں دی تھیں،، رسیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۳ باب فتح مکہ)

عن ابی عمر قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی درجۃ الکعبۃ یوم الفتح فقال الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ ونصر عبدہ وحزم الاحزاب وهدی الایمان قتیل العمد الخطاء بالسوط والعصا مائۃ من الابل مغلظۃ متہاربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا۔ (دارقطنی ج ۲ ص ۱۰۵ - البناۃ فی شرح السہدایۃ ج ۴ ص ۳۸۲ اب ت ما جۃ ج ۲ ص ۸۷۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی، پھر فرمایا شکر ہے اللہ کا جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو مدد دی اور اس نے تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی، آگاہ ہو جاؤ خطاء کا مقتول (قتل خطاء) وہ ہے جو کوڑے اور چھڑی سے مارا جائے، اس میں دیت کے سوا ونٹ ہیں، ان میں سے چالیس اونٹیاں حاملہ رکابھن ہیں،، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال کانت قیمۃ الدیۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار او ثمانیۃ الاف درہم دیتۃ اہل الکتاب یومئذ النصف من دیتۃ المسلمین قال فکان ذلک کذلک حتی استخلف عمر فقا خطیباً فقال ان الابل قد غلت قال ففرقہا عمر علی اہل الذہب الف دینار وعلی اہل البقرۃ مائتۃ بقرۃ وعلی اہل الشاة الف شاة وعلی اہل الحلی مائتۃ حلۃ۔ قال وترك دیتۃ اہل الذمۃ لم یرفعہا فیما رفع من الدیتۃ۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۷ کتاب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون بہا کے اونٹوں کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کا خون بہا اس زمانہ میں مسلمانوں کے خون بہا سے نصف تھا، جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا تو انہوں نے فرمایا چونکہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے اسلئے سونا رکھنے والوں کیلئے ایک ہزار دینار خون بہا مقرر کیلئے ہے اور چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم اور گائیں رکھنے والوں پر دو سو گائیں اور بکریاں

رکھنے والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے رکھنے والوں پر کپڑوں کے دو سو جوڑے مقرر کئے ہیں اور ذاتی لوگوں کی دیت وہی رکھی ہے جو پہلے تھی۔“

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیۃ اثنی عشر الف درہم۔ (جامع الترمذی ج ۳ ص ۲۲۲)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم خون بہا (دیت) مقرر کیا تھا۔“

علامۃ ابوالفضل جمال الدین عبداللہ بن محمد بن ابی الحسن مکرم ابن احمد ابی منظور الانصاری الحزرجی الافریقی المصری ولد ۶۳۰ ھ مات فی شعبان ۱۱۷ ھ۔ قال وصان اهل الدیۃ الابل ثم قومت بعد ذلك بالذهب والفضۃ والبقرۃ والغنم وغیرھا۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۶۱)

(ترجمہ) صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ اصل دیت تتواونٹ ہی ہیں صرف لوگوں کی سہولت کے لیے ان اونٹوں کی قیمت کے برابر، بعد میں سونا و چاندی، گائیں اور بکریاں وغیرہ دیت مقرر کی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دیت میں سونے چاندی کا اعتبار نہیں، اصل دیت جب اونٹ ہی ہیں تو دیت میں تتواونٹ ہی دینے ہوں گے یا پھر ان کی قیمت کے برابر دوسری مقرر کردہ اشیاء۔ دو سو گائیوں اور دو ہزار بکریوں کی قیمت بھی ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے سے کہیں زیادہ بنتی ہے لہذا ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے کی دیت درست نہیں۔

فقال الشافعی واحمد فی روایۃ محمد بن المنذر الابل فقط فتجب قیمۃ الابل بالغۃ ما بلغت۔ (البنایۃ ج ۲ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ بھی جو کہ توں فرماتے ہیں کہ اصل دیت تتواونٹ ہی ہیں جو ان کی قیمت سے اسی قیمت کی دوسری مقرر کردہ اشیاء دیت میں دینا ہوں گی۔“

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان فی قتل العمد الخطاء بالسوط والعصا مائۃ من الابل مغلظۃ منها اربعون فی بطونہا وایدھا۔ وذهب قوم الی ان الدیۃ المغلظۃ اربع وخمسون وعشرون بنت مخاض وخمس وعشرون بنت لبون وخمس وعشرون خقة وخمس وعشرون جذۃ۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۵۰)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خبردار ہویہ شک قتل عمد خطا کوٹے (رتازیا نے) اور لاٹھی مارنے سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت سواونٹ ہیں ان میں چالیس حاملہ (گاہن) اونٹنیاں ہیں جن کے بطنوں میں ان کے اولاد ہو۔ اور ایک گروہ کا میلان اس طرف ہے کہ بلاشبہ دیت مغلفہ چار قسم کے اونٹوں پر مشتمل ہے۔ اولاً: ۲۵ ایسی اونٹنیاں جو ایک برس پورا کر کے دوسرے برس میں داخل ہو گئی ہوں۔ ثانیاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو دو برس پورے کر کے تیسرے برس میں داخل ہو گئی ہوں۔ ثالثاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو تین برس کی ہو کر چوتھے برس میں داخل ہو گئی ہوں اور چھٹی کے قابل ہوں۔ رابعاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو چار برس پورے کر کے پانچویں برس میں داخل ہو گئی ہوں۔ (امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک) دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:-

..... وَاَنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَّةَ مِائَةَ مِنَ الْاِبِلِ۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن خزيمة، ابن جارد، ابن حبان، مسند احمد، بلوغ المرام، کتاب الجنایات)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن حزم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ قتل نفس کی اصل دیت سواونٹ ہی ہیں۔

عن جابر بن عبد الله قال فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم في الدِّيَّةِ على اهل الابل مائة من الابل وعلى اهل البقرة مائتي بقرة وعلى اهل الشاة الفى شاة وعلى اهل الحلل مائتي حلة۔ (تفسير مظہری ج ۲ ص ۱۸۹، ابوداؤد عن عطلة بن رباح)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ والوں پر سواونٹ اور گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے کپڑے دیت مقرر فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھتے چلیے کہ اصل دیت سواونٹ ہیں اس لیے آج کل کپڑوں کے دو سو جوڑوں کی دیت ادا نہ ہوگی بلکہ اگر کپڑے ہی دیتے ہوں تو پھر سواونٹوں کی قیمت کے برابر کپڑا دینا ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال من قتل خطأً فديته من الابل ثلاثون بنت مخاض وثلاثون إسنه لبون وثلاثون حقة وعشرين لبون — وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولها على القرى أربع مائة دينار أو عدلها من الورق ويقولها على أزمان الابل إذا غلت رفع في ثمنها وإذا اهانت نقص من ثمنها على نحو الزمان ما كان فيبلغ قيمتها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين أربع مائة دينار إلى ثمان مائة دينار أو عدلها من الورق ثمانية آلاف وقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن كان عقله في البقرة من أهل البقرة مائتي بقرة ومن كان عقله في الشاة على أهل الشاة ألف شاة۔ (ابن ماجه ج ۳ ص ۸۷۹)

ترجمہ ”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خطا سے مارا جائے اس کی دیت رتواونٹ ہیں (تین ایسی اونٹنیاں ہیں جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہوں اور تین ایسی اونٹنیاں جو دوسال پورے کر کے تیسرے سال میں لگی ہوں اور تین ایسی اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں اور دس ایسے اونٹ جو دو دوبرس کے ہو کر تیسرے برس میں لگے ہوں — اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گاؤں والوں پر دیت کی قیمت چار سو دینار لگاتے یا اتنی ہی قیمت کی چاندی، اور دیت کی قیمت اونٹوں کے حساب سے لگاتے، جب اونٹ گراں ہوتے تو دیت بھی گراں (زیادہ) ہوتی اور جب اونٹ ارزان ہوتے تو دیت بھی ارزاں (کم) ہو جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اونٹ کی قیمت چار سو دینار سے لیکر آٹھ سو دینار تک جا پہنچی تھی؛“

آج کل اونٹوں کی جگہ اگر گاٹے بکری دیت میں دی جائے تو ان کی قیمتیں سب سے زیادہ ہیں، بتیل بکری لی جائے تو دو ہزار بکریوں کی قیمت تقریباً چالیس لاکھ روپے بنتی ہے، دو دھیل بتیل بکری دو ہزار روپے کی کم از کم ۴۰۰۰۰ = ۲۰۰۰ × ۲۰۰۰ — چالیس لاکھ روپے۔

میں بازار سے عام بکری کی قیمت معلوم کی تو دو ہزار بکریاں دس لاکھ روپے کی بنتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

۱) اگر ایک بکری کی قیمت پانچ سو روپے ہو تو دو ہزار بکریوں کی قیمت کیا ہوگی؟

$$۱۰۰۰۰۰ = ۲۰۰۰ \times ۵۰۰ — دس لاکھ روپے۔$$

تو فرمایے! سواونٹوں کے بدلے دیت میں اگر دو ہزار بکریاں دی جائیں تو کم از کم دیت دس لاکھ روپے بنتی ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ بھی ہے کہ سواونٹوں کی جگہ گائیں رکھنے والوں سے دو سو گائیں دیت میں دلائی جائیں۔

میں نے مولشی منڈی سے قیمت معلوم کی تو پتہ چلا کہ ایک عام گائے کم از کم بتیس سو روپے کی ملتی ہے۔

$$۶۴۰۰۰ = ۲۰۰ \times ۳۲۰۰ \text{ — پچھ لاکھ چالیس ہزار۔}$$

علامہ بدالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولد ۷۶۲ھ) توفی ۸۵۵ھ ص ۱ رقمطراز ہیں کہ:-

قال الامام الاستيعابى قيمة كل حلة خمسون درهما وقيمة كل بقرة خمسون درهما وقيمة كل شاة خمسة دراهم۔

والبنایة فی شرح الہدایة ج ۴ ص ۲۸۵ (ترجمہ) علامہ استیعابی فرماتے ہیں کہ ایک بوڑا کپڑے کی قیمت پچاس درہم اور ایک گائے کی قیمت پچاس درہم اور ایک بکری کی قیمت پانچ درہم تھی۔ آٹھ سو دینار، دس ہزار درہم، ستو گائیں، ہزار بکریاں، دو سو بوڑے کپڑوں کی قیمتیں ستواونٹوں کی قیمت کے برابر نہ تھیں۔ اس لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اب اونٹوں کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں لہذا سواونٹوں کے بدلے ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم یا دو سو گائیں یا دو ہزار بکریاں دیت میں دلائی جائیں گی۔

یاد رہے کہ درہم و دنانیر اور گائیں اور بکریوں وغیرہ کی تعداد اس لیے بڑھتی گھٹتی رہی ہے کہ وہ اصل دیت نہیں، اصل دیت چونکہ ستواونٹ ہی ہیں اس لیے ہر زمانہ میں اونٹوں کی اصل قیمت کے برابر دوسری مقرر کردہ اشیاء کی تعداد بھی بڑھتی گھٹتی رہی ہے اور رہے گی۔

غیر القرون میں جب اونٹ ارزاں ہوتے تو دیت بھی کم ہو جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصل دیت کی قیمت چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک جا پہنچی تھی، چاندی کے آٹھ ہزار درہم اس کے مساوی ہوتے تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی

ارشاد فرمایا کہ گائے والہ اور بیل والوں سے دیت میں ڈوسو گائیں اور بکریوں والوں سے دو ہزار بکریاں لی جائیں۔

ملحوظہ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ قتل نفس کی اصل دیت چونکہ سوا اونٹ ہی ہیں اس لیے سنت قائمہ کے مطابق ہر زمانہ میں اونٹوں کی قیمت کے نرخ کے حساب ہی دیت ادا کی جائے گی خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

کما مر۔ ویفتو مہا علی اثمان الابل فاذا غلت رفع قیمتہا واذا هاجت رخص نقص من قیمتہا۔ الخ (ابوداؤد، نسائی، مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶، مشکوٰۃ ص ۳۰۴)

(ترجمہ) اور قیمت بٹھراتے (نبی کریم) دیت خطا کی اوپر مول اونٹوں کے پھر جس وقت ہٹنے ہوتے اونٹ تو زیادہ کرتے قیمت دیت کی اور جب ظاہر ہوتی ارذائی اونٹوں کی تو قیمت کم کرتے دیت سے۔ (مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶)

اس حدیث کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور نواسہ مولانا مخدومنا و مکرنا حاجی محمد اسحاق روح اللہ رحمہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین ابن محمد مخی الدین احراری دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:-

”کہا طبعی نے یہ دلالت کرتی ہے کہ اصل دیت میں اونٹ ہیں پس اگر نہ ملیں (اونٹ) تو واجب ہوتی ہے قیمت ان کی جس قدر کہ ہو۔“

(ملاحظہ ہو مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶ طبع اول شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

ایک اور جگہ قتل عمد کی دیت کی بابت ارشاد ہو رہا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل دیت میں سوا اونٹ ہی ہیں۔

من عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من قتل متعمداً دفع الى اولياء المقتول فان

۱۔ ولادت: ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۹ء وفات: ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء

۲۔ ولادت: ۱۱۹۷ھ ذی الحجہ۔ وفات: ۲۵ رجب ۱۲۶۲ھ۔ محدث لاہوری ثم دہلوی۔

۳۔ ولادت: ۱۲۱۹ھ وفات: ۱۲۷۹ھ

شَاؤُوا قَتَلُوا، وَإِنْ شَاءُوا اخَذُوا الدِّيَّةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حَقَّةً
وِثْلَاثُونَ جَذَعَةً وَارْبَعُونَ خَلْفَةً وَمَا صَالِحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ
لَهُمْ۔ (جامع الترمذی جلد ۱ ص ۲۲۱)

(لسان العرب جلد ۱ ص ۳۱۳)

(ترجمہ) ”حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی جان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا، وہ اگر چاہیں تو قاتل کو اپنے مقتول کے بدلے قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں اور وہ دیت سواونٹیاں ہیں، ان میں سے تین ایسی اونٹیاں ہیں جو کہ تین برس پورے کر کے چوتھے برس میں داخل ہو گئی ہوں اور تین وہ جو چار برس پورے کر کے پانچویں برس میں داخل ہو گئی، اور چالیس اونٹیاں گاہن (حاملہ) ہوں گی اور مقتول کے وارث جس بات پر صلح کر کے فیصلہ کر لیں وہی قاتل پر واجب ہوگی“

ایک اور جگہ قتلِ خطا کی اصل دیت بھی ستواونٹ ہی مقرر فرمائے گئے ہیں، ارشاد نبویؐ ہے :-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَاءِ عَشْرُونَ حَقَّةً وَعَشْرُونَ جَذَعَةً وَعَشْرُونَ بَنَتٍ مَخَاضٍ وَعَشْرُونَ بَنَتٍ لَبُونٍ وَعَشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ۔ (ابن ماجہ ج ۳ ص ۸۷۹)

(ترجمہ) ”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲/۳۳ ہجری) سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتلِ خطا کی اصل دیت میں بیس اونٹیاں وہ ہیں جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں داخل ہو گئی ہوں اور بیس اونٹیاں ایسی ہوں جو چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں لگی ہوئی ہوں اور بیس اونٹیاں وہ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہوئی ہوں اور بیس اونٹیاں وہ جو دو برس کی ہو کر تیسرے برس میں داخل ہو چکی ہوں اور بیس اونٹ وہ جو ایک ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوئے ہوں“

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
في دية الخطاء عشرون حقة وعشرون جذعة وعشرون بنت
مغاض وعشرون بنت لبون وعشرون بنت مخاض -

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۷، ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۹)

نسائی، ترمذی، مظہری ج ۲ ص ۱۸۷، موطا امام مالک ص ۲۹۳ باب الدیۃ، کتاب العقول
(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خطاء کی
اصل دیت (سواونٹ ہیں) بیس اونٹیاں وہ جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹیاں
وہ ہیں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹیاں وہ ہیں جو دوسرے برس میں لگی ہوں۔
ہذا عند امام احمد وامام اعظم رحمہما اللہ

وان قتل الخطاء شبه العمد قتل السوط والعصاء دية مغلظة منها
اربعون في بطونها اولادها يعني مائة مت الابل - (دارقطنی ج ۳ ص ۱۰۵،
سنت ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۷۷)

(ترجمہ) اور قتل خطاء عمدہ ہے جو کوڑے اور لاٹھی سے مار دیا جائے اس کی اصل
دیت مغلظہ سواونٹ ہیں جن میں چالیس کا بھن (حاملہ) اونٹیاں ہیں۔
اجمعت الصعابة على المائة لكنهم اختلفوا في سنّها -
(البنایۃ فی شرح الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۲)

(ترجمہ) تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے کہ اصل دیت
میں سواونٹ ہی ہیں لیکن ان کی عمروں میں ان کا اختلاف ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الا دية
الخطاء شبه العمد ما كان بالسوط والعصاء مائة مت الابل منها
اربعون في بطونها اولادها - (نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد،
مشکوٰۃ باب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو
کوڑوں اور لاٹھیوں سے مارا جائے وہ خطاء شبہ عمدہ ہے اس کی دیت سواونٹ ہیں جن میں
چالیس کا بھن (حاملہ) اونٹیاں ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمقدار الدیۃ وانہا مائۃ من الابل
ضممتہا حدیث سهل بن ابی حثمۃ فی القتل الموجد بخیر وان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وداه بمائۃ من الابل۔ وروی سفیان بن عیینۃ عن علی بن
زید بن جدعان عن القاسم بن ربیعۃ عن ابن عمر قال خطبتنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ فقال الا ان قتل خطاء العمد بالسوط والعصا
فیہ الدیۃ مغلظۃ مائۃ من الابل اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا۔
وفی کتاب عمرو بن حزم الذی کتبہ لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی
النفس مائۃ من الابل۔ وروی عمرو بن دینار عن طاؤس قال فرض
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتہ الخطاء مائۃ من الابل۔

{ احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۲ باب مبلغ الدیۃ من الابل
و باب شبه العمد ج ۲ ص ۲۲۹ }

(ترجمہ) ”ارشاد نبوی“ ہے کہ دیت کی مقدار تنواونٹ ہیں حضرت سہلؓ کی حدیث اس پر
گواہ ہے کہ خیبر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنواونٹ دیت میں دیئے تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے
ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل خطاء العمد وہ ہے جو کوڑوں اور
لاٹھیوں سے مار دیا جائے اس کی دیت مغلظ تنواونٹ ہیں جن میں چالیس گاہن اونٹیاں ہوں گی۔
اور عمرو بن حزم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خط لکھا تھا اس میں بھی یہی تحریر فرمایا تھا کہ
قتل خطاء کی دیت تنواونٹ ہے۔ حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے قتل کی دیت تنواونٹ ہی مقرر فرمائی ہے۔“

پھر یہ بات قابل غور ہے کہ امام جصاصؒ فرماتے ہیں یہ کہیں نہیں فرمایا گیا کہ دیت بارہ ہزار
بادس ہزار دراهم ہے اور نہ یہ فرمایا گیا کہ دیت ایک ہزار دینار ہے بلکہ ہر زمانہ میں تنواونٹوں کی
قیمت کو دیکھا گیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۳۵)

بلاشبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اصل دیت تنواونٹ
ہی بتائی ہے، پھر کسی صحابی نے اس سے انکار نہیں کیا اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

(البنایۃ ج ۴ ص ۲۸۴)

اور دیت آزاد مسلم کی تنواونٹ ہے جب اونٹ نہ مل سکیں تو ان کی قیمت واجب ہے جیسا کہ

حضرت عمرؓ نے سواونٹوں کی قیمت کے برابر سونے والوں پر ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم دیت کے مقرر کئے تھے۔ اور ایک گرومنے یہ کہا ہے کہ ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۳۵)

صاحب البنا یہ لکھتے ہیں:-

”یعنی دیت سوائے اونٹوں کے اور کسی چیز کی ثابت نہیں۔“

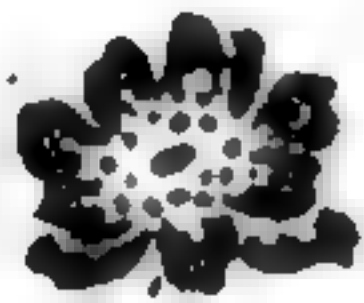
حضرت ثوری اور حضرت حسن بن صالح رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دیت میں درہم و دنانیر دیتے وقت اونٹوں کی قیمتوں کو مد نظر رکھا گیا ہے، درہم و دنانیر کی قیمتیں بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں اور ہم نے کتاب میں اسی کو بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ دیت اونٹوں ہی میں موقوف رہی ہے وہ کسی اور چیز سے ثابت نہیں، کیونکہ توقع اسی میں ہے کہ دیت سواونٹوں ہی کی (شرع شریف میں وارد ہے اور اسی پر اجماع ہے، اصل دیت کی اونٹوں کے سوا کوئی اور مقدار ہمارے علم میں نہیں، اگر کوئی قاضی اس کا حکم دے تو اس کے اس حکم کا نفاذ ہی نہ ہوگا کیونکہ دیت میں سواونٹوں کے سوا کسی اور چیز کا حکم نافذ ہی نہیں ہو سکتا، اصل دیت میں سواونٹوں کی مقدار پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اُن کا اختلاف صرف اُن کی عمروں کے بارے میں ہے۔ (البنا یہ ج ۲ ص ۲۸۳)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ *انہ جعل الدیۃ من المورق قیمۃ الابل لانہ اصل*

فی الدیۃ۔ (احکام القرآن لمصاح ج ۲ ص ۲۳۷)

چاندی سے دیت اونٹوں کی قیمت کے حساب سے دی گئی ہے کیونکہ چاندی اصل دیت

نہیں ہے۔



اُونٹ کی طرح سونا چاندی بھی

اصل دیت ہے

جواب الجواب از مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب

ماہنامہ الحق "مارچ ۱۹۹۱ء" موافق شعبان ۱۴۱۱ھ کے حوالہ سے حضرت مولانا سید تصدق بخاری صاحب زید مجدہم نے "اصل دیت کیلئے" سواونٹ یا ہزار درہم کے عنوان سے دیت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے، یہ احقر کے اُس مقالہ کا مواخذہ تھا جو دسمبر ۱۹۹۰ء کے "الحق" میں "اسلام کا نظام قصاص و دیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

اختلافی نقطہ نظر | موصوف کو احقر کے مقالہ میں جس بات سے قلق ہوا ہے وہ دیت کی تقرری میں دس ہزار درہم کے تعین کا مسئلہ ہے۔ آپ کی تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ دیت کے تعین کا دار و مدار اونٹوں پر ہے یعنی اصل دیت سواونٹ ہیں، درہم و دنانیر یا دوسری چیزوں کا ذاتی طور پر کوئی اعتبار نہیں، جہاں کہیں دیت کے فیصلے ہوئے ہیں اُن میں اونٹ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے (حالانکہ ایسا نہیں) موصوف فرماتے ہیں:-

"احادیث کے تتبع سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سونا چاندی، کھلے و کپڑے وغیرہ کی تعداد کے تعین میں خیر القرون میں کمی بیشی اس لیے ہوتی رہی اور آئندہ بھی قیامت تک بوقت ضرورت ہوتی رہے گی کیونکہ یہ چیزیں اصل دیت نہیں ہیں اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اس لیے ان کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی؛ (الحق ص ۱۲)

موصوف کے دلائل کا تجزیہ | موصوف نے گیارہ صفحات پر مشتمل مضمون میں جن روایات کا سہارا لیا ہے وہ کل پانچ ہیں:-

(۱) پہلی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، موصوف نے یہ روایت تین دفعہ ذکر کی ہے، پہلی دفعہ سیرت ابن ہشام کے حوالہ سے الحق ص ۱۳ پر، دوسری دفعہ معالم التنزیل کے حوالہ سے الحق ص ۱۵ پر اور تیسری دفعہ احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص ۱۶ پر ہے۔ اس روایت میں کسی درہم و

دنایہ سے انکار نہیں، صرف یہ آیا ہے کہ قتل خطا کا خون بہا سواونٹ ہے جن میں سے چالیس اونٹیاں حاملہ ہوں گی۔

(۲) دوسری اہم روایت جس کے بارے میں موصوف اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس سے اُن کا مؤقف صراحتاً ثابت ہے، یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کی روایت ہے۔ موصوف نے یہ روایت پہلی دفعہ بحوالہ البوداؤد رالحق ۳۱ پر (دوسری بار بحوالہ ابن ماجہ رالحق ۱۶ پر) تیسری بار بحوالہ ترمذی رالحق ۱۸ پر ذکر کی ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ قتل خطا کی دیت سو اونٹیاں ہیں جن میں تیس دوسرے سال والی، تیس تیسرے سال والی، تیس چوتھے سال والی اور دس اونٹ دوسرے سال والے ہیں۔ البتہ مؤخر الذکر روایت میں تیس اونٹیاں چوتھے سال والی، تیس اونٹیاں پانچویں سال والی اور چالیس اونٹیاں حاملہ (گا بھن) کی ادائیگی وارد ہے، مزید برآں دراہم و دنایہ اور دوسری چیزوں کا اندازے سے ادائیگی کا حکم بھی وارد ہے۔ ایسا ہی موصوف نے یہ روایت عبداللہ بن عمرو ابن العاص کی دوسری سند سے مشکوٰۃ کے حوالے سے الحق ۳۱ پر نقل کی ہے جس سے سواونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۳) تیسری روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو موصوف نے ترمذی کے حوالہ سے الحق ۳۱ پر نقل کی ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیۃ اثنتی عشر الف دراهم۔

(الجامع الترمذی ج ۱ ص ۲۵۸ باب ما جاء فی الدیۃ کم ہی من الدراہم)

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائے۔

اس روایت کی رو سے دیت میں اونٹ کی تقرری کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس سے موصوف کے عندیہ کی

تردید ہو رہی ہے کیونکہ موصوف کے نزدیک اصل دیت سواونٹ ہیں جبکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اعتبار سے قطع نظر بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائے۔

یہ الگ بات ہے کہ احناف نے بارہ ہزار کی جگہ دس ہزار دراہم کو اعتبار کیوں دیا؟ اس کی تحقیق کے لیے احناف کے فقہی ذخائر کی طرف مراجع کرنا ہوگا تاہم درہم کی قیمت میں تفاوت کی وجہ سے بعض روایات سے دس ہزار اور بعض سے بارہ ہزار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کہنا روایات سے ناواقفیت کی دلیل ہے کہ یہ تفاوت اونٹ کی قیمت کے اعتبار پر مبنی ہے۔ دراہم کا اعتبار صرف اس روایت سے نہیں بلکہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ رکما سیاقی انشاء اللہ لیکن موصوف کے مؤقف

کی تردید کے لیے یہ ایک روایت ہی کافی ہے، معلوم نہیں کہ آپ کو یہ روایت نقل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

(۴) چوتھی روایت حضرت جابر بن عبد اللہ کی ہے جو موصوف نے تفسیر مظہری کے حوالہ سے الحق ص ۱۶ پر نقل کی ہے۔ اس روایت کی رو سے دیت میں اونٹ کے علاوہ گائیں والوں پر دو سو گائیں بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں پر دو سو جوڑے کپڑوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵) پانچویں روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ہے جو موصوف نے ابن ماجہ کے حوالہ سے الحق ص ۱۹ پر اور ابو داؤد کے حوالہ سے الحق ص ۲ پر نقل کی ہے، اس روایت سے بھی اونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے۔

ان روایات کے علاوہ حضرت طاؤس کی مرسل روایت احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص ۲ پر ہے جس سے اونٹ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

امام شافعی، امام احمد، طبری، امام اعظم، ثوری اور حسن بن صالح کی طرف آپ نے منسوب اقوال پیش کیے ہیں۔

اونٹ کی اصالت کے باوجود تمام روایات پر عمل ممکن نہیں | مولانا موصوف کا عندیہ درج ذیل ہے :-

”درحقیقت اصل دیت سوا اونٹ ہی ہیں اس لیے دیت کے فیصلہ کے وقت سوا اونٹ کی جو قیمت ہو وہی اصل دیت ہے، دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ بحساب سوا اونٹوں کی مرویہ قیمت کے مساوی دی جائیں گی“ (الحق ص ۱۶)

موصوف کے ارشاد کے مطابق اگر ہم سوا اونٹ دیت کے لیے اصل مان لیں تو پھر بھی تمام روایات پر عمل ممکن نہیں کیونکہ اونٹ کے بارے میں بھی حدیث کے دیگر ذخائر کی طرف مراجع سے قطع نظر صرف موصوف نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک نوع کے اختیار کرنے سے دوسری روایات ٹھوٹ جاتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی روایت کی رو سے جب سوا اونٹ دیئے جائیں گے تو ان میں چالیس اونٹنیاں حاملہ (گاہن) ہوں گی، لیکن اس کے مقابلہ میں عمرو بن شعیب بن ابیہ عن جدہ کی سند سے جو روایت موصوف نے نقل کی ہے اس میں ابو داؤد کی روایت میں سوا اونٹ کی جگہ قیمت کی ادائیگی وارد ہے، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں سوا اونٹ کی ادائیگی میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ ان میں تیس ایسی اونٹنیاں ہوں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں،

تیس ایسی اونٹنیاں جو تیسرے سال میں جا رہی ہوں اور تیس ایسی اونٹنیاں جو چوتھے سال میں لگی ہوں اور دس ایسے اونٹ جو تیسرے برس میں داخل ہو چکے ہوں۔ گویا اس روایت میں سوا اونٹ میں چار قسم کا اعتبار ہے، لیکن تربذی کی روایت میں سوا اونٹ میں تثلیث کا اعتبار ہے کہ تیس اونٹنیاں چار سال والی، تیس اونٹنیاں پانچ سال والی، اور چالیس اونٹنیاں حاملہ رکابھن ہوں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بحوالہ ابو داؤد سوا اونٹ کی تقسیم میں تینوں کا اعتبار دیا گیا ہے۔ بیس اونٹنیاں چوتھے سال والی، بیس اونٹنیاں پانچویں سال والی، بیس اونٹنیاں دو سال والی، بیس اونٹنیاں تین سال والی اور بیس اونٹ تین سال والے ہوں۔

صرف ان الفاظ کو دیکھ کر کسی ایک نوع کے تعین سے دوسری روایات پر عمل ممکن نہیں، لہذا محض اونٹ کی اصالت پر قول کر کے روایات کو قابل عمل بنانے کی راہ کامیاب نظر نہیں آتی، ایسی صورت میں قتل کی قسموں کا اعتبار کر کے دیت مغلطہ اور دیت محففہ کی صورت نکالنی ہوگی۔

دراہم و ذناہیر کو دیت کی قیمت کہنا درست نہیں | اس کے معنی میں معاوضہ کی ماہیت چھپی ہوئی ہے

کیونکہ لغوی اعتبار سے دیت مالی معاوضہ کو کہا جاتا ہے۔ اور از روئے شرع دیت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کی جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص کرنے کے بدلے میں دیا جاتا ہے۔ (مظاہر الحق جدید از علامہ قطب الدین، جلد ۳ ص ۵۳ کتاب الدیات)

گویا دیت حقیقت میں انسان کی قیمت ہے، کیونکہ انسان کی حقیقت میں حیوانیت میں بھی ایک جز ہے اور حیوان جب ہلاک ہو جائے تو یہ مضمون بالقیمت ہوتا ہے اور قیمت کے تعین کے لیے ایسی چیز کی تقرری ضروری ہوتی ہے جس میں خود تعین ہو تفاوت نہ ہو، مزید برآں ممکن الوصول ہو۔ کسی حیوان کے عوض میں ایسی چیز کو واجب قرار دینا جو متفاوت ہو باہمی نزاع اور فتنہ و فساد کے لیے مواقع فراہم کرنے کے مترادف ہے جبکہ ممکن الوصول نہ ہونے کی صورت میں تعجیز کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں۔ اس وجہ سے عقلاً تو اونٹ کا اعتبار ذاتی طور پر دیت میں بالکل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے باطنی معانی کی وجہ سے ان میں یکسانیت ممکن نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونٹ مل سکیں، مثلاً ہمارے ملک میں اگر موصوف کے مشورہ سے اونٹ کو ہی اعتبار دیا جائے تو یہ اسلامی نظام کے نفاذ کو مشکل شکل تر بناتا ہے کیونکہ ملک میں ہر جگہ اونٹوں کا ملنا مشکل ہے اور اگر مقتول کے وراثہ کو سوا اونٹ ہی دیئے جائیں تو یہ ان کو الٹا مشقت میں ڈالتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ مقتول کے وراثہ

اونٹ اپنے پاس رکھ سکیں اور اگر فروخت کریں تو ملکی رواج نہ ہونے کی وجہ سے ایسی حالت میں اس کو کم سے کم قیمت دی جائے گی۔ لیکن چونکہ حدیث میں سوا اونٹ کا حکم دیا گیا ہے لہذا عقلی وجوہات سے قطع نظر تشکیک، تزییع یا تخمیس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کا دینا جائز ہے، پھر بھی اونٹوں کی ادائیگی ایسے ملک میں ہونی چاہیے جہاں ان کا رواج ہو تاکہ ان کو یعنی ورثہ کو کم آسانی رہے۔ اس کے علاوہ دراهم و دنانیر اپنی جگہ بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت کے دیت کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ دراهم و دنانیر خلقی طور پر ثمنیت سے متصف ہیں، اس کی مقدار معلوم ہے اور ہر جگہ آسانی سے میسر ہیں بلکہ دنیا کے ہر کونے میں ان کا اعتبار پایا جاتا ہے کیونکہ دنانیر سونے اور دراهم چاندی کے ہوتے ہیں اور سونا چاندی بین الاقوامی لین دین کا ذریعہ ہے اس لیے دیت میں اس کی تقرری سے کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔

دراہم و دنانیر کو دیت کی قیمت کہنے میں ایک دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ اگر ہم اصل دیت اونٹ کو مان کر دراهم و دنانیر اس کا بدلہ تسلیم کر لیں تو ایسی حالت میں اونٹ ہمیشہ نہیں لے جاتے یہ قاتل کے ذمے محض واجب الادا ہوتے ہیں، اگر دراهم و دنانیر اس کا بدلہ ہو اور اس کے عوض میں دیئے جائیں تو دراهم و دنانیر کے بارے میں قاضی تین سال کی مدت ادائیگی کے لیے مقرر کر سکتا، لہذا پھر ایسی حالت میں بھی یہ قاتل کے ذمہ محض واجب الادا رہیں گے تو یہ ”دینا بدین“ ”نسیتہ بنسیتہ“ کی صورت لازم آئے گی جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔ (المبسوط للشرعی ج ۲ ص ۲۶ کتاب الدیات) دیت کے تعین میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

دنانیر کا تعین راقم الحروف کی کوئی خود ساختہ رائے نہیں بلکہ یہ محققین و مجتہدین کی تحقیقات کی روشنی میں مستقل مکاتب فکر کی مستند رائے ہے، بد قسمتی سے مولانا صاحب نے اپنے مقالہ میں سوا اونٹ کی اصالت ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کی طرف منسوب کرنے کی زحمت نہیں کی، موصوف نے انداز بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ شاید اپنی صوابدید پر وہ احادیث سے بالذات مسائل مستنبط کر رہے ہیں، آپ نے ”الحق ص ۵۱“ پر ”الغایہ“ کے حوالے سے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ایسے پیرایہ میں نقل کیا ہے جیسا کہ ان حضرات کے اقوال آپ کی رائے کے لیے محض تائیدی حیثیت رکھتے ہوں، جبکہ بعض جگہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے غلط فائدہ لیا ہے اور ایسی توجہ کی ہے جو مالا یرضی بہ قائلہ کے مترادف ہے۔

کاش! اگر موصوف ابتداء ہی سے اپنا مذہبی رشتہ ظاہر کر دیتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ آپ کس کی ترجمانی کا حق ادا کر رہے ہیں، اس لیے دیت کے بارے میں جملہ مذاہب نقل کرنے کے بعد شاید موصوف کے بارے میں یہ واضح ہو سکے کہ وہ کس مسلک سے وابستہ ہیں تاہم طوالت سے بچنے کی خاطر عربی عبارات کے بجائے باحوالہ اردو تراجم پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کی رائے | امام شافعیؒ سے دیت کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں، پہلے قول جس کی نسبت آپؒ کی طرف عراق کے حوالہ سے کی جاتی ہے، کی رو سے چاندی والوں سے بارہ ہزار درہم اور سونے والوں سے ایک ہزار دینار لے جائیں گے جیسا کہ اونٹ والوں سے سواونٹ لے جاتے ہیں البتہ مصر میں آپؒ کا قول جدید یہ ہے کہ درہم و دنانیر کے تعین کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اصل دیت سواونٹ ہے، جہاں کہیں دوسری چیزیں مثلاً سونا چاندی لیے جائیں گے تو اس میں اونٹوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

قال الشافعي بمضمر لا يؤخذ من اهل الذهب ولا من اهل الورق الا قيمة الابل بالغة ما بلغت۔ (بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۷۷) کتاب الديات في النفوس اختلفوا في الدرهم و الدنانير (ترجمہ) ”امام شافعیؒ کا قول مصر میں یہ ہے کہ سونا اور چاندی والوں سے سواونٹ کی قیمت کے علاوہ کوئی چیز نہیں لی جائے گی خواہ قیمت کتنی ہی کیوں نہ ہو؛“

لیکن شوافعؒ کے ہاں مفتی بہ قول مصر کا ہے، گویا ابھی شوافع کے ہاں دیت کی اصل سواونٹ ہے، سونا اور چاندی یعنی درہم و دنانیر اگر دیئے جائیں تو اس میں سواونٹ کی قیمت کا اعتبار ہوگا بذات ان کا دیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ”آزاد مسلمان کی دیت سواونٹ ہے اس کے سوا دوسری چیزیں دست نہیں؛“

(الام۔ دارالمعرفة بیروت ج ۲ ص ۱۵۸)

امام مالکؒ کی رائے | امام مالکؒ کے نزدیک سواونٹ کے علاوہ درہم و دنانیر کا بھی دیت میں بطور اصالت اعتبار ہے۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں :-

وعند مالك تقويم عمر بن الخطاب المائة من الابل على اهل الذهب بالف دينار وعلى اهل الورق اثني عشر ألف درهم۔ (بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۷۷) کتاب الديات في النفوس (ترجمہ) ”امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سونے والوں پر دیت (ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم ہیں؛“

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے | امام احمد بن حنبلؒ نے بھی دو روایات مروی ہیں، ایک روایت میں آپ بھی امام شافعیؒ کی طرح صرف اونٹ کی اصالت کے قائل ہیں اور دوسرے قول میں اونٹ کے علاوہ سونے اور چاندی کے بھی قائل ہیں۔ محدث اعظم ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) جان لیں کہ دیت کی اصالت میں علماء کا اختلاف ہے، پس امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کی رو سے اور ابن المنذرؒ کے نزدیک صرف (سونے) اونٹ ہیں لہذا ان کی قیمت واجب ہوگی جتنی بھی ہو، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اونٹ کے علاوہ سونا اور چاندی بھی ہے، یہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول اور امام شافعیؒ کی قدیم رائے ہے، (مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۷ ص ۸۳ ابواب الدیات)

ابن حزم ظاہریؒ کی رائے | دیت کے بارے میں سب سے سخت ترین لہجہ ابو محمد علی بن حزم ظاہریؒ کا ہے، جن سے دراہم و دنانیر کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں جبکہ دوسرا ائمہ سے کسی نہ کسی درجہ میں دراہم اور دنانیر کے بارے میں کچھ نہ کچھ مروی ہے لیکن آپ دو ٹوک فیصلہ کر کے فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ”قتل عمد اور خطا کی دیت سوا اونٹ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر ان کی قیمت واجب ہو گی“ (ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، ج ۷ ص ۴۷ مزید لکھتے ہیں :-

ترجمہ ”ہماری طرح جن سے اونٹ کے علاوہ دوسرا کوئی قول نقل نہیں یہ ایک عظیم جماعت ہے جن میں زید بن ثابتؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ان تمام کی رائے یہ ہے کہ دیت میں سوا اونٹ ہیں“ (ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، ج ۷ ص ۴۷)

ان متعدد اقوال پر نظر ڈالتے ہوئے قارئین آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ موصوف مسلک کے اعتبار سے کن کے قریب ہیں اگرچہ آپ نے کسی جگہ اپنے مذہبی رشتہ کے اظہار کی جرأت نہیں کی بلکہ مجتہدانہ انداز بیان اختیار کر کے احادیث سے بالذات احکام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دیت کے بارے میں احناف کثر اہم اللہ کا موقف | احناف بھی دیگر فقہی مکاتب فکر کی طرح دیت میں اونٹ کی

اصالت کے قائل ہیں لیکن احناف نے اپنا زاویہ فکر صرف چند روایات تک محدود نہیں رکھا بلکہ

پوری روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اونٹ کے علاوہ سونے دینار اور چاندی دراهم کے تعین پر بھی قول کیا۔ گویا اخاف کے نزدیک سوا اونٹ کی طرح ایک ہزار دینار یا دس ہزار دراهم بھی دیت کے لیے اصل ہیں۔ اگر کسی علاقہ میں اونٹ ہوں تو وہاں پر دیت میں اونٹ وصول کیے جائیں گے اور اگر کہیں اونٹ نہ ہوں تو پھر علاقہ کی حالت اور عرف کو دیکھ کر سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار دراهم وصول کئے جائیں گے۔

پاکستان میں اونٹوں کا رواج بعض خاص علاقوں تک محدود ہے اس لیے میں نے اپنے مقالہ میں اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کا حساب لگایا تھا، زکوٰۃ اور دوسرے نصابوں میں چاندی کا اعتبار زیادہ کرتے ہیں اور عام عرف میں بھی دراهم کا حساب آسان تھا اس لیے اختصار نے دس ہزار دراهم کا حساب تولہ اور ماشہ میں بحساب ۳۱ ماشہ چاندی فی دراهم کے حساب سے دو ہزار نو سو تولہ آٹھ ماشہ چاندی کی قیمت کا مشورہ تھا کیونکہ اس کی قیمت کے تعین میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا، لیکن میں نے اس سے انکار کیا ہے کہ دیت میں اونٹ نہ دیئے جائیں؟ اور نہ اھراس کی برأت کر سکتا ہے، ہماری کتابوں میں ان تینوں چیزوں کے بارے میں صراحت لکھا ہے، چنانچہ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ”قل خطا میں دیت سوا اونٹ ہے۔۔۔۔۔ سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے حساب سے دس ہزار دراهم ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تین چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے دیت ثابت نہیں۔“ (مداریہ جلد ۳ ص ۹۹ کتاب الدیات)

ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مقلد ہونے کی حیثیت سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے مقتدا اور پیشوا سیدنا امام ابو حنیفہؒ نے جو فرمایا ہے وہ کسی نہ کسی حدیث سے لازماً ثابت ہے۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے کوئی بات اپنی طرف سے کہہ کر کسی حدیث کی مخالفت کی ہوگی اور نہ ہم بالذات کسی حدیث یا آیت سے مسائل کے استنباط کی قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مفتیان کرام فتویٰ دیتے وقت کسی حدیث یا آیت کے حوالہ کی جگہ کسی مستند فقہی کتاب کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں، ہمارے فقہاء کرام نے دراهم و دنانیر کی اصالت کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کر کے فرمایا ہے :-

قال العلامة السرخسی : واختلفوا فی ان الدراهم والدنانیر فی الدیۃ اصل ام باعتبار قیمۃ الابل فالمدھب عندنا انھما اصل۔ (المبسوط ص ۲۶ کتاب الدیات، اختلفوا فی الدراهم والدنانیرم ترجمہ) ”علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دراهم و دنانیر دیت میں بطور اصالت معتبر ہیں یا قیمت

کے اعتبار سے، تو ہمارے نزدیک (اونٹ کی طرح) یہ دونوں درہم و دنانیر بھی، دیت میں اصل ہیں۔“

بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے اجل تلامذہ سیدنا امام ابو یوسفؒ اور سیدنا امام محمدؒ کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی رو سے گاٹے، بکری اور کپڑوں سے بھی ثابت ہے، گویا صاحبینؒ کے نزدیک دیت کے چھ اصول ہیں، یعنی جس علاقہ میں لوگوں کو اس میں سہولت ہو ان سے وہی وصول کیا جائے، چنانچہ بعض علماء کے نزدیک صاحبینؒ کی یہ رائے امام ابو حنیفہؒ سے دوسری روایت ہے، علامہ مظهر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ ”میرے نزدیک تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول صاحبینؒ کا مذہب ہے،“ (اعلاء السنن جلد ۸ ص ۱۵۲ کتاب الدیات) جبکہ عام کتابوں میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف اول الذکر تین انواع کی نسبت ہوئی ہے اور مؤخر الذکر تینوں کا ثبوت صرف صاحبینؒ کی رائے تک محدود ہے، پھر اونٹ کی دیت میں بسا اوقات سختی اور شدت بھی پائی جاتی ہے جبکہ درہم اور دنانیر میں خاص مقدار مقرر ہونے کی وجہ سے سختی کا امکان نہیں، اس لیے جہاں کہیں قتل کی نوعیت سخت ہو تو دیت مغلطہ ادا کی جائے گی، پھر یہ شدت درہم اور دنانیر میں نہیں پائی جاتی ہے اس لیے اونٹ ہی سے ادا کی جائے گی۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :-

ترجمہ ”اونٹ کے علاوہ کسی دوسری نوع میں تغلیظ ثابت نہیں کیونکہ شرع صرف اس میں وارد ہے“ (الہدایہ جلد ۲ ص ۲۹۹ کتاب الدیات)

لہذا امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب دیت مغلطہ کی ادائیگی کی ضرورت پڑے تو اونٹ سے چار قسم ادا کیے جائیں گے جن میں پچیس بنت محاض دو دوسرے سال والے، پچیس بنت لبون دوسرے سال والے، پچیس حقہ (پچھتے سال والے) اور پچیس جذعہ (پانچویں سال والے) شامل ہیں، جبکہ دیت مخففہ دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہے، اور اگر اونٹوں سے ادا کرنا پڑے تو پھر پانچ قسموں سے ادا کی جائے گی جس میں قیمت کے اعتبار سے یقیناً آسانی رہے گی۔

درہم اور دنانیر کی اصالت احادیث کی رو سے | مقالہ نگار کا یہ تجزیہ بالکل غلط ہے کہ اونٹ کے علاوہ درہم اور دنانیر کا اعتبار

بطور اصالت دیت میں ثابت نہیں یہ روایات کے ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہر وہ روایت جس سے بارہ ہزار یا دس ہزار دراهم یا ایک ہزار دینار کا ثبوت ملتا ہو تو وہ آپ کی رائے کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ دراهم میں بارہ ہزار یا دس ہزار کا تفاوت مروجہ سکہ کی قیمت میں کمی و بیشی پر مبنی ہے۔ ذیل میں چند روایات اس کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں:-

(۱) امام ترمذیؒ نے ”جمع بین البابین“ کی عادت اپناتے ہوئے پہلے جب ”باب ماجاء فی الدیۃ کمرھی من الابل“ کا تذکرہ کیا تو اس سے فارغ ہو کر دوسرا باب ”ما جاء فی الدیۃ کمرھی من الدراهم“ لایا، آپ نے اس میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت دو سندوں سے لائی ہے کہ:-

(۱) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیۃ اثنی عشر (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۵۸ باب ماجاء فی الدیۃ کمرھی من الدراهم)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے دیت بارہ ہزار دراهم مقرر کی۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام ترمذیؒ کے علاوہ امام ابو داؤد، سنن النسائی، اور دارمی نے بھی نقل کی ہے، یہی وہ روایت ہے جو حضرت مولانا نے الحق ص ۱۲ پر نقل کی۔ بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:-

(۲) ان رجل من بنی عدی قتل فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ اثنی عشر

الف۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۸۳ باب الدیات)

(ترجمہ) بنی عدی کا ایک آدمی قتل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار دراهم مقرر کی۔

(۲) حضرت عمر بن خطابؓ سے امام ابو حنیفہؒ کی سند سے روایت نقل کرتے ہوئے امام محمدؒ فرماتے ہیں:-

اخبرنا ابو حنیفہؒ عن الہیثم عن عامر الشعبي عن عبیدۃ السلمانی عن عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ قال اهل الورق من الدیۃ عشرة الاف درهم وعلى اهل

الذهب الف دینار۔ (کتاب الآثار ص ۹۶ کتاب الدیات)

یہ روایت عبیدہ السلمانی سے اس طریقہ پر بھی مروی ہے کہ:-

بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انه جعل الدیۃ على اهل الابل مائة

ابل وعلى اهل الورق عشرة الاف درهم۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲ کتاب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب نظام زندگی کے لیے جبر تیار ہوئے تو آپ نے اونٹ والوں پر سو اونٹ سونے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر دس ہزار درہم مقرر کئے۔
ظاہر بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نظام زندگی کا دستور مرتب فرما رہے تھے تو اس میں بڑے بڑے صحابہ بھی شریک تھے اور آپ کے اس اقدام پر کسی صحابی کا اعتراض منقول نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ نے آپ کی اس رائے کی تصویب کی، گویا اس پر صحابہ کا اجماع ہوا کہ سو اونٹ کی طرح ہزار دینار اور دس ہزار درہم بھی دیت میں دیئے جاسکتے ہیں، ہمارے لیے یہی اجماع صحابہ بڑی سند ہے۔
(۳) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع الدیۃ علی الناس فی اموالہم علی اہل الایل مائۃ بعبیر و اہل الشاة الفی شاة و علی اہل البقر مائتی بقرة و علی اہل البرودہ مائتی حلة۔ (کتاب الخراج ص ۱۵۵ الحدود علی اہل الجنایات)
(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ان کے اموال میں دیت مقرر فرمائی، پس اونٹ والوں پر سو اونٹ، بکری والوں پر دو ہزار بکریاں، گائے والوں پر دو سو گائیں اور کپڑے والوں پر دو سو جوڑے۔

اس روایت میں اگرچہ درہم و دنانیر کا تذکرہ نہیں ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کو بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت سے اعتبار دیا جبکہ ہمارے بعض ائمہ سے یہ دوسری چیزیں بھی مروی ہیں، اور بقول بعض امام ابو حنیفہؒ سے بھی درہم و دنانیر کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں روایت آئی ہے۔
(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقولہ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کے علاوہ درہم و دنانیر کا بھی اعتبار ہے، آپ فرماتے ہیں:-

ان النبی علیہ السلام قال من سبغ فی کل یوم وليلة مثل دیتۃ اثنی عشر الف تسبیعة فکاتما حور رقبة من ولد اسمعیل۔ (المبسوط للسخری ج ۲ ص ۲۴ کتاب الدیات)
(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہر دن رات میں اپنی دیت کی طرح بارہ ہزار دفعہ تسبیحات پڑھیں گویا اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا،
حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

”حضرت ابو ہریرہ رات و دن میں بارہ ہزار تسبیح پڑھتے اور فرماتے کہ میں اپنی دیت کے

اندازہ سے تسبیحات پڑھتا ہوں“ (دفاع ابوہریرہ ص ۳۸)
 جبکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے توالہ سے دس ہزار درہم کے بارے میں بھی حضرت ابوہریرہ
 رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۸۔ باب تقدیم الدیامن غیر الابل)
 (۵) عمرو بن حزمؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الدیۃ من الدراہم اثنی عشر الفا۔

(المبسوط للسرخی ج ۲۶ ص ۷۷ کتاب الدیات)

(۶) حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دية كل ذی عمد فی عمد الف دینار۔

(المبسوط للسرخی ج ۲۶ ص ۷۷ کتاب الدیات)

(۷) حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی ایک واقعہ پیش آیا تو آپ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر

فرمائی۔ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۵۔ باب تقدیم الدیات من غیر الابل)

(۸) ایسے ہی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی دس ہزار درہم دیت کی روایت منقول ہے۔

(اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۵۔ باب تقدیم الدیات من غیر الابل)

ان تمام روایات کو مد نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اونٹ کی طرح درہم اور دنانیر بھی دیت
 میں بطور اصالت ثابت ہیں لہذا دس ہزار درہم کے حساب سے چاندی کی مروجہ قیمت بطور دیت
 ادا کرنا روایات سے ذہول نہیں بلکہ روایات کے مطابق عمل کرنے کی ایک آسان صورت ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

[التوبة: ۴۱]

تقریباً
اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو

باب شرائط الجهاد وآدابه (جهاد کے شرائط و آداب کا بیان)

سوال :- بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ وقت میں تبلیغی جماعت والے حد سے بڑھ گئے ہیں لہذا ان پر بجائے تبلیغ کے جہاد فرض ہوتا ہے تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے جہاد کی فرضیت کے لیے جن شرائط کا لحاظ کیا ہے وہ اہل اقتدار کے علاوہ عوام الناس میں نہیں پائے جاتے ہیں اس لیے تبلیغی حضرات پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا ہے، اور وہ شرائط یہ ہیں :-

لما فی الہندیۃ : واما شرائط فشیان احدهما امتناع العدو عن قبول مادی الیہ من الدین الحق وعدم الامان والعهد بیننا وبنہم والثانی ان یرجوا لشوکیۃ واهل المسلمین فی القتال فانه لا یحل لہ القتال لما فیہ من القار نفسہ فی التہلکۃ -

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر - البنا الاول فی تفسیرہ شرعاً وشرطہ وحکمہ (۱) لہ

سوال :- کیا جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟
الجواب :- جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔ اگر نفیر عام کی صورت میں پیش آئے یعنی دشمن اتنا زیادہ طاقتور ہو کہ قریب والے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہے، اور اگر بعض لوگ دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہوں تو دوسروں پر جہاد فرض کفایہ ہے یعنی بعض افراد کا جہاد کرنا دوسروں اس

لہ وقال العلامة التمریاشی : ولا بد لفرضیتہ من قید اخر وهو الاستطاعۃ - وقال لعلاہ الحسکفی : تحتہ وفي السراج وشرط لوجوبہ القدرة علی السلاح لا امن الطريق فان علم انه اذا حارب قتل وان لم یحارب اسر لم یلزمہ القتال -

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الجہاد، مطلب طاعۃ الاولین)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر -

ذمہ داری ساقط کر دیتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: كل فرض لغیرہ فهو فرض كفاية اذا حصل المقصود
بالبعض والا ففرض عين۔ (الامم المختار علی هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۸۱ کتاب الجهاد) لہ
جہاد کے دوران امیر کی اہمیت | سوال :- جہاد کے دوران مجاہدین کی
ترتیب و نظم و نسق برابر کرنے کے لیے امیر بنانا

ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جہاد کے دوران مجاہدین کی ترتیب اور نظم و نسق درست کرنے کیلئے ایک
ماہر جنگ کے اصول اور طریقہ کار سے باخبر، نیک اور قبیح سنت امیر کی تقرری سنت نبوی
ہے، اس لیے جنگ سے پہلے امیر مقرر کرنا اچھا اقدام ہے تاکہ مجاہدین کے نظم و نسق کو برقرار
رکھا جاسکے۔

لما قال العلامة الكاساني: ومنها ان يؤمر عليهم امير الان النبي صلى الله عليه وسلم ما بعث جيشاً
الا وأمر عليهم اميراً ولان الحجة الى الامير ماسة لانه لا بد من تنفيذ الاحكام وسياسة الرعية ولا يقو اذ لا
الا بالامير ليتعذر الرجوع في كل حادثة الى الامام۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۹ فصل في بيان ما يندب اليه الامام ... الخ)

لما قال العلامة الكاساني: وأما بيان كيفية فرضية الجهاد فالأمر فيه لا يخلو من أحد
وجهين إما ان كان النفير عاماً وأما ان كان النفير عاماً ويمكن النفير عاماً فهو فرض
كفاية ومعناه ان يقترض على جميع من هو اهل الجهاد لكن اذا قام به البعض
سقط عن الباقيين فاما اذا جهم النفير بان هجم العدو على بلد فهو فرض
عين ليقترض على كل واحد من آحاد المسلمين ممن هو قادر عليه۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۸ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۸۹ کتاب السیر۔

لہ وقال العلامة ابن عابدين: قال في الملتقى ويتبع الامام ان يعرض الجيش عند دخول
دار الحرب ليعلم الفارس من الزاحل قال في شرحه وان يكتب اسماءهم وان يؤمر عليهم
من كان بصيراً بامور الحرب وتدابيرها ولو من الموالى وعليهم طاعته لان مخالفة الامير
حرام الا اذا اتفق الاكثر انه ضرر فيتبع۔ (رد المختار ج ۳ ص ۲۳۲ کتاب الجهاد۔ فصل في كيفية القسم)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَةِ ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب السیر الباب الاول في تفسير

جہاد کی ذمہ داری کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص کی منگنی ہو چکی ہے لیکن تاحال شادی نہیں ہوئی

جبکہ اسے جہاد پر جانے کا شوق ہے اور والدین کی طرف سے اجازت بھی مل چکی ہے۔ تو کیا اس شخص کا جہاد کے لیے جانا موجب مواخذہ ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ جہاد کی فرضیت کے لیے استطاعت یعنی آلات حرب اور قدرت علی الجہاد شرط ہے اس لیے یہ جہاد عوام پر فرض عین نہیں ہے بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لہذا مذکورہ شخص کا جہاد کے لیے جانا یا نہ جانا موجب مواخذہ نہیں ہے البتہ جانے سے اجور ضرور ملتا ہے جبکہ نیت صحیح ہو۔

لما قال الشيخ التمر تاشي رحمه الله : ولا بد لفرضيته من قيد آخر هو الاستطاعة قال العلامة الحصكفي رحمه الله : تحته وفي السراج وشرط لوجوبه القدرة على السلاح كالأمن الطريق فان علم انه اذا حارب قتل وان لم يحارب أسلم يلزمه القتال۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الجہاد) لہ

نفیر عام کی تعریف | سوال :- نفیر عام کا معنی اور تعریف کیا ہے؟ اور کون سی حالت میں نفیر عام کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے نفیر عام کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ جب کفار بلاد اسلام میں داخل ہو جائیں تو اس وقت ہر ذی قدرت جو ان بلاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : (تحت قوله وان هجم العدو) ای دخل بلدة بغتة وهذه الحالة تسمى النفير العام قال في الاختيار والنفير العام

له وفي الهندية : واما شرائطه فثيئان احدهما امتناع العدو عن قبول ما دعى اليه من الدين الحق وعدم الامان والعهد بيننا وبينهم والثاني ان يرجوا الشوكة للمسلمين في القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر الباب الاول في تفسيرة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر۔

ان یحتاج الی جمیع المسلمین۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ کتاب الجہاد۔ مطلب طاعة الوالدین من لہ

افغانستان کا جہاد کن لوگوں پر فرض ہے | سوال :- کیا افغانستان کا جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اگر فرض عین ہے تو

کن لوگوں پر فرض ہوتا ہے؟ اور کیا پاکستان کے لوگوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- افغانستان کا جہاد نفیر عام ہونے کی وجہ سے فرض عین ہے تاہم کمزور

اور قدرت نہ رکھنے والے افراد پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ یہ ذمہ داری اہل اقتدار

اور سربراہوں کی ہے، اس لیے اگرچہ عوام الناس اور رعیت پر یہ جہاد فرض نہیں ہوتا لیکن ان

کے لیے مجاہدین کی اعانت اور ہمدردی کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ : واما بیان من یفترض علیہ فنقول انہ لا

یفترض الاعلی القادر علیہ فمن لاقدرة له لاجہاد علیہ لان الجہاد بذل الجہد

وهو الوسع والطاقة بالقتال والمبالاة فی عمل القتال ومن لاوسع له کیف یبذل

الوسع۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ کتاب السیر)

جہاد کثیر کی فرضیت کا حکم | سوال :- مسلمانان مقبوضہ کشمیر جو کہ عرصہ دراز سے

ایک جابر اور ظالم حکومت کے زیر تسلط ہیں وہاں ان

لہ وفي الهندية : ومعنى التفسير العام ان يخبر اهل مدينة ان العدو قد جاويز

انفسكم وذرايكم واموالكم فاذا اخبروا على هذا الوجه افترض على كل

من قدر على الجهاد من اهل تلك البلدة ان يخرج للجهاد۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر الباب الاول فی تفسیرہ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۷ ص ۹۸ کتاب السیر)

لہ وفي الهندية : واما شرائط اباحتہ فشیان احدهما امتناع العدو عن قبول ما

دعی الیہ من الدین الحق وعدم الامان والعهد بیننا و بینہم والثانی ان یرجو الشوكة

والقوة لاهل الاسلام باجتهاده لما فیہ من القاء نفسه فی الشہکة۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر الباب الاول فی تفسیرہ)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالدین۔

ظالموں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے، ان کے گھر اور جائیداد وغیرہ کو تباہ کیا جا رہا ہے، پردہ نشین مسلم عورتوں کی آبروریزی ہو رہی ہے، تو کیا ایسی حالت میں اس ظالم اور جابر حکومت کے خلاف جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟ اور ان مظلوم مسلمانوں کی اعانت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ حالات کے پیش نظر اس جابر اور ظالم حکومت کے خلاف جہاد فرض عین ہے کیونکہ مسلمانان کشمیر پر بھارتی حکومت نے جبر و ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور ان کی عزت و عصمت کو پاؤں مال کیا جا رہا ہے لیکن عوام اور رعیت کا ان کافروں سے مقابلہ دشوار ہے اس لیے تمام تر ذمہ داری اہل اقتدار پر عائد ہوتی ہے، اگر ان کے قریب کی مملکت اسلامیہ کفار کا مقابلہ نہ کر سکے تو الاقرب فالاقرب پر حتیٰ کہ شرقاً وغرباً تمام ممالک اسلامیہ پر جہاد فرض ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء التغير انما يبرهن عین علی من يقرب من العدو قامة من ورائهم يبعد من العدو وهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذ لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو اجازوا عنها لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه هم وهم الا ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً على هذا التدريج۔ (رد المحتار ج ۳ کتاب الجہاد مطلب الفرق فرض عین وفرض کفایۃ)

لہ وفي المہندیۃ: وانما يفرض فرض عين على من كان يقرب من العدو وهم يقدرون على الجهاد واما على من ورائهم ممن يبعد من العدو فانه يفترض فرض كفاية لا فرض عين حتى يسعهم تركه فاذا احتج بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفرض على جميع اهل الارض شرقاً وغرباً على هذا الترتيب۔

والفتاوى المہندیۃ ج ۲ ص ۱۸ کتاب السیر۔ الباب الاول فی تفسیرہ

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹ کتاب السیر۔

برما کے مظلوم مسلمانوں پر جہاد کا حکم | سوال :- سرزمین برما میں مسلمان بہت عرصہ سے آباد ہیں جبکہ وہاں پر تاحال غیر مسلموں کی حکومت ہے اور گزشتہ کئی سالوں سے حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کا سلسلہ جاری ہے تو کیا مسلمانانِ برما پر جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟ اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب :- جب مسلمانوں پر ظلم و تشدد میں اضافہ ہو جائے تو ان پر وہاں کے کافروں اور ظالموں کے خلاف جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، صورتِ مسئلہ میں برما کے مسلمانوں کی کمزوری اور جہاد پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے پڑوسی اسلامی ممالک پر ان کی امداد کے لیے جہاد باقاعدہ فرض ہے، لہذا الاقرب فالاقرب شرقاً وغرباً تمام اسلامی حکومتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔

ما قال العلامة ابن عابدین: وتقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا اجأ النفير انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو فاقام من ورائهم يبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو ولو عجزوا عنها لكتهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ثم اتي ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً على هذا الترتيب - (رد المحتار ج ۳ کتاب الجہاد مطلب الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية) ۱۷

۱۷ وفي الهندية: ثم بعد مجئ النفير لعام لا يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً فرض عين وان بلغهم النفير وانما يفترض فرض عين على من كان يقرب من العدو ويقدر على الجهاد..... الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الارض شرقاً وغرباً على هذا الترتيب - (الفتاوى الهندية ج ۲ کتاب السیر الباب الاول في تفسيره -

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر -

بوسنیا میں جہاد کا شرعی حکم | سوال :- بوسنیا ہزرگوینا میں جو جنگ مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے اور ان کا قتل عام ہو رہا ہے، ان

کی عورتوں کی اجتماعی آبروریزی ہو رہی ہے، مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو پائمال کی جا رہی ہے، لیکن وہاں کے مسلمان کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے کفار کے مقابلہ سے قاصر ہیں، تو کیا ان کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان کے فساد کو دفع کرنا اور مظلوم مسلمانوں کی اعانت کرنا تمام ممالک اسلامیہ پر فرض ہے یا نہیں؟

الجواب :- کفار جب مسلمانوں کے کسی ملک میں داخل ہو جائیں اور وہاں کے مسلمان کفار کا مقابلہ نہ کر سکیں تو ایسی صورت میں جہاد الاقرب فالاقرب پر باقاعدہ فرض ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شرقاً و غرباً تمام ممالک اسلامیہ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، لہذا بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے اعانت کرنا اور ان کفار کے فساد کو دفع کرنا تمام اسلامی ممالک کی ذمہ داری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فنقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء النفير انما يسير فرض عين على من يقرب من العدو فاما من ورائهم فيبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعم تركه اذا لم يحتج عليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او لم يعجزوا لكنهم تكاسلوا ولم يجهادوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين للصلاة والصوم لا يسعم تركه ثم وثرالى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً على هذا الترتيب - (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۰ کتاب الجہاد۔ مطلب الفرق بین فرض العين وفرض الكفاية) ^{لہ}

لہ وفق الہندیۃ: ثم بعد مجئ النفير لا يفترض الجهاد على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً فرض عين وان بلغهم النفير وانما يفرض فرض عين على من كان يقرب من العدو ويقدر ووت على الجهاد۔۔۔۔۔ الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثرالى ان يفرض على جميع اهل الارض شرقاً و غرباً على هذا الترتيب -

(الفتاوى الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاقل فی تفسیرہ)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر۔

مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد کا حکم | سوال :- پاکستان جو کہ ایک اسلامی

ملکت ہے اور اس کے بیشتر قوانین غیر شرعی ہیں تو اس کے حکمرانوں کے ساتھ مسلح جہاد کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمان فاسق حکمران کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتل و قتال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث نبویہ اور فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد اور قتل و مقتال بالاجماع جائز نہیں، البتہ بغیر قتال کے اس کے خلاف آواز اٹھانا اور منکرات سے روکنا خواہ جیسے جلوس سے ہو یا ہڑتال وغیرہ سے ہو ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث : عن اُمّ سلمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
ستكون امراء تغرقون وتنكرون فمن عرف بری و من انكر سلیم ولكن من رضى وتابع
قالوا اقلا تلهم قال لا ما صلوا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸ کتاب الامارۃ۔ باب وجوب النکار الخ) لہ

جہاد افغانستان کی شرعی حیثیت | سوال :- افغانستان کی موجودہ جنگ جو کمیونسٹوں

کے خلاف ہو رہی ہے کیا یہ شرعی جہاد ہے یا نہیں؟
الجواب :- افغانستان کی موجودہ جنگ جو کہ کمیونسٹوں اور روسیوں کے خلاف جاری ہے بلا شک و شبہ شرعی جہاد ہے کیونکہ کمیونسٹوں اور روسیوں نے افغانستان پر جبراً قبضہ کر کے وہاں ظلم و زیادتی اور بربریت و درندگی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مسلمانوں کی جان و مال

لہ وقال العلامة ملا علی القاری : والمراد بالكفر هنا المعاصي والمعنى لا تنازعوا ولا
الاموکی ولا یتهم ولا تعترضوا علیہم الا ان تروا منهم منکراً محققاً تعلیوتہ من قواعد
الاسلام فاذا رأیتم ذلك فانكروہ علیہم وقوموا بالحق حیثما کنتم واما الخروج
علیہم و قتالہم فمحرّم باجماع المسلمین وان كانوا فسقة ظالمین واجمع اهل السنة
علی ان المظلم لا ینعزل بالفسق لتہیج الفتن فی عزله و اراقة الدماء وتفریق
ذات السین فتكون المفسدة فی عزله اکثر منها فی بقاءہ۔

(مرفقہ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۰ کتاب الامارۃ والقبضۃ الفصل الاول)

ومثله فی شرح المسلم للنووی ج ۲ ص ۲۸ کتاب الامارۃ۔ باب وجوب النکار الخ لا مراد۔

اور عزت و آبرو کو پامال کیا ہوا ہے اور دین اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں اس لیے ان غاصبین کے خلاف جنگ کرنا اور ان کے فساد کو رفع کرنا عین جہاد ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمام: ^۱ اور دال جہاد عقیب الحدود لانه بعد ان ناسبها بوجهين با تحاد المقصود من كل منهما ومن مضمون هذا الكتاب وهو اخلاء العالم من الفساد ويكون كل منهما حسناً لحسن لغيره وذلك الغير هو اعلام كلمة الله تعالى يتأدى بفعل نفس المأمور به فهو القتال - رفتح القدیر ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب السیر -
لڑائی شروع ہونے سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم | سوال: کفار کے ساتھ لڑائی

شروع ہونے سے پہلے کیا ان کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟
الجواب:- اگر کسی علاقہ کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہو تو ان کے ساتھ اعلان جہاد سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے ہاں اگر انہیں پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچی ہو تو پھر ان کو دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے ضروری نہیں، لیکن دعوت نہ دینے کی صورت میں جہاد کرنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: ^۲ فَإِنْ كَانَ الدَّعْوَةُ لَمْ تَبْلُغْهُمْ فَعَلَيْهِمْ الْإِفْتِاحُ بِالْدَّعْوَةِ إِلَى الْإِسْلَامِ بِلِسَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ^۳ أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (ر.الآية) ولا يجوز لهم القتال قبل الدَّعْوَةَ.... إلى أن قال فان كانت قد بلغتهم جاز لهم أن يقتتحو القتال من غير تجديد الدعوة لما بيثان الحجة لازمة والعذر في الحقيقة منقطع وشبهة العذر انقطعت بالتبليغ مرةً لكن مع هذا الافضل ان لا يفتتحو القتال الا بعد

له وقال العلامة ابن نجيم: ^۴ مناسبة الحدود من حيث ان المقصود منهما اخلاء العالم عن الفساد فكان كل منهما حسناً المعنى في غيره وقال لانه ما فرض لعينته اذ هو افساد في نفسه وانما فرض لاعزاز دين الله ودفع الشر عن العباد۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاول في تفسيره۔

تجدید الدعوة لرجاء الاجابة في الجملة - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۷ کتاب السیر ۱۷

کفار کے خلاف مدافعت اور اقدامی دونوں قسم کے جہاد مشروع ہیں | سوال: بعض لوگوں کا خیال

ہے کہ اسلام میں صرف مدافعت جہاد مشروع ہے اور اقدامی جہاد مشروع نہیں ہے کیونکہ اقدامی جہاد اگر کفار کے خلاف شروع ہو جائے تو اسلام ایک خونخوار مذہب شمار ہوگا اور اس سے اسلام کی بدنامی ہوگی، کیا واقعی اسلام میں اقدامی جہاد مشروع نہیں ہے؟

الجواب :- اسلام درحقیقت ایک امن پسند دین ہے وہ خونریزی نہیں چاہتا تاہم بوقت ضرورت جب دین کو غیر مسلموں سے خطرہ ہو یا اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو تو اسلام اقدامی اور دفاعی دونوں قسم کے جہاد کی اجازت دیتا ہے لیکن کسی صورت میں بھی ظلم و جبر کا قائل نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : مناسيته للحدود من حيث ان المقصود منهما اخلاء العالم عن الفساد فكان كل منهما حسن لمعنى في غيره وقال لانه ما فرض لعينه اذ هو افساد في نفسه وانما فرض لاعزاز دين الله تعالى ودفع الشر عن العباد - (البحر الرائق ج ۵ ص ۵ کتاب السیر) ۲

۱۷ وقال العلامة التمریاشی رحمه الله : ولا نقاتل من لا تبلغهم الدعوة الى الاسلام - وقال الحصکفی رحمہ اللہ : وهو وان استشهد في زماننا شرقاً وغرباً لكن لا شك ان في بلاد الله تعالى من لا شعور له بذلك وندع ندباً من بلغتهم الا اذا تضمن ذلك ضرراً - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۳

کتاب الجہاد - مطلب اذا علم انه يقتل يجوز له الخ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۵ کتاب السیر -

۲ وقال العلامة ابن عابدین : (قوله لا اتحاد المقصود) وهو اخلاء الارض عن الفساق (وقوله غير خفي) كان الحدود اخلاء عن الفسق والجهد اخلاء عن الكفر -

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۴ کتاب الجہاد)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۸ کتاب السیر -

مغلوب ہونے کا یقین ہو تو کمانڈر کا حکم ماننا مناسب نہیں | سوال :- مجاہدین

اگر مغلوب ہونے کا یقین ہو اور کمانڈر (امیر) مجاہدین کو حملہ کرنے پر مجبور کرے تو کیا اس صورت میں کمانڈر کا حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مجاہدین کا اس بات پر یقین ہو کہ کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرنے میں مجاہدین کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہے اور ان کے حملے سے کفار کو نقصان اور ضرر کا احتمال بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں کمانڈر (امیر) کے حکم کی تعمیل کرنا مناسب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فاما اذا علم ان لا يتكلى فيهم فانه لا يحل له ان يحمل عليهم لانه لا يحصل بحملته شيء من اعزاز الدين -
رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب الجہاد - مطلب اذا علم انه يقتل يجوز له ان يقاتل) له

والدہ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا | سوال :- ایک شخص جہاد میں

اس کی والدہ اس کو اجازت نہیں دیتی، تو کیا یہ شخص والدہ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں مذکور شخص والدہ کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتا کیونکہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور فرض عین کا مرتبہ فرض کفایہ پر مقدم ہے ہاں اجازت کی صورت میں جاسکتا ہے، تاہم اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو اس وقت والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله : وكذا الولد لا يخرج الا باذن والديه او احدهما اذا كان الاخر ميتاً لان بر الوالدین فرض عین فكان مقدماً علی

له وفي الهندیة : وان علموا انهم لا ينتفعون به بیقین بل يتفرسون لا يطيعونه
فی ذلك - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب السیر - باب الاول فی تفسیرہ)
ومثله فی التاتارخانیة ج ۵ ص ۲۵۶ کتاب السیر - الفصل العاشر۔

فرض الكفاي^۱ والا ان كل سفر لا يوم من فيه الهلاك ويشتد فيه الخطر لا يحل للولد ان يخرج اليه بغير اذن والديه لانهما يشفقان على ولدهما فيتضرر ان بذلك وكل سفر لا يشتد فيه الخطر يحل له ان يخرج اليه بغير اذنهما۔

ردائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ كتاب السير له

والدين کے علاوہ دوسرے محارم کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے جانا | سوال: اگر ایک شخص کو

اس کے والدین جہاد پر جانے کی اجازت دے دیں اور دوسرے محارم مثلاً بھائی وغیرہ اجازت نہیں دیتے ہوں تو کیا ایسی صورت میں یہ شخص ان محارم کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر والدین کے علاوہ دوسرے محارم کسی کو جہاد کیلئے جانے کی اجازت نہیں دیتے ہوں اور جہاد فرض عین نہ ہو اور ان محارم کے ضیاع کا خطرہ بھی نہ ہو تو بغیر ان کی اجازت کے بھی جانا مرتخص ہے، البتہ اگر ان کا نفقہ اس پر واجب ہو اور جہاد کے لیے جانے میں ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ان کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: واما غير هؤلاء كالزوجة والاولاد والاخوات والاعمام فانه يخرج بلا اذنتهم الا اذا كانت نفقتهم واجبة عليه وخاف عليهم الضيعة او ملخصاً من شرح السير الكبير۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ كتاب الجهاد۔ مطلب طاعة الوالد فرض عین) ۲

له وقال العلامة الحسكفي: لا يفرض على صبي وبالغ له ابوان واحداهما لان طاعتهما فرض عین۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ كتاب الجهاد، مطلب طاعة الوالد فرض عین) وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۹ كتاب السير، الباب الاول في تفسيره۔

له وقال العلامة ابن نجيم: وفي الذخيرة ان من سوى الاصول اذا كرهوا خروجه للجهاد فان كان يخاف عليهم الضياع فانه لا يخرج بغير اذنههم والا يخرج وكذا امرأته۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۵۲ كتاب السير)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۹ كتاب السير، الباب الاول في تفسيره۔

اہل و عیال کیلئے نان و نفقہ کا متبادل انتظام نہ ہونے کی صورت میں جہاد کے لیے جانا

سوال :- ایک آدمی کا جہاد میں جانے کا ارادہ ہے لیکن اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیویاں ہیں اور ان کے لیے اس شخص کے علاوہ اور کوئی کمانے والا رکھیل نہیں، تو کیا ایسی صورت میں یہ شخص جہاد کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ یہ شخص اپنے اہل و عیال کا اکیلا ضامن ہے اور ان کا نان و نفقہ اس پر واجب ہے اس لیے اگر ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر یہ شخص جہاد کے لیے نہیں جاسکتا تاہم اگر ان کے ضائع ہونے یا انہیں ضرر پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے جہاد پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين، وأما غيره هؤلاء كالزوجة والأولاد والأتوات والأعمام
فانه يخرج بلا اذنهم الا اذا كانت نفقتهم واجبة عليه وخاف عليهم الضيعة ^{بم} ملخصاً من
شرح السير الكبير - (رد المحتار ج ٣ ص ٢٢) كتاب الجهاد، مطلب طاعة الوالدين فرض كفاية) له

جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں بھائیوں سے مشورہ کرنا | سوال :- ایک شخص کو جہاد دینے جانے

کاشوق ہے، والدین بھی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ بھائیوں سے بھی مشورہ کر لو، تو کیا اس صورت میں اس شخص کے لیے بھائیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور بغیر بھائیوں کے مشورہ کے جہاد کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاد کے لیے جانے میں والدین کے علاوہ کسی دوسرے محارم سے اجازت لینا ضروری نہیں، البتہ اگر ان دیگر رشتہ داروں، کاتان و نفقہ جہاد میں جانے والے پر ہوا اور اس کا تبادل انتظام نہ ہوا اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہو تو پھر یقیناً ان کی

له وقال العلامة ابن نجيم، وفي الذخيرة ان من سوى الاصول اذا كرهوا خروجه للمجاهد فان كان يخاف عليهم الضياع فانه لا يخرج يغير اذنهم ولا يخرج وكذا امرأته -

البحر الرائق ج ٥٢ كتاب السيد

وَمَثَلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ٢ ص ١٨٩ كِتَابُ السَّيْرِ، الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي تَفْسِيرِهِ.

اجازت کے جہاد میں جانا مخص نہیں تاہم اجازت کی صورت میں کوئی حرج نہیں۔
 لما قال العلامة ابن عابدین: واما غیرہو لا ذکر زوجة والاوکاد والاختوات
 والاعمام فانه يخرج بلا اذنتهم الا اذا كانت نفقتهم واجبة عليه ونحاً عليهم الضیعة
 ملخصاً من شرح السير الكبير۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالدين فرض عين) ۱۷
عالم دین کے لیے جہاد میں جانے کا حکم | سوال :- علماء کرام اور مدرسین حضرات جہاد
 کے دوران بھی اپنے مخصوص مشاغل میں مصروف
 رہتے ہیں، کیا ان پر جہاد فرض نہیں ہوتا؟

الجواب :- چونکہ جہاد سے مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور درس و تدریس سے بھی ثبات
 دین اور قیام دین مقصود ہے اس لیے فقیہ و عالم کے لیے فرض عین نہ ہونے کی صورت میں
 جہاد کو جانا ضیاع دین کا خطرہ ہے لہذا علماء کے لیے جہاد میں جانا مناسب نہیں۔
 لما قال العلامة الحصکفی: وعالم لیس فی البلدة أفقه منه فلیس له الغزو وخوف
 ضیاعہم سراجیة۔ وعمم فی الزاویة السفر ولا یخفی ان المقید یفید غیرہ۔
 بالاولی فرض عین ان هجر العدو فیخرج الكل ولو بلا اذن۔ رالہ المختار علی ہامش
 رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالدين فرض عين) ۱۷

۱۷ وفي الهندية: واما من سواهم من قوى الرحم المحرکبنا وبنیه وخواطه وعماته وخاله وخالاته
 وكل ذي رحم محرم منهم اذا كرهوا خروج الجهاد وكان يشق ذلك عليهم فان كان يخاف
 عليهم الضیعة بان كانت نفقتهم عليه بان لم يكن لهم مال وكانوا صغاراً او صغار
 وكن كباراً لانه لا ازواج لهم او كانوا كباراً ذمناً لا حرفه لهم فانه لا يخرج بغير اذنتهم
 وان كان لا يخاف عليهم الضیع..... الى ان قال كان له ان يخرج بلا اذنتهم۔

۱۸ الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب السير۔ الباب الاول فی تفسیرہ)
 ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۷۲ کتاب السير۔

۱۹ وفي الهندية: عالم لیس فی البلدة: أحداً فقه منه لیس له ان يغزو ولما يدخل عليهم
 من الضیاعة کذا فی السراجیة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۹ کتاب السير، الباب الاول فی تفسیرہ)
 ومثله فی السراجیة ص ۲۲ کتاب السير۔ باب الجہاد فرض کفایة۔

بہاد پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں عالم اسلام کی ذمہ داریاں | سوال :- اگر کفار مسلمانوں

کے ملک پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں جیسا کہ روس نے جارحیت کرتے ہوئے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور وہاں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے، تو کیا افغانستان کی عوام کے علاوہ ہمسایہ اسلامی ممالک پاکستان وغیرہ کی عوام پر روس کے خلاف جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟
الجواب :- افغانستان پر روسی جارحیت سے جہاد کا حکم بغیر عام ہے لیکن جہاد کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ قدرت علی الجہاد ہو لہذا افغانستان کی عوام اور پاکستان کی عوام کی عدم قدرت کی وجہ سے روسی فوجوں سے مقابلہ دشوار معلوم ہوتا ہے اس لیے یہ فرضیت اہل اقتدار اور دونوں ممالک کے سربراہان حکومت پر عائد ہوتی ہے اور علی الترتیب الاقرب فالاقرب کی بناء پر حتیٰ کہ شرقاً و غرباً تمام اسلامی حکومتوں پر روسی جارحیت کے خلاف جہاد فرض ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء النفير انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو فاما من ورائهم فيبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او لم يعجزوا منها لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً على هذا الترتيب۔ رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب في الفرق بين فرض عين وفرض كفاية (لہ

لہ وفي الهندية: ثم بعد محثي النفير لا يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً فرض عين وان بلغهم النفير وانما يفترض فرض عين على من كان يقرب من العدو وهم ويقدر على الجهاد الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الارض شرقاً و غرباً على هذا الترتيب۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ کتاب السیر۔ الباب الاول في تفسیرہ)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر۔

مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت مسلم ارباب اقتدار کی ذمہ داری سے سوال :- موجودہ دور

میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے کافروں نے بزمِ خود منسوب بنا رکھے ہیں جن کے تحت ہر جگہ کافروں کی طرف سے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، تو کیا ایسی حالت میں عالم اسلام کے اہل اقتدار پر مظلوم مسلمانوں کی امداد و نصرت لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- تمام ممالکِ اسلامیہ اور اہل اقتدار پر مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت ضروری ہے اور جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو اُن کے ساتھ قریب کی اسلامی حکومت پر ان کی اعانت اور یہود و ہنود کے ساتھ جہاد فرض ہو جاتا ہے، اور قدرت نہ رکھنے کی صورت میں شرقاً و غرباً تمام اہل اسلام اور اہل اقتدار پر جہاد کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وتقل صاحب النهاية عن الزخيرة ان الجهاد اذا جاد النفي انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو فاما من ورائهم يبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج عليهم فان احتيج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو ولم يعجزوا لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليه فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً على هذا التدريج۔

رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب فی الفرق بین فرض عين وفرض كفاية، لـ

لہ وفي الهندية : وانما يفرض فرض عين على من كان يقرب من العدو وهم يقدرون على الجهاد واما على من ورائهم ممن يبعد من العدو فانه يفترض فرض كفاية لا فرض عين حتى يسعهم تركه فاذا احتيج بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو وتكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليه فرض عين ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الارض شرقاً وغرباً على هذا الترتيب۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸)

کتاب السیر۔ الباب الاول فی تفسیرہ،

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر۔

لفظ فی سبیل اللہ کی تحقیق | سوال: تبلیغی حضرات لفظ فی سبیل اللہ کو صرف تبلیغ ہی میں منحصر کرتے ہیں اور جہاد کو

کو اس میں شامل نہیں کرتے، کیا ان حضرات کا یہ انحصار درست ہے یا نہیں؟
الجواب :- لفظ فی سبیل اللہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے، دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو محنت و مشقت کی جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے لہذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد اس کا مصداق ہیں، دین کے کسی خاص شعبہ کو متعین طور پر اس کا مصداق ٹھہرا کر دوسرے شعبوں کو اس سے خارج کر دینا غلط فہمی پر مبنی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا۔

(مراد المحتار ج ۳ ص ۶۷) لہ

دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم | سوال: جو شخص کافر حکومت کا جاسوس بن کر مسلمانوں کے خفیہ حالات اس تک پہنچائے یا کافر حکومت کے تعاون سے وہاں کے مسلمانوں کو ستائے تو یہ شخص اگر پکڑا جائے تو اسے قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر بدون قتل کے کوئی تدبیر اس کی فہمائش کے لیے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ پکڑا جانے والا جاسوس مسلمان ہو اور اگر حربی ہو تو اس کو قتل کرنے میں کوئی کلام نہیں، اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ سے مسلمان جاسوس کو قتل نہ کرنے کے اقوال مروی ہیں۔

لما قال العلامة الامام القرطبي: فان كان الجاسوس كافرا فقال الاوزاعي يكون نقضا لعهد وقال اصبيح: الجاسوس الحربي يقتل والجاسوس المسلم والذقي يعاقبان الا ان تظاهرا على الاسلام فيقتلان۔ الجامع احكام القرآن ج ۸ ص ۵۳ اشورة الممتحنة

لہ لما فی الحدیث: وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔ رواه الترمذی والدانجی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۷ کتاب العلم وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۲۲ کتاب السیر۔

وقال الحافظ العيني وقال القدوري: الجاسوس يقتل وإنما نفى القتل عن حاطب لما علم النبي صلى الله عليه وسلم منه ولكن مذهب الشافعي وطائفة أن الجاسوس المسلم يعزى ولا يجوز قتله وإن كان زاهية عفى عنه بهذا الحديث^١ وعن أبي حنيفة والاوزاعي يوجب عقوبة ويطال حبسه وقال ابن وهب من المالكية يقتل إلا أن يتوب وعن بعضهم أنه يقتل إذا كانت عادته ذلك وبه قال ابن الماجشون وقال ابن القاسم يضرب عنقه لأنه لا تعرف توبته وبه قال سحنون ومن قال يقتله فقد خالف الحديث وأقول المتقدمين وقال الأوزاعي فإن كان كافراً يكون ناقضاً للعهد وقال أصيبغ: الجاسوس الحر يقتل والمسلم والذقي يعاقبان إلا أن يظهر على الإسلام فيقتلان -

(عمدة القاري ج ١ ص ٢٥٦ باب الجاسوس كتاب الجهاد) له

له وقال العلامة الحصكفي: وفي المجتبى: الأصل أن كل شخص رأى مسلماً يزني أن يحل له قتله وإنما يمتنع خوفاً من أن لا يصدق أنه زنى وعلى هذا القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصنا المكس وجميع الظلمة بادئ شيء له قيمة وجميع الكبائر والاعونة والسعاية يباح قتل الكل وثياب قاتلهم انتهى وافق الناصحي بوجوب قتل كل مؤذٍ - وقال علاء الدين^٢ بعد قوله وجميع الكبائر أي أهلها وانظر أن المراد بها المتعدى ضررها إلى الغير فيكون قوله والاعونة والسعاية عطف تفسيري أو عطف خاص على عام فيشمل كل من كان من أهل الفساد كالمساحرة وقاطع الطريق واللحن والوطي والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ينزجر لغير القتل قوله والاعونة كأنه جمع معين أو عوان بمعنى العانة والمراد به الساعي إلى الحكام بالافساد فعطف السعاية عليه عطف تفسيرية وفي رسالة أحكام السياسة عن جمع النسخي سئل شيخ الإسلام عن قتل الاعونة والظلمة والسعاية في أيام الفترة قال يباح قتلهم لأنهم ساعون في الأرض بالفساد فقليل اتهم يمتنعون ذلك في أيام الفترة ويختنون قال ذلك امتناع ضرورة ولوردوا عادوا لما نهو عنه كما نشاهد وسئلنا الشيخ أباشجاع عنه فقال يباح قتله وثياب قاتله قوله وافق الناصحي على الوجوب ينظر للامام وتوايه والاباحة ينظر لغيرهم -

(رد المحتار ج ٣ ص ١٩٨، ١٩٩ باب التعزير، مطلب يكون التعزير بالقتل)

ومثله في البحر الرائق ج ٥ ص ٢٢ فصل في التعزير -

دشمنوں کے گھروں اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنا | سوال :- کیا کفار کے ساتھ جنگ کے دوران

ان کے گھروں اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنا مشروع ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ مقصود اس سے ان کی شان و شوکت کو ختم کرنا اور ان پر غصے کا اظہار کرنا ہے اس لیے ان کے گھروں اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنا مشروع ہے اور یہ بھی جہاد میں سے ہے۔

وقال العلامة الكاساني: ولا بأس باحراق حصونهم بالنار واغراقها بالماء و
تخريبها وهدمها ونصب المجانيق عليها لقوله تعالى: يتخربون بيوتهم بايديهم-
وايدي المؤمنين ولان كل شي من ياب القتال لما فيه من قهر العدو وكبتهم وغيظهم-
ربدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۰۰ كتاب السير

اہل حرب کے باغات اور فصلوں کو برباد کرنا | سوال :- کیا کفار کے ساتھ جنگ کے دوران ان کے باغات

اور فصلوں کو تباہ کرنا اور قطع کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- کفار کے ساتھ جنگ کی حالت میں ان کے باغات اور فصلوں کو
کاٹنے اور برباد کرنے میں چونکہ ان کی شان و شوکت اور غرور و تکبر کو توڑنا مقصود ہوتا
ہے لہذا دوران جہاد ان کے باغات اور فصلوں وغیرہ کو تباہ کرنے میں کوئی حرج نہیں،
تاہم بلاوجہ مال مویشی اور باغات کو تباہ نہ کیا جائے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: قال وارسلوا
عليهم الماء وقطعوا اشجارهم وافسدوا زرعهم لان في
جميع ذلك الحاق الكبت والغيظ بهم وكسر شوكتهم وتفريق

له وقال العلامة ابن عابدين: تحت قوله وحرقتم اراد حرق دورهم وامتاعهم قاله عيني
والظاهر ان المراد حرق ذاتهم بالمجانيق واذا جازت محاربتهم يحرقهم فما لهم اولى-

(مراد المختار ج ۳ ص ۲۲۳ کتاب الجہاد)

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۱۹۴ کتاب السير- الباب الثاني في كيفية القتال-

جميعهم فيكون مشروعاً۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب السیر۔ باب كيفية القتال) لہ
جنگ کے دوران کافر اگر کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں | سوال: ایک
 کافر اور مشرک خدا

اگر دوران جنگ مجاہدین کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور کلمہ توحید
 پڑھ لے، تو کیا اسلام لانے کے بعد اس کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حالت جنگ میں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان
 کا اظہار کیا اور کلمہ توحید پڑھ کر وحدانیت باری تعالیٰ کا اقرار کر لیا تو شریعت مطہرہ
 میں ایسے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں صرف اس کے اقرارِ ایمان
 پر ہی اکتفا کر لینا کافی ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: والكفار اقسام قسم يمجدون الباري جل وعلا
 واسلامهم اقرارهم بوجوده وقسم يقرون به ولكن يتكفرون وحدانيته واسلامهم
 اقرارهم بوحدايته۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر) لہ

جنگ کے دوران کافر باپ کے قتل کا حکم | سوال:- اگر کسی کا باپ کمیونسٹوں
 کی طرف سے مجاہدین اسلام کے

خلاف لڑ رہا ہو تو اس کو قتل کرنا بیٹے کے لیے جائز ہے یا نہیں؟
 الجواب:- چونکہ اسلام میں والدین کے اپنی اولاد پر بہت زیادہ حقوق ہیں

لہ وفي الہندیۃ: ونصبوا علیہم المجاتیق وحرقوہم وارسلوا علیہم
 الماء قطعوا شجرہم واقسدوا زمر وعصم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۳)

کتاب السیر، الباب الثاني في كيفية القتال
 ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر۔

لہ وفي الہندیۃ: قال القدوري في كتابه الكفار على نوعين فممن يمجدون الباري عز وجل
 ومنهم من يقربه الا انه ينكر وحدانيته كعبدة الاوثان فمن انكره اذا اقرب به يحكم باسلامه
 ومن اقر بوحدايته اذا اقر بوحدايته بان قال لا اله الا الله يحكم بالاسلام۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب السیر۔ الباب الثاني في كيفية القتال
 ومثله في التاتارخانية ج ۵ ص ۲۳ کتاب السیر۔ الفصل الرابع في بيان ما ينتهي به الامر
 بالقتال۔

اس لیے کسی گمے والدین اگرچہ کافر ہی ہوں پھر بھی اسلام دنیاوی امور میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کا احترام کرنے کا حکم دیتا ہے، اس بنا پر باپ جب کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف بڑھا ہو تو بیٹے کے لیے باپ پر اقدام علی القتل مخصص نہیں البتہ اگر اسے قتل کیے بغیر کوئی اور تدبیر مناسب ممکن نہ ہو یا باپ سے قتل ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کے پیش نظر باپ کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: ويكره ان يبدء الرجل اياه من المشركين فيقتله لقوله تعالى: وَصَلِحْهُمْ مَّا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا رَآيْتُمْ وَلَا نَهَى بِحَبَابِ بِالْإِتِّفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِي أَفْنَائِهِ فَإِنْ ادَّعَاكَ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِمَامِهِ الْمَأْتَمُ وَإِنْ قَصِدَ أَكَاثِبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ لَا يَقْتُلُهُ لَا بِأَسْبَبٍ لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ لَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ شَهِرَ الْأَبَ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا يَقْتُلُهُ لِمَا بَيَّنَّا فِي هَذَا الْوَجْهِ -

(الهداية ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب السیر، باب کیفیۃ القتال) -

کیونستوں کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں کے احکام | سوال :- افغانستان پر لوگوں نے ہجرت کر لی لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی اور کیونستوں کے قرب و جوار میں رہ رہے ہیں، تو کیا ایسے لوگوں کا قتل کرنا اور انہیں نقصان پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی ہے اور وہاں کیونستوں کے قرب و جوار میں زندگی بسر کر رہے ہوں اور مجاہدین کے خلاف کیونستوں کی اعانت نہیں کرتے ہوں تو اگرچہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں

لہ فی الہندیۃ: ولا بأس بان يقتل الرجل من المسلمين كل ذي رجم محرم من المشركين يبتدأ به الآوالد والوالدة والاجداد من قبل الرجال والنساء والجدات -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۴ کتاب السیر، الباب الثانی فی کیفیۃ القتال)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۷ ص ۷۱ کتاب السیر۔

لیکن شریعت مقدسہ ان کو قصداً و ارادۃً قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، البتہ ان کے اموال کو ضبط کرنا جبکہ اس سے کفار کو فائدہ ہو رہا ہو درست ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: ومنه تعلم من یدخل تحت جوارہم واما نہم من غیرا عانة لہم بنفسہ و بمالہ ولا یکون عینا لہم علینا ولا رداً دونہم لایباح قتله وانما ہو عاص معصیۃ لا یتیح ما عصمہ الاسلام من دمہ ومالہ وانما یتیح اخذ اموالہم ایضاً لکونہم یعینون بہ العدو علی مقاتلہ الاسلام ومقاومتہ ومناواتہ ومناہفتہ فایباح اخذہ لذالك۔

(الفتاویٰ الکاملیۃ ص ۲۵۱ کتاب الجنایات) لم

کیونٹوں کے معاونین کا حکم | سوال :- کیونٹوں کے معاونین اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

کیا ان کا قتل جائز ہے؟

الجواب :- کیونٹ چونکہ اپنے عقائد اور نظریات کی بناء پر اہل حرب قرار دیئے گئے ہیں لہذا واقعی طور پر جو لوگ کیونٹوں کے حامی ہوں اور ان کے ساتھ امداد و تعاون کرتے ہوں تو یہ بھی انہی لوگوں کے حکم میں ہیں، لہذا ان کو بھی قتل کرنا مخص ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئلت عن بلدة استول علیہا الکفار وتمکنوا منها فانضم الیہم بعض القبائل والعشائر وصاروا یقاتلون معہم المسلمین وینہبون مالہم وینصمون الکفار و یعینونہم علی اذی المسلمین فکانوا اشد ضرراً علی المسلمین من الکفار فما حکم فیہم و هذا حالہم۔ فالجواب انی لم اقف علی حکم ہؤلا فی کتب مذہبنا معاشرا لخنفیۃ ولكن وقفت عن حکمہم

لما قال العلامة ابن عابدین: قوله بالجائز ای یرجى النار بہا علیہم لکن جواز التعزیر والتغریق مقید کما فی شرح السیر بما اذ المر یتمکنوا من الظفر بہم بدون ذلک بلامشقة عظیمۃ فان تمکنوا بدوتہا فلا یجوز لان فیہ اہلاک اطفالہم ونسائہم ومن عندہم من المسلمین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الجہاد۔ مطلب ان الکفار غاطبون دبا)

ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب السیر۔

فی کتب بعض السادة الماکیة الى ان قال والظاهر ان حکم هو لا حکم اهل الحرب فی قتلهم واخذ اموالهم واما اولادهم فلا یقتلون ولا یكون فیا واما ابیح قتل البالغین منهم لكونهم رداً للعدو والحرب ومعدنون له بالنفسهم و حکم الرد اذا لاریقاتل مع العدو حکم المقاتل فاحری اذا قاتل۔

والفتاویٰ الکاملية ۲۵ کتاب الجنایات ۱۷

کیونسٹوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا | سوال: کیونسٹوں کے بچوں اور ان کی عورتوں کو قتل کرنا جائز ہے

یا نہیں؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟
الجواب: کیونسٹوں کے بچوں اور عورتوں کو قصداً و ارادۃً قتل کرنا جائز نہیں البتہ اگر کیونسٹوں کو اور ان کے گھروں کو تباہ کرنا مقصود ہو تو ان میں جو بچے اور عورتیں غیر ارادی طور پر قتل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز اگر ان میں سے کوئی ذی رائے ہو یا جنگ کرنے والا ہو یا ان کی سربراہ عورت ہو تو قصداً و ارادۃً بھی قتل کئے جاسکتے ہیں تاکہ شر و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔

لما قال العلامة المرغینانی: ولا یقتلوا امرأة ولا صبیا ولا شیخاً فانیاً ومقعداً ولا علی لان المبیح للقتل عندنا هو الحرب ولا یحقق منهم.... الا ان یکون احد هؤلاء ممن رأى فی الحرب او یکون المرأة ملکہ لتعدی ضررها الی العباد وکن یقتل من قاتل هؤلاء دفعاً للشر ولا ان القتال مبیح حقیقته۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب السیر باب کیفیة القتال) ۲

۱۷ وقال العلامة الحسینی: وجميع الکبائر والاعوانة والسعایب قتل لكل ویشاب قتلهم انتهی وفتی صلی بوجوب قتل کل مؤذ۔ وقال ابن عابدین: بعد قوله وجميع الکبائر ای اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدی ضررها ای الغیرالی ان قال فی شمل کل من کان من اهل الفساد۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ باب التعزیر، مطلب یكون التعزیر بالقتل)

۱۸ وقال العلامة الکاسانی: اما حال القتال فلا یحل فیها قتل امرأة ولا صبی ولا شیخ فانی۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱ کتاب السیر)

بثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۵۷ کتاب السیر۔

دشمن سے اسلحہ لیکر اُسے مجاہدین کے خفیہ راز بتانے کو قتل کرنے کا حکم | سوال پاکستان
یا افغان تان کے

بعض قبائلی علاقوں میں کچھ لوگ مجاہدین کو نقصان پہنچانے اور ان کے عسکری راستوں کو قطع کرنے کے لیے روسی کمیونسٹ حکومت سے اسلحہ لیتے ہیں اور مجاہدین کے خفیہ حالات اور مراکز کی اطلاع بھی دشمن کو کرتے ہیں، تو کیا ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو لوگ مجاہدین اسلام کے خلاف کمیونسٹوں یا دیگر مخالفین اسلام کے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت کرتے ہوں اور مجاہدین اسلام کے خفیہ راز اور عسکری مراکز کی نشاندہی دشمنوں کو کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے، ان کا حکم زنادقہ کا حکم ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی : ومنهم من لجأ للمسلمين وصار يقاتل العدو ومعهم وهو مع ذلك يعين العدو وخفية ويعلمه باحوال عساكر المسلمين ويطلع على عوراتهم ويترصد بهم الدوائر وقد اطلع لهم على كتب كتبها في ذلك الوقت كثير من مشائخهم المعروفين بالاجواد.... الى ان قال وحكم اولئك حكم الزنادقة ان اطلع عليهم قتلوا وان لا فامرهم الى الله۔ (الفتاوى الكاملية ص ۲۵۱ كتاب الجنایات)

سوال :- کیا مجاہدین کے لیے جہاد کے دوران مونچھیں بڑھانا

الجواب :- جہاد کے دوران ہر مناسب طریقے سے دشمن پر رعب اور دباؤ ڈالنا

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : وجميع الكبار والاعوان والسعاة يباح قتل كل ويثاب قاتلهم انتهى وافق الناصبي بوجوب قتل كل مؤيد۔ وقال ابن عابدین : تحت قوله وجميع الكبار (اي اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدى ضررها الى الغير فيكون قوله والاعوان والسعاة عطف تقييد وعطف خاص الى عام فيشمل كل من كان من اهل النساءك لساحر وقاطع الطريق واللص واللوطي والخناق ونحوهم من عمه ضرر ولا ينزجر بغير لقتل قوله والاعوانه كانه جمع معين او عوان بمعنى والمراد به الساعي الى الحكام بالافساد فعطف السعاة عطف تقييد۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ باب التعزير)

اور اس کی شان و شوکت کو ٹھیس پہنچانا مشروع ہی نہیں بلکہ مستحسن بھی ہے، مومنچیں بڑھانے کی صورت میں چونکہ دشمن پر رعب پڑنے کا امکان ہوتا ہے اس لیے جہاد کے دوران مومنچیں بڑھانا ایک اچھا قدم ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: ويتدب للمجاهد في دار الحرب توقيد كالاظفار وان كان قصها من الفطرة لانه اذا سقط السلاح من يده ودنا منه العدو ربما يتمكن من دفعه باظافيره وهو تطير قصر الشوارب فانه سنة ثم الغازي في دار الحرب مندوب الى توقيرها وتطويلها ليكون اهيئ في عين من يبارزه والحاصل ان ما عين المرء على الجهاد فهو مندوب الى اكتسابه لما فيه من اعزاز المسلمين وقهر المشركين۔
(البحر الرائق ج ۵ ص ۵۷ كتاب السير) لہ

دشمن سے تحفظ دین کی خاطر تورٹیہ کا بروئے کار لانا | سوال :- جہاد میں کفار کو ہلاک کرنے اور ان کو شکست دینے

کے لیے جھوٹ بولنا اور انہیں دھوکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- دھوکہ دہی اور جھوٹ بولنا کسی بھی آسمانی مذہب میں جائز نہیں اس لیے اس کا کسی بھی وقت جائز اور حلال متصور نہیں تاہم بعض مواقع ایسے ہیں جن میں اگر دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اس سے بچنے کے لیے ظاہری دھوکہ اور جھوٹ کے علاوہ کوئی تلافی ممکن نہ ہو تو ایسے مواقع پر جھوٹ کا سہارا لیا جاسکتا ہے، تو چونکہ درحقیقت یہ جھوٹ نہیں اس لیے دشمن سے حفاظت دین کی خاطر ظاہری دھوکہ اور جھوٹ میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: روى عن علي انه قال قال رسول الله عليه وسلم الحرب خدعة فيه دليل على انه لا بأس بالخداع في الحرب وليس المراد الكذب المحض وانما المراد استعمال المعاريض۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۲۵ كتاب السير، الفصل التاسع في الخدعة في الحرب) لہ
وفي الهمدية: قالوا لا بد عن طول الشارب للغزاة ليكون اهيئ في عين العدو كذا في الغياشية۔
(الفتاوى الهمدية ج ۵ ص ۳۵۸ كتاب الكراهية)

۲۔ قال العلامة العثماني: يعد ذكر الحديث ما نصه وفيه على انه لا بأس للمجاهد ان يخادع قرنه في حال القتال۔ (املا السنن ج ۱۲ ص ۲۵ كتاب السير)

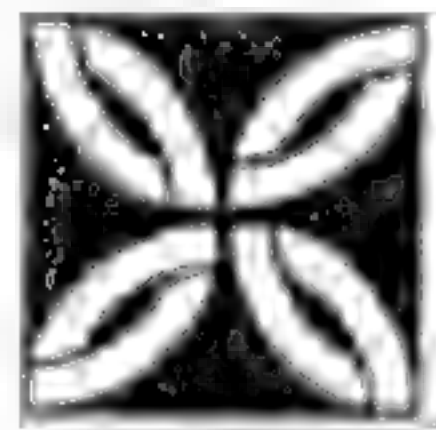
ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲۶ كتاب الكراهية۔ الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي۔

جنگ کے دوران مسلمان افواج کا پیچھے ہٹ جانے کا حکم | سوال: کفار کے

مسلمانوں کی فوج اپنے مورچوں پر آخری دم تک ثابت قدم رہے گی یا کسی موقع پر پیچھے ہٹ جانے کی بھی اجازت موجود ہے ؟

الجواب: کفار کے مقابلہ میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی پر مامور ہیں اور ان کا میدان چھوڑنا جرم ہے، لیکن کفار کی تعداد اگر اتنی زیادہ ہو کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہو یا تعداد کے لحاظ سے اگرچہ کم ہوں لیکن مسلمان فوج کا غالب خیال یہ ہو کہ کفار کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ایسی حالت میں دوبارہ تیاری کے لیے پیچھے ہٹ جانا شرعاً جرم نہیں۔

لما قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَاوَهُمُ إِلَّا دِيَارًا وَمَنْ يُوَاوِهِمْ يَوْمَئِذٍ بُرْهَانًا مَّتَعَرَفًا لِقَتَالِ أَوْ مُتَحَيِّرًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ (سورة الانفال آیت ۱۵) ۱۵



لہ وقال العلامة الکاسانی: وَعَلَىٰ هَذِهِ الْغَزَوَاتِ إِذَا جَاءَهُمْ جَمْعٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِأَلَا طَاقَةَ لَهُمْ بِهِ وَخَافُوهُمْ أَنْ يَقْتُلُوهُمْ فَلَا يَأْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْحَازُوا إِلَىٰ بَعْضِ أَمْصَادِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ إِلَىٰ بَعْضِ جِيُوشِهِمْ وَالْحُكْمُ فِي هَذَا الْبَابِ لِغَالِبِ الرَّأْيِ وَأكْبَرِ النَّظَرِ دُونَ الْعِدَّةِ فَإِنْ غَلِبَ عَلَىٰ ظَنِّ الْغَزَاةِ أَنَّهُمْ يَقَاوِمُونَهُمْ يَلْزِمُهُمُ الثَّبَاتُ وَإِنْ كَانُوا أَقْلَ عِدَّةً مِنْهُمْ وَأَنْ كَانَ غَالِبَ طَنَّهُمْ أَنَّهُمْ يَقْلِبُونَ فَلَا يَأْسَ أَنْ يَنْحَازُوا إِلَى الْمُسْلِمِينَ لِيَسْتَعِينُوا بِهِمْ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ عِدَّةً مِّنَ الْكُفْرَةِ -

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ کتاب السیر فصل بیا من یفترض)

باب الغنائم وقسمتها

مال غنیمت کے احکام و مسائل

مال غنیمت غانمین کا حق ہے نہ کہ حکومت کا | سوال :- کفار کے ساتھ جنگ کے دوران جب اسلامی فوج کافروں کی افواج کو مغلوب کر کے مال غنیمت پر قبضہ کر لے تو کیا یہ مال غنیمت فوج کا حق ہے یا حکومت کا حق ہے ؟

الجواب :- شرعی اعتبار سے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے ان میں سے ۵/۱ حصہ بیت المال میں داخل کر کے باقی ۴/۵ حصہ خاص اس فوج پر تقسیم کیا جائے گا جس نے دوران جنگ اس مال غنیمت پر قبضہ کیا ہو اور اس کے برعکس حکومت کا یہ قانون کہ سارا مال غنیمت حکومت کا ہوگا دیگر قوانین کی طرح ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی قانون ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی خلاف ہے۔

لما قال العلامة المرعيني: ويقسم الامام الغنيمة فيخرج خمسها لقواته العالي، فان لله خمسها ولرسوله استثنى الخمس ويقسم اربعة اقسام بين الغانمين لان النبي عليه السلام قسمها بين الغانمين - (الهداية ج ۲ باب الغنائم وقسمتها) ۲۶۷

مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ سرمایہ ہے | سوال :- جب امیر شکر علاقہ پر قبضہ کرنے کے لیے مجاہدین کو چار جماعتوں پر تقسیم کر کے بھیج دے اور ان چار جماعتوں میں سے ایک جماعت اس علاقہ پر قبضہ کر کے مال غنیمت پر قبضہ کر لے تو کیا اس مال غنیمت میں تمام جماعتیں شریک ہوں گی یا صرف قابض جماعت کا حق ہوگا۔

وقال العلامة الحصكفي: في المغرب الغنيمة مانيل من الكفار عنوة والحربسة فتحمس وباقيها للغانمين - (الذم المختار على صمد المختار ج ۳ کتاب الجہاد باب الغنم وقسمتها) ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۲۳۲ کتاب الغنائم وقسمتها، فصل في كيفية القسمة

الجواب :- مذکورہ صورت میں یہ مال غنیمت مجاہدین کی تمام جماعتوں کا مشترکہ حق ہے خواہ کسی ایک جماعت نے ہی اس مال پر قبضہ کیا ہو، البتہ اگر امیر لشکر کسی خاص مصلحت کی بنا پر یہ مال غنیمت کسی خاص جماعت پر تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: قال الرد والمقاتل فی العسکر سوا دلاستوائهم فی السبب وهو المجاوزة أو شهود الواقعة علی ما عرف وكذلك إذا لم یقاتل لمرض أو لغيره لما ذکرنا۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها) له

تفصیل (انعام) نہ ہونے کی صورت میں مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ ہوگا | **سوال: جہاد**
افغانستان

میں ایک مجاہد نے ایک روسی کافر کو ہلاک کر کے اس کی کلاشنکوف پر قبضہ کر لیا، اب دیگر مجاہدین اس کو یہ کہتے ہیں کہ یہ کلاشنکوف آپ اکیلے کا حق نہیں بلکہ تمام مجاہدین کا اس میں حق ہے اور یہ مال غنیمت ہے جبکہ وہ مجاہد یہ کہتا کہ اس کلاشنکوف پر صرف میرا حق ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے، تو اس مسئلہ کا شرعی حل کیا ہوگا؟

الجواب :- مال غنیمت تمام مجاہدین کے درمیان مشترکہ ہوتا ہے کسی ایک مجاہد کا بغیر تقسیم کے مال غنیمت میں سے کچھ لینا جائز نہیں، تاہم اگر امیر جہاد نے تفصیل (انعام) کا اعلان کیا ہو یعنی جو مجاہد جس حربی کو قتل کرے گا تو مقتول سے جو اسلحہ اُسے حاصل ہوگا وہ اسی کا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں اگر کسی مجاہد نے کسی حربی کو قتل کر کے اس کے اسلحہ پر قبضہ کر لیا تو وہ اسلحہ اسی مجاہد کا حق ہوگا کوئی اور اس کے ساتھ اس اسلحہ میں شریک نہیں ہوگا، اس کے علاوہ جملہ مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ مال ہے۔

لما فی الہندیۃ: قال محمد ولا یتحققاتل سلب المقتول بنفس القتل مالم

له وقال العلامة ابن عابدین: (تنبیہ) قال فی البحر وفاد المصنف ان المقاتل وغیرہ سوا حتی یتحق الجندی الذی لم یقاتل لمرض وغیرہ وانه لا یتیمز واحد علی الخریشی، حتی امیر العسکر وهذا بلا خلاف کذا فی الفتح و فی المحیط والمتطوع فی الغزو وصاحب الدیوان سوا۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۲ کتاب الجہاد، باب المغم وقسمته)

وَمِثْلُهُ فی البحر ج ۵ ص ۸۵ کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها۔

ينقل الامام قبل القتل فيقول من قتل قتيلًا فله سلبه ولهذا مذهب علمائنا۔
 الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۱۷ کتاب السیر الباب الرابع - الفصل الثاني في القتل

دار الحرب سے مال غنیمت لانے کی قدرت نہ ہو تو اس کا حکم | سوال :- جہاد کے دوران اگر مسلمان کفار

کے بہت سارے مال و اسباب پر قبضہ کر لیں اور اس میں بعض ایسی اشیاء بھی شامل ہوں کہ ان کو دارالاسلام میں منتقل کرنا مشکل ہو مثلاً حیوانات اور دوسری بھاری اشیاء، تو ایسی اشیاء کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر مقبوضہ اشیاء ایسی ہوں کہ ان کو دارالاسلام میں منتقل کرنا مشکل ہو جیسا کہ حیوانات اور بھاری اسلحہ وغیرہ، تو شریعت کی رو سے حیوانات کو پہلے ذبح کر کے بعد میں دارالحرب میں چھوڑا جائے تاکہ کفار ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اسلحہ وغیرہ کو کسی ایسی خفیہ جگہ دفن کیا جائے کہ کفار کو اس کا پتہ نہ چل سکے، بیجوں اور عورتوں کو ایسی جگہ چھوڑ دیا جائے کہ وہاں بھوک اور پیاس سے دم توڑ جائیں تاکہ کفار کو ان سے تقویت نہ پہنچے اور برتن وغیرہ توڑ دیئے جائیں۔

كما قال العلامة الترمذی: وحرم عقربا بة شق نقلها فتذبح وتحرق كما تحرق اسلحة وامتعة تعذر نقلها وما لا يحرق منها يدفن بموضع خفي وتكسر اوانيهم وتراق ادهانهم مغايطة لهم ويترك صبيان ونساء منهم شق اخراجها بارض خربة حتى يموتوا جوعاً۔ (تنوير البصار على صمد المتأرجح ج ۲ ص ۲۱۷ کتاب الجہاد باب الغنم وقسمتها)۔

له وقال العلامة الكاساني: هذا اذا نقل الامام فان لم ينقل شيئاً وقتل رجل من الغزاة قتيلاً لم يختص بسلبه عندنا۔ (ردائع الصنائع ج ۲ ص ۲۱۷ کتاب السیر)۔ ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۹۳ کتاب السیر۔ باب الغنائم وقسمتها
 له قال العلامة الكاساني: وان لم يقدر المسلمون على حمل هؤلاء ونقلهم الى دار الاسلام لا يحمل قتلهم ويتركون في دار الحرب لان الشرع نهى عن قتلهم ولا قدرة على نقلهم فيتروكون ضرورة واما الحيوان والسلاح اذا لم يقدر على اخراجه الى دار الاسلام اما الحيوان فيذبح ثم يحرق بالنار لئلا يمكن الانتفاع به اما السلاح فما يمكن احرقه بالنار يحرق وما لا يحتمل الاحراق كالحديد ونحوه فيدفن بالترا
 لئلا يجدوه۔ (ردائع الصنائع ج ۲ ص ۲۱۷ کتاب السیر)

ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب السیر الباب الرابع في الغنائم وقسمتها۔ الفصل الاول في الغنائم۔

دارالحرب میں مسلمان تاجر کے مال کا حکم | سوال :- بعض مسلمان تاجر دارالحرب میں سامان تجارت وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں

خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، اگر مجاہدین ان کے سامان اور مال پر قبضہ کر لیں تو کیا یہ مال وغیرہ مالِ غنیمت شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- دارالحرب کو مال تجارت ہیا کرنا مسلمانوں کے لیے زیبا نہیں کیونکہ اس سے کفار کو تقویت ملتی ہے جو کہ اعانت علی المعصیت کے مترادف ہے اور مجاہدین کا مسلمانوں کے مال تجارت پر قبضہ کرنے سے وہ مال مالِ غنیمت شمار نہیں ہوتا بلکہ مالِ غنیمت وہ ہے جو کفار سے بزورِ شمشیر حاصل کیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: الغنیمۃ اسم لما یؤخذ من اموال الکفرۃ بقوۃ الغزاة وقهر الکفرۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۴ کتاب الجہاد والمقہم) لے

مالِ غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے | سوال :- مالِ غنیمت میں خیانت کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ آیات قرآنیہ اور

احادیثِ نبویہ میں اس کا کوئی ذکر ہے یا نہیں؟

الجواب :- مالِ غنیمت میں خیانت کرنا شرعاً حرام ہے، یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اس میں خیانت کرے کیونکہ اس کی حرمت پر قرآنی نصوص اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، دال ہیں۔

بقولہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُ يَأْتِ بِمَا غُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (سورة آل عمران آیت ۷۵) لے

لے وقال العلامة الکاسانی: فالغنیمۃ عندنا اسم للماخوذ من اهل الحرب علی سبیل القہر والغلبۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳۴ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَةِ ج ۲ ص ۲۰۴ کتاب السیر، الباب الرابع فی الغنائم ^{اللول} الفصل فی الغنائم۔

لے وفي الحديث: عن ابن عباس يقول حدثني عمرو بن الخطاب قال قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان فلاناً قد استشهد قال كلا قد رأيته في النار بعبادة قد غلبها قال ثم يا عمر قتاد انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون ثلاثاً۔ هذ الحديث حسن صحيح غريب۔ (ترمذی ج ۱ باب ما جاء فی الغلول)

وَمِثْلُهُ فِي ابْنِ دَاوُدَ ج ۲ ص ۱۴۰ باب فی تعظیم الغلول۔ کتاب الجہاد۔

مالِ غنیمت کی نیت سے جہاد کرنے کا حکم | سوال :- مالِ غنیمت کے حصول کی نیت سے جہاد میں حصہ لینے سے

ثواب کی امید کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی آدمی کا جہاد کو جانے سے اگر مقصود اصلی مالِ غنیمت ہو تو اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا، ہاں اگر مقصود اصلی جہاد اور رضائے الہی کا حصول ہو لیکن اس کے ساتھ مالِ غنیمت کا بھی ارادہ ہو تو ثواب ملنے کی امید ہے۔

لما فی الحدیث، عن ابی ہریرۃؓ ان یرسل اللہ رسول اللہ رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یتبعی غرضاً من غرض الدنیا فقال علیہ السلام لا اجر لہ فاعظم ذلك علی الناس وقال للرجل عد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلعنک تم نفسہمہ فقال یرسل اللہ رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یتبعی غرضاً من غرض الدنیا قال لا اجر لہ فقالوا للرجل عد لرسول اللہ فقال لہ الثالثة فقال لا اجر لہ۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ کتاب الجہاد باب من یغزو یتمس الدنیا)

شہید کے ورثاء کو مالِ غنیمت میں حصہ دینے کا حکم | سوال :- اگر کوئی مجاہد کفار کے ساتھ جنگ کے

دوران شہید ہو جائے تو کیا اس کے ورثاء کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟
الجواب :- مجاہدین جب مالِ غنیمت پر قبضہ کر کے دارالاسلام میں لے آئیں یا تقسیم کر لیں اور اس کے بعد کوئی شہید ہو جائے تو ایسی حالت میں اس کا حصہ اس کے

لہ وقال العلامة ابن عابدین: ثم تأویلہ من وجہین احدهما ان یری انه یرید الجہاد ومواد فی الحقیقة المال فہذا کان حال المنافقین ولا اجر لہ او یکون معظم مقصودہ المال وفی مثلہ قال علیہ السلام للذی استوجر علی الجہاد بدینارین ان مالک دینارک فی الدنیا والاخرۃ واما اذا کان معظم مقصودہ الجہاد یرغب معہ الغنیمۃ فھو داخل فی قولہ تعالیٰ: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّکُمْ۔ یعنی التجارۃ فی الحج فکما انه لا یحرم ثواب الحج فکذا الجہاد۔ رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ کتاب الجہاد مطلب فیمین یرید الجہاد مع الغنیمۃ)

وژناء کو دیا جائے گا، اور اگر کوئی دارالحرب میں شہید ہو گیا یا تقسیم غنیمت سے پہلے شہید ہو گیا تو ایسی صورت میں اس کے وژناء کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ومن مات من الغانمین فی دار الحرب فلا حق له فی الغنیمۃ ومن مات منهم بعد اخراجها الی دار الاسلام فنصيبه لورثته لان الارث یجری فی الملک ولا ملک قبل الاحراز وانما الملک بعدہ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب السیر: باب الغنائم وقسمتها)۔

مال غنیمت میں عورتوں کے حصہ کا حکم | سوال:۔ اگر جہاد میں عورتیں بھی شریک ہوں یعنی وہ زخمیوں کو پانی وغیرہ پلاتی ہوں یا ان کی مرہم پٹی کرتی ہوں تو مال غنیمت میں ان کو حصہ ملے گا یا نہیں جبکہ وہ مردوں کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہیں؟

الجواب:۔ یہ مسئلہ علماء امت کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض حضرات عورتوں کو بھی مردوں کے برابر مال غنیمت میں حصہ دینے کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور دوسرے علماء ان کیلئے مردوں کے برابر حصہ کے قائل نہیں، تاہم یہ عالم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ (سہم) مردوں کے حصے سے کم جتنا مناسب سمجھے عورتوں کو مال غنیمت سے کچھ مال دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد عثمانی: قال فی الہدایۃ والکفایۃ ولا یسہم لملوک ولا امراء ولا صبی ولا ذمی ولكن یرضخۃ لہم ای یعطون قلیلاً من کثیر فان الرضخۃ ہی الاعطاء کذلک فالرضخۃ لا یرضخۃ السہم ولكن دونہ علی حسب ما یراہ الامام۔ (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۱۹۱ باب لا یسہم لملوک ولا امرأۃ الخ)

لہ وقال العلامة التمری رحمہ اللہ: وکامن مات ثمة قبل قسمة اوبیع ولومات یعد احدھما ثمة اوبعد الاحراز بداریا لورث نصیبہ لتاکد ملکہ۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۱۱ کتاب الجہاد باب المغنم)

وَمِثْلُهُ فی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب السیر: الباب الرابع فی الغنائم، الفصل الاول فی الغنائم۔

باب المستامن

(دارالاسلام میں رہتے والے کفار کے احکام و مسائل)

دارالاسلام بننے کے لیے شرائط | سوال :- دارالحرب سے دارالاسلام بننے کے لیے کون سی شرائط ہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دارالحرب سے دارالاسلام بننے کے لیے صرف ایک شرط ہے کہ احکام میں اسلام کا ظہور ہو جائے تو وہ دارالاسلام شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفی: ودارالحرب تصیر دارالاسلام باجرا احکام اهل الاسلام فیہا کجمعة وعید۔ رالہی المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۷۷ کتاب الجہاد۔ قبل باب العشر والخارج والجزیة)۔

دارالحرب بننے کے لیے شرائط | سوال :- دارالاسلام سے دارالحرب بننے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

الجواب :- دارالاسلام سے دارالحرب بننے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین شرائط کا ہونا ضروری ہے (۱) احکام کفر اس میں ظاہر ہو جائیں (۲) دارالکفر کے ساتھ متصل ہو جائے (۳) مسلمان اور ذمی اپنے امن میں نہ رہ جائے بلکہ کفار کے امن میں داخل ہو جائیں، اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک دارالحرب بننے کے لیے صرف ایک شرط ہے کہ کفر کے احکام کا ظہور ہو جائے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ :- قال ابو حنیفۃؒ انہا لا تصیر دارالکفر الا بثلاث شرائط احدھا ظہور احکام الکفر فیہا والثانی ان تكون متاخمة دارالکفر

لہ وقال العلامة الکاسانیؒ: لا خلاف بین اصحابنا فی ان دارالکفر تصیر دارالاسلام

یظہور احکام الاسلام فیہا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳ کتاب السیر)

ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب السیر، ایاب الخامس فی استلاء الکفار۔

والثالث ان لا يبقى فيها مسلم ولا ذمی " امنًا بالامان الاول هو امان المسلمين قال ابو یوسف
و محمد انها تصير دار الكفر بظهور احكام الكفر فيها -

(بدائع الصنائع ج ۷ من ۱۳ فصل الاحكام تختلف باختلاف الدارين) له

سؤال :- آج کل جغرافیائی تقسیم میں سمندر کا کچھ کچھ

سمندر کا دار الحرب میں داخل ہونا | حصہ قریبی ممالک کے قبضے میں ہوتا ہے جس میں
کسی دوسرے ملک کا بغیر اجازت کے داخل ہونا سمندری حدود کی خلاف ورزی سمجھی جاتی
ہے، سوال یہ ہے کہ کیا کافر ممالک کے ساتھ سمندر بھی دار الحرب کے حکم میں داخل ہو سکتا
ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں
کی سمندری حدود پر بھی قبضہ کر لیں اور بلاد اسلام سے اس علاقہ کا تعلق ختم ہو جائے تو
اس کی سمندری حدود بھی حکماً دار الحرب میں شامل ہو جاتی ہیں -

لما قال العلامة ابن عابدین: قوله: واحرزوها دارهم ويلحق بها البحر الملح
وتحوة كفازة ليس وراثتها بلاد الاسلام تعلقه بعضهم عن الحموي في حاشيته في السعود
عن شرح النظم الهاملي سطح البحيرة حكم دار الحرب -

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۶۶ کتاب الجہاد باب استيلاء الكفار)

سؤال :- ایک غیر مسلم شخص کسی
کسی حربی کی دار الاسلام میں قیام امن کی مدت | اسلامی حکومت میں کتنی مدت تک

له وفي الهندية: قال محمد في الزيارات انما تصير دار الاسلام دار الحرب عند ان خيفة بشر طرقت
احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهاد وان لا يحكم فيها بحكم الاسلام والثاني ان
تكون متصلة بدار الحرب لا يتخلل بينهما بلد من بلاد الاسلام والثالث ان لا يبقى فيها
مومن ولا ذمی " امنًا بامانه الاول الذي كان ثابتًا قبل استيلاء الكفار للمسلم باستلامه
وللذمی بعقد الذمة وقال ابو يوسف ومحمد بشرط واحد لا غير وهو اظهار احكام الكفر
وهو اقياس - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب السير ابواب الخامس في استيلاء الكفار)
ومثله في تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الجہاد قبل باب العشر والخارج بالمرز

لما قال العلامة الحصكفي: لا يمكن حربي مستأمن فينا سنة لئلا يصير عينا لهم وعونا علينا وقيل له: ان اقامت سنة وضعنا عليك الجزية فان مكثت سنة فهو ذمي.

غیر مسلم قیدیوں کے معاملہ کا حکم | سوال :- جہاد کے دوران اگر مجاہدین کچھ کافروں کو قیدی بنالیں اور اسی طرح کافروں نے بھی کچھ مسلمانوں کو قیدی بنالیا ہو تو ان غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ شرعاً کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ کیا انہیں قتل کیا جائے یا ان کے بدلے میں مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا جائے گا یا قیدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے؟

الجواب :- جہاد کے دوران جب کفار قیدی بنائے جائیں تو حاکم وقت کی مرضی ہے کہ چاہے تو ان کو قتل کر دے یا ان کو غلام بنالے یا ان پر ذبحی کے احکام لگا کر چھوڑ دے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دشمن کی قید میں مسلمان قیدیوں کے بدلے میں غیر مسلم قیدیوں کو آزاد نہیں کیا جائے گا جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان سے فدیہ لینے کے بجائے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا جائے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيثاني رحمه الله : وهو في الاسارى بالخيار
ان شاء قتلهم وان شاء استرقهم وان شاء تركهم احراراً دمة

له وقال العلامة المرعيني رحمه الله: وإذا دخل الحربي أينا مستأمنًا لم يمكن أن يقيم في دار ناسنة ويقول له الإمام إن أقمتم تمام السنة وضعت عليك الجزية -
(الهداية ج ٢ ص ٢٤٨ كتاب السير، باب المستامن)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الْمَنَائِعِ ج ١ ص ١١١ فصل من يسع تركه في دار الحرب -

للمسلمین۔۔۔۔۔ الخی ان قال ولا یفادی بالاساری عند ابی حنیفۃؒ وقال یفادی بہم
اساری المسلمین۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۶ کتاب السیر۔ باب القنائم) لے

حربی کا بغیر اجازت کے دارالاسلام میں داخل ہونے کا حکم | سوال کیا
اجازت نامہ

(قانونی دستاویزات) کے بغیر اگر کوئی حربی دارالاسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو
کوئی سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب کسی ملک میں دارالاسلام کی شرائط پوری ہوں اور وہاں اسلامی
حکومت ہو تو کسی حربی کا اس ملک میں حکام کی اجازت کے بغیر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ
کفار کا جاسوس بن کر آیا ہے، ایسی حالت میں اس کو بطور سزا کے غلام بنالیا جائے، اس لیے
کسی حربی کا بغیر حاکم وقت کی اجازت کے دارالاسلام میں داخل ہونا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : قید بالمتأمن لانه لو دخل دارنا
بلا امان كان ومعه قياً ولو قال دخلت بامان الا ان يثبت۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۷۲،
کتاب الجہاد، فصل فی استئمان الکافر) لے

لے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وقتل الاساری ان شاء ان لیسلموا واسترقم
او ترکہم احراراً ذمۃ لنا الا مشرکی العرب والمرتدین کما سیبجی وحریم منہم
ای اطلاقہم مجتاً ولول بعد اسلامہم ابن کمال لتعلق حق الغانمین وجوزرہ
الشافعی لقولہ تعالیٰ : فَاَمَّا مَنَّا بَعْدَ وَاَمَّا فِدَاءٌ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْ زَارَهَا قَلْبًا
نَسَخَ بِقَوْلِهِ : فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ۔ شرح مجمع وحریم
فداءہم بعد تمام الحرب واما قبلہ فیجوز بالمال لا بالاسیر المسلم دُرر وصدر
الشریعة وقال یجوز وهو اظهر الروایتین عن الامام شمس۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵ کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمتہ)

لے وقال العلامة ابن نجیمؒ، لانه لو دخل دارنا بلا امان فهو ومعه فئ فان قال
دخلت بامان لم یصدق واخذ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۱ باب المستأمن)
وَمِثْلُهُ فِي قِتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر، باب المستأمن۔

افغانستان کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! جہاد افغانستان

کے وقت افغانستان دارالحرب تھا یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے کسی ملک کے دارالحرب بننے کے لیے جن شرائط کا لحاظ کیا ہے وہ جہاد کے وقت افغانستان میں مکمل طور پر نہیں پائی جاتی تھیں اس لیے افغانستان کا دارالحرب ہونا فقہی نقطہ نظر سے درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔
لما قال العلامة بدرالدین محمود بن اسماعیل رحمہ اللہ: لا تصیر دار حرب

الا باجراء احكام الشرك واتصالها بدار الحرب بان لا يكون بينها وبين دار الحرب مصر للمسلمين وان لا يبقى فيها مسلم او ذمى امنًا على نفسه بالامان الاول لا يبقى امنًا الا بالامان الثاني وعند هما باجراء احكام الشرك تصير دار حرب اتصلت او لا وبقي احد بالامان الاول او
(جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب السیر) کہ

اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے لیے | سوال :- ایک اسلامی مملکت
نئی عبادت گاہیں بنانے کا حکم | میں جب غیر مسلم رہائش پذیر ہوں
تو کیا ان کو اپنے لیے نئی عبادت گاہیں

بنانے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلموں کو اپنے لیے
نئی عبادت گاہیں بنانے کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ ان کی سابقہ
عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

لہ وقال العلامة التمریاشی: لا تصیر دار الاسلام دار حرب الا باثلاثہ باجراء
الاحکام اهل الشرك وباتصالها بدار الحرب وبان لا يبقى فيها مسلم او ذمى امنًا
بالامان الاول۔ رتویر الا بصار علی هامش رد المحتار ج ۲ کتاب الجہاد، فصل استئمان الکافر
وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۳۱۲ کتاب السیر باب الرابع
في المرتد وما يصير الكافر به مسلماً۔

لما قال العلامة القمري تاشي رحمه الله: ولا يحدث بيعة ولا كنيسة ولا صومعة ولا بيت ناس ولا مقبرة في دار الاسلام ولو قرية في المختار۔
 (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ کتاب الجهاد، فصل في الجزية) لـ
دار الاسلام میں عیسائیت کی تبلیغ کا حکم | سوال :- آج کل مملکت خدا داد پاکستان میں
 عیسائی کھلے عام بازاروں میں عیسائیت کی
 تبلیغ کرتے ہیں، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ غیر مسلم دارالاسلام میں اپنے
 مذہب کی آزادی سے تبلیغ کرتے پھریں؟

الجواب :- اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی غیر مسلم آزادی سے
 مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرے بلکہ مسلمان حاکم وقت پر یہ لازم ہے کہ وہ
 انہیں اس عمل سے باز رکھے، جہاں تک دارالاسلام میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا
 تعلق ہے تو وہ صرف ان کے ہم مذہبوں تک محدود ہے یہاں تک کہ وہ بلند آواز سے
 اپنی مذہبی کتاب کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثماني: وقد حكى ابن تيمية اجماع الفقهاء وسائر
 الائمة رحمهم الله على مراعاة تلك الشروط قال ولولا شهرتها عند الفقهاء لذكرنا
 الفاظ كل طائفة فيها..... ومن جملة الشروط ما يعود باخفاء منكرات دينهم وترك
 اظهارها كمنعهم من اظهارها الخمر والناقوس والثيران والاعباد ونحو
 ذلك ومنها ما يعود باخفاء شعائر دينهم كاصواتهم بكتابهم۔

{ اعلام السنن ج ۱۲ ص ۴۸۸ باب شروط اهل الذمة }
 { وما يجوز لهم في دارنا وما لا يجوز لهم }

لـ وقال العلامة الكاساني رحمه الله: واما الكنائس والبيع القديمة فلا يتعرض لها ولا
 ينهدم شيء منها واما احداث كنيسة أخرى يبيعون عنه فيما صار مصرًا من
 امصار المسلمين لقوله عليه السلام لا كنيسة في الاسلام الا في دار الاسلام۔

(ردائع الصنائع ج ۱ ص ۱۱۲ کتاب السير)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۴ کتاب السير، الباب الثامن في الجزية۔

باب معاملات مع الکفار (غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے احکام و مسائل)

سوال :- میں ایک غیر مسلم کمپنی میں ملازم ہوں وہاں میرے کچھ عیسائی اور ہندو دوست ہیں کیا میں ان کو سلام کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی غیر مسلم پر سلام کی ابتداء ممنوع ہے کیونکہ کسی کو سلام میں پہل کرنے سے درحقیقت اس شخص کی عظمت پیش نظر ہوتی ہے جبکہ مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ کسی غیر مسلم کی عزت و عظمت اس پر غالب رہے تاہم بوقت ضرورت اسے مناسب الفاظ سے سلام کرنا مضرخص ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: ویحرم تعظیبه وتکره مصافحة ولا یداء بالسلام الا لحاجة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجہاد) لہ

سوال :- غیر مسلم کے سلام کا جواب دینے کا شرع ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف و علیک کہنا کافی ہے تاہم اگر کسی غیر مسلم کے سلام کے جواب میں اللہ سے اس کی ہدایت کا طالب ہو کر یوں جواب دیا جائے السلام علی من اتبع الهدی تو بہتر ہے۔

لما فی الہندیۃ: واذا کان لہ حاجة فلا بأس برّد سلام علی اہل الذمۃ

لہ قال العلامة ابن البزازی البزازی رحمہ اللہ: وفي السير لا بأس برّد سلام اهل الذمۃ والنهي عن البدأة الا اذا كان محتاجاً اليه فلا بأس بها ايضاً ولكن يكره مصافحهم۔ (الفتاوى البزازیة علی هامش الہندیۃ ج ۴ ص ۳۵۵ کتاب الکراہیۃ۔ فصل نوع فی السلام)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۳ کتاب الجہاد۔ فصل فی الجزیۃ۔ فروع فی الجزیۃ۔

وَلَنْ لَا يَزَادَ عَلَى قَوْلِهِ وَعَلَيْكُمْ. قَالَ الْفَقِيه ابوالليث ان مرتب بقوم وفيهم كفار فانت بالخيار
انه شئت قلت السلام عليكم وتريد به المسلمين وان شئت قلت السلام على من اتبع
الهدى كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵ کتاب الکراہیۃ۔ الباب السابع في السلام الخ) له
غیر مسلموں کو عبادت خانے کی طرف راہبری کرنا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان
سے اپنی عبادت کی جگہ کے بارے
میں معلومات حاصل کرنا چاہے تو کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ اس بارے میں غیر مسلم
کی راہبری کرے؟

الجواب :- چونکہ ایسے امور میں کسی غیر مسلم کی راہبری کرنے سے اس کی اصلاح کے
جگہ بے دینی اور کفر کو تقویت ملنے کا امکان ہے، اس لیے کسی غیر مسلم کے ساتھ ایسے
معاملات میں تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورة المائدة آیت ۲)
وقال العلامة قاضي خان: ذمى سأل مسلماً عن طريق البيعة لا ينبغي للمسلم
ان يد له على ذلك لانه اعانة على المعصية. (فتاوى قاضي خان على هامش
الهندية ج ۳ ص ۵۹۱ الباب الثالث في الوكالة بالبيع۔ کتاب الوكالة) له

غیر مسلم کی عزت و توقیر کرنا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے پاس مہمان
بن کر آئے تو مسلمان کا اس کی عزت و احترام کے لیے

له قال العلامة قاضي خان رحمه الله: اذا سلم اليهودي أو النصراني أو
المجوسي على مسلم. قال محمد رحمه الله: يقول المسلم وعليك ينوي بذلك
السلام لحديث مرفوع الى رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال اذا سلموا
عليكم فردوا عليهم. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الکراہیۃ)
وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَاخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجهاد۔

له ذمى في الهندية: ذمى سأل مسلماً عن طريق البيعة لا ينبغي للمسلم ان يد له على
ذلك لانه اعانة على المعصية. (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب السیر الباب الثامن في الجزية)
وَمِثْلُهُ فِي الْبِرَازِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراہیۃ الثالث فيما يتعلق بالناس۔

محفل میں کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلموں سے مدارات یعنی معاشرتی تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں اگر یہ اٹھنا بیٹھنا معاشرہ میں بلا امتیاز مذہب و عقیدہ کسی جہان کا حق سمجھا جاتا ہو تو ایسی حالت میں یہ تعلقات قائم کرنا جائز ہے، نیز کسی غیر مسلم کے شر و فساد سے بچنے کے لیے بھی اس سے معاشرتی تعلقات قائم کرنا جائز ہے بلکہ ایسے تعلقات ہر اگر یہ توقع ہو کہ وہ غیر مسلم اسلام قبول کر لے گا تو پھر اسے فرائض منصبی کا تقاضا سمجھے، تاہم اگر اس سے غیر مسلم کے مذہب و عقیدہ یا اس کے کسی غیر اسلامی شعار کی عزت و توقیر مقصود ہو تو پھر ایک مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ، وجب علی المسلم عدم تعظیم الکن قال فی الذخيرة اذا دخل یهودی الحمام ان خدمه المسلم طعاف فلو سه فلا بأس به وان تعظیما له فان کان یسئل الی الاسلام فکذلک وان لم یتوی شیئاً کره وان قام تعظیما لذاته وما هو علیه کفر لان رضا بالکفر کفر فکیف یتعظیم الکفر قلت وبه علم انه لو قام له خوفاً من شره فلا بأس بل اذا تحقق الضرورة فقد یجب وقد یتعجب علی حسب حال ما یتوقعه۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجہاد)۔

غیر مسلموں کے برتنوں میں کھانا پینا | سوال :- ایک مسلمان کے لیے کفار اور مشرکین کے برتنوں میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کفار کے برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح دھویا جائے دھونے سے پہلے ایسے برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے تاہم اگر دھوئے بغیر ان میں کھاپی لیا جائے تو جائز مع الکرہیۃ ہے اور ایسا کرنے والا حرام کھانے پینے والوں میں شمار نہ ہوگا بشرطیکہ ان برتنوں کی ناپاکی کا علم نہ ہو، اور اگر علم ہو تو دھونے سے پہلے ان برتنوں میں

لے وفی الہندیۃ: اذا دخل ذقی علی مسلم فقام له ان قام طمعاً فی میلہ سلام فلا بأس به وان فعل ذلک تعظیماً من غیر ان ینوی شیئاً ما ذکرنا او قام طمعاً لغناہ کقولہ ذلک۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۸ کتاب الکرہیۃ: ابنا الرابع عشر فی اہل الذمۃ والاحکام الخ ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۲ کتاب الجہاد۔

کھانا پینا جائز نہیں۔۔

لقوله عليه الصلوة والسلام: تأكل في أيديهم فان وجدتم غير أيديهم فلا تأكلوا فيها فان لم تجدوا فاعسلوها ثم كلوا فيها۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۵)
کتاب الذبائح۔ باب ما جاز في الصيد له

غیر مسلموں کے ساتھ کھانا پینا | سوال:۔ غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ غیر مسلموں میں جب تک کوئی ظاہری نجاست نہ ہو تو ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں تاہم اعتقادی اختلاف باعث کراہت ہے۔
وفي الهندية: ولم يذكر محدداً الأكل مع المجوس ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحل أم لا وحكي عن الحاكم الإمام عبد الرحمن الكاتب أنه إن ابتلى به مسلم مرة أو مرتين لا بأس به وأما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۲ کتاب الکراہیۃ۔ ابنا الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم)۔

غیر مسلم کی ملازمت کرنا | سوال:۔ پاکستان سے کئی لوگ امریکہ اور دوسرے غیر اسلامی ممالک میں روزگار کے سلسلہ میں جاتے ہیں

اور وہاں غیر مسلموں کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں، تو کیا غیر مسلموں کے ہاں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ غیر مسلم کی ملازمت کرنا اس طور پر کرنا کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں

له قال شيخ الاسلام حافظ الدين ابن البراز: والأكل والشرب في أواني المشركين يكره والأكل مع الكفار لو ابتلى به المسلم لا بأس لومرة أو مرتين أما الدوام عليه يكره۔ (الفتاوى البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراہیۃ۔ الثالث فيما يتعلق بالمناجم)
وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۵ ص ۳۴۲ کتاب الکراہیۃ۔ ابنا الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم
له قال شيخ الاسلام حافظ الدين ابن البراز: والأكل مع الكفار لو ابتلى به المسلم لا بأس لومرة أو مرتين أما الدوام عليه يكره۔ (الفتاوى البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراہیۃ۔ الثالث فيما يتعلق بالمناجم)

کی توہین نہ ہوتی ہو جائز ہے اور اگر اس میں اسلام یا مسلمانوں کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو تو پھر ایسی ملازمت کرنا جائز نہیں۔

لما فی الحدیث: لان خباب بن الارت عمل لعاص بن وائل باجرة ولعنک علیہ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۴ باب الاجارة) لہ

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد کا حکم | سوال: غیر مسلموں مثلاً ہندوؤں وغیرہ کے متروکہ مال کا صحیح مصرف کیا ہے؟ علاوہ ازیں جو غیر مسلم ایک جگہ سے چلے جائیں اور ان کے املاک وہاں رہ جائیں تو از روئے شریعت اس کا صحیح مصرف کیا ہے؟

الجواب:- غیر مسلموں کا متروکہ مال بیت المال میں جمع کرنا چاہیے، اسی طرح جو مال بلا جنگ کے کفار سے حاصل ہو یا جو مال مسلم عاشر لیتا ہے اس کا صحیح مصرف مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا ہے، مثلاً سرحدوں کی حفاظت پر خرچ کرنا، دریاؤں اور نہروں پر پل بنانا، علماء، طلباء اور قاضیوں کے وظائف، اسلامی فوج کی تنخواہیں اور ان کے اہل و عیال کی قلاح و بہبود پر خرچ کرنا وغیرہ۔

قال العلامة محمد بن عبد الله التمر تاشی: ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبی وهدیتهم للامام وانما یقلها اذا وقع عند هم ان قتالنا للدين لا الدنيا جوهره وما أخذ منهم بلا حرب ومنه تركه ذمی وما أخذہ عاشر متهم ظہیریۃ مصالحنا۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۶ باب العشر والخراج والجزیۃ) لہ

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: المسلم اذا اجر نفسه من الكافر ليجد جاز ویکر قال الفضل لا یجوز فی خدمۃ وما فیہ اضلال بخلاف الزمارة والسقی۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الاجارة)۔ ومثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۵ ص ۱۲۵ کتاب الاجارة۔

لہ وقال الامام عبد الله بن احمد محافظ الدين التسی: وما أخذ متهم بلا قتال یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطیر والجسور۔

رکن الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۴ کتاب الجہاد

ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۵۹۹ کتاب الجہاد۔

اہل کتاب کے سوا دوسرے غیر مسلموں کے ذبیحہ کا حکم | سوال :- کسی ایسے ملک میں جہاں شرعی طریقہ سے جانور

ذبح نہ ہوتے ہوں مسلمانوں کے لیے وہاں کے غیر مسلموں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا کیسا ہے؟
الجواب: اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار کا ذبیحہ مطلقاً حرام ہے چاہے
 ذبح کرنے والا ہندو ہو یا سکھ، مجوسی ہو یا پارسی، کسی حال میں بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔

قال العلامة ابو بکر الحداد یعنی، ولا توکل ذبیحة المجوسی والمرتد والوثنی
 لان المرتد لاملته له والوثنی مثله واما المجوس فلقوله عليه السلام سنو بهم
 سنة اهل الكتاب غیر ناکھی نساء ہم ولا اکل ذبائحهم الحديث۔

الاجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۶ کتاب الذبائح

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا حکم | سوال :- ایک اسلامی حکومت

مذہبی حقوق حاصل ہیں؟ کیا وہ دارالاسلام اپنی مذہبی عبادت و رسومات ادا کر سکتے
 ہیں یا نہیں؟

الجواب: کسی بھی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو جان و مال اور مذہبی آزادی کا
 تحفظ حاصل ہے لیکن اگر وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے تقریر و تحریر کا طریقہ اختیار
 کریں تو انہیں اس سے منع کیا جائے گا۔

لما فی الہندیۃ: ولیس للنصارى ان یضرب فی منزله بالناقوس فی
 مصر المسلمین ولان یتجمع فیہ بہم انما لہ ان یتصلی فیہ ولا ان
 یتخرجوا الصلیب او غیر ذلک من کنا سہم ولورفعوا اصواتہم بقراءة
 الزبور والانتجیل ان مکان فیہ اظہار الشریک منعوا عن ذلک وان لم
 یقع بذلک اظہار الشریک لا یمنعون ویمنعون عن قراءة ذلک

لہ قال العلامة ابن نجیم: لا مجوسی ووثنی ومرتد وحرک و تارک التسمیۃ عبد یعنی
 لا تحل ذبیحة هؤلاء۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ کتاب الذبائح)
 ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۳۳ کتاب الذبائح۔

فی اسواق المسلمین - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب لیسر الباب الثامن فی الجزیۃ)
غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال کا حکم | سوال :- غیر مسلم ممالک سے گوشت،
 ذبح شدہ مرغی، گھی اور دودھ وغیرہ سے بنی ہوئی کھانے پینے کی اشیاء پاکستان اور
 دوسرے اسلامی ممالک میں درآمد کی جاتی ہیں جبکہ گوشت کے ڈبے پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ
 "اس کو اسلامی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے" کیا ایک مسلمان کے لیے ان چیزوں کا استعمال
 جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- گوشت کے علاوہ جو حلال چیزیں غیر مسلم ممالک سے آتی ہوں اور ان
 میں حرام چیزیں مثلاً شراب یا سور و خنزیر کے اجزاء شامل نہ ہوں تو ان چیزوں کا کھانا پینا
 جائز ہے، البتہ اگر گوشت کے ڈبے پر اسلامی طریقہ سے ذبح ہونے کے لکھے ہوئے
 الفاظ صحیح ہوں تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر دوسرے قرائن اور ذرائع
 سے ان الفاظ کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ایسے گوشت کا کھانا جائز نہیں۔

وفی الہندیۃ : من ارسل ابیہا لہ مجوسیًا او خادماً فاشترى لحماً فقال اشتريه
 من یہودی او نصرانی او مسلم وسعه اكله..... رجل اشترى لحماً فلما قبضه
 فاخبره مسلم ثقة انه قد خالطه لحم الخنزیر لم یسعه ان یأكله - ۲
 (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۰۸، ۳۰۹ کتاب الکراہیۃ الباب الاول)

۱۔ قال العلامة عالم بن العلاء الانصارى رحمه الله : وليس للنصراني انہ يضرب
 فی منزله بالناقوس فی مصر من امصار المسلمين -

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الخراج)

ومثله فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۸۹ کتاب لیسر فصل فی اهل الزمۃ -
 ۲۔ وقال العلامة فتح الدین حسن بن منصور : مسلم اشترى لحماً وقبضه فاخبره مسلم
 ثقة انه ذبیحة المجوس فانه لا ینبغی للمشتري ان یأكل ولا یطعم غیره لان المخبرا خبر
 بحرمۃ العین وبطلان المملک - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۶ الباب السادس والعشرون)
 ومثله فی رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب الخطر والا باحة، باب الاستبراء -

اسلامی ملک میں غیر مسلموں کا نئی عبادت گاہ بنانا | سوال :- دارالاسلام میں غیر مسلم
سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- دارالاسلام میں غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں
تاہم پرانی عبادت گاہیں باقی رکھ سکتے ہیں اور ان کی مرمت وغیرہ بھی کر سکتے ہیں لیکن
کسی بھی قدیم عبادت گاہ میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کسی شہر میں غیر مسلموں کی
کوئی عبادت گاہ ویران ہو جائے تو اسے از سر نو آباد کرنے کی بھی اجازت نہیں۔

کافی الہندیۃ : ان اراد اهل الذمة احداث البيع والکنائس اوالمجوس احداث
بیت النار ان اراد وذلک فی امصار المسلمین وفيما کان من فناء المصر منعوا عن
ذلک عند الكل۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب السیرۃ البانیۃ فی الجزیۃ) لہ

غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا | سوال :- چند دن قبل برطانیہ کی شہزادی پاکستان
آئی تو اس کو حکومت کی سرپرستی میں لاہور کے

بادشاہی مسجد میں لایا گیا، تو کیا کوئی غیر مسلم مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟
الجواب :- جب کافر حالت جنابت میں نہ ہو اور اس کے بدن پر کوئی ایسی ظاہری
نجاست بھی نہ ہو جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو تو پھر اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

کافی الہندیۃ : لا بأس بدخول اهل الذمة المسجد الحرام وسائر المساجد وهو الصیبر
کذا فی المحيط السرخسی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۶ کتاب الکراہیۃ البانیۃ الرابع عشر) لہ

لہ قال العلامة التمرتاشی : ولا يجوز ان يحدث بیعة ولا کنیسة ولا صومعة ولا
بیت نار ولا مقبرة۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۰ کتاب السیر)

و مثله فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۹ کتاب السیر فصل اهل الذمة ما یؤخذ

لعل العلما ابن عابدین : ان الامام سخی ذکر فی شرح السیر الکبیر ان یاسفیان جاء الى المدينة

ودخل المسجد ولذلك قصته قال فهذا دلیل لنا علی مالک بمنعہ المشرک من ان یدخل

من المساجد ثم قال ان الشافعی : قال یمنعونه من دخول المسجد الحرام خالاً لایۃ انما المشرکون نجس فاما

عندنا لا یمنعون کما لا یمنعون عن دخول سائر المساجد ویستوی ذلک الحری والذقی۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۱)

کتاب الجہاد باب العشر والخروج طبریزی۔ و مثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۴۱ کتاب الکراہیۃ۔

مساجد میں غیر مسلم کا چنڈہ استعمال کرنا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر اور مرمت کے لیے چنڈہ دے تو کیا وہ چنڈہ مسجد میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر کافروں کا چنڈہ دینے میں اسلام اور مسلمانوں کی توہین کا احتمال نہ ہو اور ان کے مذہب میں اس کی حیثیت قربت اور ثواب کی ہو اور وہ بھی ثواب کی تبت سے دیں تو پھر قبول کرنا اور مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے مذہب میں کافر کے وقف کی صحت میں یہ شرط ہے کہ وہ ہمارے اور ان کے نزدیک قربت کا ذریعہ ہو پس ظاہر ہے کہ کفار کا چنڈہ مسجد میں صرف کرنا اہل اسلام کے نزدیک تو قربت ہے، کفار و ہنود مساجد میں جو کچھ دیتے ہیں وہ اعتقاداً اس کو قربت سمجھتے ہیں، لیکن عہد حاضر میں غیر مسلموں کی امداد برائے مساجد عموماً مسلمانوں کو کسی نہ کسی منہصہ سے دوچار کرنے کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ان شرط وقف الذی ان یکون قریۃ عندنا و عندہم کالوقف علی الفقراء و علی مسجد القدس بخلاف الوقف علی بیعة فانه قریۃ عندہم فقط و علی حج و عمرۃ فانه قریۃ عندنا فقط فاذا ان هذا شرط لوقف الذی فقط لان وقف المسلم لا یشتط کونه قریۃ عندہم بل عندنا کوقفنا علی حج و عمرۃ بخلافه علی بیعة فانه غیر قریۃ عندنا بل عندہم۔
رماد المختار ج ۳ ص ۳۹۴ کتاب الوقف

ہندوؤں کی عبادت گاہ کی جگہ مسجد بنانا | سوال :- ہمارے علاقے میں ہندوؤں کی متروکہ جائیداد میں ایک مندر بھی ہے بعض مسلمانوں کا ارادہ ہے کہ اس کی جگہ مسجد بنا دی جائے تو کیا ہندوؤں کی متروکہ عبادت گاہ

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: واما الاسلام فلیس من شرطه فصیح وقف الذی بشرط کونه قریۃ عندنا و عندہم کما وقف علی اوکادہ و علی الفقراء۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۹ کتاب الوقف)
و مثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف۔

کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ مسلمانوں کی عبادت کے لیے کوئی جگہ خاص نہیں، مگر ارض پر کسی جگہ بھی نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن ہندوؤں کے عبادت خانے کو جوں کا توں رکھ کر اس کو بطور مسجد کے استعمال کرنے سے چوتھ ان کے عبادت خانے کی عظمت و برتری قائم رہنے کا شبہ ہے لہذا اسے بطور مسجد استعمال کرنا جائز نہیں تاہم اگر اس کو گرا کر اس کی جگہ مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث میں ہے : عن طلق بن علیؓ قال خرجنا وفد الى رسول الله عليه وسلم فبايعناه ووصلينا معه واخبرناه اننا بارضنا ببيعة لنا فاستوهينا من فضل طهورة فد عاباء فتوضاء وتمضمض ثم صبّه لنا في اداة وامرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسرو بيعتكم وانضجوا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجداً قلنا ان البلد بعيد والحرس شديد والماء ينشف فقال مدّوه من الماء قال لا يزيد الا مليبا، رواه النسائي۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۶۹ باب المساجد)۔

غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی خوشی وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں کو دعوت دے اور اس کے ساتھ خوراک کے حلال ہونے کی یقین دہانی بھی کر دے تو کیا مسلمانوں کے لیے اس دعوت کو قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس دعوت کی وجہ سے اسلام متاثر نہ ہوتا ہو تو اس دعوت کو قبول کرنے اور اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، خاص کر اس دعوت میں جہاں پر خوراک کی حلت کی یقین دہانی بھی ہو۔

لما في الهندية : ولا بأس بالذهاب الى ضيافة اهل الذمة هكذا ذكر محمد

لما ورد في الحديث : عن طلق بن علي فخرجنا وفد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه ووصلينا معه واخبرناه اننا بارضنا ببيعة لنا فاستوهنا من فضل طهورة الحديث۔

(سنن النسائي ج ۱ ص ۶۹ کتاب المساجد)

وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوَّةِ الْمَصَابِيحِ (حاشية) ج ۱ ص ۶۹ کتاب الصلوة۔ ابواب المساجد۔

وفي أضحيتة التوازل المجوس والنصراني اذا دعوا رجل الى طعامه تكره الاجابة وان قال
اشتريت اللحم من السوق فان كان الداعي نصرانياً فلا بأس به -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۲۴ کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع عشر) لہ

مسلمانوں کا غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا | سوال: کیا مسلمان
کے لیے غیر مسلموں کے

عبادت گاہوں میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمان کے لیے غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا مکروہ ہے
لیکن یہ مکروہ اس لیے نہیں کہ مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں بلکہ ایسے نہیں کہ یہ عبادت گاہیں
شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہوتی ہیں۔

كما في الهندية: يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة وانما يكره من حيث انه
جمع الشياطين لا من حيث انه ليس له حق الدخول -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع عشر) لہ

قادیانیوں سے لین دین کرنے کا حکم | سوال: مسلمانوں کے لیے قادیانیوں کے
ساتھ لین دین یعنی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ غیر مسلموں سے دنیاوی معاملات کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن
قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں جس بسا اوقات
ان کے کفریہ عقائد مخفی رہ جاتے ہیں، اس لیے یہ مرتدین کے حکم میں ہو کر ان سے کسی قسم کی
تجارت کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ويزيل ملك المرتد عن امواله يرتده

لہ قال الامام ابن البرزاز الكردي: وان اجابة الدعوة ولولا اهل الدمة سنة -

(البنازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۳۳ السادس في التشبيه)

لہ قال العلامة ابن عابدین: ويكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة -

(مراد المختار ج ۶ ص ۳۸۴ کتاب الخطر والامانة - فصل في البيع)

زوالا موعی فان اسلم عادت الی حالہا۔ (الہدایۃ ج ۲ کتاب السیر) لے
مرتد کے ساتھ تعلقات قائم کرنا | سوال :- جو شخص اسلام چھوڑ کر ہندو مذہب اختیار کرے تو اس سے دوستی اور محبت رکھنا اور

خندہ پیشانی سے ملنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- وہ شخص جو دین اسلام چھوڑ کر ہندو مذہب اختیار کرے مرتد ہے، اس سے تعلقات اور میل جول رکھنا صحیح نہیں، اسی طرح اس سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، مصافحہ کرنا، ملنا جلنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا، رشتہ عقد و مناکحت قائم کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔

کما قال العلامة محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ومن ارتد عرض الحاکم علیہ السلام استعجاباً..... وتكشف شبهة ویجس وجوباً ثلاثۃ ایام فان اسلم فیہا والاقتل لحدیث من بدل دینہ فاقتلوه۔ (تنویر البصار علی ہامش رد المحتار ج ۳ باب العشر والخارج والمجزیۃ) لے
قادیانی کا چند مسجد میں لگانا | سوال :- اگر کوئی قادیانی مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹیں وغیرہ دے تو کیا ان اینٹوں کو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور مرتد کے حالت ارتداد میں کئے ہوئے تصرفات موقوف ہوتے ہیں، اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے تو حالت ارتداد میں کئے ہوئے اس کے تصرفات صحیح ہو جائیں گے اور اگر وہ حالت ارتداد

لے قال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: ویزیل ملک المرتد عن مالہ زوالاً موقوفاً فان اسلم عاد ملکہ۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۰ باب احکام المرتدین)
 وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيدِ ج ۵ ص ۳۱۲ کتاب الجہاد - احکام المرتدین۔

لے وقال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: یعرض الاسلام علی المرتد وتكشف شبهة ویجس ثلاثۃ ایام فان اسلم والاقتل۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵ باب احکام المرتدین)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب السیر الباب الثامن فی الجزية۔

میں ہی مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دارالحرب چلا جائے تو حالت ارتداد کے تصرفات باطل ہو جائیں گے۔ لہذا کسی بھی قادیانی مرتد کی طرف سے دی ہوئی ایٹیں اور دوسرا تعمیراتی سامان مسجد میں لگانا جائز نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وما يباعه أو اشتراه أو اعتقه أو هبته أو رهنته أو تصرف فيه من أمواله في حال ردته فهو موقوف فان أسلم صحت عقوده وإن مات أو قتل أو لحق بدار الحرب بطلت۔

والهداية ج ۲ ص ۶۰۳ کتاب الجہاد، باب المرتد

قادیانی کی نماز جنازہ کا حکم | سوال: میرے رشتہ داروں میں ایک شخص قادیانی ہے، اس کے مرنے کے بعد میرے لیے اس کے جنازہ

میں شرکت کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس بناء پر ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور نہ ہی قادیانیوں کے مذہب کے مطابق موت کی رسومات میں ان کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے، اور اگر ایسے رشتہ دار کی تدفین کے لیے اس کا ہم مذہب کوئی آدمی نہ ہو تو تدفین کے شرعی طریقے سے ہٹ کر صرف زمین میں گڑھا کھود کر اسے دفن کیا جائے گا۔

كما قال العلامة علاء الدین الحسینیؒ: اما المرتد فيلحق في حفرة كالكلب۔
الدس المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۷ باب صلوة الجنائزۃ

لے قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وتوقف مبايعته وعتقه وهبته فان آمن نفذ وان هلك بطل بيان تصرف حال ردته بعد بيان حكم املاكه قبل ردته (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۳ باب احكام المرتدين)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳۲۰ باب احكام المرتدين۔

لے قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: اما المرتد فلا يقبل ولا يقن وانما يلحق في حفرة كالكلب ولا يدفع الي من انتقل الي دينهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۱ کتاب الجنائز۔ فصل سلطان الحق بصلوته) وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهَنْدِيَةِ ج ۱ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔

قادیانیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم | سوال :- قادیانیوں کو

دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی ضروریات دین سے انکار کی بناء پر کافر اور مرتد ہیں اُن کو اہل اسلام کے قبرستان میں دفن کرتا جائز نہیں ۔

كما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : اما المرتد فلا يغسل ولا يكفن وانما يلقي في حفيرة كالكلب ولا يدفع الى من انتقل الى دينهم ۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۱ کتاب الجنائز - فصل في السلطان حق بصلاته)

قادیانی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا | سوال :- اگر کوئی شخص قادیانی ہو اور اس کا

بیٹا مسلمان ہو تو بیٹے کے فوت ہو جانے کے بعد باپ اس کے مال میں میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی اور مسلمان ایک دوسرے کی میراث کے حقدار نہیں بن سکتے مذکورہ بالا صورت میں قادیانی مرتد کی میراث بیت المال میں داخل کی جائے گی، اسی طرح کوئی قادیانی کسی مسلمان کی میراث میں حقدار نہیں بن سکتا بلکہ مسلمان کی میراث اس کے مسلمان ورثہ میں قائدہ شرعی کے مطابق تقسیم ہوگی ۔

لما قال الشيخ سراج الدين السجاوندی : واما المرتد فلا يرث من احدٍ من مسلم ولا من مرتد مثله ۔ (السراج ص ۵۷ فصل في المرتد ص ۲)

لما قال العلامة الحسكفي رحمه الله : اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۶۵ باب صلوة الجنازة)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۲ ص ۹۲ - کتاب الجنائز ۔

۲۔ قال في الهندية : المرتد لا يرث من مسلم ولا من مرتد مثله كذا في المحيط ۔ (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۴۵۵ الباب السادس في ميراث اهل الكفر) وَمِثْلُهُ فِي الثَّانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۵۸ کتاب الفرائض ۔

مرتد کی میراث کا حکم | سوال :- اگر مرتد دارالاسلام میں مرجائے تو اس کا ترکہ مسلمان وراثاً کو ملے گا یا مرتد وراثاً کو اور اگر دارالحرب میں مرجائے تو پھر ترکہ کس کو ملے گا؟

الجواب :- اگر مرتد دارالاسلام میں مرجائے یا قتل ہو جائے تو حالت اسلام کا کیا ہوا مال اس کے مسلم وراثاً کو ملے گا اور حالت ارتداد میں کیا ہوا مال مالِ فسخ میں شمار ہو کر بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور اگر دارالحرب میں مرجائے تو حالت اسلام میں کیا ہوا مال اس کے مسلم وراثاً کو ملے گا اور حالت ارتداد کا کیا ہوا مال مرتد وراثاً کے مابین تقسیم ہوگا۔

قال العلامة المرغینانی: وان مات او قتل علی ردتہ انتقل ما اكتسبه فی اسلامہ الی وراثۃ المسلمین وكان ما اكتسبه فی حال ردتہ فیثا۔ (الہدایۃ ج ۲ باب احکام المرتد) ^{۱۲۵}

مرزائی کی دعوتِ طعام قبول کرنا | سوال :- ہمارے محلے میں چند مرزائی رہتے ہیں، وہ کبھی کبھی کسی خوشی کے موقع پر دعوت کرتے ہیں اور اس میں

ہم مسلمانوں کو بھی بلاتے ہیں، کیا مرزائیوں کی دعوت کو قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- مرزائی مرتد ہو کر واجب القتل ہیں، اس لیے مرتد سے کسی قسم کے تعلقات رکھنا یا اس کے ہاں دعوت کھانا جائز نہیں۔

لما قال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: یعرض الاسلام علی المرتد وتكشف شبهة ویجس ثلاثة ايام فان اسلم والا قتل۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۵) ^{۱۲۵} باب احکام المرتد۔ ^{۱۲۵}
لہ قال العلامة الحسینی وابن عابدین: وان مات او قتل علی ردتہ او حکم بلحاظہ وراثۃ کسب اسلامہ المسلم ولو زوجته بشرط العدة (زیلعی) بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فی بعد قضاء دین ردتہ ^{۱۲۵}
لما ما اكتسبه فی دار الحرب فهو لایته الذی ارتد ولحق معه اذا ما مرتد لانه اكتسبه وهو من اهل الحرب وهم يتوارثون فيما بينهم۔ (الدر المختار ورد المختار ج ۳) ^{۳۲۹، ۳۲۸} باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۳۱ باب احکام المرتدین۔
لہ قال العلامة محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ومن ارتد عوض الحاکم علیہ الاسلام استجابا۔۔۔۔۔ وتكشف شبهة۔۔۔۔۔ ویجس وجوبا ثلاثة ايام فان اسلم فیها والا قتل لحديث من بدل دینه فاقتلوه۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المختار ج ۳) ^{۳۱۲} باب المرتد
وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَةِ ج ۲ ص ۲۵۳ الباب الثامن فی الجزية۔

شیعہ کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا حکم | سوال :- جو شخص حضرت علیؑ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہو، حضرت جبرائیلؑ کی غلطی کی طرف نسبت کرتا

ہو اور الوہیت میں تناسخ کا قائل ہونے کے علاوہ امام مہدی کے خروج تک تمام اسلامی احکام کو معطل سمجھتا ہو ایسے شخص کا حکم کیا ہے، کیا ایسے شخص کو سلام کرنا اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو شخص الوہیت علیؑ کا عقیدہ رکھتا ہو اور حضرت جبرائیلؑ کو غلطی کی طرف نسبت کرتا ہو اور الوہیت میں تناسخ کا معتقد ہو اور تمام اسلامی احکام کو خروج امام تک معطل سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر ہے اور ایسے شخص کا حکم مرتد کی طرح ہے۔

کما فی الہندیۃ: ویجب اکفار الروافض فی قولہم برجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح ویا انتقال روح الالہ الی الائمۃ وبقولہم فی خروج امام باطن وبتعطیلہم الامر والنہی الی ان ینخرج الامام الباطن وبقولہم ان جبرائیل غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی بن ابی طالبؑ وھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامہم احکام المرتدین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ کتاب السیر ابواب تاسع) اور مرتد کو سلام کرنا اور اس کے ہاتھ کا مذبوہ کھانا اور اس کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا ہرگز جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی: ویزیل ملک المرتد عن اموالہ یردہ زوالا موائی فان اسلم عادت الی حالہا۔۔۔۔۔ ویا طل بالاتفاق کالنکاح والذبیحۃ لانہ یعتد الملة ولا ملة لہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۰۳ کتاب الجہاد) لہ

لہ وقال العلامة عالم بن العلام الانصاری: ویجب اکفار الروافض فی قولہم یرجع الاموات الی الدنیا ویا انتقال الاموات وتناسخ الارواح وانتقال روح الالہ الی الائمۃ وان الائمۃ الہۃ وقولہم فی خروج امام باطن وبتعطیلہم الامر والنہی الی ان ینخرج الامام الباطن۔۔۔۔۔ وھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامہم احکام المرتدین۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ ج ۵ ص ۵۳۸ کتاب احکام المرتدین)

وَمِثْلُہُ فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۲ کتاب الفاظ تلو اسلاما او کفر الخ

شیعہ کا مال جبراً لینے کا حکم | سوال :- شیعوں کے اموال جبراً یا چوری کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ شیعہ کے بعض فرقے غیر مسلموں کے حکم میں ہیں لیکن حربی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اموال محفوظ رہیں گے، ان کے اموال کی چوری کرنا یا جبراً لینا جائز ہے یا نہیں؟

قال العلامة الحنفی: اذا صادف میا یجری القصاص بینہ وبين المسلم ویضمن

المسلم قيمة خمره وخنزيره اذا تلفه وتجب الدية عليه اذا قتله خطأ ويجب كف الاذى عنه۔ وقال ابن عابدین۔ قید بالمستأن لانہ لو دخل دار تابل امان کانتہ ومامعہ فیاً۔ (رد المختار علی هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۴۲ باب المستأمن۔ کتاب الجہاد) ملہ

شیعہ پر نماز جنازہ پڑھنا | سوال :- جو شیعہ ضروریات دین کا منکر ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا اہل سنت والجماعت کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شیعوں میں سے جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

نہیں البتہ جس کے عقائد کفریہ نہ ہوں اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ: ولوقذف عائشۃ رضی اللہ عنہا بالزنی کفر باللہ..... من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فہو کافر۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب السیرۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین) ۲

لما فی الہندیۃ: وتثبت احکام الذمی فی حقہ من متع الخروج الی دار الحرب وجریان القصاص بینہ وبين المسلم وضمان المسلم قيمة خمره وخنزيره اذا تلفه ووجوب الدية اذا قتل خطأ ووجوب كف الاذى عنه۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۳۵ کتاب السیرۃ ابواب الثامن فی المستأمن)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيدِ ج ۵ ص ۲۴۱ کتاب السیر۔ باب احکام المرتد۔

۲ قال العلامة ابن نجيم المصری رحمہ اللہ: ولقد ذف عائشۃ رضی اللہ عنہا من نسائہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط وبانکارہ صحبة ابی بکر رضی اللہ عنہ الخ

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۱ باب احکام المرتدین)

وَمِثْلُهُ فِي رد المختار ج ۳ ص ۳۲۱ کتاب الجہاد، باب احکام المرتد۔

مسلمان کو کافر کی میراث نہیں مل سکتی | سوال :- مسلمان کافر سے اور کافر مسلمان سے میراث لے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- چونکہ اختلاف دین و عقیدہ مانع ارث ہے، اس لیے کافر مسلمان کی میراث نہیں لے سکتا اور نہ ہی مسلمان کو کافر کی میراث دی جاسکتی ہے۔

لما قال شيخ الاسلام محمد بن عبد الله القمري شئ : وموانعه الرق والقتل واختلاف الدين - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۵۲۲) كتاب الفرائض

گُفار کے لیے دُعائیں کرنا | سوال :- اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دعا کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اے اللہ مسلمانوں پر رحم فرما اور کفار کو نیست و نابود فرما۔ تو کیا اس قسم کی دعائیں کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس قسم کی دعاؤں کی صحت میں تو کوئی اشکال نہیں، البتہ مسلمانوں کی طرح کفار بھی رحم کے مستحق ہیں ان کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ ہمارے اکابرین کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے وہ اپنی دعاؤں میں کفار کے لیے بھی رحم کی دعا کیا کرتے تھے۔

وذكر العلامة مسلم بن الحجاج القشيري : عن أبي كثير قال حدثني ابو هريرة قال كنت ادعوا اتي الى الاسلام وهي مشركة فدعوتها يوم ما فاسمعتني في رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كره فاتيت رسول الله عليه وسلم وانا ابكي قلت يا رسول الله اني كنت ادعوا اتي الى الاسلام فتاني علي فدعوتها اليوم فاسمعتني فيك ما كره فادع الله ان يهدي اثم ابى هريرة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اهد اثم ابى هريرة - الخ الجامع الصحيح المسلم ج ۲ ص ۲ كتاب الفضائل باب فضائل ابى هريرة ۲

۱۔ قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ : المانع من الارث اربعة الرق وافر..... واختلاف الدين - (السراجي ص ۵ فصل في موانع الارث) ۱ ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۵۲۲ كتاب الفرائض -

۲۔ وذكر العلامة ابو عيسى الترمذی : عن جابر قالوا يا رسول الله احرقتنا ببال ثقیف فادع الله عليهم فقال اللهم اهد ثقیفا - (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۲۳ ابواب المناقب - باب في ثقیف وجنیفة)

غیر مسلموں سے امداد لینے کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل ڈاکٹر کرسچین

ہسپتال ٹیکسلا نے اس بات کے پیش نظر کہ دیر کے غریب عوام علاج معالجہ کے لیے ان کے قائم کردہ کرسچین ہسپتال ٹیکسلا میں آرہے ہیں، دیر ہی کے ایک گاؤں انگرام میں ایک ہسپتال بنانے کی منظوری دی ہے اور وہاں پر پائندہ خیل قبیلے کے ایک جرگے نے ۳۲ ایکڑ مشترکہ زمین اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے دی ہے۔ جبکہ مقامی طور پر کچھ لوگوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ یہ لوگ ہسپتال کی آڑ میں عیسائیت پھیلانے کے لیے تبلیغ کریں گے، پمفلٹ تقسیم کریں گے، مریضوں اور ان کے تیمارداروں کو عیسائیت کی دعوت دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ خدشات جب مجوزہ ہسپتال کی انتظامیہ کے سربراہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے کہا کہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی، آپ لوگ جو شرط لگانا چاہتے ہیں لگا لیں ہم ان کی پابندی کریں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکورہ کے سامنے چند شرائط پیش کی گئیں جو کہ اس نے تسلیم کر لیں اور سرکاری سٹامپ پیپر پر بیان حلفی کی صورت میں لکھ کر سٹیپ (مہر) لگا کر دستخط کر دیئے ہیں، یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں :-

- ۱۔ انگرام ہسپتال میں کوئی مسیحی تبلیغ نہ ہوگی۔
- ۲۔ مذکورہ ہسپتال میں کوئی مسیحی ٹریچر تقسیم نہ ہوگا۔
- ۳۔ انگرام ہسپتال میں کوئی گمراہ گھر تعمیر نہ ہوگا۔
- ۴۔ انگرام ہسپتال میں کوئی صلیب کا نشان نہیں لگایا جائے گا۔
- ۵۔ ہسپتال کے بیت الخلاء اسلامی اقدار کے مطابق شمالاً جنوباً بنائے جائیں گے۔
- ۶۔ انگرام ہسپتال کا نام مسیحی نام سے ممبرا ہوگا۔
- ۷۔ سیشنری پر کسی قسم کی بائبل مقدس کی آیات طبع نہ ہوں گی۔
- ۸۔ انگرام ہسپتال کی بلڈنگ سادہ اور مضبوط بنائی جائے گی جو کسی بھی سرکاری ہسپتال کی بلڈنگ سے اچھی ہوگی۔
- ۹۔ یہ ہسپتال خالص انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کام کرے گا نیز ہسپتال میں جو کوئی مریض آئے گا اس کا علاج کم خرچ اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر کیا جائے گا۔
- ۱۰۔ ہسپتال کے احاطہ کے اندر ایک طرف مسجد کے لیے جگہ مخصوص کی جائے گی لیکن

مریضوں کی تکلیف کے پیش نظر لاؤڈ سپیکر لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔
 اس تمام صورت حال کے پیش نظر اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل جو کہ عیسائی ہے، کے تعاون سے اس ہسپتال کی تعمیر شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق کرسچین ہسپتال بنانے والوں نے جرگے کھے طرف سے مقرر کردہ جن شرائط کی ہر لحاظ سے پابندی کرنے کا معاہدہ کیا ہے اُن تمام شرائط کا لحاظ اور پابندی کرنے کی صورت میں اس ادارہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ہسپتال بنانا جائز ہے، اگر ہسپتال بنانے والوں کی طرف سے کسی بھی مرحلہ پر ان شرائط کی خلاف ورزی کی گئی تو مسلمانوں کو اس کے بند کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اصولاً تعلیم، صحت، سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر دنیاوی امور و معاملات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک دوسرے سے افادہ اور استفادہ کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ اسلام اور اسلامی اقدار اس سے متاثر نہ ہوتے ہوں۔

واللہ اعلم وعلیہ اتم

مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام کہ ایک اسلامی ملک کسی دوسرے اسلامی ملک کے خلاف کسی کافر ملک کی امداد و تعاون کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ ملک خالص اسلامی ہے، اس میں کئی طور پر اسلامی قوانین رائج ہیں اور کافر ملک صرف اسلامی قوانین جاری کرنے کی وجہ سے اس کا مخالف بن گیا ہے اور اس پر ظلم و زیادتی کرنے کے لیے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات لگا رہا ہے جس کا اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر اس بارے میں شرعی نقطہ نظر سے مطلع فرمائیں؟

الجواب :- کسی مسلمان ملک کے خلاف کسی بھی کافر ملک سے محض دنیاوی مفادات کی خاطر تعاون کرنا یا اس کا آلہ کار بننا شرعی نقطہ نظر سے حرام و ناجائز ہے۔ کسی بھی مسلمان ملک کا سربراہ اگر ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا اور ایسی لادین قیادت کو ختم کر کے صالح اور دیندار شخص کو حاکم مقرر کرنا مسلمان رعایا پر لازم اور ضروری ہے، ایسے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو خود اس پر ظلم کرے گا اور نہ بے بنیاد الزامات کی بنا پر اسے کسی کافر کے حوالے کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔
 لقولہ علیہ السلام: المؤمن اخ المؤمن کا یظلمہ ویسلمہ۔ (الحديث)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ابتدائیہ

امریکی سی ٹی بی ٹی (CTBT) یعنی ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے جامع معاہدہ کے نام سے پاکستان کو اس معاہدہ پر دستخط کر کے پابند بنانا چاہتا ہے جس سے بظاہر پاکستان کو جہاں ایٹمی توانائی کے استعمال یا اس کی مزید ترقی کو روکنا مقصود ہے۔ کیا شرعاً کسی مسلمان ملک کے حکمرانوں کو اپنی بھادی قوت، آلات و وسائل اور حربی تکنیک کو کفار کے دباؤ یا کسی لالچ کے نتیجے میں اسے محدود اور معطل یا منجمد و مفلوج کرنے کی اجازت ہے؟ اس مسئلہ کی از روئے قرآن و سنت شرعی حیثیت واضح کرنے کے لیے ملک اور عالم اسلام کے معروف، معتد اور ممتاز دینی ادارہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء نے مدلل روشنی ڈالی ہے جو اعیان حکومت، ممبران پارلیمنٹ، سیاستدانوں، سائنسدانوں، فوجی اداروں، علماء و دانشوروں، صحافیوں اور عام مسلمانوں کے غور و فکر کے لیے پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سی خدمت کو ملک و ملت کے بہتر مستقبل اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنادے۔ (آمین)

مولانا سمیع الحق
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹک ٹنڈہ (شہرہ)
۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء



استفتاء

سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی یعنی ایٹمی پروگرام، اس کی توسیع اور یٹسٹ پر پابندی کا جامع معاہدہ

مملکت اسلامیہ پاکستان جو کہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے، اس کی تقسیم کا مقصد ہی یہاں پر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا قیام تھا، الحمد للہ پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی قربانیوں کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور اس نے عالم اسلام کے لیے ہر دور میں ہر اول دستے کا کردار ادا کیا۔ یہود و ہنود اور مغربی ممالک پاکستان کے قیام کے روز اقل ہی سے اس کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں اور مختلف سازشوں سے اس کو آٹے دن کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں، اس کا سب سے بڑا ثبوت ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنا ہے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں جبکہ پاکستان کے قیام کا ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ اس پر جنگ مسلط کر دی گئی، اس کے بعد ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جنگیں ہوئیں اور ہمارے خلاف بدترین جارحیت کی گئی۔ اب جبکہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے مجاہدین ہندوؤں کے خلاف جہاد میں سرگرم عمل ہیں اور پاکستان نے بھی ہر سطح پر خصوصاً بین الاقوامی فورم میں مسئلہ کشمیر اجاگر کیا ہے۔ تو ہندوستان نے تحریک آزادی کشمیر کو ختم کرنے اور پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے ۱۱ اور ۱۳ ایٹمی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کئے، یہ دھماکے ہندوستان میں واجپائی حکومت نے کئے جس کا بنیادی منشور ہی اسلام اور پاکستان دشمنی پر مبنی ہے، یاد رہے کہ ہندوستان ۱۹۷۴ء میں ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو یہ حق مکمل طور پر حاصل تھا کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لئے قرآنی نص کے مطابق ہر ممکن صلاحیت خواہ وہ عسکری ہو یا حربی، حاصل کرے اور ہر لحاظ سے خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ** - (سورۃ الانفال آیت ۷۲)

اس وقت حکومتِ پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام یہود و ہنود کے مکروہ عزائم کو بھانپتے ہوئے شروع کیا تھا اور اس عظیم مقصد کے لیے اپنے ذرائع و وسائل اور حیثیت سے بڑھ کر ملک و ملت اور قابلِ فخر سائنسدانوں نے طویل اور صبرِ آزما ایثار کا مظاہرہ کیا اور اس پراربوں روپے خرچ ہوئے اور مشکلِ تمام اس کو عالمِ کفر کی خونخوار نظروں سے بچائے رکھا، گویا پوری قوم نے خونِ جگر سے اس پروگرام کی آبیاری کی اور اپنے ملک و ملت و عالمِ اسلام کو ایک ناقابلِ تسخیر ایٹمی قوت بنا کر عالمِ کفر اور بھارت کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملا دیا جس سے تمام پاکستانی قوم اور پوسے عالمِ اسلام کا سرفخر سے بلند ہوا، قوم کو نئی راہ اور نئی سمت ملی گئی اور ہم جو اکیسویں صدی میں عالمِ اسلام اور پاکستان کو ایٹمی قوت کی حیثیت سے دھوکہ سائنس، ٹیکنالوجی اور عسکری طاقت کی معراج سمجھی جاتی ہے) داخل ہو رہے ہیں تو موجودہ حکومت جس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخطوں کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے جو ہمارے قومی و فوجی دفاع کی شررگٹ کاٹنے کے مترادف ہے حکومت اس معاہدہ (CTBT) پر دستخط کر کے ہمیں ایک بے غیرت، بے حمیت، بزدل اور سوداگر قوم بنانا چاہتی ہے اور معاہدے کے بعد ہمیں ہندوستان و اسرائیل کے خونخوار بھیڑیوں کے سامنے بے دست و پا پھینکنے کی کوشش کر رہی ہے خاص کر ایسے حالات میں کہ جب ہندوستان جس کو ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنے کے جامع معاہدے پر دستخط کرنے میں اب تک انکار و تردید ہے اور اگر اس نے دستخط کر بھی دیئے تو اس کی فوجی اور دفاعی ساز و سامان کی صلاحیت، جنگی ٹیکنالوجی اور افرادی قوت ہم سے کئی گنا زیادہ ہے جس کا مقابلہ ہماری ایٹمی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا، حالانکہ خود یہود و نصاریٰ اور عالمی کفر و استعمار کے پانچ بد معاشوں اور دہشت گردوں نے بھی ابھی تک اس معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے اور نہ ان کا کوئی ارادہ ہے۔ اس معاہدے پر دستخط کر دینے کے بعد پاکستان اور عالمِ اسلام کا ناقابلِ تصور نقصان ہوگا، چند نقصانات درج ذیل ہیں:-

- (۱) کشمیر کی تحریکِ آزادی پر ہر لحاظ سے براہِ راست بُرا اثر پڑے گا۔
- (۲) ہندوستان اور عالمِ کفر کے ایٹمی پروگرامز روز بروز جاری و ساری اور ترقی کی منازل طے کرتے رہیں گے اور اس کے برعکس ہمارا ایٹمی پروگرام اس معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ جائے گا۔
- (۳) بھارت کے مقابلے میں ہماری پوزیشن عسکری، حربی اور سیاسی لحاظ سے کمزور تر ہو جائے گی۔

(۴) معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد عالم کفر کی طرف سے ہم سے نئے مطالبات کا ایک منہا ہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کا مشاہدہ ہم عراق، لیبیا وغیرہ ملکوں میں کر رہے ہیں۔
 (۵) ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد عالم اسلام خصوصاً عالم عرب کو ایک دلولہ تازہ عطا ہوا تھا اور اسرائیل اور دوسری استعماری کفری طاقتیں مرعوب ہو گئی تھیں، معاہدے کے بعد ہماری حیثیت محض ایک سوداگر قوم کی سی ہو جائے گی۔

(۶) اگر مستقبل میں عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان کوئی بڑی جنگ شروع ہوئی جس کی ابتداء امریکہ عراق، لیبیا، سوڈان اور افغانستان سے کر چکا ہے، تو اس میں پاکستان اس معاہدے کے بعد کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکے گا بلکہ پاکستان امریکہ کی ایک کالونی کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

(۷) اس کے نتیجے میں عالم اسلام اور دوسرے مقامات میں جہادی قوتوں کو شدید دھچکا لگے گا اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

(۸) پاکستان عالم اسلام کو کبھی بھی ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل نہیں کر سکے گا۔
 اس خطرناک صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء کرام و مفتیان دین متین کیا فرماتے ہیں کہ :-

(ا) ملک و ملت کے ان عظیم نقصانات جو کہ معاہدے پر دستخط ہوتے کے بعد یقینی اور حتمی ہیں کیا موجودہ حکومت کو اس بات کا حق اور اختیار پہنچتا ہے کہ وہ ایک ارب مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے برعکس ذلت و رسوائی کے اس محض نامے اور اپنی موت و قتل کے پروانے پر دستخط کر دے؟ اور اس کے صلے میں ہمیں جو موم امداد بلکہ خیرات اور بھیک ملے گی کیا وہ ماضی کی طرح حکمرانوں کی جیبوں میں نہیں جائے گی؟ ان نقصانات اور خطرناک خفالت کی موجودگی میں اس معاہدے پر دستخط کرنے کیلئے ہم چلانا یا اس کی حمایت کرنا اور اس پر دستخط کرنا دین و شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ معاہدہ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) اور وہ لوگ جو اس پر دستخط کرتے ہیں یا اس کی حمایت کرتے ہیں یا اس پر دستخط کے لیے ہم چلاتے ہیں خواہ وہ حزب اقتدار سے ہوں یا حزب اختلاف سے، سیاستدان ہوں یا بیوروکریٹس اور حکومتی مشنری، ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(رج) اور آیا یہ لوگ ملک و ملت اور اپنے حلف سے انحراف کا ارتکاب کرنے والوں کے گھر میں آتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اعداد آلات حرب قرآن کریم کی روشنی میں | اعداد رتباری (آلات جہاد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَلَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ) (سورة الانفال آیت ۷۵) اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پہلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا، جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کے راستے میں وہ پورا ملے گا اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا؛ (ترجمہ از معارف القرآن) اس کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وہذہ الایۃ تدل علی ان الاستعداد للجهاد بالنبل والسلاح وتعليم الفروسیۃ فریضۃ“ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۸۵ سورة الانفال) یہ آیت کریمہ جہاد کے لیے تیاری اسلحہ، تیراندازی اور شہسواری کی تعلیم کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اسی آیت کے ضمن میں فوائد عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں:۔
 — ”مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی اکرمؐ کے عہد مبارکہ میں گھوڑوں کی سواری، شمشیر زنی اور تیراندازی کی مشق کہ ناسا مان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروڑوں وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کہ ناسب جہاد ہے اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔“ (تفسیر عثمانی ص ۲۴۲ سورة الانفال)
 لہذا اس آیت کے عموم میں موجودہ وقت میں جو آلات حرب و ضرب اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت جو بم اور میزائل وغیرہ تیار کئے گئے ہیں مثلاً کروڑ میزائل، سکڈ میزائل، نیپام بم، ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم جیسے مہلک ہتھیار یہ تمام ما استطعتم کے عموم میں آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ۳ ص ۲۵۵ سورة الانفال پر لکھتے ہیں: لہذا اس آیت کی رو سے

مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور اس کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر زمان و مکان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں ہم مسلمانوں پر بھی اسی قسم کے بلکہ ان سے بھی زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کر سکیں۔

اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فقہاء کے اقوال | اسی طرح احادیث کرمیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی اعداد آلات حرب کی تاکید اور ترغیب فرمائی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر يقول واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الا ان القوة الرمي الا ان القوة الرمي“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۱ باب فضل الرمي والحث عليه۔ کتاب الجہاد) (ترجمہ حدیث) ”عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس حال میں کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: اور تیار کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے وہ چیزیں جو تم قوت سے کر سکو، خبردار! بیشک قوت تیر اندازی ہے، خبردار! بیشک قوت تیر اندازی ہے،“ اس حدیث کی تفسیر میں علامہ ابو بکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

ومعنى قوله الا ان القوة الرمي انه من معظم ما يجب اعاده للقوة على قتال العدو ولم ينف به ان يكون غيره من القوة بل عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على قتال العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۵۸۱ سورة الانفال) دوسری روایت ہے: عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول الله يقول ان الله يدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر الجنة صانعه يحتسب في صنعة الخبير والرامي به ومنبله۔

(رواہ ابوداؤد بذل المجہود ج ۱ ص ۲۲۸ کتاب الجہاد۔ باب الرمي)

(ترجمہ حدیث) ”عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر پر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے، اس کا پانا والا جس کے بنائے سے اس کی نیت خیر کی ہو، اور اس کا پھینکنے والا، تیسرا تیر دینے والا تیر انداز کے ہاتھ میں“ اس حدیث کے متعلق شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :-

ولم یکن فی زمن رسول اللہ الارمی السہام فیدخل بل یعوض عنه فیہ ما یرمی
 بہ من الرصاص بالبند وقیہ والمدافع وغیر ذلک من آلات الحرب الجدیدة فی هذا الزمان
 فانہا اغنت عن رمی السہام بالقوس وعطلتہ۔ (نبیل المجہد جلد ۱۱ باب فی الرمی کتاب الجہاد)
 فقہاء کرام میں فقہ حنفی کی مشہور و معروف شخصیت علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں:-

یبتدب للمجاہد فی دار الحرب توقیر الاظفار وان کان قصہا من الفطرۃ لانہ اذا
 سقط السلاح من یدہ ودنا منه العدو ربما یتمکن من دفعہ بالاطراف فیروہ ونظیر
 قص الشوارب فانہ سنۃ ثم الغازی فی دار الحرب مندوب الی توقیرھا وتطویلھا
 لیکون اھیب فی عین من یمارہ۔ فالحاصل ان ما یعین المرء علی الجہاد فهو مندوب الی
 اکتسابہ لما فیہ من أعزاز المسلمین وقہر المشرکین۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۷۶ کتاب الجہاد)
 (ترجمہ) یعنی دار الحرب میں مجاہد کے لیے ناخن بڑھانا باوجودیکہ ناخنوں کا کٹوانا ایک فطری
 امر ہے، مندوب اور مستحب ہے کیونکہ دوران جنگ وجہاد اگر اس کے پاس اسلحہ نہ ہو اور دشمن اس
 کے بالکل قریب ہو تو ناخنوں کے ذریعہ بھی وہ اپنے دشمن کو دفع کر سکتا ہے، اور اس کی نظیر مونچھوں
 کو ترشوانا ہے کیونکہ یہ سنت ہے، پھر غازی کے لیے دار الحرب میں مونچھوں کا بڑھانا مستحب ہے
 تاکہ اس سے اُس کے مقابل دشمن پر رعب اور دھاک بیٹھ جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر
 چیز جو کہ مجاہد و غازی کے لیے جہاد میں مدد و معاون ثابت ہو تو وہ مندوب اور مستحب ہے
 اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا وقار اور مشرکین کی تذلیل و توہین ہے۔

ان تصریحات کی موجودگی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا اسلحہ
 اور جنگی ساز و سامان دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رکھنا فرض اور ضروری ہے تاکہ جہاد کے وقت
 ان کی توجہ اسلحہ کی تیاری پر نہ ہو۔

آلات حرب یا عسکری قوت کو ضائع کرنے یا ان کو منجم کرنے پر وعیدیں | جس مسلمان ملک کے
 پاس یہ آلات حرب

راور وہ بھی جدید ترین شکل میں ہوں، ان آلات کو ضائع کرنے یا استعمال میں نہ لانے کے متعلق
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یقول من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منالوقد عصی۔ (صحیح مسلم ج ۲ باب فصل الرمی والحث کتاب الجہاد)
 (ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں یا وہ گنہگار رہوایا،

”مندرجہ بالا حدیث کے ذیل میں شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-
 ”هذا تشديد عظيم في نسيان الرمي“ بعد علمه ومكروه كراهة شديدة من تركه بلا عذر۔ (صحيح مسلم ج ۲ ص ۱۲۳ باب فصل الرمي والحث كتاب الجهاد)
 اور اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، گویا اُس نے اس میں کوئی نقص دیکھا اور اس کے ساتھ استہزاء کیا اور یہ صورتیں کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتی ہیں، شارح حدیث نے اس نعمت کو نعمتِ خطیرہ سے تعبیر کیا ہے“ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۲ باب اعداد آلة الجهاد)

اور یہی حدیث ایک اور روایت میں یوں بیان کی گئی ہے ”من تعلم الرمي ثم نسيه فحى نعمة جحدھا“ (مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۹ الجهاد)

مختصراً ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اعداد آلاتِ حرب مسلمانوں کے لیے ضروری اور لازمی ہے اسی طرح فنِ عسکری کو سیکھ کر اس کو ترک کرنا اسے بھول جانا انتہائی لائقِ ملامت امر ہے جس کی طرف امام نوویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بصراحتِ تبنیہ کی ہے۔ موجودہ حالات اور زمانے کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک مسلمان ملک کے پاس جو قوت اور طاقت ہو جس سے دشمنانِ اسلام مرعوب ہوتے ہوں اُس طاقت اور قوت کو ختم کرنا یا اس کو استعمال میں نہ لانا یا اس کو منجمد کرنا اسی وعید کے ضمن میں آتے ہیں۔

علامہ برہان الدین المرغینانیؒ نے حرمتِ اکل لحم فرس (یعنی گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ: ویکره لحم الفرس عند ابی حنیفۃ.... ولانه آلة ادهاب العدو ویکره اكله احتزاماً له ولهذا يضرب له بسهم في الغنیمۃ ولانه في اباحتہ تقلیل آلة الجهاد“ (الهدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۸ ص ۲۱، ۲۲ کتاب الجہاد)۔
 یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے اس کی ایک علت یہ ہے کہ دشمن کے ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے کا آلہ ہے اس لیے اس کے احترام کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے اور اسی احترام و عظمت کی بنا پر مالِ غنیمت میں گھوڑے کا مستقل حصہ ہے۔ راوردوسری علت یہ ہے کہ اس کی اباحت کی صورت میں آلہ جہاد کی

تقلیل ہو قی ہے۔“

کفار اور غیر مسلموں کے دباؤ میں آکر ایٹمی صلاحیت اور عسکری قوت کو منجمد یا اس میں تخفیف کرنے کے متعلق کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے کے بارے میں ان نصوص قطعیہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:-

فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (سورة الفرقان آیت ۵۲)
 (ترجمہ) ”سو تو کفار کی اطاعت نہ کر اور ان کے ساتھ بڑے زور کا“
 دوسری جگہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا تُزَكُّوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسُّكُمْ النَّارُ (سورة ہود)
 (ترجمہ) ”اور مت جھکوان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا پھر تم کو لگے گی آگ۔“

ایک اور فرمانِ ربانی ہے کہ: وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كُفْرُوْا كُفْرًا وَّ لَا تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَّ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَّ اِحْدَةً (سورة النساء آیت ۷۱)
 (ترجمہ) ”کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی۔“

ان نصوص میں تدبیر کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری شد و مد کے ساتھ مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور کفار کی طرف معمولی میلان کو بھی موجب دخولِ تارکھہ قرار دیا ہے۔ اب اگر ہمارے مسلم حکمران یہود و ہنود اور نصاریٰ کے دباؤ میں آکر اس رسوائے زمانہ معاہدہ (سی ٹی بی ٹی) پر دستخط کرتے ہیں تو لازمی طور پر ان نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ ربانیہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو اس کی پابندی ضروری نہیں | اگر تخفیف

متعلق کوئی بین الاقوامی معاہدہ موجود ہو اور اس کا کنٹرول بھی کفار کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس صورت میں مسلمان اس معاہدہ کے پابند ہیں؟ سو اس بارے میں سب سے پہلے جب ہم قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل آیات سامنے آتی ہیں: (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (سورة النساء آیت ۱۴۱)
 (ترجمہ) ”اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام“ (۲) وَا مَا تَغَافُنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ فَاذْكُرُوا عَلَي سَوَاءِ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْغَائِبِينَ ۝ (سورة الانفال آیت ۵۸)۔ (ترجمہ) ”اور اگر تم کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دو ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر، بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔“ یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہدے سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف اسی صورت میں واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۳۵ سورة الانفال)

یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت | لا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا كَافَّةً فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَا بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ (سورة المائدہ آیت ۵۱، ۵۲)۔ (ترجمہ) ”اے ایمان والو! امت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست، وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے، اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہیں میں سے ہے، اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھو گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے ڈر کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی، سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرما دے فتح یا کوئی امر اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پھٹانے۔“

علامہ ابو بکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ: ”ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے ازالہ سے منع فرمایا اور ان کی اہانت اور ازالہ کا حکم فرمایا اور ان سے مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۳)

ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سی ٹی وی اور این ٹی وی پر دستخط کرنے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے اور اس سلسلے میں تعاون کرنے کی صورت میں جو لوگ کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا جو مظاہرہ کرتے ہیں ان کا حشر کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہی ہو گا، لہذا حکومت کو چاہیے کہ اس معاہدہ پر دستخط کی صورت میں عقل و ہوش سے کام لے اور اس انجام بد سے اپنے آپ کو بچائے۔ نیز سی ٹی وی پر دستخط کرنے کے حامیوں کا یہ کہنا کہ دستخط نہ کرنے کی صورت میں بہ

یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا، اس کو ان آیات میں عذرِ تنگ قرار دیا گیا ہے۔

دستخط کرنے کی صورت میں کفار کی طرف سے امداد کے وعدے [تخفیفِ اسلحہ کے اس معاہدے (سی ٹی بی ٹی) پر دستخط کرنے

کی صورت میں کفار کی طرف سے مالی امداد و تحفظات کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے برعکس اعدا و آلات حرب کے متعلق جو آیت کریمہ ہم نے ذکر کی ہے کہ ”وَاعِدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ تو اس آیت کے آخر میں فرمانِ ربانی ہے: ”وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ“ اس میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جہادی سامان پر جتنا بھی خرچ کریں گے اس کے متعلق خدائی وعدہ ہے کہ ”یوف ایکم“ یعنی وہ خرچ تم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا پورا دیا جائے گا بغیر کسی کمی کے۔ گویا یہ آیت کریمہ تصریح ہے اس بات پر کہ اگر اعدا و آلات حرب پر آپ کا کچھ خرچ ہوا ہو اور ضرور ہوتا ہے تو اس کا انتظام اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

اب اقتصادی پابندیوں کے خوف سے سی ٹی بی ٹی یا این پی ٹی پر دستخط کرنا گویا اللہ کے وعدے سے انحراف ہے۔ اسی طرح دیگر بھی کئی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اپنی عزت و وقار کو مجروح کر کے کفار سے استعانت لینا صحیح نہیں جیسا کہ فرمانِ الہی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْمُرُكُمْ بِحَالٍ“ (آل عمران ۱۸) ترجمہ ”اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خوارجی میں“

علامہ ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”وفي هذه الآية دلالة على انه لا يجوز الاستعانة باهل الذمة في امور المسلمين من العیالات والمکتبہ“ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۴۴ سورۃ آل عمران)

اسی آیت یعنی لا تتخذوا بطنانہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا مولیٰ اور ملازمتوں میں کفار اہل ذمہ سے امداد لینا جائز نہیں ہے۔

۲۲ اسی طرح دوسری آیت کریمہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ“ (سورۃ النساء آیت ۱۵) میں بھی اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابوبکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں کہ ”ان آیات میں حق تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے اور ان کی اہانت و ازالہ کا حکم دیا ہے

اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اسی میں ان کی عزت اور برتری ہے۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۲۳ سورۃ النساء)

ارشادِ ربانی ہے: الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ يُبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۳۹)۔ (ترجمہ) ”ہولوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے ذریعے قوت و عزت چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ قوت و عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے، یعنی قوت و عزت اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔“

مندرجہ بالا تشریحات اور نصوص کی رو سے کفار سے امداد طلب کرنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اس خاطر سے کہ اس میں ہماری عزت ہے بالکل صحیح نہیں، اور یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمان ممالک نے جن کافر ملکوں کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کئے ہیں انہوں نے ایفائے عہد کا خیال نہیں رکھا، پاکستان اور عربوں کے کافروں کے ساتھ ہونے والے معاہدے ہمارے سامنے ہیں جن سوائے خسارے کے اور کچھ ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔

علامہ ابو بکر الجصاص رازیؒ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”وہذا يدل على انه غير جائز للمؤمنين الاستنصار بالكفار على غيرهم من الكفار اذا كان مثنى غلبوا كان حكم الكفر هو الغالب وبذلك قال اصحابنا“ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۵۲ سورۃ النساء)

فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل | مذکورہ بالا دلائل جو قرآن کریم کی صریح آیات، سنت نبویؐ کی واضح ہدایات، مفسرین، محدثین اور فقہاء اُمت کی تشریحات پر مشتمل ہیں اور جن پر تمام فقہی مکاتب کا اجماع ہے، سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:-

(۱) اعداء اسلام کی جارحیت اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دفاع کیلئے ہر قسم کا فوجی ساز و سامان، آلاتِ حرب کی تیاری اور اس میں شب و روز ترقی اور دشمن کے ارہاب کے لیے اعدادِ آلاتِ جہاد فرض عین ہے، یہاں تک کہ اسلام کے اساسی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت محدود اوقات اور مقدار سے وابستہ ہیں، مگر دشمن کے مقابلہ کی تیاری غیر محدود، غیر متعین، غیر موقت اور تمام ممکنہ استطاعتوں سے وابستہ ہے جسے اللہ نے وَعِدُوا الْكُفْرَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے۔

رب، دشمنانِ اسلام کے کسی دباؤ اور ترغیب و ترہیب میں آکر ایسا کوئی اقدام یا معاہدہ ہرگز جائز نہیں جس سے فوجی اور حربی تیاریوں میں تعطل پیدا ہو یا اس میں کمی آسکتی ہو یا تیار شدہ حربی ساز و سامان کے استعمال کو منجمد کیا جاسکتا ہو یا حربی ٹریننگ، مشق اور تربیت کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا اس میں کمی آسکتی ہو یا ان سارے امور پر کسی قسم کی قدغن لگ سکتی ہو۔

رج، سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی کی شکل میں زیر بحث معاہدہ میں یہ سارے خطرات، خدشات اور گونا گوں پابندیاں موجود ہیں اس لحاظ سے اس پر کسی بھی مسلمان ملک کیلئے بشمول پاکستان کے دستخط کرنا یا اس کی تحریر کی اور زبانی کسی قسم کی تائید اور اتفاق کی از روئے قرآن و سنت و اجماع اُمت ہرگز اجازت نہیں، اگر کسی بھی مسلم حکومت کا سربراہ، وزیر اعظم یا ممبر پارلیمنٹ یا کوئی عام شہری اس کی موافقت اور تائید کرتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور اللہ و رسول کے واضح احکام کی صریح مخالفت اور ان احکام سے کھلی بغاوت کا مرتکب ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے دین، عقیدہ اور ایمان کی خیر منافی چاہیے، جان بوجھ کر ایسا کرنے والے ملک و ملت کے غدار ہیں کہ اس طرح وہ ملک کی آزادی، سالمیت اور خود مختاری سلب کرانے جیسے قبیح جرم کے مرتکب ہوں گے۔ از روئے شرع ایسی صورت میں پوری قوم کو دینی، ملی اور قومی جرم کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف ہر قسم کا جدوجہد نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوگی۔

۲۵۶



البينة على المفسد
واليمين على من انكر

کتاب الدعوی والقضاء

(دعوی اور قضاء کے احکام و مسائل)

قاضی کے علم پر فیصلے کا حکم | سوال :- کیا قاضی اپنے علم پر کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے؟
الجواب :- شریعت مطہرہ نے فیصلے کا جو طریقہ کار وضع کیا ہے اور جو قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں قاضی فیصلے کرنے میں ان کا پابند ہے، لہذا قاضی یا تو مدعی کے گواہوں پر فیصلہ کرے گا اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ کرے گا، اس طریقہ کے مطابق فیصلہ کرنے میں قاضی پر کوئی تہمت وغیرہ لازم نہیں آتی اور فریقین بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر قاضی کو یقینی طور پر کسی فریق کے متعلق معلومات حاصل ہوں کہ یہ حق پر ہے تو اگرچہ متقدمین علماء نے ان یقینی معلومات کے حصول پر قاضی کو فیصلے کا اختیار دیا ہے لیکن معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہونے کے سبب چونکہ دورِ حاضر میں قاضیوں پر وہ اعتماد باقی نہیں رہا جو متقدمین کے دور میں تھا اس لیے متاخرین علماء کرام نے قاضی کو تہمت کے اندیشہ سے محفوظ رہنے اور مقتضی علیہ کو اطمینان دلانے کی خاطر قاضی کے اپنے علم پر فیصلہ کرنے کو ناجائز قرار دیا۔
 قال العلامة ابن عابدینؒ: والفتویٰ علی عدمہ فی زماننا کما نقلہ فی الاشباہ عن جامع الفصولین وقید بزماننا لفساد القضاۃ فیہ واصل المذہب الجواز۔

رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۳ کتاب القضاء، مطلب فی حکم القاضی بعلمہ ۱ لہ
قاضی کا مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کرنے کا حکم | سوال :- کیا قاضی مدعی یا مدعی علیہ
الجواب :- قضاء کا منصب چونکہ بڑا نازک اہمیت کا حامل ہے اس لیے شریعت نے

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ: وراجع فی جامع الفصولین قول محمد قال ویبغی ان یفتی بہ لما علم من احوال قضاۃ زماننا ثم نقل ان محمد اقال لایقضی القاضی بعلمہ ثم نقل عن عین المذہب ان بقولہ یفتی۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۸ کتاب القضاء)
 ومثله فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۳۳۶۔ کتاب القضاء والشہادۃ والدعاوی۔

تفصیل کے ساتھ اس کے آداب بیان کیے ہیں، دراصل ان تمام آداب کا مقصد یہ ہے کہ قاضی تہمت سے محفوظ رہے تاکہ اس کا وقار معاشرہ میں قائم رہے، اس لیے شریعت نے قاضی کیلئے ہر اس فعل سے اجتناب کرنا لازمی قرار دیا ہے جس کے صدور سے قاضی کے وقار پر حرف آتا ہے اور فریقین کے اعتماد کے اکٹھے کا ذریعہ بنتا ہو، چونکہ مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کرنے سے قاضی پر تہمت لازم آنے کا اندیشہ ہے جس کی وجہ سے اس پر اعتماد باقی نہیں رہے گا جو کہ قضا کے باب میں مطلوب ہے اس لیے قاضی کے لیے کسی ایک فریق کے ہاں قیام کرنا جائز نہیں۔

کما فی الہندیۃ، فاما اذا كانت لصاحب الدعوة خصومة لا یجیب دعوتہ وان کانت بینہما قرابة او مباسطة قبل القضاء۔ رانفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۱ الباب التاسع فی رذق القاضی) ۱۷

سوال :- مدعی اور مدعی علیہ
مدعی اور مدعی علیہ کا قاضی کے تعین میں اختلاف کا حکم
 دونوں مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ایک متنازعہ مسئلہ میں مدعی اپنے علاقے کے قاضی سے فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور مدعی علیہ اپنے علاقہ کے قاضی سے، تو اس صورت میں کون سے علاقے کے قاضی کو ترجیح دی جائے گی ؟

الجواب :- جب مدعی اپنے حق کے حصول کے لیے کسی پر دعویٰ کرتا ہے تو مدعی کو حق دینے وقت بظاہر مدعا علیہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اس لیے اس کو اطمینان دلانا بھی ضروری ہے تو شرعی دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اس کو جس قاضی کے پاس جانے سے اطمینان حاصل ہوتا ہے تو اس کو وہاں مقدمہ چلانے کا اختیار حاصل ہے لہذا اگر مدعی اور مدعا علیہ میں قاضی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو مفتی بہ قول کے مطابق مدعا علیہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوگی۔

لما قال العلامة بدر الدین محمد بن اسماعیل الشہیر باین قاضی سعادۃ، وان کان من المحلتین فاراد المدعی ان یخاصمہ الی قاضی محلته و اباء الآخر قال ابو یوسف

۱۷ قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ : ولا یجیب دعوة خصم وغیر معتاد ولو عامۃ للتمیۃ۔ (زدر المختار ج ۴ ص ۳۲۷ کتاب القضاء، مطلب فی حکم الہدیۃ للمفتی) ومثله فی البحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۱ کتاب العاریۃ۔

العبرة للمدعی قال محمد لابل للمدعی علیہ وبہ یفتی۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۲۱ الفصل التاسع والثلاثون فی المتفرقات) لہ

فیصلہ کو ماننے سے انکار کرنے پر جرمانہ وصول کرنے کا حکم | سوال :- فریقین کے مابین فیصلہ کرتے وقت ثالث نے

دونوں فریقوں سے پانچ پانچ کلاشکوف اپنے پاس رکھیں اور شرط یہ لگائی کہ فیصلہ کا اختیار دینے کے بعد جو کوئی بھی فریق فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو اس کی کلاشکوف بطور جرمانہ ضبط کر لی جائیں گی، دونوں فریقوں نے اس وقت یہ شرط قبول کر لی، چنانچہ فیصلے کے بعد ایک فریق نے فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اس کی پانچ کلاشکوف ضبط کر لی گئیں، تو کیا اس طرح فیصلے سے انکار کرنے پر جرمانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب فریقین نے خوشی سے ثالث کو فیصلے کا اختیار دیا تو ثالث کا فیصلہ اگر شرعی اصول کے منافی نہ ہو تو اس سے انکار کرنا جائز نہیں بلکہ اس فیصلے کا ماننا فریقین پر لازم ہے اس لیے کہ ایسے فیصلے سے انکار ایک غیر شرعی امر ہے اور کسی غیر شرعی امر کے ارتکاب پر جرمانہ وصول کرنا جائز ہے اگرچہ اصل مذہب عدم جواز کا ہے لیکن معاشرہ میں برائیوں کے انسداد کے لیے چونکہ شرعی طریقے سے تعزیرات کا نظام مفقود ہے اور برائیوں کا انسداد ضروری ہے اس لیے اگر کوئی ایسی طاقت اور قوت موجود نہ ہو جس سے جرائم کا انسداد ہو سکے اور تعزیر بالمال سے اس کا انسداد ہو سکتا ہو تو ایسی صورت میں معاشرہ کی اصلاح کی خاطر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینا زیادہ مناسب ہے۔

ما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ :- قال المصنف سمعت من ثقة ان التعزیر باخذ المال ان رأى القاضی والولی جازوا من جملة ذلك ما جل

لہ قال العلامة سلیم رستم بن باز البناق : اذا طلب احد الخصمین فی البلدة التي تعدد حکامها المراقبة فی حضور حاکم و طلب الآخر المراقبة فی حضور حاکم آخر و وقع الاختلاف بينهما علی هذا الوجه یرجع الحاکم الذی اختاره المدعی علیہ - (شرح مجلة الاحکام المادة ۸۰۳ ص ۱۱ کتاب السادس عشر فی القضاء - الفصل الثالث وظل الحاکم) وَمِثْلُهُ فی تنقیح الحامدية ج ۱ ص ۳ کتاب القضاء - باب هل العبرة بقاضی المدعی الخ

لا يعضد الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال - (خلاصة الفتاوى ج ۲۲ کتاب الحدود، الفصل الاول) ۱
حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نج کی شرعی حیثیت | سوال :- کیا دور حاضر میں حکومت
کے مقرر کردہ نج یا مجسٹریٹ شرعی

قاضی کا قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- قاضی کا تقرر دراصل لوگوں کے تنازعات حل کرنے کے لیے ہوتا ہے ان
تنازعات کو حل کرنے کے لیے شریعت نے باقاعدہ حدود بیان کی ہیں اسی طرح منصب قضاء
پر فائز ہونے کے لیے بھی کچھ شرائط عائد کی ہیں اس لیے اگر ان شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے
حکومت وقت جس کو بھی مسلمانوں کے تنازعات ختم کرانے کے لیے نج یا مجسٹریٹ مقرر کرے تو وہ
شرعی قاضی کے قائم مقام ہوگا۔ چونکہ قاضی لوگوں کے تنازعات حل کرنے کے بارے میں وکیل
کی حیثیت رکھتا ہے اور حکومت کو اس بارے میں اختیار حاصل ہے کہ اس کام کے لیے جس کو
بھی چاہے مقرر کر سکتی ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ نج شرعی اصول کے موافق ہو اور اس
کے فیصلے شرعی قواعد کے خلاف نہ ہوں۔

قال العلامة سليم رستم باذ: الحاكم وكيل من قبل السلطان في اجراء المحاکمة
والحكم - رشرح مجلة الاحکام - الماۃ ۱۸۰۰ ص ۱۱ کتاب السادس عشر - الفصل الثالث

اہل بدعت کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا حکم | سوال :- کیا اہل بدعت جو کہ
اعتقادی قاضی ہیں میں سے کسی کو

رؤیت ہلال کیٹی کا چیئر مین بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اعلیٰ منصب رکھیدی اسامی پر کسی عادل اور پابند شریعت شخص کو مقرر کرنا

۱ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ : عن ابی یوسف ان تعزیر باخذ الاموال جائز للاماء -
(تبیین الحقائق ج ۳ باب حد القذف، فصل فی التعزیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۱ باب حد القذف، فصل فی التعزیر۔

۲ قال العلامة الكاسانی: كل ما يخرج به الوكيل عن الوكالة يخرج به القاضي عن القضاء۔

ردائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶ کتاب آداب القاضی فصل فی بیان ما يخرج به الوکیل (

وَمِثْلُهُ فِي الْاِحْكَامِ السُّلْطَانِيَةِ ص ۶۵ فِي وَايَةِ الْقَضَاءِ۔

حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کیونکہ عادل اور نیک آدمی کے تقرر کے بغیر لوگوں کو ان کے حقوق کا تحفظ فراہم کرنا دشوار ہے اور رؤیت ہلال کیٹی کے چیرمین کے ساتھ تو دینی امور کا خاص تعلق ہے، تو جو شخص خود بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے فسق و فجور میں مبتلا ہو وہ دوسرے مسلمانوں کی عبادات کے تحفظ کا کیا لحاظ رکھے گا، اس لیے حکومت کے لیے مناسب نہیں کہ عادل اور پابند شریعت لوگوں کے ہوتے ہوئے اہل بدعت میں سے کسی کو اس منصب پر فائز کرے، تاہم جب حکومت نے اس کو مقرر کیا ہو تو دینی امور میں اس کا حکم شرعی قواعد کے تحت نافذ العمل ہوگا جیسا کہ فاسق کا حکم نافذ العمل ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: والفاسق اهل للقضاء حتى لو قلد يصح الا انه لا ينبغي ان يقلد كما في حكم الشهادة۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۳۲ کتاب ادب القاضي) ۱۔

مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا | سوال: جب مدعی اپنے

دعویٰ پر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ پر قسم لازم آتی ہے لیکن اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟
الجواب: جب شرائط شرعی کے تحت مدعی کا دعویٰ قاضی کے ہاں سماعت کیلئے منظور ہو جائے تو مدعی علیہ پر مدعی کا جواب دینا واجب ہے کہ یا تو مدعی کے حق کا اقرار کرے یا انکار، اگر مدعی علیہ مدعی کے حق سے انکار کرے تو مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر مدعی علیہ پر قسم لازم آئے گی اور اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر مدعی کا حق لازم ہو جائے گا اور فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا نكل المدعي عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۰۲ باب اليمين، کتاب القضاء) ۲۔

۱۔ قال العلامة ابن مہدین، والوجه تنفيذ قضاء كل من وكاه سلطان ذو شوكة وان كان جاهلاً فاسقاً وهو ظاهر المذهب عندنا وحينئذ فيحكم بفتوى غيره۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۳ کتاب القضاء)

وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ الْفُصُولِينَ ج ۱ ص ۱۶ الفصل التاسع والثلاثون في المثمرات۔

۲۔ قال العلامة الحصكفي، وقضى القاضي عليه بنكوله مرة لنكوله في مجلس القاضي حقيقة۔

(رد المحتار على صمد رد المحتار ج ۴ ص ۲۰۴ کتاب الدعوى)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ. المادة ۱۵۱ ص ۱۰۱ کتاب الدعوى، الباب الثاني۔

نچ کا ثالث کے فیصلے پر فیصلہ سنانے کا حکم | سوال :- فریقین نے کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے ثالث مقرر کیا، ثالث کے فیصلے کے بعد وہ مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا نچ نے چھان بین کے بعد بعینہ ثالث کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنایا، تو کیا نچ کے لیے ثالث کے فیصلے پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جب فریقین تنازعہ کے تصفیہ کے لیے باہمی رضامندی سے کسی کو ثالث مقرر کرتے ہیں تو وہ جو بھی فیصلہ کرے فریقین پر نافذ ہوتا ہے، جب اس کا فیصلہ عدالت میں پیش کیا جائے تو ثالث کا فیصلہ اگر شرعی قواعد و ضوابط کے عین مطابق ہو تو نچ کے لیے یہ فیصلہ توڑنا جائز نہیں کیونکہ اس کے توڑنے میں فریقین کا فائدہ نہیں بلکہ انتشار کا سبب بن سکتا ہے البتہ اگر اس کا فیصلہ کسی مختلف فیہ امر میں ہو اور وہ نچ کی رائے کے موافق ہو تو پھر نچ کے لیے اس کا توڑنا مناسب نہیں اور اگر نچ کی رائے کے خلاف ہو تو نچ اپنی رائے کے مطابق اس میں تغیر و تبدل کا اختیار رکھتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں اگر ثالث کا فیصلہ نچ کی رائے کے موافق ہو تو نچ اس فیصلے کو مبرا بنا کر اس پر اپنا فیصلہ سنا سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابویکین مسعود الکاسانی: ومنها انه اذا حکم فی فصل مجتہد فیہ ثم رفع حکمہ الی القاضی ورأیہ یخالف رأی الحاکم المحکم له ان یفسخ حکمہ۔ (بدائع الصنائع ج ۳، کتاب القضاء فصل فی بیان من یصلح للقضاء) لہ

دعوی کے اثبات کے لیے تحریری ثبوت پیش کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد

سے ایک مکان اپنے بیٹے پر فروخت کیا اور مکان کا اسے قبضہ بھی دے دیا، اس کے مرنے کے بعد دوسرے ورثہ نے اس مکان میں شرکت کا دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے میت کی طرف سے باقاعدہ وصیت نامہ پیش کیا جس میں مکان ورثہ میں تقسیم کیا گیا ہے، تو کیا

لہ قال للعلامة سليم رستم باذ اللبثانی: ان قضی المحکم فی فصل مجتہد فیہ ثم رفع حکمہ الی قاض مولی من السلطان امضاه ان وافق مذہبہ لانه لا فائدة فی نقضه۔

(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۸۴۹ ص ۱۱۹۹ الباب الرابع)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۲۹ کتاب القضاء۔ الفصل الرابع۔

اس تحریری وصیت نامہ کے تحت دوسرے ورثاء کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟
 الجواب :- از روئے شریعت جو دستاویزات تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں ان کو اعتبار دے کر اس پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے لیکن موجودہ حالات میں چونکہ مکرو فریب نے معاشرہ میں کٹر لوگوں کو اپنی پلیٹ میں لے رکھا ہے جس کی وجہ سے سچے اور جھوٹے کاغذات میں تمیز مشکل ہو گئی ہے اس لیے اگر تحریری معاہدہ پر باقاعدہ گواہ موجود ہوں تو اس کو اعتبار دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ صورت مرقومہ میں جو لوگ مکان میں شرکت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے تحریری وصیت نامہ پیش کرتے ہیں اگر وہ اس پر گواہ پیش کرتے ہیں تو پھر اس وصیت نامہ کی شرعی حیثیت ہو سکتی ہے اور فریقین کے دعویٰ کی پھان بین کے بعد فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم بادئ - ولا يعمل بالخط ولتختم وحدهما الا اذا كان
 سالماً من شبهة التزوير والتضييع فيعمل به يعني انه يكون مدالاً للحكم ولا يحتاج
 الى الثبوت بوجه آخر (شرح مجلة الاحكام، المادة ۳۶، من ۱۹ ابواب الثاني) لے
 مدعی کا مدعی علیہ سے مقدمہ کا خرچہ لینے کا حکم | سوال :- مقدمہ جیتنے کی صورت میں
 مدعی عدالت کا خرچہ مدعی علیہ سے لے

سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب مدعی اپنے حق کے حصول کے لیے عدالت میں دعویٰ دائر کرتا ہے تو عدالت کا عمل اس کے حق کے احیاء کیلئے مصروف عمل ہوتا ہے تو اس کا تمام تر فائدہ مدعی کو ہی پہنچتا ہے اور عدالت کی اشیاء کا استعمال اس کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے اس لیے ان اشیاء کا خرچہ مدعی پر عائد ہوتا ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو اختیار ہے اگر وہ مقدمہ کے رجسٹرڈ وغیرہ کا خرچہ مدعی سے وصول کرنا چاہے تو وصول کر سکتا ہے، جب عدالت کا خرچہ مدعی پر آتا ہے تو مدعی علیہ کو اس کا ضامن بٹھانا اور اس سے خرچہ وصول کرنا

قال العلامة ابن عابد :- فالحاصل ان المدار على انتفاء الشبهة ظاهراً وعليه فما يوجد دفاتر التجار في
 زماننا اذ مات احدهم وقد حصر بخطه ما عليه في دفاتره الذي يقرب من اليقين انه لا يكتب فيه على
 سبيل التجربة والهلزل يعمل به - (تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲ ص ۲۱ کتاب الدعوى)
 ومثله في تقريرات الراعى ج ۲ ص ۹۲ کتاب الدعوى -

ثرعاً جائز نہیں ہے۔

کافی الہندیۃ : وعن هذا الصحيفة التي يكتب وفيها دعوى المدعين وشهادتهم ان رأى القاضى ان يطلب ذلك من المدعى فله ذلك۔ (الفتاوى الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۱ الباب التاسع فى رزق القاضى) لہ

حاکم وقت کا مملوکہ زمین قاضی کو بطور عطیہ دینے کا حکم | سوال :- چار بھائیوں کی مشترکہ جائیداد ایک نواب نے

کسی قاضی کو بطور عطیہ دے دی، قاضی نے اس جائیداد پر باضابطہ قبضہ کیا اور باقاعدہ نفع حاصل کرتا رہا، مذکورہ نواب کا اقتدار ختم ہوتے ہی ان بھائیوں نے حکومت سے اپنی جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کیا عدالت میں تقریباً سترہ (۱۷) سال مقدمہ جاری رہنے کے بعد فیصلہ دو بھائیوں کے حق میں ہوا اور باقی دو بھائیوں کو محض اس وجہ سے اپنے حق سے محروم رکھا کہ انہوں نے نواب کو دستخط کر دیئے تھے۔ اب یہ مشترکہ اور غیر منقسم جائیداد قاضی کے قبضہ میں ہے، مذکورہ بھائیوں نے قاضی سے جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے قبضہ میں ہے اور مذکورہ نواب نے مجھے دی ہے اس لیے یہ میرا ہی حق ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قاضی کے لیے ایسی زمین پر قابض رہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : بشریعت نے حاکم صرف اس جائیداد سے عطیات دینے کا حق دیا ہے جو کسی کی مملوکہ نہ ہو اور جو جائیداد پہلے ہی سے کسی کی ملکیت چلی آرہی ہو اس کا کوئی کسی کو بطور عطیہ یا انعام دینا جائز نہیں، اس لیے مذکورہ نواب نے اپنی حکومت میں جو مملوکہ زمین قاضی کو دی ہے اس پر قاضی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور خاص کر جب مذکورہ نواب کی حکومت ختم ہونے پر حکومت نے مالکوں کے حق میں فیصلہ کیا ہو تو یہ جائیداد اصل مالکوں کو واپس کی جائے گی قاضی کے لیے اس پر بے جا قبضہ کرتا جائز نہیں بلکہ یہ غصب کے حکم میں ہوگا، اس لیے اگر قاضی کے تصرفات کی وجہ سے اس زمین کو نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری قاضی پر عائد ہوگی۔

۱۔ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری : واذا اراد القاضى ان يكتب اسجل ویأخذ علی ذلک اجرًا یاخذ منه مقدار ما يجوز اخذ غیرہ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۲۷۹ کتاب القضاء۔ الفصل الثانی۔ ومثله فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۶ ص ۲۷۹ کتاب القضاء۔ الفصل الثانی۔)

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ، ولو غصب ارضاً فبني عليها او غرس فيها
لا ينقطع ملك المالك ويقال للغاصب اقلع البناء والغرس وراها فارغة لان الارض بمالها
لم تتغير ولم تنقص شيئاً آخر۔ ردائع الصنائع ج ۷، ص ۱۲۹ کتاب الغصب، فصل في حكم الغصب له
ایک بھائی کی عدم موجودگی میں مشترکہ جائیداد کے فیصلے کا طریقہ کار | سوال: بھائیوں
کی آپس میں مشترکہ

جائیداد تھی اس پر کسی شخص نے ملکیت کا دعویٰ کیا، اب ان بھائیوں میں سے ایک بھائی موجود نہیں
تو کیا اس کی عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ وغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر غائب نے اپنی طرف سے کسی بھائی کو اپنی جائیداد کے تنازعہ کے
متعلق مکمل اختیار دیا ہے تو وہ بھائی اس کی طرف سے وکیل بن کر باقاعدہ خصومت کر سکتا ہے
اور اس کی موجودگی میں قاضی فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے اپنی طرف سے مکمل اختیار نہ دیا
ہو تو پھر جو بھائی موجود ہے وہ شریک کی مانند ہو کر جن شرائط کے تحت ایک بھائی دوسرے
شریک کی طرف سے خصم بن سکتا ہے انہی شرائط کے تحت ایک بھائی دوسرے بھائی کی طرف
سے خصم بن سکتا ہے۔ اس لیے اگر یہ مشترکہ جائیداد بھائیوں کے قبضہ میں ہو تقسیم نہیں کی گئی
ہو اور ایک ہی سبب کے تحت سب بھائیوں کو اس پر ملکیت حاصل ہو تو جو بھائی موجود ہے
اس کی موجودگی میں فیصلہ کیا جائے گا اور اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو تو پھر غائب کی
عدم موجودگی میں فیصلہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: انه ينتصب احدہم عن الباقيين بشروط ثلاثة كون العين كلها في
يد وان لا تكون مقسومة وان يصق الغائب انها ارث عن الميت۔ (رد المحتار ج ۴، ص ۳۴۳ کتاب القضاء) ۱۔

۱۔ قال العلامة المرغینانیؒ، ومن غصب ارضاً فغرس فيها او بني قیل اقلع البناء والغرس وراها وفيه ايضاً فان
كانت الارض تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن له قيمة البناء وقيمة الغرس مقلوعاً ويكونان له۔
والهداية ج ۳، ص ۳۴۹ کتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب۔ ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۵۰۵: ۹ الفصل الثاني۔
۲۔ قال العلامة قاضي سماوہؒ، كون المدعي شيئاً بينهما لاهالة في هذه الصواريحكم على الغائب وفيه
ايضاً وذكر عامة المشايخ ان السببية تشترط في ما كان المدعي شيئاً واحداً وهو الاشبه والا قرب
الى الفقه۔ (جامع الفصولين ج ۱، ص ۵۵ الفصل الخامس في القضاء على الغائب الخ)

ومثله في تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۱، ص ۳۱۳ کتاب القضاء۔

مکرہ کے اقرار پر فیصلے کا حکم | سوال :- ایک شخص پر اپنے باپ کے قتل کا دعویٰ کیا گیا، دعویٰ کے اثبات پر کوئی گواہ بھی پیش نہیں ہوا، صرف پولیس کے مظالم سے بچنے کی غرض سے مدعی علیہ نے اقرار جرم کیا، جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا، تو کیا پولیس کے سامنے اقرار کو مدلل بنا کر اس شخص کو باپ کی میراث سے محروم کرنے کا فیصلہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس میں کوئی شک نہیں کہ قتل موانع میراث میں سے ہے اور باپ کو قتل کرنے سے بیٹا باپ کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے لیکن اس شرط پر کہ قتل کا ثبوت شرعی قواعد و ضوابط کے تحت ثابت ہو، اور قتل کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں، ایک معائنہ کی شہادت کہ قتل پر چشم دید گواہ پیش ہو جائیں اور دوسری صورت اپنی مرضی سے قتل کا اقرار کرنا، چونکہ مذکورہ بالا صورت میں صرف پولیس کے مظالم سے بچنے کے لیے بیٹے نے باپ کے قتل کا اقرار کیا ہے اس لیے یہ شخص مکروہ کے اقرار کے حکم میں ہوگا، جس طرح مکروہ کا اقرار حجت نہیں ہوتا اسی طرح اس شخص کا اقرار بھی حجت نہیں لہذا اس شخص کو باپ کی میراث سے محروم کرنا جائز نہیں ہے۔

کافی الہندیۃ : وکذا الرضا والطوع شرط حتی لا یصح اقرار المکرہ کذا فی النہایۃ۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۵۶ کتاب الاقرار (باب الاول) لہ

شریک کی عدم موجودگی میں قاضی کے فیصلے کا جائزہ | سوال :- دو اشخاص کے درمیان ایک مشترکہ زمین تھی ایک شریک

کی عدم موجودگی میں دوسرے پر کسی نے دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کیے، قاضی نے شریک کی عدم موجودگی میں مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا، تو کیا جو شریک موجود ہے اس کو غائب کا نائب قرار دے کر اس پر فیصلہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اب غائب شریک واپس آگیا ہے اور دوبارہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا دعویٰ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو شریک حاضر ہے اگر زمین مذکورہ اس کے قبضہ میں ہو اور تقسیم نہ کی گئی ہو اور غائب شریک اس کا اعتراف بھی کرتا ہو کہ یہ زمین ہم دونوں میں مشترکہ ہے تو اس صورت میں

لہ قال العلامة ابن نجیم : اقرار المکرہ باطل۔ (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۹۶ باب الاقرار۔

وَمِثْلُهُ فِي بَحْثِ الاحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۵۷۵ ص ۸۶۲ کتاب الاقرار۔ الباب الاول۔

جو شریک موجود ہے وہ دوسرے شریک کی طرف سے خصم بن سکتا ہے اور اس کو غائب کا نائب قرار دے کر اس کی موجودگی میں فیصلہ کرنا درست ہے، اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی نے فیصلہ کیا ہو تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ العمل ہوگا۔ اسی بناء پر اگر غائب واپس آجائے اور دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ درست نہیں لیکن اگر ان شرائط کی رعایت نہ کی گئی ہو تو جو شریک موجود ہے وہ غائب کی طرف سے خصم بننے کا اہل نہیں، اس لیے ایسی صورت میں اگر قاضی غائب کی عدم موجودگی میں فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ صحیح نہیں تو جب وہ حاضر ہو جائے اور دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کرنا چاہے تو اس کا دعویٰ درست ہے۔

لما قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: لا یقضی علی غائب ولا لہ الا بحضور نائبہ حقیقۃً کو کیلہ ووصیہ و متولی الوقف۔

وفی رد المحتار اذا فاد الکاف عدم الحصر فان احد الورثة کذا لک ینتصب خصماً عن الباقین وکذا احد شریک الدین۔

وفی رد المحتار: انه ینتصب احدہم عن الباقی بشروط ثلاثة کون العین کلہا فی یدہ وان لا تكون مقسومة وان یصدق الغائب انہا رث عن المیت۔

رد تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۳ کتاب الحوالة ۱۰

سوال :- ایک شخص نے کسی کو بارہ سو روپے بطور قرض دیئے اور اس شخص نے گواہوں کے سامنے بارہ سو روپے وصولی کا اقرار بھی کیا،

اقرار کے بعد مقروض کا قرض سے انکار اور اس پر ایک عدالتی فیصلے کا جائزہ

جب قرض دینے والے شخص نے مقروض سے اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مقروض نے دواوی قرض کی ادائیگی میں مزید مہلت مانگنے کے لیے اس شخص کے پاس بھیجے چنانچہ وہ مزید مہلت دینے پر راضی ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد مقروض نے قرض واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا، قرض خواہ

لہ قال العلامة قاضی سماء: کون المدعی شیعین بینہما سببیۃ لا محالة فی ہذہ الصور یحکم علی الغائب وفیہ ایضاً و ذکر عامۃ المشائخ ان السببیۃ تشتط فی مالوکان المدعی شیئاً واحداً و هو

الاشبہ والاقرب الی الفقہ۔ (جامع الفصولین ج ۵ ص ۵۵ الفصل الخامس فی القضاء علی الغائب)

وَمِثْلُهُ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ج ۳ ص ۳۱ کتاب القضاء۔

نے مجبور ہو کر عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا اور مقروض کے اقرار پر باقاعدہ گواہ بھی پیش کئے لیکن اس کے باوجود جج نے مقروض کے حق میں فیصلہ سنا دیا، کیا جج کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک عاقل بالغ شخص کسی کے حق کا اقرار کر لے تو وہ اپنے اقرار پر مانع ہو جاتا ہے اور اس کے اقرار کے موافق اس پر ضمان لازم آتا ہے۔ مذکورہ صورت میں جب مقروض نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے بارہ سئو روپے بطور قرض لینے کا اقرار کر لیا تو پھر قرض کی واپسی سے انکار جائز نہیں اور مزید برآں قرض کی ادائیگی کے لیے مزید جہالت مانگنے کے لیے دو آدمی قرض خواہ کے پاس بھیجے سے قرض کے اقرار کی مزید تاکید ہوتی ہے اس لیے اگر قرض ذہن نے مقروض کے اقرار پر گواہ پیش کیے ہوں تو ان کو اہول کے ہوتے ہوئے جج کا اس کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البغاري: وكذا لو قال آخره اعني او صالحني فاقتراس -
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۱۳۱ کتاب الاقرار، الفصل الاول)

سوال: ایک قتل باپ کو عدالتی سزا سے بچانے کے لیے اعتراف جرم کرنے کا حکم۔

الجواب: میں باپ بیٹا دونوں شریک تھے عدالت نے جرم ثابت ہونے پر دونوں کو سزا کا مستحق قرار دیا لیکن بعد میں باپ کو بچانے کی خاطر بیٹے نے اعتراف کیا کہ میں نے مقتول کو اپنی بہن کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر قتل کیا لیکن میرا والد اس میں شریک نہیں تھا، اُس کے اس بیان پر عدالت نے باپ کو سزا سے بری کر دیا اور بیٹے کو عمر قید کی سزا سنائی، حالانکہ یہ واقعہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ تو کیا بیٹے کے اس بیان پر باپ کو بری الزمہ قرار دینا صحیح ہے؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے شہادت کو ہر قسم کے خطرات سے تحفظ دلانے کے لیے اعتبار پر مبنی زریں اصول مرتب کیے ہیں کیونکہ فیصلے کا اصل دار مدار صحیح شہادت پر ہے، اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل سے فیصلے کی پوری نوعیت بدل جاتی ہے، اس لیے جہاں کہیں بھی

لے قال العلامة ابن نجيم: لو قال لي عليك الف فقال اتونه او انتقد او اجلي به او قضيتكه فهو اقرار - (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب الاقرار -

ومثله في شرح المجلة (۸۵۸ ص ۱۵۴) کتاب الثالث عشر في الاقرار -

اس میں شبہ کا احتمال موجود ہو تو شریعت نے ایسی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اس بناء پر جس شہادت میں بھی ذاتی منفعت یا باہمی قریبی رشتہ کی وجہ سے دوسرے کو منفعت لانے کا تصور پایا جاتا ہو وہ شہادت مقبول نہیں، چونکہ باپ بیٹے کے منافع اکثر ایک ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں صورت مذکورہ میں حسب بیان جب مجرم نے اعتراف جرم کیا تو اس وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہوا لیکن اس کے باپ کے بارے میں اس کی گواہی قبول نہیں لہذا بیٹے کے بیان پر باپ کو بری الذمہ قرار دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة ابوالحسن علی بن ابی بکر المرصینی: ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لأبویہ ولا جدادہ - (الهدایة ج ۳ ص ۱۶۱ باب من یقبل شہادته ومن لا یقبل) لہ

مدعی کے بیانات میں تعارض کا جائزہ | سوال :- ایک شخص کی زمین اس کے ہجرازاد بھائی کے زیر قبضہ تھی اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہا، بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین چونکہ دیہہ شاملات ہے اور اس کو میں نے آباد کیا ہے اس لیے اب یہ میری ہے، بعد میں اس نے دوبارہ یہ دعویٰ کیا کہ یہ زمین مجھے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے، از روئے شرع اس شخص کی ملکیت کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے کسی دعویٰ کی صحت کے لیے یہ شرط قرار دی ہے کہ مدعی کے بیانات کا آپس میں تناقض نہ ہو، اگر اس کے بیانات میں تناقض آجائے تو اس سے اس کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ صورت مسئلہ میں جب مدعی نے ایک دفعہ یہ بیان دیا کہ یہ زمین دیہہ شاملات ہے اور میں نے آباد کی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین پہلے سے کسی کی ملکیت میں نہیں تھی بلکہ آباد کرنے سے یہ میری ملکیت بن گئی ہے لیکن بعد میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: لا یجوز شہادۃ الوجل^۱ ولوالدہ وان علی من قبل الاب والام ولخافدہ وات سفیل۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۶۱ الفصل الثانی فی الشہادات)

ومثله فی مجلة الاحکام، المادة ۷۰۰ ص ۱۰۲۳ کتاب الخامس عشر، الفصل الثالث۔

مجھے آباؤ اجداد سے تقسیم میں ملی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پہلے سے میرے آباؤ اجداد کی مملوکہ ہے تو مدعی کے دونوں بیانات کا آپس میں تناقض ہے اس لیے اس کا دعویٰ صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني: ومنها عدم التناقض في الدعوى وهو ان لا يسبق منه ما يناقض دعوى الاستحالة وجود الشيء مع ما يناقضه وينافيه - ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۳ کتاب الدعوى، فصل في شرائط المصححة للدعوى) لہ

بلک اوزیع کے دعویٰ میں فیصلہ بیع کے گواہوں پر ہوگا | سوال :- ایک شخص نے کسی پر

کاغذات میں مشتری کا نام درج کر دیا اور اس کے عوض آٹھ سو روپے وصول کیے، بعد میں بائع نے دعویٰ کیا کہ میں نے آٹھ سو روپے صرف دس کنال زمین کے عوض وصول کیے ہیں اور باقی ۹۰ کنال بطور امانت دی تھی جبکہ مشتری یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے پوری سو کنال زمین کے آٹھ سو روپے ادا کیے ہیں، دونوں اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرتے ہیں، تو اس صورت میں کسی کے گواہوں پر فیصلہ کیا جائے گا؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے اور زمین چونکہ مشتری کے قبضہ میں ہے اس لیے مشتری ذوالید ہے اور بائع خارج، تو عام طور پر فقہاء کے بیان کردہ اصول کے تحت خارج کے گواہ ذوالید پر مقدم ہوتے ہیں لیکن اگر ذوالید خارج سے ثراء کا دعویٰ کرے تو پھر ذوالید کے گواہ خارج پر مقدم کیے جائیں گے، اور حسب بیان چونکہ مشتری ذوالید ہے اور ثراء کا دعویٰ کرتا ہے اسلئے اگر طرفین اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کریں تو مشتری کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی اور فیصلہ اس کے گواہوں کے موافق ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: ولو برهن الخارج وذواليد على الشراء منه فذواليد احق - (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۲ باب دعوى الرجولين) لہ

لہ قال العلامة سليم رستم باز: - التناقض يكون مانعاً لدعوى الملكية - (مجلة الاحكام، المادة ۶۳۷، ۱۹۵۷ء) وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ الْقُصُولِينَ ج ۱ ص ۱۲۳ الفصل العاشر في التناقض في الدعوى۔

لہ قال العلامة المرغيناني: وان اقام الخارج البينة على الملك المطلق وصاحب اليدين البينة على الشراء منه كان صاحب اليد اولى - (الهداية ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الدعوى) وَبِثُلَّةٍ فِي مَجْلَةِ الْاَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۶۳۷، ص ۱۳۲ کتاب الدعوى۔ الفصل الثاني۔

حدود بیان کیے بغیر زمین پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کسی

سولہ کنال زمین خریدی ہے اور یہ میری ملکیت ہے، لیکن دعویٰ میں حدود بیان نہیں کیں، تو کیا حدود بیان کیے بغیر زمین کی ملکیت کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی دعویٰ میں یہ ضروری ہے کہ مدعی کو اپنے مدعی پر علم حاصل ہو اور اپنے حق کا تعین کر سکتا ہو، کیونکہ اگر مدعی ہی معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے مدعی کے حق کی تمیز اور اثبات مشکل ہوگا، چونکہ زمین میں حق کا تعین اور تمیز حدود کے بیان کرنے سے ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے زمین پر ملکیت کے دعویٰ میں حدود کا بیان کرنا شرط قرار دیا ہے کہ حدود کے بیان کیے بغیر زمین کی ملکیت کا دعویٰ صحیح نہیں، اس لیے مذکورہ صورت میں مدعی جب تک اپنے دعویٰ میں زمین کی حدود بیان کرے اس وقت تک اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: روان ادعى عقارا ذكر حدوده (لانه لا تغذر التعليل بالاشارة لتعذر النقل فيصار الى التحديد وكما يشترط التحديد في الدعوى يشترط في الشهادة - البحر المصنوع ج ۷ ص ۱۹۷ کتاب الدعوی) لے

فصل کے نقصان کی وجہ سے پڑوسی سے درخت کو جڑ سے کاٹنے کے مطالبہ کا حکم | سوال :- ایک

میں درخت ہے جس کی کچھ شاخیں پڑوسی کے کھیت کی طرف جھکی ہوئی ہیں جن کے سایہ سے اسکی فصل کو نقصان پہنچتا ہے، اب پڑوسی اس شخص سے درخت کو جڑ سے کاٹنے کا مطالبہ کرتا ہے تو کیا پڑوسی کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں معاشرتی زندگی میں باہمی الفت و محبت کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس محبت و الفت کے بغیر سکون زندگی کا تصور بھی محال ہے، اور یہ الفت و محبت صحیح طریقے سے تب قائم ہو سکتی ہے جب معاشرے کا ہر فرد دوسرے حقوق کا لحاظ رکھے اور ہر کوئی دوسرے

لے قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: ويشترط التحديد في دعوى العقار كما يشترط في الشهادة عليه - رتنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب الدعوی
وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۶۲۳ ص ۹۱ کتاب الدعوی۔

کو اذیت پہنچانے سے گریز کرے، اس لیے اگر کسی کے تصرفات سے دوسرے کے حقوق کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اسلام نے اس قسم کے تصرفات سے اس کو باز رہنے کی تاکید کی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں اگر درخت کی شاخوں سے پڑوسی کے کھیت کو نقصان پہنچتا ہو تو درخت کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اگر شاخ کو اوپر باندھنے سے پڑوسی کے نقصان کا ازالہ ممکن ہو تو مالک کو شاخیں باندھنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر باندھنے سے بھی نقصان دور نہ ہوتا ہو تو پھر مالک کو شاخیں کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا البتہ درخت کو جڑ سے کاٹنے کا مطالبہ صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: من امتدت اغصان شجر بستانه الى دار جارد او بستانه فلجارد ان يكلفه تفريغ هوائه بالربط او القطع شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۱۹۶ م ۱۵۶ لہ

عاریتہ کسی کی زمین پر تصرفات کی وجہ سے استحقاق کا دعویٰ کرنا | سوال :- ایک قوم نے اپنی کچھ زمین حکومت افغانستا

کو عاریتہ دی، حکومت نے اس زمین پر پولیس اسٹیشن دیکھانہ بنایا، تین سال بعد اب ایک افغان کمانڈر نے اس زمین پر قبضہ کیا ہے اور وہ اس پر آبادی کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے حکومت نے اس زمین پر آبادی کی اجازت دی ہے، از روئے شریعت اس زمین میں مذکورہ کمانڈر کے تصرفات جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین غیر ملوکہ ہو اس میں حاکم وقت کو تصرفات کا اختیار حاصل ہے اگر وہ اس زمین میں سے کسی کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا، لیکن جو زمین پہلے سے ملوکہ ہو حاکم وقت کو اصل مالک کی مرضی کے بغیر کسی کو دینا جائز نہیں۔ اس لیے مذکورہ صورت میں جب ایک قوم نے اپنی ملوکہ زمین حکومت کو عاریتہ دے دی تو اس زمین پر اس قوم کی ملکیت برقرار ہے اور وہ جب بھی واپسی کا مطالبہ کرے زمین اُسے واپس کی جائے گی، لہذا کمانڈر مذکور کا اس زمین پر قبضہ کرنا اور اس میں آبادی کرنا جائز نہیں اور جو آبادی وغیرہ کی ہو تو اُسے گرا کر زمین اصل مالکوں کو

لہ قال الإمام فخرالدین حسن بن منصور: رجلٌ له نخلة في ملكه وخرج سقفها الى ارض جارة كان الجاران يقطع ويقرع هواء ملكه لان من ملك ارضاً ملك ما تحتها الى الثرى وما فوقه الى السماء فكان له ان يقطع وهذا اذا كان لا يمكنه تفريغ الهواء الا بالقطع۔

(الفتاویٰ الخانیۃ علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۳۱ باب الصلح فی العقار الخ)

واپس کی جائے گی۔

لما قال العلامة المروغینانی: واذا استعار ارضاً لبني فيها اولي غرس جازد للمعير ان يرجع فيها
ويكلفه قلع البناء والغرس۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۸۱ کتاب العارية) لہ

کسی کی مملوکہ زمین پر قبضہ کے متعلق فیصلہ کا حکم | سوال :- ایک شخص تیس سال قبل اپنی

وجہ سے اسے وطن چھوڑ کر باہر جانا پڑا، اس کی عدم موجودگی میں اس کے تین چچا زاد بھائیوں نے
اس میں تصرف شروع کر دیا، جب یہ شخص واپس آیا تو اس نے اچھے تعلقات کی وجہ سے ان کو
تصرف سے نہیں روکا، اب تقریباً دس سال سے وہ زمین پر قابض ہیں اور زمین واپس کرنے
سے انکار کرتے ہیں، مالک کے پاس زمین کی ملکیت پر باقاعدہ گواہ موجود ہیں، تو فیصلہ کس
کے حق میں ہوگا؟

الجواب :- مدت مدید تک غیر کی مملوکہ زمین محض تصرف کی وجہ سے کسی کی ملک میں
نہیں آسکتی بلکہ ملکیت کے لیے باقاعدہ اسباب مقرر ہیں، ان اسباب میں سے کسی بھی سبب کم
عدم موجودگی میں کسی چیز پر ملکیت کا تصور ہی ناممکن ہے اس لیے اگر مالک شہادت شرعیہ سے
اپنی ملکیت ثابت کرے تو اس کو اپنی زمین واپس کی جائے گی، صورت مسئلہ میں چچا زاد بھائیوں
نے اس پر جبراً قبضہ کر رکھا ہے یہ سب غاصب ہیں اور غاصب پر مخصوص چیز کی واپسی لازم ہے۔
اگر انہوں نے زمین میں تصرفات کی وجہ سے اس کو کوئی نقصان پہنچایا ہو تو اس کی ذمہ داری ان
پر عائد ہوگی۔

لما قال العلامة المروغینانی: ومن غصب ارضاً فغرس فيها اوبى قيل له اقلع البناء والغرس ورد (وفيه ايضاً)
فان كانت الارض تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن القيمة البناء وقيمة الغرس مقلوفاً ويكون له۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۴۹ کتاب الغصب)

لہ قال العلامة سلیم رستم باڈ: استعارة الارض لغرس الاشجار والبناء عليها مبيحة لكن للمعير ان يرجع عن
الاعارة متى شاء فاذا رجع لزم المستعير قلع الاشجار ورمق البناء۔ (مجلة الاحكام، المادة ۸۳۱ ص ۴۶)
وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب العارية۔

لہ قال العلامة الكسانى: ومن غصب ارضاً فبنى عليها او غرس فيها لا تنقطع ملك المالك ويقال للفا اقلع
البناء والغرس وردھا فارغة لان الارض بحالها لم تتغير ولم تصر شيئاً اخر۔ (ردائع الصنائع ج ۲ ص ۱۴۹ کتاب الغصب)
فصل حكم الغصب) — وَمِثْلُهُ فِي مجلة الاحكام، المادة ۹۰۵ ص ۵۰۱ کتاب الثامن الفصل الثاني)

مدعی کا زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں | سوال :- ایک آدمی کافی مدت سے کسی کی زمین پر قابض ہے اور مالک کو باقاعدہ اجارہ دیتا ہے،

دریں حالات کسی نے اس زمین کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا، مزارع نے جب دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے چھوڑنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ زمین تمہاری نہیں ہے اس لیے میں تمہیں فصل کا حصہ نہیں دوں گا، مالک اگر دعویٰ کرے تو دیکھا جائے گا۔ کیا ایسے حالات میں مزارع کا یہ دعویٰ درست ہے یا نہیں؟ اور مدعی علیہ رفع سے انکار میں کہاں تک حق بجانب ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں مزارع کا دعویٰ درست ہے اور جب تک زمین پر مزارع تصرف کر رہا ہو تو اس کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے اور مدعی علیہ کا اس سے بالکل پھڑانا بے سود ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باذ: ولكن اذا غصب الموديع او المستعار او الماجور او الموهون فلولو ديع والمستعير والمستاجر والمرتهن ان يدعى بهما على الغاصب وحده ولا يلزم حضور المالك. وليس للمالك يدعى وحده ما لم يحضر (شرح مجلة الاحكام، الماحقة ۱۶۳۷ ص ۹۲۱ الفصل الثالث)

زمین کے نامعلوم حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم | سوال :- ایک آدمی کسی کی ملوکہ زمین

اس زمین میں میرا حصہ ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کرتا ہے کہ اس زمین کا کچھ حصہ میرا والد نے مالک زمین کو دیا ہے، لیکن نہ تو اس کو مقدار معلوم ہے اور نہ حدود اربعہ، جبکہ مالک زمین اس کی ملکیت سے انکار کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے کسی دعویٰ کی صحت کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مدعی جس چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرتا ہو وہ چیز معلوم ہو، اگر مجہول ہو تو پھر اس پر دعویٰ کرنا صحیح نہیں کیونکہ اگر مدعی یہ مجہول ہو تو پھر اس پر نہ تو صحیح شہادت قائم ہو سکتی ہے اور نہ

له لما في الهدية: اذا ادعى رجل دارا في يدي رجل انها في اجارتي آجر فيها فلان وادعى ذواليد انها في اجارتي آجر فيها فلان اخر تسمع دعوى المدعى وينتصب صاحب اليد خصما.

(الفتاوى الهندية ۲۶ ص ۱۳۷ الباب الخامس فيمن يصلح خصما لغيره)

ومثله في خلاصة الفتاوى ۲۶ ص ۸۷ كتاب الدعوى.

صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ صورتِ مسئلہ میں چونکہ مدعی کو نہ تو مدعی بہ کی مقدار معلوم ہے اور نہ حدودِ اربعہ، جبکہ زمین کے دعویٰ میں حدودِ اربعہ بیان کرنا ضروری ہے اس لیے اس آدمی کا دعویٰ قابلِ سماعت نہیں۔

قال العلامة المحقق: معلومية المال المدعى اذ لا يقضى بمجهول ولا يقال مدعى فيه وبه الا ان يتضمن الاخبار۔ (الدر المختار علی صدر السد المختار ج ۴ ص ۶۱ کتاب القضاء)۔
سوال :- ایک شخص نے اپنی زمین کسی کو بطور عاریہ پر لی ہوئی زمین سے معیر کو تنگ کرنے کیلئے مستعیر کا درخت نہ کاٹنے کے متعلق فیصلہ اور پھر بیج دیئے لیکن زمین واپس ہونے کے باوجود صرف تنگ کرنے کی غرض سے نہ تو خود درخت کاٹتا ہے اور نہ مشتری کو کاٹنے دیتا ہے جس کی وجہ سے زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس بارے میں فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- چونکہ عاریت پر زمین دینے والا اس زمین کا مالک ہے اور اپنی زمین میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے، تو جس طرح کسی کو زمین عاریہ پر دینے کا اسے اختیار ہے اسی طرح اسی زمین کو کسی سے واپس لینے کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے، جب بھی وہ اپنی زمین کی واپسی کا مطالبہ کرے تو بے چون و چرا اُسے زمین واپس کرنا مستعیر کی ذمہ داری ہے اس لیے عاریہ پر دینے والے کو تنگ کرنے کی غرض سے اپنے لگائے ہوئے درختوں کو چھوڑ دینا جائز نہیں اسلئے اُسے درخت کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا۔
كما قال العلامة سليم رستم باذ: استعارة الارض لغرس الاشجار والبناء عليها صحيحة لكن للمعير ان يرجع عن الاعارة متى شاء فاذا رجع لزم المستعير قلع الاشجار ورفع البناء۔ (مجلة الاحكام، المادة ۸۳ ص ۲۶ الفصل الثاني في احكام العارية وضمانها)۔

۱۔ قال العلامة ابوبكر الكاساني: ومنها ان يكون المدعى معلوماً لتعذر الشهادة والقضاء بالجہول (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۲ کتاب الدعوی، فصل شرائط المصلحة للدعوی)
وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْاَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۶۱۹ ص ۹۱۱ الْبَابُ الْاَوَّلُ، الْفَصْلُ الْاَوَّلُ فِي شَرْطِ الدَّعْوَى۔
۲۔ قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: واذا استعاراً ارضاً لیبني فيها اولي غرس جاز ولمعيرات يرجع فيها ويكفقه قلع البناء والغرس۔
(الهداية ج ۳ ص ۲۸۱ کتاب العارية)
وَمِثْلُهُ فِي مَجْمَعِ الضَّمَانَاتِ، النُّوعُ الثَّلَاثُ ضَمَانُ الْعُقَارِ ص ۶۶۔

والد کا عقد بیع کی اجازت سے انکار کے متعلق فیصلہ کا حکم | سوال :- ایک شخص کا سسر داماد کو زمین کا کچھ حصہ مکان تعمیر کرنے کے لیے دینا چاہا لیکن اس نے یہ کہہ کر زمین لینے سے انکار کر دیا کہ جب تک سسر بیع قطعی پر مجھے زمین نہیں دیتے میں اس پر مکان تعمیر نہیں کروں گا، کچھ عرصہ بعد اس کا بیٹا کراچی سے آیا اور بہنوئی سے کہا کہ مجھے والد نے مکمل اختیار دیا ہے اور اجازت نامہ بھی پیش کیا ہے اس لیے اگر آپ بیع قطعی پر زمین لینا چاہیں تو میں دینے کو تیار ہوں چنانچہ بہنوئی نے دس ہزار روپے کے عوض زمین خرید لی اور بیع نامہ تحریر کیا جب سسر واپس آیا تو لوگوں نے اس کو اکسایا جس پر اس نے بیع پر زمین دینے سے انکار کر دیا، کیا از روئے شرع سسر زمین واپس لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بشرط صحت سوال اگر واقعی والد نے اپنے بیٹے کو بیع کی اجازت دی ہو تو بیع نافذ ہے اور والد کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں لیکن مشتری کو اس پر گواہ پیش کرنے ہوں گے کہ واقعی والد نے بیٹے کو بیع کی اجازت دی تھی، اگر مشتری اس پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کے مطالبہ پر بائع کے والد کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو بیع نافذ ہو کر اس کو واپسی کا حق نہیں اور اگر وہ قسم کھائے تو پھر بیع فضولی کے حکم میں ہو کر والد کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت نہیں دیتا تو بیع نافذ نہیں۔

اخرج الامام البيهقي: فكتب ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو يعطى الناس بدعواهم لامرأى رجال اموال قوم ودمائهم ولكن البينة على المدعى واليمين على من انكر۔
رداۃ البيهقي ج ۱۰ ص ۲۵۲ کتاب الدعوی ۱۷۷

مشترکہ چشمہ پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ | سوال :- دو اشخاص کے مابین مشترکہ زمین تھی جس میں بعض حصہ بنجر اور بعض قابل کاشت تھا، دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے رہے، اس زمین کے قریب پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے

۱۷۷ و ذکر الامام مسلم: عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم قال البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه۔ (صحيح مسلم ج ۲ ص ۲۷۷ کتاب الدعوی) ومثله في الهداية ج ۳ ص ۲۰۳ کتاب الدعوی۔

زمین سیراب ہوتی تھی، اب ان میں سے ایک شخص نے اس چشمہ پر ملکیت کا دعویٰ کیا ہے، کیا ایک جاری چشمہ پر ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ جاری پانی کے ساتھ عام لوگوں کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں، تو اگر اس پر کسی کی ملکیت تسلیم کر لی جائے یا کسی کے زیر قبضہ رکھا جائے تو اس میں لوگوں کے حقوق تلف ہوتے کا اندیشہ ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر ہر ایک کو اس سے فائدہ اٹھانے کا برابر اختیار دیا ہے اور کسی کو بھی ملکا قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دی، لہذا حسب بیان مذکورہ بالا صورت میں یہ شخص نہ اپنے شریک کو چشمہ سے روک سکتا ہے اور نہ اس پر ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اخرج الامام ابو داؤد: عن رجل من مهاجرين من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا سمعته يقول المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلاء والنار۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۶ باب في منع الماء) لے

نحش کی وجہ سے پانی کا قدیم راستہ روکنے کے متعلق فیصلہ | سوال :- دو بھائیوں نے اپنی مشترکہ زمین تقسیم کر کے ہر ایک

نے اپنے حصہ پر قبضہ کیا، ایک بھائی نے اپنے حصہ کی زمین میں مکان بنایا اور تقریباً تیرہ سال اس میں رہا، بعد میں اس نے اپنا مکان کسی پر فروخت کر دیا، مشتری بھی تقریباً ۶ سال اس میں رہا اب اول مالک کے بھائی نے باہمی نحش کی وجہ سے اس شخص کے مکان اور ساتھ ولے دوسرے مکانات کے پانی کا راستہ بند کر دیا ہے، تو کیا کسی کی ملک میں ۶۶ سال سے قائم شدہ پانی کا راستہ کوئی بند کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب مدت دراز سے لوگوں کے مکانات کے پانی کا راستہ قائم ہو تو ملک بدلنے سے اس میں تغیر نہیں آتی بلکہ ہر ایک کو دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنی ہوگی تاکہ آپس میں الفت و محبت کی فضا قائم رہے، اگر ملک بدلنے سے ہر کوئی اس میں تصرف کرتا رہے کبھی

لے قال العلامة سليم رستم باذ: الماء والكلاء والنار مباحة والناس في هذه الاشياء الثلاثة شركاء۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۳۳۴ ص ۶۷۶ الباب الرابع في شركة الايابة - الفصل الاول) ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۸۳ كتاب الشركة۔

بند کرے اور کبھی کھلا رکھے تو اس سے اہل محلہ کو تشویش لاحق ہوگی اور بے چینی کا شکار ہو جائیں گے، اس لیے اگر واقعی پانی کا یہ راستہ پہلے ہی سے قائم ہے تو پھر اس آدمی کو راستہ بند کرنے کا اختیار نہیں۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پانی کا یہ راستہ مدتِ دراز سے قائم ہے تو پھر مشتری اور دوسرے مکانات والوں کو گواہوں سے اسی راستے سے پانی گزارنے کا حق ثابت کرنا ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: اذا كان لرجل ارض وللاخر فيها نهر واراد رب الارض ان لا يعبري النهر في ارضه لم يكن له ذلك ويترك على حاله۔

والدر المختار على هامش رد المختار ج ۵ ص ۱۲۴ کتاب احياء الموات

حصہ دار کی اجازت کے بغیر اس کی زمین فروخت کرنے کا حکم | سوال :- ایک قطوع زمین مشترکہ شاملات دیہہ ہے

جس میں سرکاری کاغذات کی رو سے تین سوا فرد شریک ہیں، ان میں سے ایک شریک نے دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر زمین کسی پر فروخت کر دی، شرکاء کی بار بار تنبیہ کے باوجود مشتری نے اس زمین پر مکانات تعمیر کیے، اب دیگر شرکاء زمین خالی کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ ہماری ملکیت ہے جبکہ مشتری زمین خالی کرنے سے انکار کرتا ہے اُس کا کہنا ہے کہ یہ زمین چونکہ میں نے خریدی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے، تو اس بارے میں اب فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- اگر یہ قطوع زمین جو کہ شاملات دیہہ ہے حکومت کی طرف سے گاؤں کے لوگوں کو دی گئی ہو تو جن لوگوں کو اس میں حصہ دیا گیا ہے وہ سب اس کے مالک ہیں اس لیے یہ زمین ان سب کی مشترکہ ہوگی اور مشترکہ مال میں ہر ایک شریک دوسرے کے حصہ کے بارے میں اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے اور اجنبی شخص کسی کی ملوکہ زمین میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں رکھتا اس لیے صورتِ مسئلہ میں شرکاء کی اجازت کے بغیر ان کے حصہ کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں، لہذا ان کے مطالبہ پر ان کے حصہ کی زمین خالی کرانے کے حوالہ کی جائے گی۔

كما قال العلامة سليم رستم باذ: كل من الشراكاء في شركة الملك اجنبي في حصّة

له قال العلامة ابن نجيم: رجل له ارض وللاخر نهر يجري فيها فاراد رب الارض ان يمنع النهر

ان يجري في ارضه لم يكن له ذلك۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۵ کتاب احياء الموات)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الاحكام، المادة ۱۲۲۸ ص ۶۷۳ کتاب احياء الموات۔

سائوہم فلیس احدہم وکیلاً عن الآخر ولا یجوز لہ من ثم ان یتصرف فی حصۃ شریکہ بدون اذنہ۔ (شرح مجلۃ الاحکام، المادۃ ۱۰۷۵^۱ الباب الاول فی شرکتۃ الملک۔ الفصل الثانی) لہ

سوال :- ایک شخص فوت ہو گیا اور اس کے ورثاء میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں رہ گئے، جائیداد باپ کے ترکہ میں شامل کر کے تقسیم کرنے کا حکم

متوفی بھائی کے بیٹوں کی موجودگی میں اسکی ذاتی ورثاء میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں رہ گئے، ان چار بھائیوں میں سے ایک نے والد کے ترکہ کے علاوہ ایک قطعہ زمین کسی اور شخص سے خریدا جو کہ کسی کی شرکت کے بغیر وہ زمین اس کی ملکیت میں آئی، والد کے ترکہ کی تقسیم سے قبل ہی وہ وفات پا گیا اور اس کے ورثاء میں دو معصوم بچے رہ گئے، مرحوم کے بیٹے جب بالغ ہوئے تو انہوں نے اپنے چچوں سے دادا کے ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا، اب تک ان کو اپنے والد کی اپنی زر خرید زمین کے بارے میں معلومات نہیں ہو سکیں اور نہ ہی کسی نے اس بارے میں انہیں بتایا لہذا دادا کے ترکہ کی تقسیم کے وقت وہ قطعہ زمین ایک چچا کے حصہ میں آ گیا، دادا کے ترکہ کے تین حصے کر کے مرحوم کا حصہ اس کے بیٹوں کو دے دیا گیا، تقسیم کے تقریباً ۱۲ سال بعد مرحوم کے بیٹوں کو معلوم ہوا کہ جو قطعہ زمین ان کے فلاں چچا کے حصہ میں آچکی ہے وہ ان کے باپ کی زر خرید اپنی ذاتی ملکیت تھی، اور اس درمیانی عرصہ میں ان کے چچا نے وہ زمین اپنے دوسرے بھائی پر فروخت کر دی، مرحوم کے بیٹوں کو جب علم ہوا تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ جو زمین ہمارے والد کی زر خرید ملکیت ہے وہ ہمیں والد کے ترکہ میں دادا کے ترکہ کے علاوہ الگ ملنی چاہیے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے ان کا دعویٰ درست ہے؟ جبکہ مدعی علیہم اس قطعہ زمین کے مدعی کے والد کے ترکہ سے نہ ہونے اور دادا کے ترکہ سے ہونے کے قائل ہیں، مرحوم کے بیٹوں کے پاس ہر قسم کا ثبوت موجود ہے، اگر شہادت کی ضرورت پڑی تو گواہ کس کے معتبر ہونگے؟ الجواب :- محض مدت دراز کے گزرنے سے کسی کا حق باطل نہیں ہوتا فاعلم کہ ایسی حالتیں جبکہ اس کو اپنے حق کا علم بھی نہ ہو اور لاعلمی کی صورت میں چاہے جتنی بھی تاخیر ہو جائے پھر سماعت دعویٰ

لہ قال العلامة الحنفیؒ: وكل من شركاء الملك اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضمرة فی مال صاحبه لعدم تضمها الوكالة۔ (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۶۵ کتاب الشركة) ومثله فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۶۵ کتاب الشركة۔

کے لیے مانع نہیں، چونکہ علم نہ ہونے کو فقہاء نے شرعی عذر قرار دیا ہے اور وراثت میں تو اطلاع کے باوجود بھی تاخیر ہو جانے سے دعویٰ کا حق ساقط نہیں ہوتا اس لیے صورتِ مسئلہ میں میت کے بیٹوں کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة ابن حابدینؒ: ويتخصص بزمان ومكان وحصومة حتى لو امر السلطان بعدم سماع الدعوى بعد خمسة عشر سنة قسمها لم ينفذ الا في الوقف والارث ووجود عذر شرعي وبه افتى المفتي ابو السعود - (رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۲ کتاب القضاء) ۱۷

جب دونوں کے پاس گواہ موجود ہوں تو میت کے بیٹے چونکہ قطعہ اراضی کے زر خرید ہونے کے مدعی ہیں اور ان کے چچا اس کے زر خرید ہونے کی نفی کرتے ہیں، اور دعویٰ میں جب اثبات اور نفی کا تقابل آجائے تو اثبات میں چونکہ زیادت کا معنی پایا جاتا ہے اور زیادت کے گواہ چونکہ نقصان کے گواہ پر مقدم ہوتے ہیں اس لیے اثبات کے گواہوں کو نفی کے گواہوں پر ترجیح دی جائے گی اس لیے صورتِ مذکورہ میں میت کے بیٹوں کے گواہ مقدم ہوں گے اور فیصلہ ان کے گواہوں پر کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: فالاصل فيه ان البينة المظهرة للزيادة اولى -

ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۴۱ کتاب الشركة) ۱۸

سوال :- افغان حکومت نے ۱۳۴۲ھ کو حکومت کی طرف سے دی گئی زمین پر فریقین کے دعویٰ ملکیت میں اختلاف کے متعلق فیصلہ یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے حکومت انہیں زمین دے گی، ایک قوم نے

کسی کی وکالت سے حکومت کو درخواست دی، حکومت نے درخواست منظور کر لی اور اس قوم کو مالکانہ حقوق کے ساتھ زمین دے دی گئی اور باقاعدہ اسناد جاری کی گئیں، ۱۹۸۴ء تک یہ قوم

۱۹ قال العلامة سليم رستم باز: لاتسمع دعوى الدين والوديعة والعقار المملوك والميراث بعد ان تركت خمس عشرة سنة - (شرح المجلة، المادة ۱۶۶۰ ص ۹۸۴ الباب الثاني في مرور الزمان ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۸ باب التحالف -

۲۰ قال العلامة سليم رستم باز: بينة الزيادة اولى - (شرح المجلة، المادة ۱۶۶۲ ص ۱۱۳ الباب الرابع ومثله في الهندية ج ۳ ص ۵۱۲ الباب التاسع في الشهادة على النفي والبيانات الخ -

بطور کاشت کار اس سے فائدہ حاصل کرتی رہی، جب اس قوم نے پاکستان ہجرت کی تو مذکورہ بالا زمین ایک اور قوم کو اجارہ پر دے دی، اب اس قوم نے اس زمین پر ملکیت کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ ہماری زمین ہے اور ہم سے غصب کی گئی تھی، شرعاً اب یہ زمین کس کی ملکیت میں رہے گی؟

الجواب :- جو زمین کسی کی ملوکہ نہ ہو اور موات کے حکم میں ہو یا وہ زمین جو بیت المال کے زیر تصرف ہو اس کے بارے میں حاکم وقت کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے بھی چاہے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے استعمال کر سکتا ہے، اس لیے اگر وہ کسی قوم کو اس میں سے کچھ دینا چاہے تو اس کو اختیار حاصل ہے اور جس کو بھی حاکم وقت کی طرف سے کچھ زمین مل جائے وہ اس کا مالک تصور کیا جائے گا اور یہ زمین شرعی قواعد و ضوابط کے تحت اس کے مرنے کے بعد وراثت میں بھی تقسیم ہوگی لہذا حاکم وقت کی طرف سے غیر ملوکہ زمین کسی کو دینے کے بعد کسی کو بھی اسے واپس لینے یا اس پر قبضہ کرتے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وللامام ان يقطع كل موات وكل ما ليس فيه ملك لاحد ويعمل بما يرى انه خير للمسلمين واعم نفعاً۔ (رد المحتار ج ۳ من ۲۹ فی احکام الاقطاعات من بیت المال۔ باب العشر والمخراج والجذية) لہ

کسی غیر کے نام مندرج زیر قبضہ زمین میں فریقین کے اختلاف کا فیصلہ | سوال: بیکاری کاغذات میں

ایک شخص کے نام زمین درج ہے اور اس زمین پر ۱۹۳۱ء سے کسی دوسرے شخص نے قبضہ کر رکھا ہے اس زمین میں ایک بہت بڑا درخت تھا جو کہ قابض کاٹ کر گھر لے گیا، زمین کی ملکیت جس شخص کے نام درج ہے اب اس نے زمین پر قبضہ کر کے قابض پر زمین کی ملکیت اور درخت کا دعویٰ کیا، تو مذکورہ صورت میں فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

الجواب : اگر سرکاری کاغذات صحیح ہوں ان میں دھوکہ، جعل سازی اور جھوٹ کا احتمال نہ ہو تو ان کے مطابق عمل کیا جائے گا، ان کاغذات کے موافق زمین جس کے نام درج ہو اس کی

لہ قال العلامة الكاساني: فالامام يملك اقطاع الموات من مصالح المسلمين لما يرجع ذلك الى عمارة البلاد التي تتعلق بمصالح المسلمين للامام۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۴ کتاب الاراضی) ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۲۷۲ ص ۶۸۸۔

ملکیت تصور کی جائے گی اور درخت بھی اسی کا ہوگا لیکن اگر اس میں جھوٹ و فریب کا احتمال ہو تو متعلقہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے والا خارج ہے اور قابض ذوالید ہے اس لیے اگر فریقین گواہ قائم کریں تو خارج کے گواہ مقدم ہوں گے اور فیصلہ اس کے گواہوں پر کیا جائے گا، اگر خارج کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر ذوالید کے گواہوں پر فیصلہ ہوگا، اگر طرفین میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہو تو پھر ذوالید کو قسم دی جائے گی، اگر قسم سے انکار کرے تو زمین پر خارج کی ملکیت ثابت ہوگی۔
لما قال العلامة الكاساني: فان قامت على ملكه مطلق عن الوقت فبينة الخارج أولى۔

ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۳۲ کتاب الدعوی، فصل فی حکم تعارض الدعوتین (۱) لے

حکومت کی اجازت سے موات اراضی آباد کرنے کا حکم | سوال :- ایک دفعہ صوبائے
غیر آباد زمین کو آباد کرے گا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، چنانچہ ایک علاقہ میں غیر آباد بنجر پہاڑ کے
کچھ حصہ پر بعض لوگوں نے محنت کر کے قابل کاشت بنایا اور بعض حصہ میں گھر بنائے، لیکن وہاں کے
بعض بااثر لوگوں نے جبراً ان لوگوں کی زمینیں چھین لیں اور مکانات بھی خالی کرا لیے۔ دریافت طلب
امر یہ ہے کہ حکومت وقت کے باقاعدہ اعلان کے بعد اگر کوئی شخص غیر آباد زمین کو آباد کرے تو
وہ اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مذکورہ بالا پہاڑ پہلے سے کسی کا ملوکہ نہ ہو اور نہ قریبی لوگ اس کو
اپنے مفادات میں استعمال کرتے ہوں تو حکومت وقت کی اجازت کے بعد جو بھی اس کو آباد
کرے چاہے کاشت کے قابل بنانے سے آباد کرے یا مکانات تعمیر کرنے سے آباد کرے
تو آباد کرنے والا اس کا مالک بن جائے گا، اس لیے اس زمین پر ملکیت ثابت کیے بغیر محض وقت
کے بل بوتے پر غریب لوگوں سے زمین خالی کرانا سراسر ظلم و زیادتی ہے اس سے اجتناب
کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة سليم رستم باز: من احيا ارضا من الاراضي الموات بلاذن السلطان

لے قال العلامة علاؤ الدین التمر تاشی: تقدم حجة خارج في ملك مطلق على حجة ذوی الید۔

رتنویہ الا بصار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۴۸۶ باب دعوی الرجلین (۱)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الاحكام، المادة ۵۷۷ ص ۱۱۶ کتاب الدعوی۔

صادماً لکھا۔ شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۱۲۷۲ ص ۶۸۸ الباب الرابع فی شرکتۃ الاباحۃ) ۱۔

موات کو آباد کرنے کی وجہ سے چشمہ کا پانی | سوال: ایک زمین مدتوں سے ایک شخص
دوسری اراضی پر بند کرنے کے متعلق فیصلہ کے زیر تصرف چلی آ رہی ہے اس کے قریب
ایک غیر آباد پہاڑ میں چشمہ تھا جس سے زمین

سیراب ہوتی تھی، اب اس غیر آباد پہاڑ کو کسی نے آباد کر کے قرب وجوار میں واقع آباد زمین پر پانی
بند کر دیا ہے، تو کیا اس شخص کا دوسروں کی اراضی پر پانی بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک غیر آباد زمین جاری چشمہ سے مدت دراز تک سیراب ہوتی رہی ہے
تو اس غیر آباد زمین پر قبضہ کر کے اس کو آباد کرنے سے قرب وجوار میں واقع اراضی پر اس چشمہ کا پانی
بند کرنا جائز نہیں کیونکہ موات اراضی کو آباد کرنے سے اس کے قرب وجوار میں واقع اراضی پر کچھ
اثر نہیں پڑتا بلکہ اس زمین کے متعلقہ حقوق بدستور قائم رہیں گے، جس طرح موات میں پہلے سے
قائم شدہ راستہ موات آباد کرنے کی وجہ سے کوئی نہیں روک سکتا اسی طرح موات میں پہلے سے قائم
دوسری اراضی کے پانی کا راستہ روکنا جائز نہیں۔

وفی الہندیۃ: رجل احیا ارضاً مینتہ ثم جاء انسان واحیا اراضی حولها حتی احاط الایا
بعوانبھا الاربعۃ کان لہ ان یتطرق الی ارضہ من الارض الی احیاھا آخر۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۸۷ کتاب احیاء الاموات، الباب الاقل) ۲۔

مشترکہ زمین میں دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حکم | سوال: ایک
علاقہ میں

۱۔ قال العلامة ابوبکر الکاسانی، فالملک فی الموات یتب بالاحیاء باذن الامام عندہ حنیفۃ۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب الاراضی)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۳۰ کتاب احیاء الموات۔

۲۔ قال العلامة سلیم رستم باز: اذا احیا رجل ارضاً من اراضی الموات ثم جاءه آخرون ایضاً
فاحیوا الارض الی فی اطرافها الاربع یتعین طریق ذلک الشخص فی ارض المحی الاخیر یعنی ان
طریقہ تھو کہ متھلہ شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۱۲۷۳ ص ۶۸۹ الباب الرابع فی شرکتۃ الاباحۃ الفصل الثانی

وَمِثْلُهُ فِي تنویر الابصار ج ۵ ص ۳۰ کتاب احیاء الموات۔

چھ سو ایکڑ زمین مشترکہ شاملات دیہہ ہے جس میں پانچ سو افراد شریک ہیں، اب اس میں شریک چند اشخاص نے دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر مکانات بنائے اور باغات لگائے دوسرے شرکا ان کو اس تصرف سے منع کرتے جبکہ یہ اشخاص اس تصرف سے باز نہیں آتے تو کیا دوسرے شرکا ان اشخاص کو اس تصرف سے منع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ زمین کسی کی ملکوت نہیں اور موات کے حکم میں ہے تو حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والا اس کا حقدار ہوگا، اس میں دوسرے شرکا سے اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی اجازت کے بغیر بھی اس میں تصرف جائز ہے، البتہ اگر یہ زمین حکومت نے ان پانچ سو افراد کو دی ہو جیسا کہ عام طور پر مقامی لوگوں میں شاملات زمین قرب و جوار میں موجود اراضی کے تناسب سے دی جاتی ہے، تو یہ زمین سب میں مشترکہ ہوگی اور مشترکہ املاک میں تصرف کرنے سے اگر دوسرے شرکا کی املاک کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو پھر اس میں بعض شرکا کا تصرف جائز ہے لیکن اگر ان کے تصرف سے دوسرے شرکا کی املاک کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر ان شرکا کا اس زمین میں تصرف جائز نہیں اور دوسرے شرکا ان کو تصرف سے منع کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفی: وكل من شركاء الملك اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة۔ (الدر المختار ج ۳ ص ۳۶۵ کتاب الشریکة)

عرصہ دراز تک آمد و رفت کی وجہ سے | سوال :- دو اشخاص کا ایک راستہ پر تنازعہ ہے
راستہ پر حق مرور کا دعویٰ کرنے کا حکم | ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ ساٹھ سال سے

اس راستہ پر میری آمد و رفت جاری ہے اس لیے اب کوئی بھی مجھے اس راستے پر گزرنے سے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا، جبکہ دوسرا شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ راستہ میری ملکیت ہے اور محض تعلقات کی وجہ سے میں نے اس شخص کو اس راستے پر سے گزرنے کی اجازت دی تھی لہذا مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اس شخص کو راستے پر گزرنے سے روک دوں، تو کیا زمین کا مالک اس شخص

لہ قال العلامة سلیم رستم باز، انتفاع الحاضر بالملك المشترك بوجه لا یضرب الغائب
یعد رضی من الغائب شرح مجلة الاحکام، المادة ۷۹۔ ۱ ص ۶۰۲ الباب الاول فی شریکة الملك
ومثله فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۶۵ کتاب الشریکة۔

رستے پر گزرنے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: محض آمد و رفت کی وجہ سے حق مرور کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں بلکہ مدعی پر لازم ہے کہ مدعی علیہ کی مملوکہ زمین میں اپنے لیے راستہ ثابت کرنے پر گواہ پیش کرے، اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر مدعی علیہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

کافی الہندیۃ: لو ادعی علی آخر حق المرور ورقبة الطريق فی دارہ فالقول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ فی ہذہ الدار لم یتحق بہ ہذا اثبتاً کذا فی الخلاصۃ۔ الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۱۰۱ الباب التاسع فیما یجوز بیعہ (۱)

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین اپنے بھتیجے ایک ہی شخص سے خریدی ہوئی زمین پر ملکیت کے دعویٰ میں تاریخ کی تقدیم و تاخیر کا حکم پر فروخت کی پھر دوبارہ خفیہ طور پر وہی زمین اپنے بھائی پر فروخت کی، بائع کا بھتیجا اور بھائی دونوں اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے دعویٰ پر ثبوت بھی پیش کرتے ہیں جبکہ بائع لاپتہ ہے تو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب: ایک ہی وقت میں دو اشخاص پر زمین فروخت کرنا جائز نہیں یہ سراسر دھوکہ ہے اور اس دھوکہ اور فریب کی وجہ سے دونوں آپس میں دست و گریبان ہیں صورت مذکورہ میں جب بائع نے زمین دو افراد پر فروخت کی تو اگر دونوں اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کریں اور دونوں نے ایک ہی تاریخ پیش کی ہو اور ہر ایک اپنے دعویٰ کے اثبات پر گواہ پیش کرتا ہو تو زمین فی الحال جس کے قبضہ میں ہے اس کے گواہوں کو دوسرے گواہوں پر ترجیح دی جائے گی البتہ اگر

الہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغاری: ولو ادعی علی آخر حق المرور ورقبة الطريق فی دارہ القول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ کان یمرق فی ہذہ الدار لم یتحق بہ ہذا اثبتاً ولو شہدوا ان لہ طریقاً فیہا وبینوا حدودہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یقضی لہ بذلک۔

خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۹۵ کتاب الدعوی۔ الفصل الثانی

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِلْعَلَامَةِ سَلِيمِ رَسْمٍ بِأَذٍ، الْمَادَّةُ ۵۵۵ فصل فی دعوی الحائط والطریق۔

دونوں نے مختلف تاریخیں بیان کی ہوں تو پھر جس کی تاریخ مقدم ہو اس کے گواہ بھی دوسرے کے مقابلے میں مقدم ہوں گے۔

قال العلامة محمد علاء الدین افندی: وروا علی الخارج وذوالید بسبب من الأسباب نحو شراء وارث وشبهه فلا یخلو امان ید عیالتی الملك من جهة واحد او من جهة اثنين فلو ادعیاه من جهة واحد وبرهنا حکم به لذي الید لولم یؤرخا او ارخا سواء فلو ارخا وتاریخ احدهما سبق فهو اولی۔ (تکملة رد المحتار ج ۲ ص ۱۸ باب دعوی الرجلین ۱۸)

مقتول کے وارث کی طرف سے قاتل کو معاف کرنے کے بعد قتل کے دعوے کا جائزہ

سوال :- ایک آدمی نے کسی شخص پر اپنے بیٹے کے قتل کا دعویٰ کیا جبکہ مدعا علیہ قتل سے منکر ہے، گواہوں کی شہادت سے

قبل مدعی علیہ نے دعویٰ کو ان الفاظ سے رفع کیا کہ مقتول کے باپ سے میرے بھائی نے قتل کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میرے بیٹے کو مدعی علیہ نے قتل نہیں کیا اور اگر اس نے قتل کیا بھی ہو تو میں نے اس کو معاف کر دیا ہے، تو کیا یہ معافی دفع دعویٰ کیلئے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب :- قصاص جاری کرنا چونکہ سنگین نوعیت کا عامل معاملہ ہے کیونکہ یہ کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے اس لیے اس باب میں شریعت نے مقتول کے ورثاء کے عفو و درگزر کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی بھی قاتل کو معاف کر دے تو اس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے حسب بیان اگر شرعی طریقے سے ثابت ہو جائے کہ مقتول کے والد نے اعتراف کیا ہے کہ میرے بیٹے کو مدعی علیہ نے قتل نہیں کیا اور اگر کیا بھی ہو تو میں نے معاف کیا ہے، تو اس کا یہ اعتراف اور معافی دعویٰ کے دفاع کے لیے کافی ہے اور اس سے قتل کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔

لہ وفي الہندیۃ: ان کانت فی ید احدہما ففی لذی الید سواء رخ اولہ یومخ الا اذا رخا وتاریخ الخارج سبق فیقضى بہا للخارج کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۴ الباب التاسع، الفصل الثانی فی دعوی الملك فی الاعیان)

ومثله فی شرح مجلة الاحکام (۱۱۲۷) کتاب الدعوی۔

کما فی الہندیۃ: ومن عفا من ورثة المقتول عن القصاص رجلٌ او امرأةٌ او
 أم او جدة ومن سواهن من النساء او كان المقتول امرأة فعفا زوجها عن القصاص فلا
 سبیل الی القصاص۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶^۲ ابواب السادس فی الصلح والعفو والشہادۃ فیہ)
بیٹے کو بہرہ کی ہوئی زمین پر ورثاء کے دعویٰ ملکیت کا جائزہ | سوال: ایک شخص
 خریدنے کے بعد زمین کا کچھ حصہ اپنے بیٹے کے نام منتقل کر دیا اور اس کو باقاعدہ قبضہ بھی دے دیا
 اس کی وفات کے بعد جو زمین اس کے نام درج تھی وہ ورثاء میں تقسیم کر دی گئی اور جو زمین
 بیٹے کے نام درج تھی وہ اس کے قبضہ میں اپنے حال پر باقی رہی، اب ورثاء نے اس کی زمین میں
 بھی وراثت کا دعویٰ کیا ہے کہ وراثت کے تحت ہمارا بھی اس میں حصہ ہے جبکہ بیٹا اپنی زمین میں
 ان کو حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ اندریں صورت کیا بیٹے کے حصہ کی زمین میں ورثاء کی ملکیت
 کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درحقیقت حالت حیات میں باپ اپنی جائیداد میں سے جو حصہ اپنے کسی بیٹے
 کو دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے بیٹے کے لیے بہرہ ہوتا ہے اور بہرہ کی تمامیت کے لیے قبض شرط ہے
 اگر موهوب لہ بہرہ کی ہوئی چیز پر قبضہ نہ کرے تو بغیر قبضہ کے بہرہ تام نہیں ہوتا اس لیے حسب بیان
 اگر واقعی والد نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے نام زمین منتقل کر دی ہو اور اس کی زندگی میں بیٹے نے
 اس پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ زمین محض اس کی ملکیت ہوگی اس میں دوسرے ورثاء کا حق نہیں اس لیے اس زمین
 پر دوسرے ورثاء کا ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ومنها ان يكون الموهوب مقبوضاً حتى لا يثبت الملك الموهوب له
 قبل القبض وان يكون مقسوماً اذا كان مما يتعمل القسمة۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲^{۹۳} کتاب البہتہ)

لما قال العلامة الكاساني: فاما اذا كان اثنين او اكثر فعفا اخدهما سقط القصاص عن القاتل لانه سقط نصيب
 العافي بالعضو فيسقط نصيب الآخر ضرورة انه لا يتجوز۔ (بدائع الصنائع ج ۲^{۲۴} کتاب الدعوی)
 ومثله في الهداية ج ۲^{۵۵۶} کتاب الدعوی۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: يملك الموهوب له الموهوب بالقبض۔ (مجلد الاحکام۔ المادۃ ۸۶۱ ابواب البتہ)
 ومثله في بدائع الصنائع ج ۶^{۱۳۲} فصل حکم الہبتہ، کتاب الہبتہ۔

ہلاک شدہ مال کے بارے میں قرض اور مضاربیت کے اختلاف کا فیصلہ | سوال: ایک شخص

کرتا تھا اور وہ اپنے ایک ساتھی سے چار ہزار روپے دوسرے سے دو ہزار روپے اور تیسرے سے ایک ہزار روپے لے کر چلا، اس نے کل سات ہزار روپے ایک دلال کو دیئے، دلال نے کہا کہ فلاں تا بیخ کو فلاں مقام پر ہیں آپ کو کارتوس دوں گا، یہ شخص جب طے شدہ مقام پر پہنچا تو اس کی موجودگی میں پولیس نے دلال کو گرفتار کر لیا اور کارتوس وغیرہ ضبط کر لیے، یہ شخص خالی ہاتھ وہاں سے واپس آگیا، بعد میں اس کو پتہ چلا کہ یہ سب دلال کا اپنا چکر تھا اور واقعہ بناوٹی تھا، اس لیے اس نے دلال سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا لیکن دلال نے رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا، وہاں سے ناکام واپس لوٹا، جب ساتھیوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، اس وقت اس شخص نے کہا کہ تم پر واہ نہ کرو تمہاری رقم میں واپس کروں گا، بعد میں اس نے اپنے ساتھیوں سے یہ کہا کہ چونکہ آپ لوگوں نے رقم مجھے مضاربیت پر دی تھی اس لیے اس ہلاکت کے بعد میں رقم کا ضامن نہیں، جبکہ ساتھی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ رقم قرض حسنہ کے طور پر دی تھی۔ فریقین میں سے کسی کے پاس گواہ موجود نہیں، تو اب فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

الجواب: صورت مسئلہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے یہ رقم اسے بطور قرض حسنہ دی تھی کیونکہ مدعی علیہ نے جب یہ کہا کہ تم پر واہ نہ کرو میں تمہاری رقم واپس کروں گا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرض حسنہ کا قائل تھا، اب یہ تینوں ساتھی مدعی ہیں اور وہ شخص مدعی علیہ چونکہ ساتھیوں کے پاس گواہ موجود نہیں اس لیے البینۃ للمدعی والیمین علی من انکر کے تحت اس شخص کو قسم دی جائے گی اور اگر وہ قسم کھائے کہ میں رقم مضاربیت پر لی تھی تو مضاربیت ثابت ہونے کے بعد وہ ضمان سے بری الذمہ ہوگا کیونکہ مضاربیت میں مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے اور امانت میں اگر مال ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان نہیں اس لیے یہاں بھی ضمان لازم نہیں آئے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لانه يمين-

(الهداية ج ۳ ص ۲۶۲ کتاب المضاربة، فصل في العزل والقسمة) لہ

لہ قال العلامة سليم رستم باز: اذا تجاوز مقدار الربح سري الى راس المال فلا يضمنه المضارب سواء

كانت المضاربة صحيحة او فاسدة - (شرح المجلة - المادة ۱۳۲۷ ابواب الرابع - الفصل الثالث)

وَمِثْلُهُ فِي خُلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۱۸۸ کتاب المضاربة -

غیر اختیاری کاموں میں کسی کی ذمہ داری قبول کرنے کے متعلق فیصلہ | سوال ایک شخص

ایک کمپنی میں ملازم تھا اور اس کی نگرانی میں تقریباً ۳۵ آدمی کام کرتے تھے، یہ سارے آدمی چونکہ غیر قانونی طور پر وہاں مقیم تھے اس لیے حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا، اب ان آدمیوں میں سے ایک نے اپنے نگران پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے ہماری ذمہ داری لی تھی کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور جو بھی نقصان ہوگا میں اس کا ذمہ دار ہوں، جبکہ نگران انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ تم بھاگ جاؤ لیکن یہ خود نہیں بھاگ سکے اس لیے میں ان کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اب مذکورہ بیانات کے تحت فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

الجواب :- دراصل جس شخص نے ان لوگوں کی ذمہ داری قبول کی تھی وہ ان کی طرف سے کفیل بن گیا تھا اور کفالت کے لیے فقہاء کرام نے یہ شرط لگائی ہے کہ صرف ان امور میں کفالت معتبر ہے جو کفیل کے دائرہ اختیار میں ہو اور جو کام اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہو اس کے بارے میں کفیل بہر حال نہیں، تو غیر قانونی طور پر مقیم لوگوں کو جو حق سکونت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے یہ کفیل کے دائرہ اختیار میں نہیں اس لیے اس بارہ میں اس آدمی کا اپنی طرف سے وکیل بننا صحیح نہیں، تو جب کفالت ہی صحیح نہیں تو نقصان کی ذمہ داری بھی اس پر عائد نہیں ہوتی۔
لما قال العلامة الموعظ الثاني، وكل حق لا يمكن استيفاءه من الكفيل لا يصح الكفالة به
كالحدود والقصاص - رالهداية ج ۳ ص ۱۲ کتاب الكفالة) ۱۷

کسی کے عقد پر دوبارہ عقد بیع کرنے کے متعلق فیصلہ | سوال :- ۱۹۶۶ء سے ایک شخص

اور حسب دستور دوکاندار مالک دوکان کو کرایہ ادا کرتا رہا، مالک دوکان کے فوت ہونے کے بعد اس کا بیٹا مسلسل کرایہ وصول کرتا رہا، مسئلہ ۱۹۷۷ء میں موجودہ مالک دوکان نے اپنی دوکان فروخت

۱۷ قال العلامة الكاساني، ان يكون المكفول به مقدور الاستيفاء من الكفيل لئلا يكون العقد مفيداً
فلا تجوز الكفالة بالحدود والقصاص لتعذر الاستيفاء من الكفيل فلا تفيد الكفالة فائدتها -

ردائع الصنائع ج ۶ ص ۹ کتاب الكفالة - فصل شرائط الكفالة

ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۶۳۲ ص ۳۲۲ الفصل الثاني في شرائط الكفالة -

کرنے کا اظہار کیا تو کرایہ دار نے اس سے پچاس ہزار کے عوض بات کی، رجسٹری کرانے میں تین دن باقی تھے کہ اس دوران ایک شخص نے دلال کی وساطت سے مالک دوکان کے پاس جا کر مذکورہ رقم ادا کرتے ہوئے دوکان اپنے نام رجسٹری کرائی اور اس کے ساتھ دوسری دوکان بھی خرید کر اپنے بھائی کے نام رجسٹری کرائی، اب وہ دوکان فی الحال کرایہ دار کے قبضہ میں ہی ہے اور دوسرا شخص دوکان خالی کرانے کے لیے دباؤ ڈال رہا ہے، اندریں حالات اب یہ دوکان کس کا حق بنتی ہے؟ اس بارے میں شریعت مقدسہ کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمائیں؟

الجواب:- اگر کرایہ دار اور مالک دوکان کے مابین بیع قطعی ہوئی ہو تو کرایہ دار اس مذکورہ عقد سے مالک بن گیا اگرچہ ابھی تک رجسٹری نہ کرائی ہو کیونکہ عقد بیع کی تمامیت کے لیے رجسٹری کرنا شرعاً ضروری نہیں۔ جب بیع قطعی سے کرایہ دار مالک بن گیا تو جو دوکان اسکی دوکان کے ساتھ متصل ہے اگر اس دوکان کا کوئی شریک موجود نہ ہو اور نہ اس کے حقوق میں شریک موجود ہو تو پڑوسی ہونے کے ناطے وہ اس دوکان پر شفعہ کا حق رکھتا ہے تو حق شفعہ کی رو سے وہ اس دوکان کو واپس کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع ثم للتخليط في حق المبيع كالشرب والطريق ثم للجار۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۷۷ کتاب الشفعة) لہ

سوال:- ایک شخص نے باپ کی وفات کے بعد بیٹوں کا اس کے عقد بیع سے انکار کر دیا۔ تیس سال قبل اپنی زمین شاملات دیہہ سمیت کسی فروخت کی، بعد میں مشتری نے بائع سے کچھ رقم قرض پر لے لی، مگر قرض کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے مشتری نے قرض کی رقم کے بدلے زمین بائع پر دوبارہ فروخت کر دی اور واپس کرنے کا وعدہ کیا لیکن واپسی سے قبل ہی وہ وفات پا گیا، اب بائع اس کے بیٹوں سے زمین کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے لیکن بیٹے زمین واپس کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ ہمارے باپ نے زمین دوبارہ بائع پر فروخت نہیں کی، اب عقد بیع پر مدعی کے پاس گواہ موجود نہیں

لہ قال العلامة سليم رستم باذ: الثالث ان يكون جازاً ملاصقاً للعقار المبيع۔

(شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۰۰۸ ص ۵۶۳ کتاب الشفعة)

وَمَثْلُهُ فِي خَلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۵۲ کتاب الشفعة۔

توفیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- اگر شملات موات کے حکم میں ہو اور شرعی اصول کے موافق اس شخص نے اس زمین پر قبضہ کر کے اُسے آباد کیا ہو تو اس زمین پر اس کی ملکیت ثابت ہونے کی وجہ سے بیع نافذ ہے، جب بعد میں مشتری نے بائع سے کچھ رقم قرض لے لی اور اس کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زمین واپس بائع پر فروخت کی تو بائع کو اس عقد کے تحت زمین واپس لینے کا حق حاصل ہے، اب بائع چونکہ عقد بیع کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے مشتری کے مرنے کے بعد بائع کو اس عقد پر گواہ پیش کرنے ہوں گے اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو مشتری کے بیٹوں کو ان کے علم پر قسم دی جائے گی کہ ان کو معلوم نہیں کہ ان کے والد نے رقم کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زمین واپس بائع پر فروخت کی تھی، اگر وہ اس پر قسم کھالیں تو فیصلہ بیٹوں کے حق میں ہوگا اور اگر انکار کریں تو زمین بائع کو واپس کی جائے گی۔

مما قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ: والتحلیف علی فعل غیرہ یکون علی العلم ای انہ لا یعلم انہ کذلک لعدم علمہ بما فعل غیرہ۔ (تمویر البصار علی ہامش رد المحتار ج ۳ کتاب الدعوی) لہ

سوال :- دو آدمیوں نے مضاربیت پر **عقد مضاربیت کے متعلق ایک فیصلے کی تصحیح** کاروبار شروع کیا، رب المال نے ۲ لاکھ

روپے مضارب کو دے دیئے اور مضارب نے اس رقم سے کپڑے کی دوکان کھول لی اور اس پر اپنے ایک دوست کو بٹھادیا اکثر اوقات وہی دوکان چلاتا رہا، رب المال نے اس پر ناراضگی ظاہر کی لیکن اس کے باوجود مضارب نے اپنے دوست کو دوکان سے نہیں ہٹایا، نتیجتاً اس کاروبار میں تیرہ ہزار روپے کا نقصان ہوا، رب المال نے دعویٰ کیا کہ مضارب نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر تیرہ ہزار روپے کی چوری کی ہے، جب رب المال نے اپنی رقم کسے واپسی کا مطالبہ کیا تو مضارب نے رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس دوکان پر

لہ قال العلامة قاضی سماء: ولو وقع الدعوی علی فعل الغير من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان ابان تلفه او سرقة او عصبہ منی یحلف علی العلم و هذا مذہبنا۔

(جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۹۴ الفصل الخامس عشر فی التحلیف)

وَمِثْلُهُ فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانِ عَلِي هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۴۱۴ فصل ما يتعلق بالنكاح من المهر والولد وغير ذلك۔

میرے ۴۵ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں، ان دونوں نے ثالث مقرر کیا، اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دوکان رب المال کے پاس رہے گی اور مضارب ۴۵ ہزار روپے خرچہ ادا کرے گا، ثالث کے اس فیصلے کے مطابق رب المال کو ۵۸ ہزار روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ از روئے شریعت یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- دراصل مضارب کا دوبار میں رب المال کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے رب المال جن شرائط کے تحت مضارب کو تصرف کا اختیار دے اُن شرائط کی پابندی مضارب پر لازم ہے اگر ان شرائط کی خلاف ورزی کرے اور کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ضمانت مضارب پر لازم آئے گی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں جب رب المال نے مضارب کے دوست کو دوکان پر بھلنے سے روکا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دوست کو بدستور دوکان پر بھلائے رکھے لہذا اگر رب المال شہادت سے یہ ثابت کرے کہ مضارب نے واقعی خیانت کی ہے تو تجارت کے سامان کو فروخت کر کے رب المال کی رقم پوری کی جائے گی اور جو رقم اس سے بچ جائے اس کو دونوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا، مضارب نے اپنے خرچہ کے لیے جو رقم لی ہے وہ مضارب کی کمائی سے جدا کی جائے گی۔

لما قال العلامة الكاساني: إذا خالف شرط رب المال صار بمنزلة الغاصب ويصير المال مضمونا عليه۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۸۷ کتاب المضاربة۔ فصل في حكم المضاربة) لہ
ٹیوب ویل کی نوکری پر فریقین کے تنازعہ کا فیصلہ | سوال :- ایک شخص جو کہ انسی سال سے زمین میں تصرف کر رہا ہے اس نے اپنی زمین کا کچھ حصہ حکومت کو ٹیوب ویل لگانے کے لیے اس شرط پر دیا کہ ٹیوب ویل کی نوکری میری ہو گی، ٹیوب ویل لگنے کے بعد اس نے نوکری کے لیے کسی اور شخص کو خرچہ وغیرہ دے دیا، اس شخص نے مالک زمین کو دھوکہ میں رکھا اور ٹیوب ویل کی نوکری اپنے نام منظور کرالی، مالک زمین نے

لہ قال العلامة سليم رستم بان: وإذا تجاوز المضارب حدودا وتنته وخالف الشرط كان غاصبا وفي هذه الحال يعود الربح والخسار في تجارته له وعليه وإذا تلف مال المضاربة كان ضامنا۔

(شرح مجلة الاحكام۔ المادة ۱۲۲۹ ص ۵۴ کتاب المضاربة)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۴ ص ۵۴۲ کتاب المضاربة۔

اس پر دعویٰ کیا کہ یہ نوکری میرا حق ہے کیونکہ میں نے اس شرط پر حکومت کو زمین دی ہے۔ دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ نوکری میرا حق بنتا ہے کیونکہ یہ زمین مشترکہ ہے اور شاملات ہے جس میں میرا بھی حصہ ہے اگرچہ متعین نہیں کہ ٹیوب ویل کی جگہ میری ہے یا کسی اور کی، مالک زمین نے یہ جواب دیا کہ یہ زمین مجھے اتنی سال قبل پوری قوم نے دی تھی تو مذکورہ بالا صورت میں ٹیوب ویل کی نوکری کا حقدار کون ہے؟

سوال۔ اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین شاملات و مہم ہے اور پوری قوم نے اس شخص کو دی ہے تو یہ شخص اس پر قبضہ کرتے اور تصرف کرتے سے مالک بن گیا ہے، تو جب اتنی سال اس نے اس زمین میں تصرف کیا اور کسی نے اس پر ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا تو اس کی زمین میں کسی اور کو تصرف کا حق نہیں۔ لہذا جب اس نے اپنی زمین ٹیوب ویل لگانے کے لیے دے دی تو یہ زمین وقف ہو گئی اور وقف زمین میں واقف جو شرط لگائے اس کی رعایت کی جائے گی۔ تو جس طرح موقوفہ زمین کا منافع واقف اپنے لیے خاص کر سکتا ہے، اسی طرح اگر مالک زمین موقوفہ زمین میں ٹیوب ویل کی نوکری اپنے لیے خاص کرے تو یہ اس کا حق ہے اس لیے اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور شخص اس نوکری کا حقدار نہیں۔

ما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: وذكر الفقيه ابو جعفر انه لو شرط لنفسه ان يأكل من الغلة يجوز عند محمد وكن ذلك لو شرط الغلة لابیہ فهو كاشتراطها لنفسه۔
(الفتاویٰ التاتاریخانیة ج ۵ ص ۴۲۵ الفصل الرابع فیما يتعلق بالشرط الوقف) لہ

بیٹے کا باپ کے ترکہ میں سے اپنے لیے زمین کا کچھ حصہ ہیہ کرنے کے دعویٰ کا جائزہ

فریق اول — فریق ثانی

حق تحکیم : مندرجہ بالا فریقین بذات خود تو حاضر نہیں ہوئے لیکن انہوں نے اپنے نمائندے یعنی وکیل بھیج دیئے اور قرآن و سنت کے تحت فیصلے کے لیے تیار ہوئے لہذا

لہ قال العلامة الحصکفی: وجاز جعل غلة الوقف والولاية لنفسه عند الثاني وعليه الفتوى۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۲۲ کتاب الوقف)
ومثله فی الهندیة ج ۲ ص ۳۹۸ الباب الرابع فیما يتعلق بالشرط الوقف۔

ان کے نمائندوں کے واسطے سے فریقین کے بیانات سن لیے گئے۔

تنقیحات :- مندرجہ بالا فریقین کے نمائندوں کے واسطے سے بیانات سن لیے گئے، ان بیانات سے چند امور سامنے آئے :-

(۱) دونوں فریق آپس میں حقیقی بھائی ہیں اور ان کے بیان سے اتفاقی طور پر واضح ہوتا ہے کہ دونوں فریق اپنی بہنوں کو جائیداد سے محروم رکھتے ہیں، جائیداد کی تقسیم کو صرف فریقین تک محدود رکھا جاتا ہے، فریقین کے والد کے تصرفات بابت کے ورثاء کے عملی اقدامات سے اپنی بہنوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔

(۲) فریق اول اس بات کا دعویدار ہے کہ اس کے والد نے اپنی حین حیات میں جائیداد تقسیم کی تھی، دیگر حصص کے علاوہ خسرو نمبر آٹھ سو سات جو کہ اربل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کی مقدار اسٹی کنال آٹھ مرلے ہے یہ مجھے دی گئی ہے جو کہ ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء کی بندوبست میں بحال رکھی گئی ہے، فریق مذکورہ کے بیان کی رو سے فریق ثانی نے یہ جائیداد اپنے نام منتقل کرائی ہے جس کے خلاف فریق اول نے عدالت سے درخواست کی لیکن اس دوران ایک شخص نے ان میں مصالحت کرادی۔

(۳) فریق اول مصالحت میں ایک ہزار روپے کی رقم دینے کا تذکرہ کرتا ہے جو فریق ثانی نے برفاء و رغبت وصول کی ہے اور بطور بیتہ سند تحریری سٹامپ پیش کرتا ہے۔

(۴) فریق ثانی کا بیان ہے کہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں زمین اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی تھی تاہم ابھی مسکرسین کمرہ میں سے ایک بیٹے کو بھی دیں گے اور دوسرے کو بیکار زمین زیادہ دی تھی، فریق اول نے ساز باز کر کے خسرو نمبر آٹھ سو سات جعلی طور پر اپنے نام انتقال کرایا ہے جو کہ ہمارے رجوع کرنے پر عدالت نے بحال کر دیا ہے۔

(۵) فریق ثانی کا دفاعی بیان یہ ہے کہ اس نے فریق اول کے ساتھ جو مصالحت کی ہے وہ نافذ نہیں کیونکہ فریق ثانی نے اپنی تمام جائیداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کی تھی اور جس جائیداد سے فریق ثانی نے مصالحت کرائی یہ اس کی جائیداد نہیں تھی بلکہ اس کے بیٹوں کی جائیداد تھی یہی وجہ ہے کہ فریق ثانی نے ایک ہزار روپے فریق اول کو واپس کر کے مصالحت کو کالعدم قرار دیا ہے۔

حقیقتِ حال: ان نکات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریقین بہنوں کو جائیداد سے محروم کرنے پر متفق ہیں یہ ایک جاہلانہ اور غیر شرعی اقدام کی تائید کے مترادف ہے، اگر باپ نے دیدہ دانستہ طور پر بیٹوں کے نام جائیداد منتقل کر کے بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھا ہو تو یہ ناجائز اور حرام حرکت ہے اگرچہ قضاء ایسے اقدامات نافذ ہوتے ہیں لیکن عند اللہ اس جرم سے خلاصی اور نجات کے لیے واحد ذریعہ یہ ہے کہ ورثاء و مورث کی ذمہ داری کی فراغت کیلئے ہر صاحب حق کو اس کے حق کی ادائیگی کریں ورنہ حقوق العباد کی حق تلفی سے اس کا گرفتار ہونا یقینی امر ہے تاہم قضاء والد کے تصرفات نافذ رہیں گے۔

شرعی فیصلہ: جہاں تک تنازعہ جائیداد کے بارے میں فریقین کے بیانات کا تعلق ہے تو واضح رہنا چاہیے کہ سرکاری کاغذات میں محض انتقال کا ہونا نہ تو کسی کی ملکیت کی شرعی دلیل ہے اور نہ اس پر ملکیت موقوف ہے ایسے فریقین کے والد کے مالکانہ تصرفات کے نفاذ کیلئے سرکاری کاغذات میں انتقال ضروری نہیں جو بھی باقاعدہ گواہوں سے ثابت ہو جائے اس کو اعتبار دیا جائے گا۔

قال العلامة سلیم رستم باآء ولا یعمل بالخط والمختم وحدهما الا اذا كان سالماً من شبهة التزوير والتضع
فیعمل بہ یعنی انہ یكون مدار الحکم ولا یحتاج الی الثبوت بوجه اخر۔ (مجلۃ الاحکام، المادۃ ۲۶۷ ص ۱۰۹)
لیکن بعد ازاں جہاں تک فریقین کے تنازعہ کا مسئلہ ہے اور پھر اس میں مصالحت کی صورت ہے تو مصالحت کا ثبوت باقاعدہ اقرار یا عادل گواہوں کی گواہی پر موقوف ہے، اس لیے اگر فریق ثانی کی رضا و رغبت سے مصالحت ایک دفعہ ثابت ہو جائے تو باقاعدہ ماننے کے بعد نہ خود فریق ثانی اور نہ اس کے ورثاء اس سے انکار کر سکتے ہیں لیکن ایسی مصالحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ فریق ثانی جس جائیداد پر مصالحت کر رہا ہو وہ اس کی ملکیت میں ہو ورنہ اگر اس نے واقعی یہ جائیداد اپنے بیٹوں میں باقاعدہ تقسیم کر کے قبضہ دے کر قبضہ کیا ہو تو پھر قبضہ سے یہ تامل ہو کہ فریق ثانی کی ملکیت باقی نہیں رہتی اس لیے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی تنازعہ جائیداد پر مصالحت نہیں کر سکتا اور نہ کسی دوسرے کو اس کی جائیداد دے سکتا ہے اگرچہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة الکاسانی: ومنها ان یكون مملوكاً للمصالح حتی انہ اذا صالح علی مال ثم استحق من المدعی لم یصح الصلح لانہ یبتین انہ لیس مملوكاً للمصالح فتبتین ان الصلح لم یصح۔

رد المحتار ج ۶ ص ۲۸ کتاب الصلح، فصل فی ما شرطتہ المصالح علیہ۔

تاہم مصالحت کرتے وقت مذکورہ جائیداد کا فریق ثانی کی ملکیت کے ثبوت کے لیے باقاعدہ

گواہوں کی گواہی ضروری ہے ورنہ فریق ثانی کو اس پر قسم دی جائے گی۔ اگر فریق اول کی ملکیت پر گواہ پیش ہو جائیں تو پھر مصالحت قائم رہے گی جس کی پابندی دونوں کے لیے ضروری ہوگی ورنہ پھر فریق اول کے مطالبہ پر فریق ثانی کو ملکیت سے انکار کرنے پر قسم دی جائے گی اگر فریق ثانی قسم کھائے تو مصالحت کا دعویٰ کالعدم رہے گا اور اصل فیصلہ فریقین کے قدیم دعویٰ پر ہوگا جس میں مدعی کے لیے گواہ اور گواہ بیتر نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔

عقد بیع میں اختلاف کے متعلق فیصلہ | سوال :- **بیانات فریقین**
فریق اول :- میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے فلاں محدودہ ۳ اجریب زمین فریق ثانی سے مبلغ ساٹھ ہزار روپے کے عوض خریدی، بیع کے وقت دو ہزار روپے میں نے ادا کیے باقی رقم دو قسطوں میں ادا کرنی تھی، ایک قسط مبلغ تیس ہزار روپے میں نے ادا کر دیئے اور باقی رقم بھی ادا کرنا چاہتا ہوں لہذا مجھ سے رقم لے کر میری خریدی ہوئی زمین مجھے دی جائے۔
فریق ثانی :- میں اقرار کرتا ہوں کہ مذکورہ قطعہ اراضی جو کہ میرے اور میرے بھائی کے درمیان مشترک ہے اپنے بھائی کی اجازت سے فریق اول پر فروخت کی ہے لیکن فروخت کرتے وقت میں نے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر فلاں قطعہ اراضی جو کہ ایک دوسرے شخص کی ملکیت میں ہے مجھ پر فروخت کرے تو میں بھی یہ زمین فروخت کروں گا، اب چونکہ اُس شخص نے مجھ پر اپنی زمین فروخت نہیں کی لہذا میں بھی فروخت نہیں کرتا۔

الجواب :- دعویٰ متعلقہ ۳ اجریب قطعہ اراضی — مدعی ہشتری (فریق اول) مدعی علیہ (بائع فریق ثانی) فریقین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق اگر مدعی علیہ کا بھائی کے حق میں وکیل بالبیع ہونا میرمن مسلم

لے قال العلامة ابن عابدین: فالحاصل ان المدار علی انتفاء الشبهة ظاهراً او علیہ فما یوجد فی دفاتر التجار فی زماننا اذ اقامات احدثهم وقد حرر بخطہ ما علیہ فی دفترہ الذی یقرب من الیقین انه لا یکتب فیہ علی سبیل التجربۃ والہزل یعمل بہ۔ (تنقیح الفاوی الحامدیۃ ج ۲ ص ۲۱ کتاب الدعوی) ومثله فی تقریرات الرافعی ج ۲ ص ۹۲ کتاب الدعوی۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز: یشترط ان یکون المصالح علیہ مال المصالح ومملکۃ فلو عطي المصالح مال غیره لیکون بدلاً للمصالح فلا یصح صلحہ (شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۵۲۵ ص ۸۳۲ ابنا ثانی) ومثله فی الهدایۃ ج ۳ ص ۲۲ کتاب الصلح۔

ہو تو تمام قطعہ اراضی کی بیع درست ہے اور اگر یہ ولایت ثابت نہ ہو تو پھر بائع کا اپنے حصے میں بیع درست ہو کر بھائی کے حصے کی بیع بیع فضولی کے حکم میں ہو کر اس کی اجازت پر موقوف ہے، اگر مذکورہ شرط موجود ہو تو تمام زمین کی بیع درست ہو کر بائع بیع توڑنے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ بیع میں مذکورہ شرط نہ تو مقتضیات عقد اور نہ مدعات عقد میں سے ہے کہ جس کا ایفاء ضروری ہے اور نہ اس میں بائع مشتری، بیعہ کو فائدہ ہے کہ جس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالنفع ما شرط من احد العاقدین علی الآخر فلو علی اجنبی لا یفسد ویبطل الشرط لما فی النفع عن الوجیه بعثت الدار بالث علی یقرضنی فلان الاجنبی عشرة دراهم فقبل المشتري لا یفسد البیع لانه لا یلزم الا اجنبی ولا خيار للبائع۔

رد المحتار ج ۵ ص ۸۵ باب البیع الفاسد، مطلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر الخ (۱)۔

تشفہ کے دعویٰ میں راستہ کا ترکیب پڑوسی پر مقدم ہے | فریق اول۔ فریق ثانی فریق ثالث
تنازعہ؛ ایک عورت کی طرف سے

فریق اول پر فروخت شدہ مکان محدود و دار بچہ غربا جائیداد والدہ فریق اول، شرقا راہ خاص فریق اول و ثالث وغیرہ شمالاً مکان فریق ثالث و جنوباً جائیداد والدہ فریق اول واقع ہے۔

حق تحکیم؛ مندرجہ بالا فریقین اپنے علاقہ کے معززین کی نگرانی میں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوئے، مذکورہ جملہ فریقین تنازعہ کے تصفیہ کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کیے لیے تسلیم خم کر کے تیار ہوئے اور تحریری طور پر حلفیہ بیان دے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہوئے۔

تنقیحات؛ جملہ فریقین سے فرداً فرداً بحضور فریق آخر بیان لیا گیا اور تحریریں لاکر ہر ایک سے دستخط لیے گئے، فریقین کے بیانات کی روشنی میں جو تنقیحات سامنے آئیں

۱۔ قال العلامة ابن نجیمؒ: وفي المنتقى قال محمد بن علي شئ يشترطه المشتري على البائع يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبی فهو باطل رای فالشرط باطل كما اذا اشترى دابة على ان يهبه فلان الاجنبی كذا فهو باطل كما اذا شرطه على البائع ان يهبه وكل شئ يشترطه على البائع لا يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبی فهو جائز وهو بالخيار۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۸۶ باب بیع الفاسد) ومثله في شرح المجلة للعلامة سليم رستم بازاللبناني رعت الماحة ۱۸۹ ص ۸۹۔

وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) فریقِ اول جس نے یہ مکان خریدا ہے وہ خریدے ہوئے مکان کے راستہ میں شریک ہے جبکہ فریقِ ہذا اور ثالثان کے بیان کے مطابق راہ عام سے جو خاص راستہ جدا ہو کر آگے آتا ہے تو فریقِ ثالث وغیرہ کے مکان سے گزرتنا زعم فروخت شدہ مکان اور فریقِ اول کے گھر کی طرف جاتا ہے جس میں فریقِ ثالث بھی آمد و رفت رکھتا ہے لیکن ثالثان کے بیان کے مطابق یہ صرف تین اشخاص کا مخصوص راستہ ہے، بایں معنی یہ کسی عام شخص کو اس راستہ پر آمد و رفت کا حق حاصل نہیں گویا یہ ایک خاص راستہ ہے۔

(۲) فریقِ ثانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکان ٹھکانے میں کسی قسم کی شرکت کا دعویٰ نہیں رکھتا اور نہ اس مکان کا پڑوسی ہے بلکہ محض اس وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ مکان ٹھکانے میں میرے بھائی کی ملکیت تھا جس کا میں وارث ہوں، یہ مکان میرے بھائی کو باپ دادا سے وراثت میں ملا تھا جو کہ فروخت ہوتے وقت صرف اور صرف میرا حق ہے اس لیے میری اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مکان لینے کا حق حاصل نہیں۔

(۳) فریقِ ثالث کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکان مذکورہ میں شفعہ کا دعویٰ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے کرتا ہے جس کے لیے طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد کے جملہ مراحل کی تکمیل کا دعویٰ کر رہا ہے اگرچہ فریقِ اول موصوف کے مکان اور متنازعہ مکان کے درمیان مسجد کیلئے باقاعدہ وقف راستہ بیان کر کے ہمسایہ ہونے سے انکار کرتا ہے لیکن فریقِ ثالث اس پر قائم ہے کہ میں نے اس راستہ پر گزرنے کی ان لوگوں کو عارضی اجازت دی تھی لیکن جب انہوں نے مجھ سے باقاعدہ وقف کا مطالبہ کیا اور میں نے انکار کیا تو اس کے بعد اس راستہ کو فریقِ اول یا کسی دوسرے نے استعمال نہیں کیا چنانچہ موصوف اس راستہ کے نہ ہونے پر مصر ہے اور یوں اپنا موقف مضبوط کر رہا ہے کہ فروخت شدہ مکان سے میرے گھر کی دیوار متصل ہے جس سے مجھے ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے زیادہ حق حاصل ہے۔

حقیقتِ حال :- مذکورہ تین فتحات کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فروخت شدہ مکان جس کے جنوب میں فریقِ ثالث کا مکان واقع ہے اس کے بیان کے مطابق وہ جارِ ملاحق یعنی جڑا اور ملا ہوا پڑوسی ہے جبکہ فریقِ اول متنازعہ مکان کے راستہ میں شریک ہے بایں معنی کہ یہ راستہ عام نہیں بلکہ خاص راستہ ہے جس میں صرف اس گلی میں رہنے والے شرکا کو آمد و رفت کا حق حاصل ہے

کوئی عام شخص اس راستہ کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنے کا مجاز نہیں۔
فقہی نظائر:- حدیث کی رو سے جہاں کسی کو شفعہ کا حق دیا گیا ہے تو اس میں راستے کی شرکت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کہ راستہ میں شریک کو دوسرے پڑوسی پر سبقت حاصل ہوگی ایسے کہ وہ بیعہ کے حقوق میں شریک ہے لہذا جب تک شریک فی حقوق المبیعہ و عویدار ہو تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں دیا جاتا۔

کما فی الحدیث: عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعته ینتظر لها وان کان غائباً اذا کان طریقہما واحداً۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۷ باب الشفعۃ)
 خاص کر وہ راستہ جو خاص افراد کے لیے مخصوص ہو جس راستہ پر گلی میں رہنے والوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے عام اشخاص کو آمد و رفت کا حق حاصل نہ ہو تو وہ خاص راستہ کہلاتا ہے۔

لما قال العلامة سلیم رستم بآء: الطريق الخاص هو النطاق الذي لا ينفذ اى كمانه لوفتح اصحاب الطريق الخاص منفذاً أو وصلوهُ بالطريق العام كان لهم ان يمنع غيرهم من المرور فيه۔ (شرح المجلة مادة ۹۰۶ و ۵۳۷ کتاب الشفعۃ)

اس حالت میں جو لوگ گلی کے شروع میں رہتے ہوں ان کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے جبکہ گلی کے آخر میں رہائش رکھنے والے کو پوری گلی میں آمد و رفت کا حق حاصل ہوتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: فان كانت سكة غير نافذة ينشعب فيها سكة غير نافذة وهي مستطيلة فبعيت داراً في السفلى فلاهلها الشفعه خاصة دون اهل العليا۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الشفعۃ)

پڑوسی بلا شک و شبہ شفعہ کا حق دار ہے، لیکن یہ تب ہے کہ اس میں حق رکھنے والا شریک فی حقوق المبیعہ نہ ہو جیسا کہ شریک فی نفس المبیعہ کو شریک فی حقوق المبیعہ پر سبقت حاصل ہے۔
 لما قال العلامة سلیم رستم بآء:- حق الشفعۃ اولاً للمشارك في نفس المبيع ثانياً للخلیط في حق المبيع ثالثاً للجار الملاصق وما دام الاول طالباً فليس للآخرين حق الشفعۃ وما دام الثاني طالباً فليس للثالث حق الشفعۃ۔ (مجلۃ الاحکام۔ المادة ۱۰۵۹ ص ۵۶۲ کتاب الشفعۃ)

شرعی فیصلہ:- ان تنقیحات، حقیقت حال اور فقہی نظائر کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فریق اول جس نے یہ مکان باقاعدہ بیع قطعی سے خریدے یہ سکتہ غیر نافذہ یعنی خالص راستہ میں اس گھر کی شرکت کا حق رکھتا ہے اور فریق ثالث نے اگرچہ اپنا پڑوس ثابت کرنے میں

کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن پڑوسی ثابت ہونے کے باوجود خاص راستہ میں شرکاء کا حق اس سے زیادہ ہے جبکہ فریق ثانی کا محض بھائی ہونے کے ناطہ سے شفعہ کا دعویٰ بے بنیاد ہے اس کا کوئی حق نہیں اس لیے فریق اول کے معاملہ خرید کو درست تسلیم کر کے مکان اس کے قبضہ میں رکھا جائے یہی فریق اول اس کا زیادہ حقدار ہے۔

فریقین میں سے ہر ایک کا زمین پر ملکیت اور قبضہ کے دعویٰ کا جائزہ | دعوئے بابت اراضی

بیان فریق اول: میرے والد نے یہ زمین فریق ثانی کے والد سے خریدی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے اور فی الحال میں نے فریق ثانی کو اجارہ پردی ہے جبکہ اس کا قبضہ میرے پاس ہے۔

بیان فریق ثانی: میرے والد نے یہ زمین فریق اول کے والد پر فروخت نہیں کی پہلے ہی سے اس پر میری ملکیت چلی آ رہی ہے اور زمین میرے قبضہ میں ہے، یہاں تک کہ ہائی کورٹ نے بھی میری ملکیت تسلیم کی ہے۔

تنقیحات: دونوں فریق مذکورہ زمین پر ملکیت اور قبضہ کا دعویٰ کرتے ہیں، فریق اول تو اس وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے والد نے یہ زمین فریق ثانی کے والد سے خریدی ہے اور فی الحال محض اجارہ پردی ہے۔ فریق ثانی اس وجہ سے زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ زمین اس کو اپنے والد سے وراثت میں ملی ہے اور وہ فریق اول پر فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے، مزید برآں اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی پیش کرتا ہے۔

طریق فیصلہ: اگر واقعی ہائی کورٹ نے فریق ثانی کی ملکیت تسلیم کی ہو تو اس فیصلے پر

۱۔ (۱) قال العلامة المرغینانی: فالطریق الخاص ان لا يكون نافذاً۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۸۸ کتاب الشفعة)
 (۲) قال العلامة ابن نجیم: ولذا الوبیعت دار فی القصوی لم یکن لاهل الاولی شفعة بخلاف اهل القصوی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳ باب التحکیم)

۳۔ (۳) قال العلامة المرغینانی: الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع كالشرب والطریق ثم للجار۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۸ کتاب الشفعة علی الصفة الاولى من المجلد الرابع)

عملد آمد کیا جائے گا اس لیے اگر قبضہ فریق ثانی کے پاس نہ ہو تو حق قبضہ بھی اس کو دیا جائے گا اور اگر ہائی کورٹ نے فریق ثانی کی ملکیت تسلیم نہ کی ہو تو اگر فریق اول کے پاس گواہ موجود ہوں تو اس کے مطابق فیصلہ فریق اول کے حق میں کیا جائے گا اور اگر فریق اول گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو فریق ثانی چونکہ والد کے شہداء سے انکار کرتا ہے اس لیے فریق ثانی کو اس کے علم پر قسم دی جائے گی کہ اُسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے والد نے یہ زمین فروخت کی ہے یا نہیں، اگر اس نے قسم اٹھالی تو زمین پر اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور قبضہ بھی اس کو دیا جائے گا اور اگر اس نے قسم اٹھانے سے انکار کیا تو فیصلہ فریق اول کے حق میں کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشی: والتحلیف علی فعل غیرہ یکون علی العلم ای انہ لا یعلم کذلک لعدم علمہ بما فعل غیرہ۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۳ کتاب الدعوی) لہ

فریقین میں سے ہر ایک کا دوسرے کی مقبوضہ جائیداد میں ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ

دعویٰ بابت الارضی

بیان مدعی: میں دعویٰ کرتا ہوں کہ مذکور

ارضی محدود و محدود و اربعہ جو کہ شرقاً زرد مٹھی

تک مغرباً سبز درخت تک، جنوباً زیتون کے درخت تک اور شمالاً ندی سے نیچے تک ہے یہ میری ملکیت ہے جس نے اس پر قبضہ کیا ہے یہ ظالمانہ قبضہ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ چار اشخاص نے میری زمین کی تحدید کے وقت اس پر قسم کھائی ہے اور خود مجھ سے بھی اس پر قسم لی گئی ہے۔

بیان مدعی علیہ: میں کہتا ہوں کہ مدعی دعویٰ کا کوئی حق نہیں رکھتا بلکہ اس نے میری زمین کو ظالمانہ طور پر قبضہ میں رکھا ہوا ہے جو مشترکہ پہاڑی تک میرا حق ہے اور میری طرف سے اس پر چار اشخاص نے قسم بھی کھائی ہے اور مجھ سے بھی اس پر قسم لی گئی ہے۔

فریقہ اولیٰ: مدعی — فریقہ ثانیہ: مدعی علیہ

لہ قال العلامة قاضی سمانہ: لوقع الدعوی علی فعل الغیر من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان ابان نلفۃ او سرقة او غصبہ متی یحلف علی العلم ہذا مذہبنا۔

(جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴۰ الفصل الخامس عشر فی التحلیف وما یتعلق بہ)

و مثله فی فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۴ کتاب الحدود۔

حقے تحکیم : مندرجہ بالا فریقین نے علاقہ کے معززین کی سرپرستی میں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہو کر اپنے فیصلے کے لیے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دینے کی درخواست کی اور اپنے تنازعہ کے تصفیہ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کے لیے تیار ہو کر سرسبز بنیم خم کر کے علماء کی کمیٹی کو موقع دکھانے کی خاطر اپنے علاقہ میں لے گئے، علماء کی کمیٹی نے موقع پر جا کر تنازعہ اراضی کا معائنہ کیا، چونکہ فریقین نے پہلے ہی سے ایک ثالث کو اپنے بیانات قلم بند کرائے تھے اس لیے اپنے سابقہ بیانات پر اکتفا کرتے ہوئے مزید نئے بیانات دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کمیٹی نے فریقین سے بیانات کے متعلق کچھ اہم سوالات پوچھے تاکہ فریقین کی طرف سے بیانات سمجھنے میں مدد و معاون ہو سکے۔

تنقیحات :- دونوں فریقوں کے بیانات سے چند امور معلوم ہوئے :-

(۱) فریق اول نے اپنے بیان کی رو سے جس محدودہ زمین کا دعویٰ کیا ہے اس میں کچھ زمین ایسی ہے جس پر فریق مخالف کا قبضہ ہے۔

(۲) فریق ثانی کے بیان کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف یہ نہیں کہ مدعی کے دعویٰ کا رد کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایسی زمین کا دعویٰ بھی کیا ہے جس پر فریق اول یعنی مدعی قابض ہے، گویا اندریں صورت دونوں فریق ایک دوسرے کے دعوؤں کے رد کے علاوہ کچھ زائد ایسی زمین کا دعویٰ کر رہے ہیں جس پر دوسرا فریق قابض ہے، اگرچہ موقع دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ فریقین کے دعاوی میں وسعت سے کام لیا گیا ہے۔

حقیقت حال :- دونوں فریق ایک دوسرے کے قبضہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ جیسے

الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ فریقین کے درمیان نسبتی قرابت بھی قائم ہے، چونکہ فریقین قریبی نسل میں ایک جد پر ملتے ہیں، قرب و جوار کے حالات، موقع دیکھنے اور دوسرے قرائن پر نظر ڈالتے ہوئے یہ حالات سامنے آتے ہیں کہ فریقین کے درمیان یہ تنازعہ کسی خانگی دشمنی کا نتیجہ ہے ورنہ دونوں فریق کچھ عرصہ قبل تک ایک دوسرے کے ساتھ امن و امان کے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ دونوں فریقوں کے مردے بھی ایک ہی قبرستان میں دفن ہوتے تھے، غم اور خوشی میں ایک دوسرے سے باہمی مشارکت قائم تھی، فریقین کے دعوؤں کو دیکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے ارث کا دعویٰ کر رہا ہے، گویا ہر ایک فریق اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ یہ زمین مجھے میرے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے اور دوسرے

فریق کا اس میں کوئی حق نہیں۔

فقہی نقطہ نگاہ سے اختلاف کا جائزہ۔ از روئے شرع ایسی حالت میں جہاں دو فریق کسی جائیداد پر قابض ہو کر ایسی جائیداد پر وراثت کی وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرے کہ وہ مخالف فریق کی ملکیت میں ہو تو اس دعویٰ کو دعویٰ حلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں طرفین سے گواہ طلب کیے جاتے ہیں لیکن مذکورہ تنازعہ میں بظاہر گواہوں کے گواہی مشکل ہے کیونکہ احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کی تمام قوم قولاً یا فعلاً دونوں فریقوں کی طرفداری میں بھٹک گئی ہے، یہاں تک کہ قرب و جوار میں رہنے والے اور حالات سے واقف لوگ حقیقت حال کے اظہار سے چشم پوشی پر مجبور ہیں اور جو قوم ثالث کی حیثیت سے کردار ادا کر رہی ہے اس کو صحیح حالات کا علم نہیں، علاوہ ازیں اس علاقہ میں کوئی غیر قوم جو کہ دعویٰ میں شریک نہ ہو کسی دوسری قوم کے لیے گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی کیونکہ اس سے آپس میں دشمنی کی بنیاد پڑتی ہے، خاص کر جب گواہی میں قسم کھا کر بیان دینا ہو تو اس کے لیے عام لوگوں میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا جبکہ قسم کھا کر بیان دینے کا دوسرا نام گواہی ہے، اس لیے جب گواہ میسر نہ ہو تو پھر دوسرے کے دعویٰ کو دفع کرنے کے لیے مدعی کے مطالبہ پر مدعی علیہ کو قسم دی جاتی ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی، وان عجز عن ذلك وطلب يمين خصمه استعلف عليها
لما روينا ولا بد من طلبه لان اليمين حقه انه كيف اُضيف اليه بحرف اللام فلا بد من
طلبه۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۱ کتاب الدعوی)

اور خاص کر ایسی صورت میں جب دونوں قابض بھی ہوں اور ایک دوسرے کی مقبوضہ جائیداد کا دعویٰ کر رہے ہوں تو ایسی حالت میں ہر ایک قسم کھانے کے بعد دوسرے کو اپنے اپنے حق پر بحال رکھا جاتا ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: ادعيا ملكاً ارثاً من ابیهما والعین فی ایدھما وفیہ
ایضاً ان لم یوہ خایقضی بینھما اوارخاتاریخاً واحداً یقضی بینھما۔

(شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۶۱ ص ۱۲۵ الفصل الثانی)

آخری فیصلہ، ان حالات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ دونوں فریقوں کی قوموں سے پانچ پانچ افراد منتخب کیے جائیں اور طرفین سے منتخب شدہ افراد دوسرے فریق

کے حق نہ ہونے پر قسم اٹھائیں اور جو جا بیداد دونوں قوموں کے قبضہ سے باہر ہو تو قسم اٹھانے کے بعد وہ فریقین کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کی جائے گی اور جو نقصانات ہوئے ہوں اس کا جبرہ کیا جائے گا۔

قدیم راستہ میں تنازعہ کے متعلق فیصلہ | سوال: (بیان فریقے اول) ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پڑوسی کے مشرقی جانب اخیر

میں ہمارے کھیتوں اور مکانات کا ایک قدیم راستہ تھا جس پر لوگوں کی آمد و رفت ہوتی تھی، اس کے مغربی جانب ایک بڑی ندی بھی تھی اور اس راستے کے کنارے درختوں کا ایک بھاڑ بھی تھا جو کہ اب بھی موجود ہے۔ یہ راستہ ندی کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی زمین سے گذر کر جنوب کی طرف ایک بڑے کنوئیں سے گذرتا تھا، کچھ عرصہ سے لوگوں کی اس راستہ پر آمد و رفت کم ہونے کی وجہ سے پڑوسی نے رفتہ رفتہ اس راستہ کو ختم کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ راستہ بالکل بند ہو گیا، اس پر ہم نے راستے پر آمد و رفت اور اس کی وسعت کا مطالبہ کیا لیکن پڑوسی نے ایسا کرتے سے انکار کر دیا، اس لیے ہمیں اپنے قدیم راستے پر گزرنے اور اس کو وسیع کرنے کا حق دیا جائے۔

(بیان فریقے ثانی) میری زمین میں کوئی قدیم راستہ نہیں البتہ کچھ عرصہ قبل میری زمین میں ایک راستہ تھا اور اس پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن میں نے بطور احسان ان کو یہاں سے گزرنے کی اجازت دی تھی، کیونکہ زمین خریدتے وقت مجھے نہ تو یہاں قدیم راستے کی نشاندہی کی گئی اور نہ اس میں کسی قدیم راستے کے نشانات موجود تھے، لہذا میری زمین میں قدیم راستے کا دعویٰ بے جا ہے، اس لیے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زمین میں لوگوں کو

لے قال العلامة سلیم رستم باز: فاذا ظهر المدعی العجز عن اثبات دعواه حلف المدعی علیہ بطلیہ۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۰۹۳/۱۰۴۲ الفصل الثالث فی التحلیف) وفی الہندیۃ: دار فی یدی رجل ادعا ہارجلان کل واحد منہما یدعی انہما دارۃ ورثہا عن ابیہ فلان واقام علی ذلک بیئۃ فان لم یؤرخا وارخا وتاریخہما علی السواء یقضی بداربیتہما۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۴ ص ۱۰۹۳ الفصل الثانی فی دعوی الملک فی الاعیان)۔

گزرنے سے روک لوں۔

الجواب :- مندرجہ بالا فریقین کے بیانات موقعہ اور معززین قوم کی شہادت کے روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فریق اول جس راستے کا دعویٰ کرتا ہے، راستہ چند مہینوں اور سالوں کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ قدیم مدت سے قائم ہے، بلکہ بعض معمر افراد کے بیانات کے مطابق پچاس ساٹھ سال یہ لوگ اس راستے کو استعمال کرتے رہے بلکہ فریق اول جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہے اس پر درختوں کی بھاڑ بھی قائم ہے خاص کر ندی سے گزر کر قدیم راستے کی نشاندہی جس مقام سے ہو رہی ہے وہاں درخت کھڑے ہیں اور اس سے آگے گزر کر جس کنوئیں کے قرب و جوار سے راستہ گزرنے کا کہا جا رہا ہے وہاں پر بھی موجودہ وقت میں کسی قدیم راستے کی نشاندہی نہیں ہوتی، اس کے مقابلے میں مطلوبہ راستہ پر آمد و رفت کا اقرار خود فریق ثانی کچھ مدت سے کر رہا ہے، اگرچہ یہ لوگ (فریق ثانی) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس زمین کے خریدنے کے وقت ہمیں کسی قسم کے راستے کی نشاندہی نہیں کی گئی، لیکن از روئے شرع جو راستہ پہلے سے قائم ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے گا اور اس راستے سے منع کرنے کا حق فریق ثانی کو حاصل نہیں جبکہ ابھی تک یہ راستہ آمد و رفت کے لیے استعمال ہو رہا ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ کر آئندہ کیلئے بھی آمد و رفت کیلئے استعمال کیا جائے گا۔

قال العلامة سليم رستم باؤ: اذا كان لرجل نهر في ارض رجل او ميزاب في دار رجل فاختلفا في ذلك وانكر صاحب الارض والدار ثبوت حقه فالقول قوله وعلى المدعى البينة ان له حق السبيل الاجراء الماء فيه الا اذا كان الماء جاريا زمان الخصومة فحينئذ القول قول صاحب الماء۔ (شرح المجلة، المادة ۱۷۷ من كتاب الدعوى۔ الفصل الثالث)۔

تاہم موجودہ راستہ سے مغربی جانب فریق ثانی کی زمین کی طرف تصرف نہیں کیا جائے گا اگر راستہ میں وسعت کی ضرورت پڑے تو مشرقی جانب ندی کو استعمال میں لایا جائے گا۔

لہ قال العلامة برهان الدین مرغینانی: اذا كان نهر لرجل يجري في ارض غيره فالدار صاحب الارض ان لا يجري النهر في ارضه ترك على حاله لانه مستعمل له باجراء مائه فعند الاختلاف يكون القول قوله۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب احياء الموات۔ فصل في الدعوى والاختلاف) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۴۰۲ الباب الرابع في الدعوى في الشرب۔

گواہوں پر جرح کے متعلق قاضی کے فیصلے کا جائزہ | سوال: (بیانِ مدعی)

میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ فلاں شخص نے میرے گھاس کے ڈھیر میں عمد زہریلی دوائی ڈالی جس سے میری ایک بھینس، ایک گائے اور ایک بچھڑا ہلاک ہو گئے، اور اس شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار بھی کیا ہے کہ میں نے مدعی کے گھاس کے ڈھیر میں زہریلی دوائی ڈالی ہے۔

(بیانِ مدعی علیہ) میں نے مدعی کے گھاس میں نہ زہریلی دوائی ڈالی ہے اور نہ لوگوں کے سامنے اقرار کیا ہے۔

فیصلہ قاضی: مدعی نے اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کئے اور انہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے مدعی علیہ نے اقرار کیا ہے کہ میں نے مدعی کے گھاس کے ڈھیر میں زہریلی دوائی ڈالی ہے اور مدعی کے مویشی میں نے ہلاک کئے ہیں۔ اس کے بعد مدعی علیہ نے چار گواہ پیش کیے لیکن قاضی صاحب نے یہ کہا کہ جرح کے گواہ شریعت میں منع ہیں، اس لیے فیصلہ مدعی کے گواہوں پر ہوا۔ تو کیا قاضی صاحب کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قضاء کا معاملہ چونکہ حساس نوعیت کا حامل ہے اس لیے قاضی کو پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ ہر مسئلے کو حل کرنا چاہیے، چنانچہ ہر فیصلہ کی حقیقت حال تک پہنچنے کے لیے شریعت نے زہریں اصول مرتب کیے ہیں تاکہ اس بارے میں ہر کسی کی تسلی ہو جائے اور کوئی بھی فریق عدم اطمینان کا شکار نہ ہونے پائے۔ چونکہ فریقین کے درمیان کسی تنازعہ کے فیصلہ میں مدعی کے گواہوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لیے اس کے گواہوں کا شریعت مطہرہ کی بیان کردہ صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ لہذا مذکورہ بالا صورت میں اگر قاضی کے ہاں مدعی کے گواہوں کی تعدیل ثابت ہو چکی ہو اور وہ پُر اعتماد ہوں تو ان گواہوں پر مدعی علیہ کو جرح وغیرہ کا حق نہیں ہے بلکہ قاضی ان گواہوں کی گواہی کے موافق فیصلہ کرے گا، اور اگر پہلے سے مدعی کے گواہوں کی تعدیل ثابت نہ ہوئی ہو تو پھر مدعی علیہ کو گواہوں پر جرح کا حق حاصل ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحنفی رحمہ اللہ: لا تقبل الشهادة على جرح مجرد من اثبات محقق لله تعالى اولل بعد بعد التعديل ولوقبله قبلت ای الشهادة

بل الاخیار ولومن واحد علی الجرح المجرد۔ رالد المختار علی ہامش رد المحتاج^{۴۲۸} کتاب الشہادات، باب القبول وعذمتہم لہ

نوعے سال سے قابض زمین پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ | سوال

بیان فریق اول :- میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ فریق ثانی نے ساٹھ ستر سال سے ہماری پدری جائیداد کے ایک قطعہ اراضی پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور اس قطعہ اراضی کا کچھ حصہ کسی اور شخص پر فروخت کر دیا ہے، لہذا فروخت شدہ قطعہ اراضی اور فریق ثانی کے زیر تصرف زمین میری ہے۔

بیان فریق ثانی :- یہ قطعہ اراضی ہمارے دادا نے فریق اول کے دادا سے خریدا تھا جو کہ نوے سال سے ہمارے قبضہ میں ہے اور اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، چالیس سال قبل اس سے کچھ حصہ ہم نے ایک شخص پر فروخت کیا اور بیع پر خبردار ہونے کے باوجود مدعی نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

ان بیانات کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- شرعی اصول کے تحت اولاً یہ معلوم کیا جانا چاہیے کہ فریق اول نے دعویٰ کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کی ہے؟ اگر اس نے دیدہ دانستہ بلا عذر دعویٰ میں اتنی تاخیر کی ہو تو اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے، اور اگر اس نے لاعلمی، خوف یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے تاخیر کی ہو تو پھر اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ چونکہ فریق ثانی بیع قطعی کا دعویٰ کرتا ہے اسلئے اس پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے سو سالہ دو معتمد گواہ پیش کرے، اگر فریق ثانی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر فریق اول کو اس علم پر قسم دی جائے گی کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے دادا نے فریق ثانی کے دادا پر زمین فروخت کی تھی؟ اگر

لے قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لا تقبل الشہادة علی الجرح المجرد اذا اقام البینة علی العدالة اما اذا لم یقم للبینة علیہا فاخبر بخبران الشہود ففاق او اکلوا الربوا فان الحكم لا یجوز قبل ثبوت العدالة لاسیما اذا اخبر مخبران الشہود ففاق۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۰۷ کتاب الشہادات)

و مثله فی شرح المجلة للعلامة سلیم رستم باز، المادة ۱۴۲۴ ص ۱۰۷ الفصل السادس۔

فریق اول قسم اٹھالے تو اس کی قسم پر فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو پھر فیصلہ فریق ثانی کے حق میں کیا جائے گا۔

قال العلامة محمود بن اسماعیل الشهیر بقاضی سماوۃ: ولو وقع الدعوی علی فعل الغیر من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان اباک اتلفه او سرقه او غصبه منی یحلف علی العلم ہذا مذہبنا۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۸۱ الفصل الخامس عشر فی التحلیف ومتعلقہ) لہ

آباؤ اجداد کی شرکت کی وجہ سے ورثاء کا شریک کی جائیداد میں کچھ حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ

فریق اول — فریق ثانی
حق تحکیم: فریقین بالانہ
برضاء و رغبت اپنے تنازعہ متعلقہ

قطعہ اراضی تقریباً ایک سو بیچاس جریب مع سرکاری کاغذات شرعی فیصلہ کرانے کیلئے دارالعلوم حقانہ کے دارالافتاد میں پیش ہوئے، ایک معزز شخص کے توسط سے فریقین کو فیصلہ کا پابند رکھنے کے لیے ہر ایک فریق سے تین تین سو روپے بطور ضمانت لئے گئے جو اس معزز شخص کے پاس بطور امانت رکھے گئے اور فیصلہ پر عمل درآمد یقینی ہونے پر طے شدہ تاریخ کے مطابق واپس کر دیئے جائیں گے۔

تنقیحات: فریقین کے بیانات سنتے کے بعد مندرجہ ذیل امور سامنے آئے:

(۱) فریق ثانی زیر تنازعہ قطعہ اراضی کا قابض ہو کر فریق اول اس میں ۴/۵ حصہ کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ مدعی علیہ کے آباؤ اجداد سے ہمارے آباؤ اجداد کا مشترکہ کاروبار تھا اور تنازعہ جائیداد مشترکہ کھاتا سے خریدی گئی ہے جس میں ہمارے باپ مدعی علیہم کے باپ وغیرہ سے ۴/۵ حصہ کا حقدار ہے۔

(۲) فریق اول اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ایک تحریر پیش کر رہا ہے جو مدعی علیہم کے باپ کے نام منسوب ہے جس کے مطابق وہ تسلیم کرتا ہے کہ مدعی کا باپ ہمارے ساتھ اس خریدی ہوئی جائیداد میں برابر کا حصہ دار ہے، اگرچہ سرکاری کاغذات میں نام کا اندراج رہ گیا ہے لیکن وقت مقررہ پر اس کا

لہ قال العلامة تموتاشی: والتحلیف علی فعل غیوہ یکو علی العلم ای انه لا یعلم کذا لک لعدم علمہ بما فعل غیرہ۔ (تنویر البصار علی ہامش مراد المختار ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الدعوی) ومثله فی فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الحدود۔

نام درج کیا جائے گا تاہم تحریر پر موقعہ کی تاریخ ڈالی گئی ہے البتہ بعد میں ۱۹۷۷ء کا سال لکھا ہوا نظر آ رہا ہے جبکہ توثیق ۱۹۸۷ء میں کی گئی ہے۔

(۳) فریق اول علاوہ ازیں حاصلات کی وصولی کا بحیثیت مالک ہونے اور اس کی حصہ داری کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہم نے مدت دراز تک اس کے حاصلات لیے ہیں جبکہ فریق ثانی محض تبرع و احسان اور خریداری کے وقت ایک معاہدہ کے تحت کچھ وقت تک اس کی ادائیگی کے قائل ہیں لیکن مدعی علیہم کے باپ کی موت سے یہ مراعات بھی ختم ہو گئیں، یعنی فریق ثانی کا بیان ہے کہ یہ مراعات ان کو اس معاہدہ کے تحت دی گئی تھیں کہ خریدنے کے بعد زمین کے قبضہ کی وصولی تک وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے کیونکہ فریق اول کے باپ کے پاس یہ جائیداد اس وقت رہن تھی۔

فیصلہ: از روئے شرع فریق اول مدعی ہے اس لیے دعویٰ کے اثبات کے لیے اُس سے گواہ مانگے گئے لیکن وہ اپنے دعویٰ ملکیت کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنے سے قاصر رہا کیونکہ تحریری بیان پر جن گواہوں کے نام ثبت ہیں ان میں سے حسب بیان مدعی ایک گواہ مخالف فریق سے تعلقات کی وجہ سے ہمارے لیے گواہی نہیں دیتا جبکہ دوسرا گواہ اکیلے ناکافی ہے اس لیے فریق اول یعنی مدعی کے مطالبہ پر فریق ثانی کو قسم دی گئی، چونکہ یہ دوسرے کے فعل پر قسم ہے اس لیے فریق ثانی کو قسم بالعلم دی گئی، قسم کھانے کے بعد جائیداد مذکورہ فریق ثانی کے پاس رہ کر فریق اول اپنے دعویٰ کے اثبات میں ناکام ہوا۔

قال العلامة التمر تاشی: والتحلیف علی فعل غیرہ یکون علی العلم ای انه لا یعلم انه کذا لک لعدم علمه بما فعل غیرہ۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب القضائر)

لہذا قال العلامة محمود بن اسماعیل الشہیر بقاضی سماء رحمہ اللہ: ولو وقع الدعوی علی فعل غیر من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان ایاک اتلقه او سرقه او غصبه منی یحلف علی العلم وهذا مذهبنا۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۲۱ الفصل الخامس عشر فی التحلیف ومتعلقہ)

وَمِثْلُهُ فِي فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۴۱۲ باب ما یکر من الثیاب والخلی والزینۃ۔

فیصلہ شرعی درباب شفعہ

دعویٰ

مفتاح الدین ولد عبد المالك سابق سپہ سالار دیر سکنہ مینگورہ تحصیل مینگورہ ضلع سوات
بنا

(۱) رحمت اللہ جان ولد نور جان سکنہ محلہ رحمانیہ نزد رحمانیہ مسجد عید گاہ میدان ٹھیان
کالونی منگھو پیر روڈ کراچی۔

(۲) خان بہادر ولد عبد المالك سابق سپہ سالار دیر سکنہ مینگورہ تحصیل مینگورہ ضلع سوات (مدعا علیہم)
دعویٰ و خلیائی بہ نقاذ حق شفعہ اراضی زرعی مشتمل بہ پانچ قطعات معروف بہ
۱۔ کس ۲۔ شوگر ۳۔ لہم ۴۔ جماعت باڑی ۵۔ ناغہ غیر آباد بحد و ذیل !
قطعہ ۱۔ کس : شرقاً، اراضی مدعی۔ غرباً، اراضی گل محمود۔ شمالاً، اراضی عبد الظاہر،
جنوباً، اراضی محمد ظاہر شاہ برادر مدعی۔

قطعہ ۲۔ شوگر : شرقاً، اراضی مفتاح الدین (مدعی)، غرباً، اراضی محمد ظاہر شاہ،
شمالاً، اراضی مدعی۔ جنوباً، اراضی مدعی۔
قطعہ ۳۔ لہم : شرقاً، اراضی مدعی۔ غرباً، بارانی ندی تالہ۔ شمالاً، اراضی محمد ظاہر شاہ۔
جنوباً، اراضی محمد ظاہر شاہ۔

قطعہ ۴۔ جماعت باڑی : شرقاً، اراضی نیک محمد۔ غرباً، اراضی گل اعظم خان شمالاً، اراضی
محمد ظاہر شاہ۔ جنوباً، اراضی گل اعظم خان۔

قطعہ ۵۔ ناغہ غیر آباد : شرقاً، اراضی و مکان مدعی۔ غرباً، اراضی محمد ظاہر شاہ شمالاً، راہ نام۔
جنوباً، اراضی عبد الظاہر واقع شگہ مجید رقبہ سیرائی تحصیل و ضلع دیر بہ ادائیگی اصل ذر ثمت
مبلغ ایک لاکھ روپے یا جو بھی درست قیمت فاضل عدالت مقرر کرے۔

مالیت دعویٰ بغرض کورٹ فیس و اختیار بتائے دعویٰ ۸۹۸ کو بیع کا علم و

سماعت مبلغ - /... ۱ روپے اعلان بر شفعہ اندر حدود تحصیل دیر

پیدا ہوئی۔

جناب عالی! گزارش حسب ذیل ہے :-

(۱) یہ کہ مدعا علیہ ۱ نے ہر پانچ قطعات اراضیات متدعوہ ازاں مدعا علیہ ۲ بعض مبلغ ایک لاکھ روپے (۱۰۰۰۰۰) خفیہ طور پر بیع کی ہوئی ہے اور جملہ لین دین کو اخفاً میں رکھ کر حسب قانون مروجہ مدعی کو قبل از بیع کوئی نوٹس نہ دیا ہے۔

(۲) یہ کہ مدعا علیہم نے مدعی کے حقوق کو نقصان پہنچانے کے لیے اگر اپنے خائنی بیع نام میں زیادہ رقم درج کی ہو تو وہ فرضی ہوگی، حالانکہ بیع اصل میں ایک لاکھ روپے کے عوض ہوئی ہے اور یہی اراضیات متدعوہ کی بازاری قیمت ہے۔

(۳) یہ کہ مدعی کو مذکورہ بیع کا علم مؤرخہ ۸/۸/۹۸ کو بوقت صبح آٹھ بجے گھر خود بمقام دیر ہو کر اطلاع دہندہ مستی عبدالنظامہر سکنہ شکی کے روبرو فی الفور اور بر موقع اپنے حق شفعہ کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی اسی روز ہمراہ اطلاع دہندہ اراضیات متدعوہ پر جا کر کاشتکاران اراضیات مشفوع مستیان عبدالحمید اور محمد طیب ساکنان شکی کے علاوہ گواہان عباس خان، اجمیر خان و حمید اللہ خان ساکنان سیرائی کی موجودگی میں اپنے حق شفعہ کا پھر اعلان کیا۔

(۴) یہ کہ بعد ازاں بروٹے تحریر مؤرخہ ۲۲/۸/۹۸ کو مدعا علیہ ۱ بذریعہ جیٹری ۱ سے ڈی نوٹس بھیج کر جملہ طلبات اسلامی پورے کئے۔ (نقل رسید نوٹس کارڈ لف ہیں)

(۵) یہ کہ مدعی کا حق شفعہ بمقابل مدعا علیہ ۱ ہر لحاظ سے فائق تر ہے۔

(۱) یہ کہ اراضی متدعوہ خاندانی اراضی ہے۔

(ب) یہ کہ اراضی متدعوہ کے پیوست مدعی کی اراضیات ہیں۔

(ج) یہ کہ اراضیات مشفوعہ کے ساتھ مدعی کے جملہ حقوق آب نالش و راہ ہیں۔

ارضی متدعوہ و مدعی کی اراضیات ایک ہی تالہ سے سیراب ہوتی ہیں۔

(د) یہ کہ مدعا علیہ ۱ علاقہ میں غیر مالک و نیز غیر باشندہ ہے اور اس کا کوئی بھی وصف حق شفعہ نہ ہے۔

(س) یہ کہ مدعی کے حقوق ہر لحاظ سے فائق و برتر ہیں۔

(۶) یہ کہ ہر چند مدعا علیہم سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حقوق مدعی کو تسلیم کر کے اراضیات متدعوہ سے بحق مدعی بہ ادائیگی اصل زر ثمن دستبردار ہو جائے مگر وہ انکاری ہیں جس کی بناء پر

دعویٰ ہذا کی ضرورت لاحق ہوئی۔

- (۷) بنائے دعویٰ و مالیت دعویٰ مندرجہ عنوان عرض دعویٰ ہے۔
 (۸) یہ کہ اراضیات متدعو یہ تحصیل دیر میں واقع ہے اس لیے عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے۔ لہذا استدعا ہے کہ ڈگری دخیلا بی یہ نفاذ حق شفعہ یہ ادائیگی اصل زرمن مبلغ ایک لاکھ روپے یا جو بھی قیمت فاضل عدالت ہذا مقرر کرے یہ حق مدعی مع خرچہ صادر فرمایا جائے۔

العراض

مفتاح الدین ولد عبدالملک سابق سپہ سالار سکندریہ (مدعی)
 بیان حلفی :- حلفاً عرض ہے کہ جملہ مراتب بعوض دعویٰ درست ہیں۔

جواب دعویٰ متجانب مدعا علیہم

جناب عالی! جواب دعویٰ ذیل عرض ہے :-

تمہیدی عذرات :-

- (۱) مدعی کو بہ خلاف مدعا علیہ کوئی بنائے دعویٰ حاصل نہ ہے۔
 (۲) دعویٰ مدعی مبہم اور ناقص ہے۔
 (۳) دعویٰ مدعی سازشی ہے اور بدینیتی و ایذا رسانی پر مبنی ہے۔
 (۴) حدودات غلط درج کئے گئے ہیں۔
 (۵) اراضی متدعو یہ مدعا علیہ ۲ و برادر خورد دیہاد رزیب، جو کہ فالج کا مریض تھا کا حقہ رسدی ملکیت تھا، مدعی و دوسرے برادران کے خریدنے سے انکار پر مجبوراً علاج کی غرض سے مسمی متذکرہ پر نزد مدعا علیہ ۱ بعوض مبلغ تین لاکھ ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰ روپیہ) فروخت کی گئی اور یہی اُس وقت اس کی بازاری قیمت تھی۔
 (۶) دعویٰ مدعی بوجہ عدم اشتغال ضروری فریق ناقابل سماعت و قابل اخراج ہے۔
 (۷) مدعی کو بلیغہ کا خوب علم تھا اور بروقت حسب قانون دعویٰ نہ کیا اور اب دعویٰ ہذا بہ ایما عبدالنظام ہر سازش اور ایذا رسانی کی خاطر کیا گیا ہے۔
 (۸) مدعی نے حسب قانون شفعہ پورے نہیں کئے ہیں۔

(۹) مدعی بوجہ قول و فعل میں تضاد کے خود مانع دعویٰ مفلس ہے۔

(۱۰) بوجہ عدم چسپاںگی کورٹ فیس بھی دعویٰ ناقابل پیش رفت و قابل اخراج ہے۔

(۱۱) دعویٰ مدعی از خود ترا اندامی عارض ہے۔

واقعاتی عذرات

(I) فقرہ ۱ جیسا کہ مرتب کردہ ہے غلط اور من گھڑت ہے اور انکار ہے۔ بجواب عرض

ہے کہ اراضی متدعوٰیہ مدعا علیہ ۲ و برادر مستحق بہادر زبیب کی حصہ رسدی ملکیت تھی،

مستحق بہادر ذیہ فالح کا مریض تھا، کے علاج معالجہ کے لیے بعد از اطلاع و خرید

سے مدعی و دیگر برادران کے انکار پر مجبوراً نزد مدعا علیہ ۱۔ بہ عوض مبلغ تین لاکھ

ساتھ ہزار روپیہ (۳۰۰۰۰) فروخت کی گئی، نقل یہ مقامہ لف ہذا ہے۔

(II) فقرہ ۲ غلط، بلا جواز اور جھوٹ پر مبنی ہے اس لیے انکار ہے، الاصلیٰ متدعویہ کی

قیمت اُس وقت -/۳۴۰۰۰ روپے تھی اور یہی اُس وقت اس کی بازاری قیمت تھی۔

(III) فقرہ ۳۲ بھی غلط، خلافتِ قانون و خلافتِ شرع ہے، بیانِ حلقی دریں بارہ لفظ ہے۔

(۱۷) فقرہ مک غلط، خلافِ قانون ہے، مدعی نے حسبِ قانون طلباتِ اسلامی پورے نہیں کئے ہیں۔

(۷) فقرہ ۵ کا یہ تفصیل جواب ذیل عرض ہے :-

(د) جڑھنا غلط اور بلا جواز ہے۔

(ب) جُزْ ہذا بھی غلط ہے، حدودات غلط درج کئے گئے ہیں۔

(ج، جُز رج، بھی غلط اور بلا جواز ہے۔

(د) جُز (د) بھی غلط ہے۔

(۳) مجزور و غلط ہے، مدعی بوجہ تضاد قول و فعل خود مانع عذر ہذا سے۔

(۷۱) فقرہ ۲ غلط، خلاف قانون و خلاف شرع ہے، اس لیے انکار ہے اور مدعی کو کوئی بنائے

دعویٰ حاصل نہیں۔

(vii) متدعوہ کی قیمت لاکھوں روپے ہے۔۔۔۔۔ اور کوٹ فیس دعویٰ مدعی

نا قابلِ سماعت و قابلِ اخراج ہے۔

(viii) فقرہ ۵

فصلہ

اسلامی قانون میں شفعہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کی مشروعیت کسی کے ضرر سے بچنے کے لیے کی گئی ہے۔ اس کا حق صرف تین اشخاص یعنی شریک فی نفس المبیع، شریک فی حق المبیع اور پڑوسی کو حاصل ہے۔

لما قال المرغینانی: الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع كالشرب والطریق ثم للجار۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۸۷ کتاب الشفعة)
(۱) ان تینوں کو تب حق شفعہ حاصل ہوگا کہ علم ہوتے ہی طلب الموائبہ اور ایسے الفاظ کہے جس سے حق شفعہ کا مطالبہ کرنا ظاہر ہوتا ہو، اس طلب پر گواہ بنانا ضروری نہیں تاہم بہتر ضرور ہے۔

لما فی الہدایة: اذا علم الشفیع اشہد فی مجلسہ ذلک علی المطالبة واعلم ان الطلب علی ثلاثة اوجه طلب الموائبة وهو ان يطلبها كما علم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم يطلب شفעתہ بطلت الشفعة۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۹ کتاب الشفعة)
آگے لکھتے ہیں: والاشہاد فیہ لیس بلازم انما نفی التجاہد۔ (الہدایہ ج ۲ ص ۳۹ کتاب الشفعة)
قال العلامة الباری: والاشہاد فی ذلک لیس بشرط۔ العناية شرح الہدایة
وفی شرح المجلة: ویلزم الشفیع ان یقول کلاماً یدل علی طلب الشفعة فی المجلس الذی سمع فیہ عقد البیع فی الحال بقوله انا شفیع المبیع او اطلبہ بالشفعة ویقال لهذا طلب الموائبة۔ (در الاحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۴۸۹ الفصل الثالث)
(۲) طلب الموائبة کے بعد شفیع پر طلب التقریر والاشہاد کرنا ضروری ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع بائع یا مشتری یا مشفوعہ زمین وغیرہ کے پاس اپنا طلب شفعہ ظاہر کرے اگرچہ خط کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، مگر بلا عذر شرعی زیادہ تاخیر کرنا مبطل الشفعہ ہے۔

لما فی شرح المجلة: ومدة هذا الطلب لیس علی الفور کطلب الموائبة بل هی مقدرة بمدة التمكن من الاشهاد وهذا الطلب لا ید منه بعد طلب الموائبة حتی لو تمکّن ولو بکتاب اور سول ولعیشہدا بطلت شفעתہ۔ ۱۰

(شرح المجلة لرستم باز ص ۵۹۱ المادة ۱۰۳)

اس طلب التقریر پر گواہ بنانا ضروری ہے تاکہ خصم کو ٹی بات نہ کر سکے۔

لما فی شرح المجلة، ويجب علی الشفیع بعد طلب المواثبة ان يطلب التقرير وان يشهد بان يقول فی حضور رجلین عند العقار المبیع - (در الحکام شرح مجلة الحکام ج ۲ کتاب الشفعة) ۷۹۵
ورنه در اصل دونوں طلبات میں گواہ بنانا کوئی شرط نہیں۔

لانه قد جرح فی الخانبة والبدائع بان الاشهاد ليس شرطاً فی صحة الطلب المذكور، بل انما تجب الاشهاد للمتکون من الاثبات باقامة الشهود فيما اذا انکر الخصم الذي هو المشتري وقوع طلب التقرير والاشهاد حتى ان الشفیع لو اجرى طلب التقرير بلا اشهاد واقربه المشتري وصدقہ او نکل المشتري عن اليمين المكلف بها فيثبت ويتحقق طلب التقرير۔

در الحکام شرح مجلة الحکام ج ۲ ص ۷۹۵ کتاب الشفعة
(۳) اس سے فراغت کے بعد شفیع پر طلب الخصومة ضروری ہے کہ قاضی یا علاقائی مجسٹریٹ کے پاس شفوعہ کا دعویٰ دائر کرے، لیکن یہ طلب اس وقت ضروری ہے جب مشتری شفیع کو مشفوعہ زمین دینے سے انکاری ہو، اگر مشتری بغیر عدالتی کارروائی کے شفیع کو مشفوعہ شے حوالہ کر دے تو اس طلب کی کوئی ضرورت نہیں۔

كما فی شرح المجلة، ويلزم ان يطلب الشفیع ويدعی فی حضور الحاكم بعد طلب التقرير والاشهاد ويقال لهذا طلب الخصومة والتملك يجب علی الشفیع اذا لم يسلمه المشتري العقار المشفوع بعد طلب التقرير والاشهاد ان يطلب الشفعة ويدعی فی حضور الحاكم۔۔۔۔۔ لو سلم المشتري العقار المشفوع برضائه للشفیع بناء علی شفيعه فلا حاجة لطلب الخصومة بعد - (در الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۷۹۶)
اس طلب میں ایک ماہ سے کم تک بلا عذر تاخیر کرنا جائز ہے جبکہ ایک ماہ تک بلا عذر شرعی تاخیر مبطل شفوعہ ہے اور عذر شرعی کی وجہ سے کوئی تحدید نہیں۔

لما فی شرح المجلة: واخر الشفیع طلب الخصومة بعد طلب التقرير والاشهاد من دون عذر شرعی کونه فی ديار يسقط حق شفيعه - (در الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۸۰۴ م ۱۰۳)
قال الباری: معناه اذا تركها من غير عذر لانهم اجمعوا علی انه اذا ترك بغير عذر او حبس او غير ذلك ولم يمكنه التوكيل بهذا الطلب لا تبطل شفيعه وان طالت المدة - (الغاية شرح الهدایہ)
لہذا مثل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسمی مفتاح الدین ولد عبدالحکیم سابق سپہ سالار دیر

در باب شفعہ جملہ شرعی تقاضے پورے کئے ہیں۔

(۱) زمین کی بیان کردہ حدودات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستی مفتاح الدین ان اراضی میں حق الشرب والطرین کا اشتراک رکھتا ہے اور ساتھ ہی ان اراضی کا جار یعنی پڑوسی بھی ہے، اور یہ تو مذکور بالا تصریحات کی روشنی میں حق شفعہ کے اسباب ہیں۔

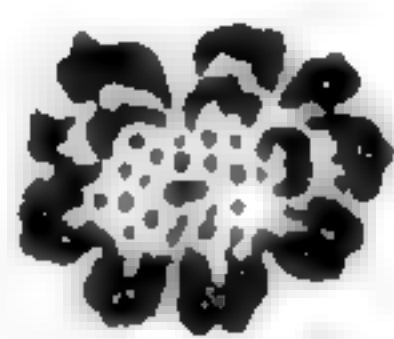
(۲) اور پھر موصوف نے طلب المواثبہ بھی بروقت علم ہوتے ہی کیا ہے اور ساتھ ہی طلب التقریر والاشہاد پر مشفوعہ زمین کے ساتھ کاشتکاران اراضی کے سامنے مستی سے اجیر خان، عباس اور حمید اللہ خان کو گواہ بنا کر حق شفعہ کا اظہار کیا ہے۔ لہذا اگر مدعا علیہ رحمت اللہ خان ان طلبات کا منکر ہو اور مذکورہ گواہان مسی مفتاح الدین ولد عبد المالك مدعی کی اس طلب التقریر کی گواہی دیں تو دعویٰ قابل سماعت ہے۔

(۳) اور طلب الخصومۃ کی دعویٰ میں تاخیر زائد المیعاد نہیں اس لیے کہ ایک ماہ سے کم کی مدت تک بلا غدر شرعی تاخیر کرنا بھی مبطل شفعہ نہیں جبکہ موصوف نے ایک ماہ سے بھی کم مدت کی تاخیر کی ہے اور باہمی اصلاح وغیرہ کے لیے بھی کی گئی ہے جیسا کہ تحریری نوٹس اور علاقائی جرگہ کے بیان تحریری سے معلوم ہوتا ہے۔

(۴) اور ساتھ ہی آپ کا یہ مطالبہ مدعا علیہ مستی رحمت اللہ خان نے علاقائی جرگہ کے سامنے تسلیم کیا ہے اور جرگہ والوں نے فیصلہ بھی مدعی مفتاح الدین کے حق میں کیا ہے جس پر مرسولہ بیان کی تحریر شاہد ہے۔

لہذا ان وجوہات کی بناء پر شریعت اسلامی کی روشنی میں اس اراضی کا حق شفعہ مدعی مستی مفتاح الدین ولد عبد المالك کو حاصل ہے۔

تاہم اگر مدعی علیہ اس بات پر گواہ پیش کر دے کہ مدعی مفتاح الدین ولد عبد المالك کو ان اراضی کی بیع کی اطلاع طلب المواثبہ کی تاریخ سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ اس پر خاموش رہا یا انکار کیا تو پھر مفتاح الدین کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی خاموشی یا انکار سے باطل ہو چکا ہے جیسا کہ ماقبل کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



راضی نامہ کے بعد دعویٰ کرنا اور مدعا علیہ سے قسم لینا | سوال :- غلام رسول، غلام حسین اور بخت رسول تین بھائی ہیں ان

کے مابین کاروباری تنازعہ تھا، مؤرخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۲ء کو ان کے درمیان رُوبرو گواہان یہ فیصلہ بطور راضی نامہ طے پایا کہ آئندہ کے لیے ہم تینوں میں سے جس کے پاس نقد رقم، پنشن اور زر خرید راضی میں سے جس کے نام پر بیع نامہ ہو وہ سب کچھ اسی کا ہوگا اور ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر کسی قسم کا اعتراض یا دعویٰ وغیرہ نہیں کرے گا، راضی نامہ پر تینوں بھائیوں کے علاوہ گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اب راضی نامہ کے آٹھ ماہ بعد بخت رسول نے راضی نامہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے بھائی غلام حسین کے خلاف سول جج کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ غلام حسین کے پاس ہماری مشترکہ رقم اور زر خرید راضی ہے اگر وہ نہیں مانتا تو قسم اٹھائے کہ میرے پاس مشترکہ رقم اور زر خرید راضی نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بخت رسول کا یہ دعویٰ شرعاً درست ہے؟ اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کر کے اپنے بھائی غلام حسین سے حلف لے لے، جبکہ وہ یہ تمام کاروائی صرف اپنے بھائی کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- قانون شرعی کے مطابق جب کسی نزاع کے فیصلہ کا حل درکار ہو تو البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (الحديث) کی رو سے مدعی کے ذمہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہوں کا پیش کرنا لازم ہوتا ہے اور اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو تو مدعی کے مطالبہ پر مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ یہ کاروائی تب صحیح اور درست ہوگی اور اس طریقے پر فیصلہ تب کیا جائے گا جب دعویٰ قابل سماعت ہو۔ صورت مسئلہ میں راضی نامہ کے جملہ کاغذات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت رسول کا اپنے بھائی غلام حسین کے خلاف یہ دعویٰ اس صلح اور راضی نامہ کے بعد کا ہے جو ۱۴ اپریل ۱۹۲۲ء کو گواہوں کے سامنے ہوا تھا اس لیے کہ بخت رسول نے اپنا دعویٰ سول جج کی عدالت میں دائر کیا ہے۔ اس لیے شرعاً اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی مدعی کے لیے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ مدعی علیہ غلام حسین وغیرہ سے بمبین قسم لینے کی، بشرطیکہ مذکورہ صلح نامہ

شرعی قوانین کے مطابق ثابت کیا جائے۔ اس لیے کہ جب کسی نزاع سے متعلق شرعی قواعد و ضوابط کے مطابق فریقین میں ایک بار صلح ہو جائے تو پھر بدون رضا و فریقین کوئی ایک فریق از خود اس کو فسخ (ختم) نہیں کر سکتا۔ لہذا بخت رسول کا راضی نامہ کے بعد غلام حسین پر دعویٰ کرنا شرعاً غیر مسموع اور ناقابل اعتبار ہے اور غلام حسین کو حلف دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی: اذا تم الصلح فليس لواحد من الطرفين فقط الرجوع ويملك المدعى بالصلح بدله ولا يبقى له حق في الدعوى وليس للمدعى عليه ايضاً استرداد بدل الصلح۔

شرح المجلة لخالد اتاسی ج ۴ ص ۵۶۹ المادة ۱۵۵۶ م ۱

مدعی بہ کی مقدار میں غلطی ہو جانا مستقطب دعویٰ نہیں | سوال ۱۔ ایک صاحب نے علاقہ دیر میں قاضی کے سامنے ایک قطعہ زمین

پر دعویٰ کیا جس میں اس نے حدود اربعہ تو صحیح بیان کیا مگر بد قسمتی سے مقدار زمین میں غلطی کر گیا، کاغذات میں وہ زمین پانچ ایکڑ ہے اور مدعی نے دعویٰ میں چار ایکڑ کا ذکر کیا، اس پر قاضی نے اسے جھوٹا قرار دے کر اس کے دعویٰ کو ناقابل سماعت قرار دیا ہے، تو کیا واقعی یہ دعویٰ شرعاً ناقابل سماعت ہے؟

الجواب :- ایسا دعویٰ کرتے وقت مدعی بہ کا حدود اربعہ صحیح بیان کرنا ضروری ہوتا ہے مقدار کا بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی مدعی بوقت دعویٰ مقدار کے بیان کرنے میں غلطی کر جائے اور حدود اربعہ درست بیان کیا ہو تو دعویٰ قابل سماعت ہوتا ہے۔ صورت مسئلہ میں قاضی صاحب نے بلا تحقیق و بلا عذر شرعی دعویٰ کو ناقابل سماعت قرار دیا ہے۔

لما فی مجلة الاحکام : اذا اصاب المدعى في بيان الحدود و اخطا في بيان مقدار ذراع العقار و دونه لا يمنع صحة دعواه۔ (مجلة الاحکام العدلیة۔ المادة ۱۶۲۴)

له قال العلامة سليم رستم ياز: تحت هذه القاعدة! سواء كان الصلح عن اقرار وانكار او سكوت حتى لو ادعى عليه شيئاً فانكر فصالحه على شئ ثم اقر المدعى عليه لايلزمه ما اقر به وكذا لو برهن المدعى بعد صلحه لايقبل لان الصلح عقد لازم ليس لاحد هما نقضه انم (شرح مجلة الاحکام سليم رستم ياز ص ۸۲۵ الباب الرابع)

دعویٰ ہبہ کے لیے معتبر شہادت ضروری ہے | سوال :- زید کا ایک قطعہ اراضی پر قبضہ اور تصرف ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین مجھے بکر کے بیٹے کی تھی، جبکہ بکر کے بیٹے کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین میرے والد کی میراث ہے لہذا یہ میراث حق ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً یہ زمین کس کا حق ہے؟

الجواب :- اگر زید اپنا دعویٰ ہبہ معتبر شہادت سے ثابت کر دے تو یہ زمین اس کا حق ہے ورنہ بکر کے بیٹے کو حلف علی العلم دیا جائے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسي: سئلت في رجل ادعى على آخر عقاراً انه ملكه تلقاه بالارت من ابيه فاجابه المدعى عليه بانى اشتريته من ابيك حال حياته وانه في حوزي وتصرف في مدة تزيد على خمسين سنة مع حضورك و علمك وسكونك بلا عذر شرعي هل يكون جواب المدعى عليه من باب الاقرار بالتلقي من ابيه فيحتاج الى بيينة تشهد له بالشراء ولا ينفعه وضع اليد والتصرف المدة المذكورة ولا تكون الحادثة من قبيل ما مضى عليه خمس عشرة سنة فاجبت نعم جواب المدعى عليه من قبيل دعوى التلقي من مورث المدعى ودعوى التلقي من مورثه اقرار له بالملك ثم دعواه الانتقال اليه منه تحتاج الى بيينة لان كل مدع يحتاج الى البيينة ولا ينفعه اليد المدة المذكورة مع الاقرار المذكور وليس هذا من باب ترك الدعوى بل من باب المواخذه بالاقرار ومن اقر بشئ لغيره اخذ باقراره ولو كان في يده احقاباً كثيرة لا تعد افاده المحقق الرملي في فتاوى الخيرية - والله تعالى اعلم - (فتاوى كامليہ ص ۲۳ کتاب الدعوی) لہ

الحق لا يسقط بتقادم الزمان كما مطلب | سوال :- ایک شخص نے آج ۳۶ سال پہلے کچھ زمین اپنے بیٹوں کے نام منتقل کی اور وہ اس میں مالکانہ تصرفات کرتے رہے، اب اس کی وفات کے بعد دیگر ورثاء ہتھاری کا

لہ قال العلامة سليم رستم باز: اذا اراد الرجل ان يحلف على فعل نفسه يحلف على البينات يعنى يحلف على القطع بان هذا الشئ كذا وليس يكذاً اما اذا اراد ان يحلف على فعل غيره يحلف على عدم العلم يعنى يحلف على عدم علمه بذلك الشئ. (شرح المجلد من المادة ۴۸ ص ۱۷۸)

دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ فتاویٰ انقرویہ جلد ۲ ص ۵۸ میں ہے کہ :-
وفي المبسوط ما جعل ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولو يكن له مانع من الدعوى
ثم ادعى له لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن عليه يدل على عدم الحق ظاهر انتهى
جناب مفتی صاحب! مسئلہ لفظ کا شریعت مقدسہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- شرح المجلد میں ہے کہ : اذا ترك المورث الدعوى مدة وتركها الوارث
ايضاً مدة وبلغ مجموع المدين حد مرور الزمان فلا تسمع۔ (ج ۵ ص ۱۸۷ المادة ۱۶۷)
اس سے معلوم ہوا کہ مورث اور اس کے وارث نے جب اپنا دعویٰ ۳۶ سال تک چھوڑا ہو اور
کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو تو ایسا دعویٰ ناقابل سماعت ہے، البتہ جب مدعی علیہ یہ ماننا ہو کہ مدعی کا
حق وارث ہمارے ذمہ باقی ہے تو پھر سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود بھی دعویٰ مسموع ہوگا اور
حق دینا ہوگا، اور یہی معنی ہے فقہاء کے اس قول کا کہ الحق لا يسقط بتقادم الزمان ۔

سوال :- ایک آدمی ایک قطعہ اراضی پر ۵۰ سال یا اس
دعویٰ کب تک قابل سماعت ہے | سے زیادہ عرصہ سے قابض اور اس میں مالکانہ تصرفات

کرتا چلا آ رہا ہے، اب ایک دوسرا شخص اس قطعہ زمین پر وارث کا دعویٰ کرتا ہے، تو کیا شرعاً اس
شخص کا یہ دعویٰ قابل سماعت ہے یا نہیں؟ اور کیا اس تاخیر سے اس شخص کا استحقاق باطل ہو جاتا
ہے یا نہیں؟

الجواب :- سماع دعویٰ کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اتنی تاخیر نہ ہوئی جو ۳۶ سال
تک پہنچتی ہو، اسی طرح مدعی علیہ کسی طرح مقرب بھی نہ ہو اور نہ ہی مدعی اس مدت میں غائب، بچہ
اور پاگل بغیر ولی کے ہو۔ اور اگر دعویٰ کرنے میں ۳۶ سال یا اس سے زیادہ مدت گزر جائے،
اسی طرح دیگر شرائط بھی قبول دعویٰ کی مفقود ہوں تو دعویٰ قابل سماعت نہ رہے گا۔ اس لیے
صورت مسئلہ میں بھی اس دوسرے شخص کا ۵۰ سال یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد دعویٰ وارث

لہ لما فی مجلة الاحکام، لا يسقط الحق بتقادم الزمان فاذا اقر المدعى عليه واعترف
صراحة في حضور الحاكم بان حق المدعى عنده في الحال على الوجه الذي يدعيه وكان
قد مر الزمان على الدعوى فلا يعتبر مرور الزمان ويحكم بموجب اقرار المدعى
عليه۔ (شرح المجلد ۹۹۶ المادة ۱۶۷۴)

قابل سماعت نہیں، تاہم مرو زمانہ کی وجہ سے استحقاق باطل نہیں ہوتا، کیونکہ الحق لایسقط
بتقادم الزمان۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ، قال المتأخرون من اهل الفتوى لا تسمع الدعوى
بعد ست وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لهما
ولي او المدعى عليه اميراً جابداً۔ (شرح المجلة ج ۵ ص ۱۶۶۳ المادة ۱۶۶۳)

اذا ترك المورث الدعوى مدة يتركها الوارث ايضاً مدة وبلغ
مجموع المديتين حد مرور الزمان فلا تسمع۔ (شرح المجلة ص ۱۸۵ المادة ۱۶۶۰) لہ

پاگل کے دعویٰ کا حکم | سوال :- ایک پاگل نے کسی شخص کی شہادت اور ایما پر گواہوں کے ایک معزز
اور شریف آدمی پر دس ہزار روپے کا دعویٰ کر دیا جبکہ اس پاگل کے پاس

لتنے پیسے بھی نہیں کہ وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے، تو کیا اس کا یہ دعویٰ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- قوانین شرع کے تحت وہ دعویٰ قابل سماعت اور صحیح ہوتا ہے جو عاقل

بالغ آدمی کسی پر دائر کرے۔ اور اگر مدعی عاقل بالغ نہ ہو تو شرعاً اس کا دعویٰ غیر مسموع

اور غیر صحیح ہوتا ہے۔ لہذا بشرط صحت سوال اگر تو اس پاگل شخص نے بلا کسی تحریک کے

تو دعویٰ کیا ہو اور اس کا کوئی ولی اس کی ولایت کر کے دعویٰ کی پیروی نہیں کرتا ہو تو شرعاً

یہ دعویٰ ناقابل سماعت اور صحیح نہیں ہے۔

لما في مجلة الاحكام، يشترط ان يكون المدعى والمدعى عليه عاقلين

فدعوى المجنون والصبي غير المميز ليست بصحيحة ولكن ان يكون

اولياؤهما وأوصياؤهما مدعين أو مدعى عليهم في محلها۔

{ شرح المجلة لخالد اتاسی ج ۵ ص ۱۸۵ }
{ الباب الاوّل في شروط الدعوى }

لہ قال العلامة ابن عابدین: اذا ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولم يكن مانع

من ترك الدعوى الخ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۲۲ مطلب اذا ترك

الدعوى ثلاثة وثلاثين سنة لا تسمع)

ومثله في فتاوى كالمية ص ۱۱ کتاب الدعوى۔

نابالغ بیٹے کی جگہ باپ کو قسم دینے کا حکم | سوال :- زید نے بکر پر چوری کا دعویٰ کیا جبکہ بکر چوری سے انکار کرتا ہے اور قسم کھانے کے لیے تیار ہے مگر وہ نابالغ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ پر شرعاً قسم آسکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو پھر اس کا والد اس کی جگہ قسم کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دونوں پر قسم نہیں آتی تو کیا پھر مدعی قسم کھا سکتا ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں اگر مدعی (زید) کے پاس اثبات دعویٰ کے لیے گواہ نہ ہوں تو پھر بکر ہی کو حلف و قسم دیا جائے گا اس کے باپ کو نہیں، اس لیے کہ قسم کھانے کے لیے بلوغ شرط نہیں اور نہ ہی مدعی کا قسم کھانا شرعاً معتبر ہے۔

قال العلامة علی حیدر: (تحلیف الصبی) اذا كان المدعی علیہ صبیاً وكان غیبر ماذون له، یتوجه علیہ الیمین فاذا وجهه ولكل فلا یحکم علیہ بل یجب تحلیفه بعد البلوغ اما اذا كان ماذوناً فیتوجه الیمین علیہ عند بعض الفقهاء ویحکم بیمنه وبنکوله عن الیمین وهذا هو المفتی به الخ - (رد المحتار ج ۳ شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۲۸۹ الباب الثالث فی بیان التحلیف) لے

مصالحات کے بعد ارث کا دعویٰ کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے والد صاحب نے اپنی جین حیات میں ہی جائیداد کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا تھا کہ میرا آبا د گھر میرے تین بیٹوں یعنی حبیب خان، قادر خان، افضل خان کا ہے اور سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) رقبہ تعدادی ایک کنال ۹ مرے دوسرے دو بیٹوں (غلام خان، محمد طفیل) کو دے دیا اور اس کے ساتھ شرط بھی لگائی کہ مستی غلام خان اپنے چھوٹے بھائی محمد طفیل کو دو کمروں کا گھر بنا کر دینے اور اس کی شادی کرنے کے بعد بقیہ ڈاگہ ریلٹ کا مالک ہوگا والد صاحب کی وفات کے بعد غلام خان نے اپنے بھائی محمد طفیل کو دو کمروں کی بجائے تین کمروں کا گھر بنا کر دیا اور اس کی شادی بھی کر دی، بعد ازاں والدہ صاحبہ اور جملہ بھائیوں نے مشترکہ فیصلہ بھی کر دیا جسے سب نے قبول کیا جس کا اسٹامپ لٹ ہذا ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں،

لے وفي الهندية: الصبی الماذون یحلف كالبالغ وبه ناخذ - (الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۲۵)

کتاب الدعوی - الباب الثالث فی الیمین وفيه ثلاثة فصول (

مگر اس فیصلہ کے بعد بھائیوں نے انکار کر دیا اور پھر علاقائی جرگہ نے دوبارہ فیصلہ کیا جس پر سب بھائیوں نے رضامندی ظاہر کر دی جس کا تحریری ثبوت بھی لف ہڈ ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود تینوں بھائیوں (حبیب خان، قادر خان، افضل خان) نے پھر اس سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) پر دعویٰ ارث کر دیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیان مذکورہ کی روشنی میں تینوں بھائیوں کا دعویٰ ارث صحیح یا نہیں؟ شریعت اسلامی کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- مذکورہ بالا بیان اور ملفوف اسٹامپ سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے اپنی زندگی میں بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم کا جو فیصلہ کیا تھا اس وقت سب بھائی اس فیصلہ پر رضامند تھے اور بعد ازاں علاقائی جرگہ کا فیصلہ قبول کر کے آپس میں سب بھائی صلح بھی کر چکے ہیں، لہذا مصالحت کے بعد کسی بھی وارث کو اپنی صلح سے رجوع کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے مذکورہ سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) میں محمد طفیل کا گھر بن جانے کے بعد باقی حقہ صرف مستحق غلام خان کا ہے اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی وارث اس میں شراکت کا دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ یہ قطعہ زمین غلام خان کی ملکیت متصور ہوگا۔

لما فی مجلۃ الاحکام تحت المادة ۱۵۵۶: اذا تم الصلح فلیس لواحد فقط من الفریقین الرجوع عنه۔ قال الشیخ سلیم رستم بازمتتہ سوادکان الصلح عن اقرار او انکار او سکوت حتی لو ادعی علیہ شیئاً فانکر فصالحہ علی شئ ثم اقر المدعی علیہ لایلتزم ما اقربہ وکذا لو برهن المدعی بعد صلحہ لایقبل لان الصلح عقد لازم لیس لاحد ما نقضہ۔ (شرح المجلد ۸۲۵) الباب الرابع فی احکام الصلح م

دعویٰ کے ثبوت کے لیے شرعی ضابطہ | سوال: زید سے عمرو نے چوری کی ہے، اب زید عمرو پر دعویٰ مقدمہ کرنا چاہتا ہے تو اس

لہ وفق الہندیۃ: وقوع الملاك فی البذل وثبوت الملك فی المصالح عنه ان كان مما یحتمل التملیک كالمال ووقوع البراءة عنه للمدعی علیہ ان كان لا یحتمل التملیک كالقصاص هذا اذا كان الصلح علی الاقرار الخ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۲۹ کتاب الصلح م)

کے لیے اُسے کیا کرنا چاہیے؟ اور اگر زید شرعی تقاضوں کے مطابق عمرو کو چور ثابت کر دے تو جتنا مال اس کا چوری ہوا ہے اس سے زیادہ عمرو سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- دعویٰ کے اثبات کے لیے شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مدعی (دعویٰ کرنے والا) قاضی کے سامنے معتبر شہادت پیش کرے اور مدعی علیہ (منکر) کے ذمہ حلف یعنی قسم کھانا لازم ہے، مگر یہ تب ہے جب مدعی گواہ پیش نہ کر سکے اور وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے۔ حدیث میں ہے: **البينة على المدعي واليمين على من انكر** (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۲ کتاب الاقضية) اور فعل النفي پر قسم کرنے کی صورت میں قسم علی العلم کی جائے گی۔ اور شہادت یا نکل یعنی قسم کھانے سے انکار کی صورت میں مدعی کے لیے صرف وہ چیز ثابت ہوگی جس کا وہ عویدار ہے اس سے زائد مال لینا اس کے لیے شرعاً درست نہیں۔

سوال:- جناب مفتی صاحب! بیٹہ تام کے بعد دعویٰ ارث قابل سماعت ہے

ہماری والدہ صاحبہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جملہ ترکہ اپنے ایک بیٹے کے نام کر دیا تھا جس کے گواہان اور سرکاری اسٹامپ لفت ہذا ہے تو اب ان کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بیٹے والدہ کے ترکہ میں اپنے حصہ کے عویدار ہیں، تو کیا ان کا دعویٰ ارث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- ہر شخص کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حیات میں ہی اپنی جائیداد وغیرہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو تملیکاً ہیہ کر سکتا ہے، اس کی وفات کے بعد اس تملیک شدہ جائیداد میں کسی بھی وارث کا دعویٰ ارث قابل سماعت نہیں، صورتِ مسئلہ میں جب آپ کی والدہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی جملہ جائیداد ایک بیٹے کو تملیکاً دے دی ہے اور اس پر مرقعہ قانون کے مطابق تحریر اور گواہ بھی موجود ہیں تو اب ان کی وفات کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق باقی نہیں رہا۔

لما فی الہندیۃ: رجل وهب فی صحته کل المال للولد جاسر

لے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۷ باب الاقضية والشهادات الفصل الثانی)

فی القضاء ویكون آثماً فیما صنع۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۳ ص ۳۹ کتاب الہیتہ) لہ
تنازعہ تقسیم ترکہ میراث الحاج نواب خان مرحوم، پلوسی، پشاور | بیان مدعی | ہم نے اپنے حق میں

ایک عدد وصیت نامہ، سبب نامہ منسلک کیا ہے اور اس کے ساتھ پورا بیان بھی دیا ہے، لہذا
 میں اپنے بیان میں مزید یہ شامل کرنا چاہتا ہوں کہ:-

(۱) یہ زمین خریدتے وقت میرے بھائی عالم زیب کی عمر ۹ سال تھی، زمین ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء
 کو خریدی گئی اور عالم زیب کی تاریخ پیدائش ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء ہے، لہذا اس سے میرا بڑا
 بھائی ۴، ۵ سال بڑا ہوگا، دونوں بھائی زمین خریدتے وقت بغیر کمائی کے تھے اور سکول
 میں پڑھتے تھے جس کا ثبوت بھی منسلک ہے۔

(۲) یہ کہ آٹا مشین میری والدہ صاحبہ کی ہے جو کہ والدہ صاحبہ نے انہیں حق مہر میں دی تھی،
 لیکن اس کا ذکر پہلے والے بیان میں نہیں کیا گیا ہے کیونکہ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ تنازعہ صرف اور
 صرف خریدی گئی زمین تک محدود ہے۔

(۳) مزید کوئی ثبوت یا گواہ میرے بیان کے بارے میں درکار ہوں تو آپ کے کہنے پر
 پیش کر دوں گا۔

(۴) کوئی بھی فیصلہ جرگے کے ممبران جناب سعید جان صاحب اور عبد الحمید کا صاحب کا
 دستخط شدہ ہو میں قبول کروں گا۔

میں اپنی والدہ صاحبہ اور چھوٹے بہن بھائیوں اور اپنی طرف اقرارناموں کہ جو کوئی فیصلہ شریعت
 کی رو سے ہوگا مجھے قابل قبول ہوگا۔ (عطاء الرحمن ولد حاجی نواب خان

ساکن پلوسی، پشاور)

بیان مدعی علیہ! ہم دونوں بھائی عالم زیب و اوزنگریب پسران حاجی

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: رجل وھب فی صحته کل المال
 للولد جاز فی القضاء ویكون آثماً فیما صنع۔

{ الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۷۹ }
 { فصل فی ہبۃ الوالد للولد الخ }

نواب خان مرحوم ساکنان بلوچی ضلع پشاور یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے والد محترم نے ۱۹۶۷ء میں تہکال I نزد تاج آباد میں واقع ۲۲ کنال ۱/۲ مرلہ زمین اپنے نقد پیسوں سے خریدی تھی۔ والد محترم نے ارضی مذکورہ کا یہ حقہ مساوی انتقال کچھ اس طرح کرایا کہ ۱۔ حاجی نواب خان ولد سر بلند کا حقہ ۷ کنال ۱/۲ مرلے ۲۔ عالم زیب ولد حاجی نواب خان کا حقہ ۷ کنال ۹ مرلے ۳۔ اورنگ زیب ولد حاجی نواب خان ۷ کنال ۹ مرلے کے باقیہ مالکان ہیں۔ زمین کے انتقال کے وقت ہماری دوستی بہنیں، سوتیلی والدہ اور دوستیلی بہنیں موجود تھیں اس کے بعد ۳۱ سال والد صاحب زندہ رہے اور اس عرصہ میں ہماری سوتیلی والدہ سے سات بھائی اور چار بہنیں پیدا ہوئے۔ یعنی کل سات بھائی اور چھ بہنیں (بعد ازاں ہمارے والد صاحب نے کچھ اور زمین خریدی جس کا انتقال ورجسٹری وغیرہ انہوں نے اپنے نام پر کرایا ہے۔

ہمارے نانا محترم نے ہماری والدہ صاحبہ کو کچھ زمین دی تھی جس پر والد صاحب نے آبادی کر کے وہاں آٹا پیسنے کی مشین لگائی جو کہ ہم دو بھائیوں اور دو بہنوں کی ملکیت ہے۔ مندرجہ بالا بیان کے مطابق ہمارے سوتیلے بہن بھائیوں کے حقے کے بارے میں شرعی حکم صادر فرمایا جائے۔

(نوٹ) اس سے پہلے بیان میں ہم اپنے والد صاحب کی جائیداد اور مکانات کے بارے میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔

اورنگ زیب ————— عالم زیب

(۱) فریقہ اولیٰ : عالم زیب خان و اورنگ زیب خان پسران
فیصلہ شرعیہ حاجی نواب خان

(۲) فریقہ ثانی : عطاء الرحمن مع برادران پسران حاجی نواب خان۔

۱۔ فریقین کے بیان کے مطابق حاجی نواب خان مرحوم نے ۱۹۶۷ء میں تاج آباد تہکال پشاور میں ۲۲ کنال ۱/۲ مرلے زمین خریدی اس میں سے ۷ کنال ۱/۲ زمین حاجی نواب خان نے اپنے نام انتقال کر لی اور ۷ کنال ۹ مرلہ زمین اپنے پسر عالم زیب خان ولد حاجی نواب خان کے نام انتقال کر دی اور ۷ کنال ۹ مرلہ زمین اپنے پسر اورنگ زیب خان ولد حاجی نواب خان کے نام انتقال کر دی۔

چونکہ حاجی نواب خان نے خرید کردہ زمین سے ۴۸ کنال ۱۸ مرے اپنے دونوں بیٹوں کے نام انکی صغرسنی میں مالکانہ حقوق کے ساتھ انتقال کرا دی ہے لہذا اب اس کے یہ دونوں بیٹے (اوزنگزیب خان، عالم زیب خان) اس انتقال شدہ زمین کے باقاعدہ مالکان ہیں اور انتقال شدہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی، اس لیے کہ صغرسنی میں شے موہوبہ پر صغیر کا قبضہ ضروری نہیں ہے، باپ کے قبضہ ہی سے ہبہ تام ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل عطاء الرحمن و برادران نے اپنے باپ حاجی نواب خان کا جو خط پیش کیا ہے شریعت کی رو سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۱) لما فی الفتاویٰ الخیریۃ علیٰ ہامش العقود الدریۃ ج ۲ ص ۱۶۔
(۲) اس لیے کہ اس خط کے ثبوت میں گواہان نہیں ہیں۔

(۳) یہ پیش کردہ خط وصیت نامہ ہے، اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میری جائیداد مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم ہو، اور شرعی اعتبار سے اپنے وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں، ولائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) قال العلامة قاضی خان، رجل وھب فی صحۃ کل المال للولد جاز فی القضاء ویكون اثماً فیما صنع، رجل قال جعلت هذا للودی فلان کانت هبة، رجل وھب لابنہ الصغیر داراً وھی مشغولة بمتاع الاب۔ قال ابونصر جاز ولا یحتاج الی التفریغ لانھا مشغولة بمتاع القابض وھو الاب۔ رقتاوی قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الہبۃ۔ فصل فی ہبۃ الوالد للولد والہبۃ للصغیر

(۲) قال العلامة الزلیحی: وھبۃ الاب لطفلة تنسم بالعقد لانه فی قبض الاب ینوب عن قبض الصغیر لانه ولیہ۔ (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۹۵ کتاب الہبۃ)

(۳) لما فی الہندیۃ: رجل اتخذ لولده او لتلمیذہ شیئاً ثم اراد ان یدفع الی ولده الآخر او لتلمیذہ الاخر لیس له ذلک الا اذا بین وقت الاتخاذ انها عاریۃ۔

رافتاوی الہندیۃ ج ۴ ص ۳۹۲ کتاب الہبۃ۔ الباب السادس فی الہبۃ للصغیر

(۴) قال العلامة الزلیحی: قال وانما یصح الرجوع بتراضیہما او بحکم الحاكم لأن ملک الموهوب له ثابت فی العین فلا یخرج عن ملکہ الا بالرضاء او بالقضاء۔

(تبیین الحقائق ج ۵ ص ۱۰ کتاب الہبۃ)

(۵) قال العلامة ابن نجيم: وكتبنا في القضاء من القوائد انه يعمل بد فترا لبيع
 والتسار والصياغ فالخط فيه حجة۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۱۲۵)
 (۶) قال العلامة قاضي خان: رجل كتب صك وصية وقال للشهود اشهدوا بما
 فيه ولم يقرأ وصيته عليهم قال علماءنا لا يجوز للشهود ان يشهدوا بما فيه
 وقال بعضهم وسعهم ان يشهدوا والصحيح انه لا يسعهم ان يشهدوا۔
 رقتاوی قاضیخان علی هامش الہندیۃ ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الشہادات، فصل فی الشاہد
 یشہد بعد ما اخبر بزوال الحق

(۷) قال العلامة فخرالدين الزيلعي: واما الثالث فلقوله عليه الصلوة والسلام:
 ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث۔

(تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۸۲ کتاب الوصایا)

(۸) قال العلامة برهان الدين المرغینانی: ولا تجوز لوارثه لقوله عليه
 السلام ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه الا ولا وصية لوارث۔

(الہدایۃ ج ۴ ص ۶۵ کتاب الوصایا، باب فی صفة الوصیۃ الخ)

(۲) حق مہر (۳) آٹا مشین

جناب الحاج نواب خان مرحوم نے مسماة حسن آرید دختر اول خان سے عقد نکاح کرتے وقت
 حق مہر میں جو ایک عدد رہائشی مکان اور ایک آٹا مشین مسمی کیا ہے اس کی ادائیگی نواب خان
 مرحوم پر لازم ہے، اگر انہوں نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا ہو تو اب اس کے مجملہ ترکہ
 سے ادا کیا جائے گا، حق مہر ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔ تاہم
 عالم زیب اور اورنگ زیب جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آٹا مشین کی زمین ہمارے نانا محترم
 نے ہماری والدہ صاحبہ کو دی ہے، اس پر آبادی اور آٹا مشین ہمارے والد صاحب نے
 بنائی ہے، اگر انہوں نے اس دعویٰ کا صحیح ثبوت شرکاء جرگہ کے سامنے پیش کیا ہو تو شرکاء
 جرگہ صرف اس زمین کی قیمت طے کریں، پھر اگر اورنگ زیب و عالم زیب اس زمین کی قیمت
 لینے پر راضی ہوں تو نواب خان مرحوم کے کل ترکہ سے زمین کی قیمت منہا کر کے ان کے
 حوالہ کر دیں اور آٹا مشین مع زمین حاجی نواب خان کو حق مہر میں دے دیں، اور اگر عالم زیب
 اور اورنگ زیب زمین کی قیمت لینے پر راضی نہ ہوں تو اس زمین کو بمالی کر دیں، کیونکہ یہ انکی

سوتیلی والدہ کا حق ہے، اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کا حق اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کے حوالے کر دے۔ لیکن جب اورنگزیب، عالم زیب کی والدہ اپنے شوہر سے پہلے فوت ہوئی ہے تو اس کی ملکیت میں چاہے آٹا مشین کی زمین ہو یا دیگر اشیاء، ان میں ۴/۸ حصہ اس کے شوہر نواب خان کو بھی میراث میں ملے گا اور باقی ۳/۴ حصے اس کی اولاد (عالم زیب وغیرہ) کو میراث میں ملیں گے، اب چونکہ شوہر بھی فوت ہو چکا ہے اس لیے اس ۴/۸ حصہ میں بھی (جو کہ بیوی کی طرف سے اس کو میراث میں ملا ہے) نواب خان کے جملہ ورثاء (عالم زیب اور اس کے سگے بہن بھائی مع سوتیلی والدہ و سوتیلی بہن بھائی) شریک ہونگے، اور اگر مدعی معتبر شہادت سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو مدعی علیہ (منکر) کو حلف و قسم دیا جائے گا۔ البیتۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ (مشکوٰۃ ۳۲۴ باب القفینۃ والشہادات) حوالہ حسب ذیل ہے :-

لما فی الہندیۃ : و اذا تزوجھا علی هذا العبد و هو ملک الغیر او علی هذه الذار
وہی ملک الغیر فانکاح جائز و التسمیۃ صحیحۃ فبعد ذلك ینظر ان اجاز
صاحب الدار و صاحب العبد ذلك فلہا عین المسمی وان لم یجز المستحق لا یبطل
النکاح ولا التسمیۃ حتی لا یجب مہر المثل وانما یجب قیمۃ المسمی کذا فی المہیط۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۱۲ کتاب النکاح۔ الباب السابع فی المہر)
وقال ایضاً : و لو تزوجھا علی شیء بعینہ و ہلک قبل التسلیم او استحق فان
کان ذلك من ذوات الامثال رجعت علی الزوج بالمثل و الا فبالقیمۃ کذا فی المہیط۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۱ الباب السابع فی المہر۔ الفصل التاسع)

(۴) تقسیم ترکہ میراث

صغریٰ میں عالم زیب و اورنگزیب کے نام ماکانہ طور پر انتقال شدہ زمین اور نواب خان مرحوم کی بیوی کے حق مہر کے علاوہ نواب خان مرحوم کی ملکیت میں جتنا اثاثہ ہو، منقولہ ہو یا غیر منقولہ جائیداد، سب ورثاء اس میں شریک ہوں گے اور تقسیم میراث اس طرح ہوگی کہ سارے ترکہ میراث میں ۸/۸ حصہ اس کی بیوہ کو ملے گا اور باقی سات حصے نواب خان مرحوم کی دونوں بیویوں کی تمام اولاد میں بایں طور تقسیم ہوگی کہ ہر ایک بھائی کو دو حصے اور ہر ایک بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

ارشاد ربانی ہے، اِيُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَوَّلَادِكُمْ لِلَّذِيْكُمْ مِّثْلُ حَقِّ الْاُنْثَيَيْنِ -
(سورة النساء آیت ۱۲)

وفي الهندية: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون والبنات
فيكون للابن مثل حظ الانثيين - (الفتاوى الهندية ج ۶ کتاب القرائن، الباب الثاني)

فیصلہ شرعی مابین سید یوسف شاہ و سلطان شاہ پسران حیات شاہ

فریقہ اولیٰ: سید یوسف شاہ ولد حیات شاہ ساکن بلند کوٹ، بٹگرام، مانسہرہ
فریقہ ثانیہ: سید سلطان شاہ ولد حیات شاہ ساکن بلند کوٹ، بٹگرام، مانسہرہ
نمائندہ فریقہ اولیٰ: گل علی شاہ ولد سید یوسف شاہ
نمائندہ فریقہ ثانیہ: سید فرمان شاہ ولد سید سلطان شاہ
مندرجہ بالا فریقین کا بیان ان کے نمائندوں کے واسطے سے کیا گیا، دونوں نمائندوں کے
بیانات سے چند امور سامنے آئے :-

(۱) فریقین کے بیانات سے اتفاق طور پر واضح ہوتا ہے کہ حیات شاہ کی بیٹیوں کو اس کی جائیداد
سے محروم رکھا گیا ہے، جائیداد کی تقسیم صرف اسکے بیٹیوں تک محدود رکھی گئی، والد کے اپنے
تصرفات یا بعد کے ورثاء کے عملی اقدامات سے بیٹیوں کا کوئی تذکرہ فریقین نہیں کرتے
بلکہ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

(۲) فریق اولیٰ سید یوسف شاہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے والد نے حیات میں جائیداد
تقسیم کی تھی اس میں دیگر حصص کے علاوہ خسرو ۸۰۰ جو کہ "ارتل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے
جس کا رقبہ اسی کنال آٹھ مرلہ ہے، یہ سید یوسف شاہ کو دی گئی ہے جو کہ ۱۹۶۶ء/۱۹۶۷ء
کی بندوبست اراضی میں بحال رکھی گئی ہے۔ فریق مذکورہ کے بیان کی رو سے سلطان شاہ
نے یہ زمین اپنے نام منتقل کرائی ہے جس کے خلاف یوسف شاہ نے عدالت سے درخواست
کی لیکن اس دوران شاد علی خان نے دونوں میں مصالحت کرادی۔

(۳) فریق اولیٰ مصالحت میں ایک ہزار روپے نقد دینے کا تذکرہ کرتا ہے جو کہ فریق ثانی نے
یرضا و رغبت وصول کیے ہیں اور بطور سند تحریری سٹامپ پیش کرتے ہیں۔

(۴) فریق ثانی سلطان شاہ کا بیان ہے کہ حیات شاہ نے اپنی زندگی میں زمین اپنے بیٹیوں کے

درمیان تقسیم کی تھی، تاہم اس میں اچھی اور کمزور زمین کی رعایت کرتے ہوئے ایک بیٹے کو اچھی زمین کم اور دوسرے کو بیکار زمین زیادہ دی تھی۔ فریق اول سید یوسف شاہ نے سازبانہ کر کے خسرہ ۸۰۷ کا بوجس طریقے سے اپنے نام انتقال کرایا ہے جو کہ عدالت نے میری درخواست پر میرے حق میں بحال کر دیا ہے۔

(۵) فریق ثانی کا دفاعی بیان ہے کہ سلطان شاہ نے سید یوسف شاہ کے ساتھ جو مصالحت کی ہے وہ نافذ نہیں کیونکہ سلطان شاہ نے اپنی تمام جائیداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور جس جائیداد سے سلطان شاہ نے مصالحت کی ہے یہ اس کی اپنی نہیں بلکہ اس کے بیٹوں کی جائیداد ہے، یہی وجہ ہے کہ سلطان شاہ نے ایک ہزار روپے فریق اول کو واپس کر کے مصالحت کا عدم کر دی ہے۔

نتیجہ بیانات | ان نکات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریقین کسی نہ کسی طریقے سے اقدام کی تائید کے مترادف ہے، اگر والد نے دیدہ دانستہ طور پر اپنی جائیداد بیٹوں کے نام منتقل کر کے بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھا ہو تو یہ ایک ناجائز اور حرام حرکت ہے، اگرچہ قصاً یہ اقدامات نافذ ہوتے ہیں لیکن عند اللہ اس جرم سے خلاصی اور نجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ ثناء مورث کے فراغت ذمہ کے لیے ہر صاحب حق کو اس کے حق کی ادائیگی کریں ورنہ حقوق العباد کی حق تلفی سے انسان کا عذاب الہی میں گرفتار ہونا یقینی امر ہے۔ تاہم والد کے تصرفات قصاً نافذ نہیں گئے۔ ر الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۱۲۹

اصل دعویٰ کے بارے میں شرعی فیصلہ | جہاں تک متنازعہ جائیداد کے بارے میں شرعی فیصلہ | میں فریقین کے بیانات کا تعلق ہے تو واضح رہنا چاہیے کہ سرکاری کاغذات میں اس کا محض انتقال و رجسٹری ہونا شرعاً نہ کسی کس ملکیت کی دلیل ہے اور نہ اس پر حق ملکیت موقوف ہے، اس لیے حیات شاہ کے اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرفات کے نفاذ کے لیے سرکاری کاغذات میں انتقال ضروری نہیں، جو باقاعدہ گواہان سے ثابت ہو جائے اس کو اعتبار دیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک بعد از ان یوسف شاہ اور سلطان شاہ میں متنازعہ کا مسئلہ ہے اور پھر اس میں مصالحت بھی ہوئی ہے تو اس کا ثبوت باقاعدہ اقرار یا عادل گواہان کی گواہی پر موقوف ہے، اس لیے اگر سلطان شاہ کی رضا و رغبت سے

مصالحات ایک دفعہ ثابت ہو جائے تو باقاعدہ تسلیم کر لینے کے بعد خود سلطان شاہ اور نہ اس کے ورثاء اس سے انکار کر سکتے ہیں، لیکن اس مصالحت کے نفاذ کے لیے یہ ضروری ہے کہ سلطان شاہ جس جائیداد پر مصالحت کر رہا ہے یہ اس کی اپنی ملکیت میں ہو ورنہ اگر اس نے واقعی یہ جائیداد اپنے بیٹوں میں تقسیم کر کے باقاعدہ قبضہ دے کر ہبہ کیا ہو تو پھر قبضہ سے ہبہ تمام ہوگا جس جائیداد پر سلطان شاہ کی ملکیت باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی جائیداد پر مصالحت نہیں کر سکتا اور نہ کسی دوسرے کو اس کی جائیداد دے سکتا ہے اگرچہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہوں۔ تاہم مصالحت کرتے وقت مذکورہ جائیداد کا سلطان شاہ کی ملکیت میں ہونے کے ثبوت کے لیے باقاعدہ گواہان کی گواہی ضروری ہے ورنہ فریقِ ثانی کو اس پر قسم دی جائے گی اگر فریقِ اول سلطان شاہ کی ملکیت پر گواہ قائم کرے تو پھر مصالحت قائم رہے گی جس کی پابندی دونوں کے لیے ضروری ہوگی ورنہ پھر ان کے مطالبہ پر فریقِ ثانی پر ملکیت سے انکار کر کے اس پر قسم دی جائے گی، اگر فریقِ ثانی قسم کھائے تو مصالحت کا دعویٰ کالعدم رہے گا اور اصل فیصلہ فریقین کے قدیم دعاوی پر ہوگا جس میں مدعی کے لیے گواہ اور گواہ میسر نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔

اس لیے متعلقہ حاکم فریقین سے گواہان کا مطالبہ کرے یا ان کی قسم پر فیصلہ کرے۔

مدعی اور مدعی علیہ میں قسم کس پر ہے؟ | سوال: خالد نے واجد پر دعویٰ کیا ہے کہ تم نے مجھ سے گیارہ ہزار روپے قرض لیے ہیں جبکہ واجد اس کا انکار کرتا ہے

اور مدعی کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، لہذا اب قسم مدعی کو دی جائے گی یا مدعی علیہ کو؟

الجواب: قسم شرعاً مدعی علیہ کے ذمے ہوتی ہے اور مدعی کے اختیار میں دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنا لازم ہوتا ہے، صورتِ مشولہ میں اس تنازع کے حل کے لیے مدعی سے گواہ طلب کیے جائیں اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ کو قسم دی جائے بشرطیکہ مدعی اس کا طالب بھی ہو۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البينة على المدعي واليمين على من انكر. وفي رواية واليمين على المدعي عليه. (جامع الترمذی ص ۱۶۸ ابواب الاحکام۔ باب ما جاء في البينة على المدعي واليمين على المدعي عليه)

لے عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو يعطى الناس بدعواهم ادعى الناس ما رجا ل واما لکن اليمين على المدعي عليه. (سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸ ابواب الاحکام۔ باب البينة على المدعي واليمين على المدعي عليه)

وَمِثْلُهُ فِي صِحِّحِ الْمُسْلِمِ ج ۲ ص ۲۴۲ كِتَابُ الْأَمْصِيَةِ، بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ

زمین کے تنازعہ پر فریقین میں شرعی فیصلہ | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زمین کا ایک ٹکڑا دو فریقوں کے مابین متنازعہ ہے۔

فریقہ اول امیر حمزہ وغیرہ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ متنازعہ زمین ہماری ہے، جبکہ فریقہ ثانی دبر و دین محمد وغیرہ نے فریق اول کے دعویٰ کے رد میں یہ کہا ہے کہ یہ زمین تمہارے باپ نے ہمارے باپ کو اس مشترکہ مال کے حق کے بدلے میں جو مشترکہ اموال میں اس کو ملتا، دیدی ہے یعنی ہمارے والد پر بیچدی ہے۔

لہذا آپ حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان قرآن و سنت کی روشنی میں اس تنازعہ کا فیصلہ فرمایا جائے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں فریق اول امیر حمزہ وغیرہ مدعی ہے، اور فریق ثانی دبر و دین محمد مدعی علیہ ہے، فریق ثانی نے فریق اول کے دعویٰ کے رد میں یہ کہا ہے کہ زمین کا یہ متنازعہ ٹکڑا تمہارے مورث (والد) نے ہمارے والد کے حق کے بدلے میں (یعنی ہمارے والد کے اس مال کے بدلے جو مشترکہ اموال میں اس کو ملتا اور جسے تمہارے مورث (والد) نے خرچ کر لیا تھا) دیدیا ہے (یعنی بیچ دیا ہے)۔ تو اب شرعی ضابطہ کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ یہ ہوگی کہ دافع اپنے دافع کو معتبر شہادت سے ثابت کرے گا، اثبات دفع کی صورت میں فیصلہ مدعی علیہ کے حق میں کیا جائے گا، بصورت دیگر مدعی فریق اول کو حلف علی العلم دیا جاوے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئلت فی رجل ادعی علی آخر عقاراً انہ تلقاه بالارث من ابیہ فاجاہہ المدعی علیہ باقی اثبتہ من ابیہ حال حیاته یکذا وکذا من القروش وانه فی حوصی وتصر فی مدۃ تزید علی اربعین سنۃ مع حضورک وعلیک وسکوتک بلا عذر شرعی هل یكون جواب المدعی علیہ من باب الاقرار بالتلقی من ابیہ فیمتاج الی بیئۃ تشهد له بالشراء ولا ینفعه وضع الید والتصرف المدۃ المذكورۃ ولا تكون الحادثة من قبیل ما مضی علیہ خمس عشرۃ سنۃ، فاجبت نعم جواب المدعی علیہ من قبیل دعوی التلقی من مورث المدعی ودعوی التلقی من مورثه اقرار له بالملك ثم دعواه الانتقال الیه منه فیمتاج الی بیئۃ لان کل مدع یمتاج الی البیئۃ ولا ینفعه وضع الید المدۃ المذكورۃ مع الاقرار

المذكور وليس هذا من باب ترك الدعوى بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقربتي لغيره اخذ باقراره ولو كان في يده احقايًا كثيرًا لا تعد الخ
(الفتاوى الكاملية ص ۱۲۳ كتاب الدعوى)

وفي مجلة الاحكام : اذا ثبت من ادعى دفع الدعوى دفعه
تدفع دعوى المدعى ولا يحلف المدعى الاصلى بطلب صاحب الدفع . فان تكل
المدعى عن اليمين يثبت دفع المدعى عليه وان حلف تعود دعواه الاصلية .
(المجلة الاحكام العدلية المادة ۶۳۲ كتاب الدعوى - الفصل الثاني في دفع الدعوى)
قال العلامة خالد اناسي : وان كان فعل غيره - كما اذا كان بقوله اودعني
القائب او آجرتني الى قوله يحلفه على العلم اي على انه لا يعلم ان المدعى به ودیعة
اورهن او مستاجر - وهو هذا الثاني هو المعنى يقول صاحب رد المحتار ويحلفه
على العلم لانه على فعل الغير - (شرح المجلة ج ۵ ص ۵۷ كتاب الدعوى
الفصل الثاني في دفع الدعوى)

قال العلامة على جيداً : واذا حلف المدعى تعود دعواه الاصلية وفي هذه
الحال يكون في اصل الدعوى احتمالان - الاحتمال الاول : ان تثبت دعوى المدعى
نظراً لكون دفع المدعى عليه يتضمن الاقرار وفي هذا الحال يحكم باصل الدعوى
كما هو في المثال المذكور آنفاً حيث ان دفع المدعى عليه بقوله انتى اديت المبلغ
المدعى به هو اقرار بالمبلغ المذكور فاذا صرحت المدعى عليه الاداء وحلف
المدعى اليمين على عدم الاداء يحكم على المدعى عليه باد المبلغ المدعى به للمدعى -
رد المحتار شرح مجلة الاحكام ج ۲ ص ۲۲ كتاب الدعوى - الفصل الثاني

در الاحكام کی عبارت مسطورہ سے معلوم ہوا کہ مدعی فریق کے حلف اٹھانے کی صورت میں
جبکہ مدعی علیہ اپنے دفع کے اثبات سے عاجز آجائے تو جیت مدعی فریق کی ہوگی یعنی اس
صورت میں فیصلہ اس کے حق میں کیا جاوے گا۔

مدعی مدعی علیہ کو قسم دینے کے بعد گواہ پیش کرے | سوال: کیا فرماتے ہیں "دارین" اس مسئلہ کے بارے میں کہ دادیوں کے درمیان ایک تہ از عم زین تہی، مدعی گواہوں کو کسی وجہ سے حاضر نہ کر سکا تو مدعی علیہ کو قسم دینے کے بعد فیصلہ کیا گیا، بعد ازاں مدعی کو گواہ مل گئے، تو کیا مدعی اب گواہ پیش کر سکتا ہے یا نہیں اور ان کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نزاع کے حل کے لیے گواہ اصل اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اگر مدعی کسی وجہ سے مقدمہ میں گواہ پیش نہ کر سکے اور قاضی مدعی علیہ کو قسم دے کر فیصلہ کر جائے اور بعد ازاں مدعی کو گواہ مل جائیں اور وہ ان کو پیش کرنا چاہتے ہو تو کر سکتا ہے شرعاً ان کی گواہی قبول ہوگی اور گذشتہ فیصلہ کا عدم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (سوال) هل تقبل البينة لو اقامها المدعي بعديمين المدعي عليه؟

(الجواب) تسمع البينة وتقبل على ما هو الصواب كما صرح به في شرح الملتقى والتنوير وغيرهما من الدعوى۔

قال في التنوير: وتقبل البينة لو اقامها المدعي بعديمين المدعي عليه عند العامة وهو الصحيح۔ (العقود الدارية في تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲ ص ۲۱۱ كتاب الدعوى) لـ

مدعی علیہ کے تصرفات پر اظہارِ رضا مندی کے بعد دعویٰ کرنا | سوال: ایک آدمی کا مسجد سے متصل ایک

لـ قال العلامة الحصكفي: وتقبل البينة لو اقامها المدعي وان قال قبل اليمين لا بينة لي بعديمين المدعي عليه كما تقبل البينة بعد القضاء بالنكول عند العامة وهو الصحيح۔۔۔۔۔ ولان اليمين كالحلف عن البينة فاذا جاء الاصل انتهى حكم الخلف كانه لم يوجد اصلاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۲ كتاب الدعوى)

ومثله في البحر الرائق ج ۷ ص ۲۰۶ كتاب الدعوى۔

کمر ہے، اہل محلہ نے اس سے کہا کہ یہ کمرہ ہم کو دے دو ہم آپ کو اس کی قیمت دے دیں گے اور اس کمرے کو مسجد میں شامل کر دیں گے اس میں لوگ نمازیں پڑھیں گے، اس پر کمرے کے مالک نے کہا کہ میں روپے نہیں لیتا بلکہ اس کمرے کو مسجد کے لیے بنام خدا وقف کرتا ہوں، اس پر اہل محلہ نے اس کمرے کو مسجد میں شامل کر لیا، تقریباً دو سال تک محلہ کے لوگوں نے خود اس کمرے کے مالک اور اس کے دوسرے بھائیوں نے اس میں نمازیں ادا کیں، مسجد میں باقاعدہ امام بھی مقرر کیا گیا، اب دو سال کے بعد کمرے کے مالک کے دوسرے بھائی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ کمرہ جو مسجد میں شامل کیا گیا ہے میرا ہے اور اپنے بھائی سے بھی اور اہل محلہ سے بھی جھگڑتا ہے اور لوگوں کو مسجد میں نماز بھی نہیں پڑھتے دیتا، حالانکہ اس آدمی نے خود بھی تقریباً دو سال تک اس مسجد میں نمازیں پڑھی ہیں اور اپنے بھائی کے قیصلے پر راضی تھا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا۔ تو اب اس آدمی کا دو سال کے بعد مقدمہ چلانا کیسا ہے؟ کیا شرعاً اس کا یہ دعویٰ قابل سماعت ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق جب اہل محلہ نے کمرے کو مسجد میں شامل کر لیا اور مالک نے اس کو بنام خدا مسجد کے لیے وقف کر دیا جس پر اس کے سب بھائی بھی راضی تھے اور دو سال تک کسی نے کوئی اعتراض نہیں بھی نہیں کیا تو اس رضامندی کی وجہ سے ان کا حق دعویٰ ختم ہو گیا ہے اسلئے اب اگر ان میں سے کوئی دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئل فیمین باع عقاراً وسلمه للمشتري وتصرف فيه زماناً وجاره او غيره حاضر يرا البيع والتسليم والتصرف وهو ساكتٌ بلا مانع ثم يقوم ويدعى انه كله او بعضه هل لا تسمع دعواه هذه — فالجواب: لا تسمع لما تقرر ان من يري غيره يبيع ارضاً او داراً تقتصر فيه المشتري زماناً والرائي ساكتٌ تسقط دعواه۔

(الفتاوى الكاملية ص ۱۱۲ کتاب الدعوى۔ مطلب لا تسمع دعوى من رأى البيع والتصرف)

لما قال العلامة خير الدين الرملي: (سئل) فيما لو باع شيئاً وبعثه يطلع على بيعه وقبضه وتصرف المشتري فيه زماناً ثم ادعى فيه ملكاً هل تسمع دعواه ام لا — (اجاب) قال كثير من علمائنا اذا باع شخص عقلاً او حيواناً او ثوباً او نحو ذلك وقبضه المشتري وتصرف فيه تصرف الملاك وبعثه يطلع على ذلك ثم ادعاه او ادعى بعضه انه ملكه لا تسمع دعواه لان ذلك اقرار منه بانه ملك البائع قطعاً للاطلاع الفاسدة وسد الباب للتزوير والتلبیس الخ۔

(الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲ کتاب الدعوى ومطالبه۔ مطلب لبيع شيئاً الخ) ومثله في فتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۱ کتاب الدعوى باع داراً وقبضه حاضر تترك الدار.... الخ۔

کاغذی ثبوت پیش کرنے کے بعد مدعی علیہ کا انکار کرنا | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے

میں کہ فریقین فریق اول محمد خان وغیرہ اور فریق ثانی اجمل خان وغیرہ نے تحریری طور پر لکھ کر دیا کہ ہم متفقہ طور پر شرعی فیصلہ کروائیں گے، پھر ایک دینی مدرسہ میں آکر علماء کو یہ تحریر کر کے دے دیا کہ فریق اول محمد خان وغیرہ چھ ماہ تک اپنے حق کے ثبوت میں کاغذات پیش کرے گا اور اگر کاغذی طور پر اپنا حق ثابت نہ کر سکا تو اپنا قبضہ چھوڑ دے گا۔ فریق ثانی (اجمل خان وغیرہ) نے بھی اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ ٹھیک ہے اگر اس (فریق اول) نے ثبوت پیش کر دیا تو ہم اس کو یہ حق چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد فریق اول (محمد خان وغیرہ) نے چھ ماہ تک کاغذی طور پر اپنا حق ثبوت پیش کیا تو اس کے مخالف فریق اجمل خان وغیرہ نے کہا کہ اب ہم بھی اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا اور اپنے تحریری وعدہ سے منحرف ہو گیا، اب آنجناب شریعت مطہرہ کی رو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اس شخص کا حکم یہ ہے کہ حاکم اس کو مقدمہ چلانے پر مجبور کرے گا، پھر دیکھا جائے گا کہ فیصلہ کس فریق کے حق میں کیا جاتا ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ: اذا اصر المدعی علیہ علی سکوتہ الخ فیحبس حتی یقرا ویبکر۔ شرح المجلد تحت المادة ۱۲۲ ج ۶ ص ۱۱۹
باب فی بیان احکام کتاب التقاضی (۱)

۱۔ قال العلامة الحصکفی: واذا قال المدعی علیہ لا اقر ولا انکر لا یتخلف بل یحبس لیقرا ویبکر الخ۔ الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۱ کتاب الدعوی (وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب الدعوی۔

مدعی بہ کے سامنے ہونے کی صورت میں اشارہ ہی کافی ہے | سوال :- امارت اسلامی افغانستان

زمین پر دو فریقین کے مابین دعویٰ ہے۔ فریق اول (مدعی) محمد قاسم ہے اور فریق ثانی (مدعی علیہ) محمد قیوم ہے، اس دعویٰ کے تصفیہ کے لیے دونوں نے مشترکہ طور پر دو حکمین مقرر کر لیے، ایک محکم مولانا نور الحق صاحب اور دوسرے محکم مولانا سید گلزار صاحب ہیں۔ مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے محکمین علماء کو تنازعہ زمین پر لے جا کر اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے دکھائی اور محکمین حضرات نے خود مشاہدہ کر کے دیکھ لی۔ اس کے بعد موقع پر ہی مدعی محمد قاسم نے اپنا دعویٰ لکھا اور اسی جگہ پر محکمین حضرات کو دے دیا تاکہ وہ اس کو پڑھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں۔ تحریری دعویٰ دیکھ کر محکمین میں سے مولانا سید گلزار صاحب نے کہا کہ یہ دعویٰ قابلِ سماعت ہی نہیں، اس لیے کہ اس میں زمین مدعی بہا کا حدود اربعہ نہیں لکھا گیا، حدود اربعہ کا لکھنا ضروری ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ: معلومۃ المدعی بہ ان کان عقاراً تعین بیان حدودہ۔ (شرح المجلہ بحالہ اتاسی ج ۵ ص ۱۶) اس پر دوسرے محکم مولانا نور الحق صاحب نے کہا کہ صورت دعویٰ درست ہے، اس لیے کہ اس تنازعہ زمین پر ہم کھڑے اور حاضر ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لہذا حدود لکھنے کی ضرورت نہیں رہی، دلیل اس کی یہ ہے: والتعریف بالاشارة بكون صحیحاً فی حل نوع من المدعی بہ الموجود منقولاً او کان عقاراً والوصف والتعریف بكون فی المدعی بہ الغائب و غیر الموجود۔ (درر الحکام ج ۲ ص ۱۶)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) اگر کسی تنازعہ زمین کو قاضی یا محکم خود حاضر ہو کر مشاہدہ کر لے تو پھر حدود لکھنا ضروری ہے یا نہیں؟
(۲) اوپر دی گئی صورت میں کون سا محکم حقہ حنفی کے موافق ہے؟ اور جو صورت دعویٰ اوپر دی گئی ہے وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- کوئی تنازعہ چیز جب مجلس قضاء میں برائے تصفیہ حاضر ہو تو اس کے تعیین کے لیے صرف اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، اس کے دیگر صفات اور حدود اربعہ وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، صرف اشارہ کر دینے سے مدعی یہ کا تعین ہو جاتا ہے، تاہم اگر تنازعہ چیز مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو تو حکمین یا عدالت میں قاضی یا جج کے سامنے اس چیز کی تعریف بالاوصاف اور حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہوگا تاکہ نزاع ختم کرنے کے لیے

مدعی بہ سب پر واضح ہو جائے۔

صورتِ مسئلہ میں چونکہ حکمین مدعی بہ زمین کے پاس کھڑے ہیں اور اشارہ کے ساتھ اس کی تعیین ممکن ہے اس کے بعد کوئی جہالت وغیرہ باقی نہیں رہتی اس لیے حکم مولانا نور الحق صاحب کی بات درست ہے۔

لما فی شرح المجلة: معلومية المدعی بہ تكون بالاشارة او بالوصف والتعريف
هو اذا كان عيناً منقولاً وكان حاضراً فی مجلس المحاکمة فالاشارة
کافیة۔ (المادة ۱۶۲۰ ب۔ در الاحکام ج ۲ ص ۱۸۵ کتاب الدعوی)

وفیه ایضاً: کذلک لا یشتربیان حدود العقار اذا کان مستغنیاً
عن التحديد لشهرته۔ (المادة ۱۶۲۳ ب۔ در الاحکام ج ۲ ص ۱۹۶ کتاب الدعوی)
وفیه المسئلة الثانية لا یشترب عند الامامین بیان حدود العقار
اذا کان مستغنیاً عن التحديد لشهرته لان الشهرة مغنیة عن التحديد
وقد حصل المقصود بلا تحديد۔ (در الاحکام ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الدعوی)

سوال :- جناب مفتی صاحب! زمین کے ایک تنازعہ

مقدار مدعی بہ میں غلطی ہو جانا

میں فریقین نے بندہ کو حکم بنایا ہے۔ اب مدعی نے جس زمین پر
دعویٰ کیا ہے اس میں اس نے حدود اربعہ تو صحیح بیان کیا ہے مگر مقدار زمین کے بیان میں غلطی کر گیا ہے
اس زمین کی اصل مقدار ۲۰ کنال ہے جبکہ مدعی نے ۶ کنال کا ذکر کیا ہے۔ مدعی علیہ کے وکیل ایک
مولوی صاحب ہیں ان کا کہنا ہے کہ تنازعہ زمین کی مقدار ۲۰ کنال ہے اور مدعی نے ۶ کنال ذکر کی
ہے اس لیے یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ تو کیا واقعی یہ دعویٰ صحیح نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب :- شرعاً دعویٰ کی صحت کے لیے مدعی کا مدعی بہ صحیح اور درست حدود اربعہ بیان کرنا
ضروری ہے، اگر مدعی سے مقدار رقبہ بتانے میں غلطی ہو جائے تو اس سے دعویٰ کی صحت پر کوئی اثر
نہیں پڑے گا، دعویٰ درست ہوگا۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں مدعی کا دعویٰ صحیح ہے اور مدعی علیہ کے
وکیل کا دعویٰ کو رد کرنا صحیح نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام: اذا اصاب المدعی فی بیان الحدود واخطاء فی بیان مقدار
ذراع العقار او دونہ لا یمنع صحة دعواه۔

و مجلة الاحکام المادة ۱۶۲۴

فريق اول : فاروق شاہ ولد احمد شاہ
فريق ثانی : عرب خان ولد شیر علی خان
ساکنان پانٹی مٹنی

فقہاء اسلام کے تعریف مدعی اور مدعی علیہ : المدعی من یلتمس خلاف الظاہر و المدعی علیہ من یلتمس بظاہر (شرح المجلة لخالدا تاسی - ۵/۵)
وفي الهدایة المدعی من یتمسك بغير الظاهر والمدعی علیہ من یتمسك بظاہر الى آخره (۳۰۰/۳)

وقال محمد المدعی علیہ هو المنکر (الهدایة ۳۰۰/۳)
سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تنازع میں دونوں فریقین مدعیان ہیں۔ لہذا ہم اولاد دونوں کے دعویٰ کا جائزہ لیں گے کہ کونسا دعویٰ اصول شرع کے موافق اور براہین کے ساتھ اپنے مقصد کو ثابت کرتا ہے۔

فاروق شاہ کا دعویٰ یہ ہے کہ نعیم شاہ نے اپنے حملہ جائیداد کو میرے والد احمد شاہ ولد انبالی اپنے بھائی کے نام کئی سال پہلے کر دیا تھا۔ اور اس کا سٹام میرے پاس موجود ہے۔
جائزہ یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بنا پر اپنے مقصد کو ثابت کرنے میں ناقص ہے۔
(۱) جس اسٹام کا حوالہ مدعی دعویٰ میں دے چکا ہے اور بیان کے ساتھ وہ اسٹام منسلک ہے اس میں گواہ درج نہیں، جب کہ صرف اسٹام اثبات دعویٰ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ صرف تحریر پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

كما قال ابن عابدین : لا یعمد علی الخط ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ عطوط القضاة الماضین۔ (رد المختار - ۵/۴۳۵) وہ اس لیے کہ الخط یشبه الخط کی وجہ سے تحریر خیر واحد کے حکم میں ہو کر ناقابل احتجاج ہے۔

۲۔ مدعی فاروق شاہ اپنے دعویٰ ارث کے اثبات کے لیے گواہان بھی پیش نہ کر سکا جب کہ مدعی کے ذمہ قانون شرعی کے مطابق اثبات دعویٰ کے لیے گواہان کا پیش کرنا لازمی ہے۔ لقولہ علیہ السلام : البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ (الحديث)

(۳) اگر نعیم شاہ نے اپنا حملہ جائیداد اپنے بھائی احمد شاہ کو ہبہ بھی کیا ہو لیکن انہوں نے بھائی کو موہوبہ اراضی قبضے میں نہیں دیا تھا جب کہ ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ شرعی کا ہونا ضروری ہے

بدون اس کے سپہ صحیح نہیں ہوتا۔ چوں کہ مدعی بھی قبضہ نہ دینے کا مُقرر ہے لہذا ہبہ تام نہ ہوا۔ اس لیے مدعا علیہ کو حلف دینے کی حاجت نہ رہی۔

کما قال ابراہیم حلی: الہبۃ ہی تملیک عین بلا عوض و تصح بالایجاب و قبول و تتم بالقبض الکامل۔ فان قبض فی المجلس بلا اذن صح و بعدہ لا بد من الاذن۔ (ملفتی الاجر علی صدر مجمع الفکر ۳/ ۲۸۹ تا ۲۹۲ کتاب الہبۃ)

قال المرغینانی: الہبۃ عقد مشروع و تصح بالایجاب والقبول والقبض۔ اما بالایجاب والقبول فلا نہ عقد والعقد یعتقد بالایجاب والقبول۔ والقبض لا بد منه لثبوت الملك..... ولنا قوله عليه السلام لا يجوز الہبۃ الا مقبوضۃ..... فان قبضۃ الموهوب له فی المجلس بغیر اذن الواهب جاز اسحساناً وان قبض بعد الا فتراق لم یجز۔ (الہدایۃ ۳/ ۲۸۱ کتاب الہبۃ)

وفی محملۃ الاحکام: تنعقد الہبۃ بالایجاب والقبول و تتم بالقبض قال سلیم رستم بان تحتھا: الکامل لا ینھما من التبرعات والتبرع لا یتیم الا بالقبض۔
(شرح المحملۃ - ۲۶۲)

۴۔ مکتوب (اسٹام) میں ذکر ہے کہ احمد شاہ ولد انبالی نعیم شاہ ولد انبالی کا اکیلا وارث ہے۔ جب کہ احمد شاہ ولد انبالی نعیم شاہ سے قبل فوت ہو چکا ہے اور وراثت کا تعلق موت کے بعد سے ہوتا ہے۔ لہذا جب احمد شاہ نعیم شاہ کا خود وارث نہ بن سکا تو اس کی اولاد بدرجہ اولی وارث نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ نعیم شاہ کا بھائی شیر علی ولد انبالی زندہ ہے۔ لہذا نعیم شاہ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد شیر علی کے نام ہوگی۔

دعویٰ عرب خان ولد شیر علی، موصوف کا دعویٰ ہے کہ نعیم شاہ ولد انبالی نے اپنے ہوش و حواس کی سالمیت کے ہوتے ہوئے ۵ امر لہ مارکیٹ جو بارہ دکانوں پر مشتمل ہے اور تین کنال اراضی مع پانی کے قیمتا میرے ہاتھ فروخت کی ہے اور میرے پاس گواہ اسٹام پیپر کاری انتقالات کی فوٹو کاپیاں اور نعیم شاہ کی اپنی آواز کی کلیسٹ موجود ہے۔

جائزہ۔ قانون شرعی کے مطابق کسی تنازع کے حل کے لیے اصول یہ ہے کہ مدعی خلاف ظاہر کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو پھر مدعی کے مطالبہ پر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ لہذا قال علیہ الصلاۃ والسلام: البینۃ علی المدعی

(۱) چمن خان (۲) عبدالرحمن۔ پسران قدرت اللہ ساکنان پانی۔
 نے کلمہ پڑھ کر گواہی دی کہ نعیم شاہ (مرحوم) نے ۵ امر لے مارکیٹ اوتہین کنال اراضی مسمی عرب
 خان ولد شیر علی کے ہاتھ فروخت کی ہے ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔

العبد نعیم شاہ ولد انبالی۔ راقم الحروف ملک سردار احمد نبردار۔ گواہ مسلم علی، امیر زیب ولد ظہور علی، چمن خان ولد قدرت اللہ، عبد الرحمن ولد قدرت اللہ۔

اس کے علاوہ سرکاری منتقلات کے تصدیق شدہ کاغذات کی فوٹو کاپیاں بھی پیش کئے۔
اور اس کے ساتھ وہ کیسٹ بھی پیش کی جس میں نعیم شاہ ولد انبالی نے اپنی مارکیٹ، تین کنال
ارضی مع پانی نمبر عرب خان کے ہاتھ فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے اور کئی لوگوں کو مخاطب کر کے
گواہ بنایا ہے۔

قانون شرعی یہ ہے کہ جب کوئی مدعی اپنا دعویٰ پر بیہ پیش کرتے تو شرعاً قاضی پر لازم ہے کہ اس کے حق میں فیصلہ کرے کما فی مجلۃ الاحکام۔ (المادة ۱۸۱۸) ان اثبت المدعی دعواه بالبينة حکم القاضی له بذلك۔ قال علی حیدر تحت هذه المادة ان اثبت المدعی دعواه بالبينة ای: اذا شهد شهود وجرت تزکیہم سرا وعلاینة فظہر انہم عدول و مقبولة الشهادة حکم القاضی بذلك۔ (در الاحکام ۶۴۵/۲)

ہذا گواہان کی گواہی اور بطور تائید اسٹام میں تحریر شدہ اقرار نامہ جس پر گواہوں کے دستخط موجود ہے سرکاری منتقلات کے تصدیق شدہ نوٹوں کا پیاں اور ٹیپ شدہ بیان سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ نعیم شاہ ولد انبالی سکند پانی نے بقائے ہوش و حواس اپنی ذاتی ملکیت ۱۵ مرلہ مارکیٹ جو ۱۲ عدد درکانوں پر مشتمل ہے اور تین کنال اراضی مع پانی نمبر کے عرب خان ولد شیر علی سکند پانی کے ہاتھوں فروخت کی ہے اور اس کو اپنی حیات ہی میں قبضہ دیا ہے جو آج تک عرب خان کے قبضہ میں ہے۔ شریعت مقدسہ میں جب دو فریق کے باہمی رضامندی کے ایک بار ایجاب قبول ہو کر عقد بیع ہو جائے تو پھر کسی کو بھی شرعاً اس عقد کے فسخ کا اختیار نہیں ہے۔

کما فی الہدایۃ: واذا حصل الایجاب والقبول لزوم البیع ولا خيار لواحد

منہما الاخر (۲۵-۳)

وفی ملتقى الایحوا اذا وجد الایجاب والقبول لزوم البیع بلا خيار رجوالہ مجمع

الذہر۔ (۱۰/۴)

وهكذا فی الہندیۃ (۱/۳) وكذا فی فتح القدیر (۵/۲۶۲)

اس لیے جملہ مدعی بہ (تین کنال اراضی مع پانی نمبر اور پندرہ مرلہ مارکیٹ) عرب خان ولد شیر علی کی زر خرید ملکیت ہے کسی کا اس پر دعویٰ ارث وغیرہ کرنا شرعاً صحیح نہیں۔

فریق اول: فاروق شاہ بن احمد شاہ مدعی۔

فریق ثانی: شیر علی، نعیم شاہ، وغیرہ پسران انبالی۔

فیصلہ شرعی

فریق اول: فاروق شاہ ولد احمد شاہ کا دعویٰ ہے کہ انبالی (جو شیر علی، نعیم شاہ وغیرہ کا باپ ہے) اور اس کے بھائی میر علی نے آج سے تقریباً ۵۰، ۶۰ سال قبل میرے والد احمد شاہ ولد انبالی کی زوجہ اول امرو بی بی (مرحومہ) جو ۵۰، ۶۰ سال قبل فوت ہو چکی ہے کے جائیداد کو باہمی تقسیم کیا ہے، جب کہ اس جائیداد کا حقدار میرا والد صاحب ہے اس لیے وہ مجھے واپس دیا جائے جبکہ

مدعا علیہاں مدعی کے اس دعویٰ اثر کے منکر ہیں۔

جائزہ : قانونی شرعی کے اندر اثر، وقف وغیرہ کے دعویٰ کے سماع کے لیے ضروری ہے کہ ۳۶ سال کے اندر اندر کیا جائے اگر بلا ضرورت شرعی ۳۶ سال تک تاخیر کیا جائے تو شرعاً وہ دعویٰ قابل سماعت نہیں۔ اتنی مدت کی تاخیر سے سمجھا جائے گا کہ مدعی بہ مدعی کا حق نہیں ورنہ وہ اتنی تاخیر نہ کرتا۔

کما قال ابن عابدین : عن المبسوط اذا ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً وفي الجامع الفتوى لا تسمع الدعوى بعد سنة وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لها ولي او المدعى عليه اميراً جائراً الى اخره (رد المختار ۲/۴۲۲)

وقال العلامة سليم رستم باز: اذا مضى على الدعوى ثلاثون سنة بلا عذر فلا تسمع وان امر السلطان بسماعها - (شرح المجلة ۹۸۳)

وقال علي حيدر: لذلك فالدعوى التي تترك سنة وثلاثين سنة بلا عذر لا تسمع مطلقاً حيث ان ترك الدعوى تلك المدة مع الاقتدار عليها وفقدان العذر يدل على عدم الحق -

(ردرالحکام شرح المجلة ۴/۲۹۵)

• وقال العلامة الخالد اتاسي: عن جامع الفتاوى ان المتأخرين من اهل الفتوى قالوا لا تسمع بعد سنة وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لهما ولي او المدعى عليه اميراً جائراً يخاف منه وعللوا ذلك بأن ترك الدعوى جميع هذه المدة مع تمكن منها دليل على عدم الحق ظاهراً - (شرح المجلة ۵/۱۶۷)

لہذا ان دلائل کے پیش نظر فاروق شاہ ولد احمد شاہ کا دعویٰ اثر چوں کہ ۶۰ سال گزر جانے کے بعد ہو رہا ہے۔ جب کہ اس دوران کوئی عذر شرعی جو دعویٰ سے مانع ہو موجود نہیں تھا۔ اس لیے شرعاً ان کا یہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے۔ مدعی بہ انبالی اور اس کے بھائی میر علی کا متصور ہے اور ان کے بھران کے ورثاء کا حق ہے۔

باب التحکیم (ثالثی کے احکام و مسائل)

ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت | سوال :- کسی تنازع کے تصفیہ کے لیے ثالث مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ ہر مستحق کو اس کا حق دلانا شریعت میں مطلوب و مقصود ہے اور حق دار کو جہاں کہیں سے بھی اپنے حق کے حصول کا اطمینان حاصل ہو جائے چاہے قاضی کے ذریعے سے ہو یا کسی اور کے ذریعے سے ہو تو اس میں شریعت نے فریقین کو اختیار دیا ہے کہ جس طرح ہر شخص کو دوسرے معاملات میں اپنے اوپر ولایت حاصل ہے اسی طرح تنازعات میں بھی اگر وہ اپنی ولایت کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے کسی شخص کو حکم مقرر کرے تو یہ جائز ہے لیکن اس میں فریقین کی باہمی رضامندی اور اتفاق رائے ضروری ہے، اگر کوئی بھی فریق ثالث مقرر کرنے سے انکار کرے تو صرف ایک فریق کی رائے سے ثالث مقرر کرنا جائز نہیں۔

كما قال الله تبارك وتعالى: وَإِنْ يَخْتُمُّ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِمَا وَهُمَا يَبْغِيَانِ إِذْ يُلَاقِيَانِ أُولَئِكَ ثُلُثٌ (سورة النساء آیت ۳۵) لہ

کسی فاسق کو ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت | سوال :- شرعی امور میں غفلت کے مرتکب شخص کو کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے ثالث

مقرر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی شخص سے اس وقت صحیح انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے جب وہ زہد و تقویٰ کی زینت سے آراستہ ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے لوگوں کے تصفیہ طلب معاملات میں سے احتیاط سے کام لے گا اور کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا، اور جو شخص زہد و تقویٰ سے خالی ہو اس سے

لہ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: إِذَا حَكَمَ رَجُلَانِ رَجُلًا فَحَكَمَ بَيْنَهُمَا وَرَضِيََا بِحُكْمِهِ جَازٌ (الهداية ج ۳ ص ۱۲۳ باب التحکیم۔ کتاب آداب القاضی)۔
وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۸۴ ص ۱۱۹ الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحکیم۔

صحیح انصاف کا تصور بھی ممکن نہیں، اس لیے ثالث تب صحیح فیصلہ کر سکے گا جب وہ شرعی امور کا پابند ہو اور احکامات شرعیہ کی بجائے آوری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتا ہو لہذا ابتداءً فاسق کو ثالث مقرر کرنا درست نہیں لیکن اگر فریقین نے باہمی رضامندی سے مقرر کر لیا ہو اور اس کا فیصلہ شرعی قواعد و ضوابط کے موافق ہو تو وہ شرعاً نافذ العمل ہوگا، چونکہ فریقین میں سے ہر ایک کو فیصلے سے قبل رجوع کا حق حاصل ہے اس لیے کوئی بھی فریق فیصلے سے قبل اس کو زائل کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: وافاد بقوله لو صلح قاضياً جواز تعكيم المرأة والفاستق لصلاحيتهما للقضاء والاولى ان لا يعكما فاستقاً۔

البحر الرائق ج ۷ ص ۲۶ باب التحكيم، لہ

دینی امور سے ناواقف شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حکم | سوال :- کیا دینی امور سے ناواقف شخص کو ثالث مقرر کرنا

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دراصل فریقین کے تنازعہ کا حل نکالنا اور ہر ایک کو اپنا حق دلانا ثالث کی اہم ذمہ داری ہے اور ثالث یہ ذمہ داری اس وقت صحیح طریقے سے نبھا سکتا ہے جب وہ دینی امور سے واقف ہو کیونکہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے واقفیت کے بغیر ان حقوق کے تحفظ کا تصور بھی ممکن نہیں، اس لیے دینی امور سے واقف عالم کے ہوتے ہوئے کسی غیر عالم کو ثالث مقرر کرنا مناسب نہیں، البتہ اگر غیر عالم کو ثالث مقرر کیا گیا تو جائز ہے لیکن اس پر لازم ہے کہ تنازعات کے تصفیہ میں ذاتی رائے قائم کرنے سے گریز کرے اور مسائل میں علماء سے رجوع کرے اس لیے کہ اگر اس کا فیصلہ شرعی اصول و ضوابط کے موافق ہو تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: انه يمكن ان يقضى بفتوى غيره ومقصود القضاء

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: والفاستق اذا حکم يجب ان يجوز عندنا كما مرفی

المولى۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۳۳ باب التحكيم، کتاب آداب القاضی)

ومثله فی رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۶ کتاب القضاء، باب التحكيم۔

یحصل به و هو ایصال الحق الی مستحقه۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۱۳۲ ادب القاضی) لہ
ثالث کا شرعی اصول کے خلاف فیصلہ کرنے کا حکم | سوال :- دو بھائیوں نے مشترکہ

ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہو گیا، اس کے وارثوں میں ایک نابالغ بیٹا موجود ہے، بھائی کے
 انتقال کے بعد دوسرا بھائی اس کی زمین میں تصرف کرتا رہا، جب متوفی کا بیٹا بالغ ہوا تو اس نے
 اپنے سوتیلے کی زمین کا مطالبہ کیا، دونوں نے فیصلے کے لیے ایک ثالث مقرر کیا، اس نے یہ فیصلہ
 کیا کہ ۱۱۵ کنال زمین متوفی بھائی کے بیٹے کو دی جائے گی اور باقی زمین دوسرے بھائی کے
 ملک میں رہے گی، اس وقت اس فیصلے پر دونوں راضی تھے لیکن متوفی کے بیٹے نے بعد میں
 انکار کیا، تو کیا شریعت کی رو سے ثالث کا یہ فیصلہ شرعاً نافذ ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مطہرہ نے اگر ثالث کو کسی متنازعہ معاملہ میں فریقین میں فیصلے کا
 اختیار دیا ہے تو اس میں یہ شرط لازمی قرار دی ہے کہ اس کا فیصلہ قرآن و سنت اور اجماع کے
 خلاف نہ ہو، اگر اس کا فیصلہ ان امور میں سے کسی کے بھی خلاف ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں
 ہو گا، تاہم فریقین میں سے کوئی ایک فریق اپنا حق معاف کر کے ثالث کے فیصلہ کو دوام بخش
 سکتا ہے، اس لیے حسب بیان مذکور بالا ثالث کا فیصلہ شرعی اصول کے منافی ہے کیونکہ اگر
 متوفی اور زندہ موجود بھائی نے مشترکہ مساوی مال سے زمین خریدی ہو تو اس زمین میں متوفی
 نصف حصے کا حقدار ہے اور اس کا یہ نصف حصہ اس کے وارثوں میں وراثت کے
 شرعی اصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا، صورتِ مسئلہ میں ثالث کا فیصلہ چونکہ قرآن کریم
 اور سنت کے اصول کے منافی ہے اس لیے شرعاً نافذ نہیں، جب نافذ ہی نہیں تو فریقین
 میں سے ہر کوئی اس کو رد کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الکاسانی: فان وقع فی فصل فیہ نص مفسر
 من الکتاب والخبر المتواتر والاجماع فان وافق قضاء ذلک نفذ ولا یحل للنقص

لما قال العلامة الکاسانی: لانه ممکنه ان یقضى بعلم غیرہ بالرجوع الی فتویٰ غیرہ من
 العلماء۔ ردائع الصنائع ج ۲ ص ۱۰۰ فصل التحکیم، کتاب آداب القاضی
 ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۰۰ کتاب القضاء۔

لانه وقع صحيحاً قطعاً وان خالف شيئاً من ذلك يردّه لانه وقع باطلاً قطعاً۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۴ کتاب آداب القاضی۔ فصل وامایان ماینقد من القضا یا۔۔۔ منہام لہ

قاضی اور حکم کا فرق | سوال :- بعض علاقوں میں لوگ باپ دادا کے قانون کے موافق اپنے فیصلے عدالتوں سے کراتے ہیں، اس میں حکومت کی طرف سے

مقرر کردہ قاضی نہیں ہوتا، اور بعض لوگوں نے شریعت کے مطابق فیصلے کے لیے باقاعدہ ایک عالم مقرر کیا ہوتا ہے جو ان کو جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی پڑھاتا ہے، تو کیا شرعاً اس کو قاضی تصور کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فیصلوں کے بارے میں با اختیار ہو اور ہر خاص و عام پر اس کو یکساں ولایت حاصل ہو کیونکہ اختیارات میں معمولی سی کمی بیشی کے باعث لوگوں میں صحیح فیصلے کرنے سے قاصر رہے گا جس کی وجہ سے قضاء کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا، اور قاضی کو مکمل اختیارات تب حاصل ہوں گے جب اس کو حکومت وقت نامزد کرے کیونکہ قاضی حکومت کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور فریقین اپنی مرضی سے جس کو فیصلوں کے لیے مقرر کریں اس کو تو صرف ان لوگوں پر اختیارات حاصل ہوں گے جنہوں نے اس کو مقرر کیا ہو، ان کے علاوہ دوسروں پر اس کو اختیارات حاصل نہیں، اس لیے اگر لوگ اپنے فیصلوں کے لیے کسی کو مقرر کریں تو وہ حکم ہو گا قاضی نہیں؟

لما قال العلامة اکمل الدین محمد بن محمود البابر فی، ان المحکم ادنی مرتبة من القاضی

لاقتصار حکمہ علی من رضی بحکمہ وعموم ولایة القاضی۔ (الغایة علی هامش فتح القدیر ج ۶ ص ۲۰۶ باب التحکیم۔ کتاب آداب القاضی) لہ

لہ قال العلامة ابن قاضی سماوۃ، قضایا القضاة ثلاثة اقسام (۱) حکم بخلاف نص و اجماع و هذا باطل فکل من القضاة نقضه اذ ارفع الیہ و لیس لاحد ان یجیزہ۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۳۳ الفصل الثانی فی القضاء فی المجتہد فیہ)

و مثله فی البحر الرائق ج ۷ ص ۱۴ کتاب ادب القضاء۔ باب التحکیم۔

لہ لما قال العلامة الحصکفی، عرفاً تولیة الخصمین حاکماً یحکم بینہما و رکنہ علیہ مع قبول الآخر۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۶ باب التحکیم۔ کتاب القضاء)

و مثله فی البحر الرائق ج ۷ ص ۲۴ کتاب آداب القاضی۔ باب التحکیم۔

معزول ثالث کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا | سوال :- فریقین نے دو آدمیوں کو زمین کے تنازعہ میں ثالث مقرر کیا، بعد میں کسی وجہ سے ایک فریق کا دونوں ثالثوں پر اعتماد باقی نہ رہا اور اس نے فیصلے سے پہلے ان دونوں کو معزول کرنے کا باقاعدہ اظہار کیا لیکن اس کے باوجود ثالثوں نے فیصلہ کر دیا، تو کیا ثالثوں کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں ان دونوں آدمیوں کو فریقین نے چونکہ اپنی طرف سے ثالث مقرر کیا ہے لہذا فریقین میں سے اگر کوئی بھی ان کو معزول کرنا چاہے تو فیصلے سے قبل ان کو یہ اختیار حاصل ہے، جب ایک فریق نے دونوں ثالثوں پر عدم اعتماد یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان کو معزول کر دیا تو اب ان کی تحکیم کا عدم ہوگی اور ان کا فیصلہ نافذ العمل نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: لو عزل احد الخصمین قبل الحكم لم یفذل حکمہ علیہ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹) الفصل الخامس فی التحکیم۔ کتاب القضاء

فریقین کا تحکیم سے رجوع کے بعد حکم کیلئے اجرت لینا جائز نہیں | سوال :- فریقین فیصلہ کے لیے ایک قاضی

کے پاس گئے، اُس نے فیصلے پر پندرہ (۱۵) روپے اجرت پیشگی وصول کی، فریقین کی سستی کی وجہ سے ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا، اب فریقین قاضی سے اجرت واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن قاضی اجرت واپس کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ سستی تمہاری طرف سے ہوئی ہے اس لیے میں پیشگی لی ہوئی اجرت واپس نہیں کروں گا، تو کیا قاضی کے لیے فیصلے سے قبل اجرت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ قاضی شرعی قاضی نہیں کیونکہ قاضی تو حکومت کی طرف سے مقرر

لہ قال العلامة ابن نجیم: وقال انه یتخرج عن الحكومة باحد اسباب ثلاثة بالعزل او بانتهاء الحكومة نہایتہا بان کان موقتاً فمضی الوقت او یخرج وجه من ان یکون اهلاً للشهادة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸) باب التحکیم

و مثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب القضاء۔ باب التحکیم۔

ہوتا ہے، جب فریقین فیصلے کے لیے کسی کو مقرر کریں تو وہ محکم ہوتا ہے اور تحکیم میں چونکہ فیصلے سے قبل فریقین کو رجوع کا حق حاصل ہے اس لیے ان میں سے اگر ایک فریق یا دونوں رجوع کر لیں تو یہ تحکیم فسخ ہو جائے گی، جب تحکیم فسخ ہو جائے تو محکم اجرت کا مستحق نہیں رہتا، ان کے مابین اجارہ تحکیم پر ہوتا ہے، جب فریقین رجوع کر لیں تو اجارہ بھی فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ اجارہ محض عقد سے لازم نہیں آتا بلکہ جو شرط اس میں لگائی گئی ہو اس کا پورا ہونا ضروری ہے لہذا صورت مسئلہ میں حکم کو یہ رقم لانا جائز نہیں۔

قال العلامة التمرناشی: والاجر کا یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمہ بل بتعجیلہ او شرطہ فی الاجارہ۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۵ کتاب الاجارۃ) لے

علاقائی اصلاحی کمیٹی کی شرعی حیثیت | سوال: مروجہ اصلاحی کمیٹیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے کسی فیصلے سے انکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- علاقائی اصلاحی کمیٹیاں جو کہ اکثر علاقہ کے معززین پر مشتمل ہوتی ہیں جو کہ لوگوں کے تنازعات ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں لیکن فیصلوں کے لیے حکومت کی طرف سے مقرر نہیں ہوتیں بلکہ فریقین جب ان سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی طرف سے فیصلے کا اختیار دیتے ہیں اور جس فیصلے میں بھی اختیار حکومت کی بجائے عوام کی طرف سے ملتا ہے تو ان اختیارات کے تحت فیصلے کرنے والے کی شرعی حیثیت مثل حکم دے ہوتی ہے، تو جس طرح فریقین کو حکم دے فیصلے سے پہلے رجوع کا حق حاصل ہے اسی طرح جب حکم فیصلہ کر دے تو پھر فریقین کے لیے اس کا تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے، اسلئے اگر کسی اصلاحی کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصول کے منافی نہ ہو تو اس سے انکار جائز نہیں۔

قال العلامة المرفینانی رحمہ اللہ: اذا حکم لز مہمال الصدور حکمہ عن ولاۃ علیہما۔

الہدایۃ ج ۳ ص ۱۲۳ باب التحکیم لے
(کتاب آداب القاضی)

لے قال العلامة سلیم رستم باز: لا تلزم الاجرة بالعقد المطلق یعنی لا یلزم تسلیم بدل الاجارۃ حالاً بمجرد انعقادھا۔ شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۲۶۶ الفصل الثانی فی المسائل المتعلقة الخ) ومثله فی الہدایۃ ج ۳ ص ۱۹۲ کتاب الاجارۃ، باب الاجر متی یشی۔

لے قال العلامة الکاسانی: اذا حکم صار لازماً۔ ربائع الصنائع ج ۳ ص ۳ کتاب آداب القاضی) ومثله فی مجلۃ الاحکام۔ المادة ۱۸۲۸ ص ۱۱۹۸ الباب الرابع فی المسائل المتعلقة بالتحکیم۔

کسی فریق کی عدم موجودگی میں ثالثوں کے فیصلے کا حکم | سوال :- فریقین میں سے ایک فریق غائب ہے اور ثالثوں نے اس کی

عدم موجودگی میں فیصلہ دوسرے فریق کے حق میں کر دیا، تو کیا ثالثوں کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟
الجواب :- اگر فریقین نے ثالثوں کو باقاعدہ فیصلے کا اختیار دیا ہو اور فیصلے سے قبل کسی ایک فریق نے بھی ان سے رجوع نہ کیا ہو تو ثالثوں کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں کے بیانات وغیرہ حاصل کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں، اگر ثالثوں نے فریقین سے بیانات وغیرہ حاصل نہ کیے ہوں اور محض ایک فریق کے بیانات پر فیصلہ کیا ہو تو وہ فیصلہ جائز نہیں، کیونکہ جس طرح قضاء میں یہ ضروری ہے کہ مدعی علیہ قضاء کے وقت عدالت میں حاضر ہو، اگر وہ خود حاضر نہیں ہوتا اور اپنی طرف سے وکیل وغیرہ مقرر کیا ہو تو اس کا حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ مدعی علیہ یا اس کی طرف سے مقرر شدہ خصم کی عدم موجودگی میں مقدمہ کی صورتحال کی پوری وضاحت مشکل ہے تو جب قضاء میں مدعی علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے تو تحکیم جو کہ اس سے کم درجہ رکھتی ہے اس میں بطریق اولیٰ اس کی موجودگی ضروری ہے لہذا ایک فریق کی عدم موجودگی میں ثالثوں کا یکطرفہ فیصلہ نافذ العمل نہیں ہوگا۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ولا يفتنى القاضي على غائب إلا أن يحضر من يقوم مقامه۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۲۲۔ باب کتاب القاضي الى القاضي) لہ

ثالث کے فیصلے سے انکار کا حکم | سوال :- دو اشخاص کے درمیان زمین کی حدود پر تنازعہ ہوا، ان دونوں کے درمیان جو کہ نے فیصلہ کیا اور دونوں اس فیصلے پر راضی ہوئے، ان میں سے ایک نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ مجھے یہ فیصلہ منظور ہے اور اس کی حدود نہیں توڑوں گا لیکن تین چار ماہ گزرنے کے بعد وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا اور فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور حدود بھی توڑ دیئے، تو کیا جرگہ کے فیصلہ کے بعد اس سے انکار کرنا

لہ قال العلامة الكاساني رحمه الله: أما الذي يبيح الى المفتنى عليه فحضرته حتى لا يجوز القضاء على الغائب إذا لم عنه خصم حاضر وهذا عندنا۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۸۰ کتاب آداب القاضي۔ فصل وأما شرائط القضاء فانواعها
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۔ باب کتاب القاضي الى القاضي۔

درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر ان دونوں نے اپنی مرضی سے ثالث مقرر کئے ہوں اور مدت تحکیم کے اندر ان ثالثوں نے فیصلہ کیا ہو اور ان کا فیصلہ شریعت کے موافق ہو تو وہ نافذ العمل ہے، کیونکہ تحکیم کی وجہ سے ثالثوں کو ان دونوں پر مکمل اختیار حاصل ہے اس لیے ان کا فیصلہ دونوں فریقوں پر تسلیم کرنا لازم ہے، لہذا فیصلہ کے بعد کسی بھی فریق کا اس سے انکار کرنا درست نہیں، اسی قسم توڑنے کے بدلے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

لما قال العلامة السمرغینانی: اذا حکم لزمهما لصدور حکمه عن ولاية عليهما۔

الهدایة ج ۳ ص ۱۲۲ باب کتاب القاضی الی القاضی

سوال :- اگر فریقین کسی کو ثالث مقرر کریں تو ان میں سے کوئی فریق ثالث معزول کرنے کا حکم اس کو معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب فریقین اپنی مرضی سے کسی کو ثالث مقرر کریں اور اس کو فیصلے کا اختیار دیں تو ثالث کو جو تک فیصلے کا اختیار ان دونوں کی وجہ سے ملا ہے اس لیے اگر ثالث کے فیصلے سے قبل کسی بھی فریق کو اس پر اعتماد باقی نہ رہے یا کسی اور وجہ سے اس کو معزول کرنا چاہے تو جیسا کہ قاضی کو فیصلوں کا اختیار حکومت سے مل جاتا ہے اور حکومت کو ہر وقت اس کے معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے اسی طرح فریقین میں سے ہر ایک کو ثالث معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

قال العلامة سلیم رستم بازالبنانی: لكل من الخصمين عزل المحكم قبل الحكم لانه مقلد من جهتهما فكان لكل منهم عزله وهو من الامور الجائزة فينفرد احدهما بنقضه كما ينفرد احد العاقدین في مضاربة وشركة وكالة۔ (شرح مجلة الاحکام، المادة ۸۲۷ ص ۱۱۹ الباب الرابع فی المسائل المتعلقة بالتحکیم)

لہ قال العلامة الکاسانی: واذا حکم صار لازماً۔ (بدائع الصنائع ج ۲ کتاب ادب القاضی)

ومثله في مجلة الاحکام، المادة ۸۲۸ ص ۱۱۹ کتاب الدعوی۔

لہ قال العلامة علاؤالدین الحصکفی: (وينفرد احدهما بنقضه) ای التحکیم بعد وقوعه (کما) یتفرد احد العاقدین فی مضاربة وشركة وكالة بلا التماس طالب۔

(تنویر البصار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۷ باب التحکیم)

ومثله في خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۲۹ کتاب القضاء۔

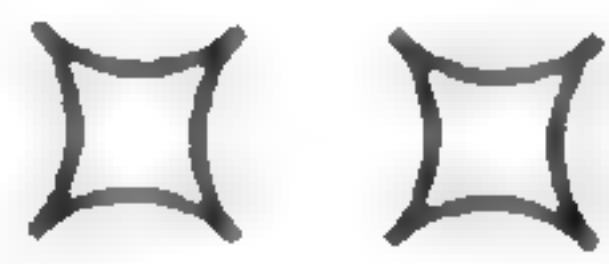
فیصلے کے لیے مقرر کردہ کمیٹی کے ارکان کے باہمی اختلاف کا حکم | سوال :- فریقین نے تنازعہ کے فیصلے کا اختیار

چند افراد پر مشتمل کمیٹی کو دیا، فیصلے کے بارے میں کمیٹی کے ارکان میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض ارکان نے مخالفت کے ہوتے ہوئے اپنی طرف سے ایک فریق کے حق میں فیصلہ سنا دیا، تو کیا ان کا یہ فیصلہ نافذ ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :- چونکہ تنازعہ کے بارے میں کمیٹی کو فیصلے کا اختیار فریقین کی طرف سے ملا ہے اس لیے اس کمیٹی کی حیثیت حکم کی طرح ہے اور فریقین فیصلہ کا اختیار دیتے وقت ثالث پر جو بھی شرائط عائد کریں ثالث پر ان کی پابندی کرنا لازمی ہے، اگر ثالث ان شرائط میں سے کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرے تو کوئی بھی فریق اس کے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح مذکور صورت میں جب فریقین نے اپنے فیصلے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین نے کمیٹی کے تمام ارکان کو فیصلے کا اختیار دیا اور فیصلے میں کمیٹی کے تمام افراد کے اتفاق رائے کو شرط قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر متعدد ثالثوں میں سے ایک بھی فیصلہ کی مخالفت کرے تو فیصلہ نافذ نہیں ہو گا۔ لہذا بشرط صحت سوال جب کمیٹی کے ارکان میں اختلاف پیدا ہوا تو اختلاف کے ہوتے ہوئے بعض ارکان کا اپنے طور پر فیصلہ کرنا جائز نہیں اس لیے فیصلہ نافذ العمل نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم بازاللبناني: اذا تعدد المحكمون على ما ذكرنا فلان يلزم اتفاق رأى كلهم وليس لواحد منهم ان يحكم وحده۔

{ شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۸۴۴ ص ۱۱۹۶ }
{ الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم }



لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ولو حكما رجلين فعلم احدهما لم يجز ولا بد من اتفاقهما على المحكوم به فلو اختلفا لم يجز۔
(البحر الرائق ج ۲، ص ۲۶ باب التحكيم)

اسلامی قوانین ۵ جامعیت و اہمیت



دنیا کے اندر ملکہ نظام کو چلانے، شاندار حکومت کرنے اور ملک و ملت میں امن و امان پیدا کرنے کے لیے مختلف نظریات کے تحت قوانین بنائے گئے اور ان کے اجرا و نفاذ کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے گئے لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ بد امنی اور لاقانونیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ کب کب جانے، مالے اور عزت و آبرو نہ پہلے محفوظ تھے نہ اب ہے۔ اس بارے میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ قوانین انسانی ذہن کے اختراع ہیں اس لیے آئے دن ان میں کوئی نہ کوئی تبدیلی سامنے آتی رہتی ہے جس سے امن و مسائل مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔

اسلامی قوانین چونکہ منزل میں اللہ ہیں اس لیے انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان پر عمل کر کے ہم امن و امان، دہشت گردی جیسے بین الاقوامی مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر جامعہ حقانیہ کے مفتی اور استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے ایک مقالہ بعنوان ”اسلامی قوانین، جامعیت و اہمیت“ لکھا جسے شائع کرنے کا اعزاز ہم ماہنامہ الحق نے حاصل کیا۔ اب اس مقالہ کو فقہ اور فتاویٰ کے مناسب سے افادہ عوام و خواص کے لیے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شائع کیا جاتا ہے۔

(از مرتب)

اسلامی قوانین / جامعیت و اہمیت

مولانا مفتی غلام الرحمن مدظلہ

انسان مدنی بطبع ہونے کی وجہ سے معاشرہ سے اس کا تعلق لازمی ہے۔ تجرد، انفرادیت اور رہبانیت شرعاً اور عقلاً ہر لحاظ سے قبیح سمجھی جاتی ہے۔ انسان کا ثبات عالم کی خوبصورتی اور زینت ہے، یہ خوبصورتی ایک اچھے معاشرہ کی صورت میں باقی رہے گی، انسان کی ضروریات اور خواج کو کچھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی جملہ ضروریات بذات خود پورا نہیں کر سکتا بلکہ معاشرہ میں رہ کر ایک دوسرے سے فائدہ اور استفادہ کی ضرورت ہوگی۔

قانون کی حقیقت | فائدہ اور استفادہ میں اگر انسان کو کھلے طور پر اجازت دی جائے اور اس پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے تو اس سے انسان کی زندگی تباہ ہوگی۔ ایسی صورت میں بے پروا تشدد، حرص و لالچ، ظلم و ستم اور بوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگا۔ انسانی زندگی گزارنے کے لیے، انسانی معاشرہ کے لیے ضابطہ حیات ضروری امر ہے کہ جس میں معاشرہ بربادی سے محفوظ ہو، انسان کی زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس میں اس کو کسی قانون کی ضرورت نہ ہو، مثلاً اگر انسان کی ابتدائی زندگی یعنی بچپن میں اس کا تحفظ قانونی ذریعہ سے نہ ہو تو اس سے اس کی تربیت و تعلیم کا پیارا مرحلہ ضائع ہو سکتا ہے۔ اگر جوانی میں کسی ضابطہ حیات کی پابندی کا احساس نہ ہو تو اس سے انسان شباب کے وقت ایسی راہ پر چل سکتا ہے جس سے اس کے تباہ ہونے کا خطرہ ہے، اگر بڑھاپے اور ناتوانی کی حالت میں انسان کو مکمل تحفظ میسر نہ ہو تو اس سے خودکشی جیسے قبیح امور کے ارتکاب کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، غرضیکہ انسان زندگی کے ہر مرحلہ میں کسی نہ کسی ضابطہ حیات کا محتاج ہے۔

انسانی زندگی کے سنوارنے کے لیے اس ضابطہ حیات کا دوسرا نام ”قانون“ اور ”آئین“ ہے۔ علماء قانون کی نظر میں اس کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے:-

”قانون ایسے مجموعہ کا نام ہے جس میں مروجہ ہئیکہ، سماجی، معاشی، تہذیبی اور

سیاسی قدروں کا تحفظ کیا جائے۔“

قانون کی ضرورت | اسلام کی نظر میں تو مکلف انسان قانون اور ضابطے کا پابند ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدین یاسجن المؤمن"۔ دنیا مسلمان کے لیے ایک جیل خانہ ہے جہاں اس کی ہر ایک حرکت قانون اور ضابطہ کے تحت ہوگی۔ مذہب کے لحاظ سے یہ پابند لازمی امر ہے۔ آج کے نام نہاد جمہوریت پسند اور حریت پسند لوگ بھی قانون کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے، ان کے ہاں بھی قانون کی پابندی لازمی امر ہے، اگرچہ زبان پر آزادی کا خوشنما نعرہ ہر وقت دھوکہ دینے کے لیے جاری رہتا ہے لیکن ان کی آزادی کی حقیقت صرف اور صرف مذہب اور عقیدہ سے آزادی سے عبارت ہے۔ آج اگر یورپی ممالک کی مثال لی جائے تو وہاں پر قانون کی ضرورت سب سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ مثلاً لاکھوں لوگ مغربی ممالک میں رہائش چاہتے ہیں لیکن قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہاں رہائش نہیں رکھ سکتے، اس لیے کہ قانون ہی ان لاکھوں افراد کی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر انسانی خواہشات کو پابند رکھنا بہتر ہو تو پھر سب سے بڑے مجرم آج ترقی یافتہ ممالک ہیں جنہوں نے غریب ممالک کے لوگوں پر اپنے ملک کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ ان ممالک میں تاجر و مالک، کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان تعلقات بنانے کا واحد ذریعہ قانون سمجھا جاتا ہے، جب ترقی یافتہ ممالک کی کشتی قانون کے بغیر نہیں چل سکتی تو ترقی پذیر ممالک میں قانون کی ضرورت اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔

قانون کی ابتداء اسلامی نقطہ نظر سے قانون کی ابتداء ہبوطِ آدم سے شروع ہوئی ہے۔ گویا جب انسان کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تو خلافت کے نظم و نسق کے لیے قانون کی ضرورت خود بخود محسوس ہوئی۔ موجودہ دور کے قانونی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ خاندان اور قبیلہ کے وجود کے ساتھ ہی دنیا میں قانون کا ظہور ہوا۔

انسان نے حرص اور لالچ سے جب ہم نوع کے حقوق پر دست درازی شروع کی تو حقوق کی حفاظت کے فطری جذبہ نے لوگوں میں قانون کی ضرورت کا احساس ابھارا۔ چنانچہ غیر اختیاری طور پر خاندانوں اور قبیلوں میں عرف، رواج یا دوسرے ایسے قواعد و ضوابط پیدا ہوئے جس کے تحت زندگی گزارنی ضروری ہوئی۔ بچوں، عورتوں اور خاندان اور قبیلہ میں وسعت پیدا ہوتی گئی تو قانون کی ضرورت میں بھی شدت ہوتی رہی اور قانون کو معاشرہ کے تقاضوں اور حالات سے ہم آہنگ کرنے کیلئے جدت اور تبدیلی لازم قرار پائی، یہ قانون کے لیے اگرچہ طفولیت کے ادوار تھے، لیکن پھر ایک خاندان اور قبیلہ میں قانون لازمی امر رہا۔ خاندان اور قبیلہ سے انسانی معاشرہ جب ریاست کی شکل میں تبدیل ہوا تو قانون نے دوسرا قدم اٹھایا، اور جب ریاست سے سلطنت اور حکومت کی صورتیں سامنے آئیں تو اس سے

قانون میں اور بھی جدت پیدا ہوئی۔ گویا انسانی زندگی کے اول روز سے ہی قانون کو اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔

قانون کی قسمیں | تاریخ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے دو قسم کے قوانین وضع ہوئے۔ پہلی قسم کا قانون ہے جو انسان نے خود اپنے لیے بنایا، مقنن خود بھی اس کا پابند رہا، اس قانون میں عموماً وقت اور حالات کی رعایت ہوتی رہی اور مقنن معاشرہ کے حالات کو مد نظر رکھ کر قانون مرتب کرتا رہا، جب حالات کی تبدیلی ایک لازمی امر تھا تو اس قانون میں بھی ترمیم و اضافے روزمرہ کا ایک معمول بن گیا۔ قانون کی اس قسم کو ہم ”انسانی قانون“ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس کا بنانے والا خود انسان ہوتا ہے اور یہ انسانی دماغ کا اثر ہے۔ دوسری قسم کا قانون وہ ہے جس کا بنانے والا بالائی طاقت رہی، یعنی مقنن نے اپنی ضروریات کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی ضروریات کے لیے قانون وضع کیا، اس میں وقتی مصلحت یا حالات کی ضرورت کی رعایت نہیں رکھی گئی بلکہ ابدی ضرورت کو مد نظر رکھ کر قانون بنایا تھا اس لیے وقت اور ضرورت کی تبدیلی سے اس کی قانونی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑا، یہ عمر بھر کے لیے قابل عمل رہا، اس قانون کو ”رحمائی قانون“ کہا جاتا ہے۔

انسانی قانون کی حقیقت | آج قانون کا لفظ بول کر معاشرہ میں اس سے اول الذکر قانون مراد لیا جاتا ہے، بلکہ بعض لوگ جو ذہنی جمود کا شکار ہوئے ہیں ان کے نزدیک قانون صرف انسانی قانون سے عبارت ہے، مذہب یا عقیدہ کا قانون سے کوئی رشتہ نہیں، ان لوگوں کے نزدیک قانون اجتماعی زندگی کا محافظ ہے جبکہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قانون ایک انسان کے دوسرے انسان سے تعلقات کا تعین کرتا ہے جبکہ مذہب خدا اور انسان کے تعلقات کا تعین کرتا ہے۔ یہ رائے حقیقت اور واقعہ سے صریح مخالف ہے لہذا ایسی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ انسانی قانون نے کچھ اچھے ثمرات بھی دکھائے لیکن ”واشہما اکبر من نفعہما“، یعنی ثمرات سے مفرات زیادہ ہیں۔ قانون کی یہ شکل ہر دور میں مختلف رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں قانون امیر یا خاندانی سربراہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہوتی، خاندانی سربراہ جو قاعدہ یا ضابطہ مقرر کرتا اسے قانون کا درجہ حاصل ہوتا، کسی کو اس سے مخالفت کی جرأت نہ ہوتی اور خلاف ورزی کی صورت میں بڑی شدت سے اس کا محاسبہ کیا جاتا۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں جب انسانی حقوق کے تحفظ کا نیا نعرہ لگا کر جمہوریت کی آواز بلند ہوئی تو اس سے قانون بنانے کے طریقہ کار میں کافی تبدیلی آئی۔ موجودہ وقت کے قانونی ذخائر اور حالات و واقعات خاص کر جمہوری اصول کو مد نظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی قانون کے بنانے والے تین شعبے ہیں۔

مقننہ کے مختلف شعبے | انسانی قانون بنانے میں تین شعبوں کا بڑا دخل ہے، گویا یہ تینوں شعبے انسانی قانون کے ماخذ اور مراجع ہیں اور وہ یہ ہیں :-

۱) سربراہ مملکت (۲) آئین ساز ادارے (۳) عدالتی نظام

سربراہ مملکت | یہ شعبہ قدیم دور کے خاندانی سربراہ کی ایک جدید شکل ہے، البتہ قدیم دور میں خاندانی سربراہ مختار کل ہوتا تھا جبکہ عصر حاضر میں اس شعبہ کو محدود اختیارات حاصل ہیں۔ سربراہ مملکت مفاد عامہ کے پیش نظر ہنگامی حالات میں نظر بے ضرورت کے تحت کوئی نہ کوئی قانون ”آرڈیننس“ کی صورت میں نافذ کر سکتا ہے اگرچہ اس کی منظوری کے لیے کسی پارلیمنٹ کی طرف رجوع ضروری ہوتا ہے لیکن پھر بھی قانون بنانے میں سربراہ مملکت کافی دخل رکھتا ہے۔

آئین ساز ادارے | قانون بنانے والوں کا دوسرا اہم شعبہ ”آئین ساز“ ادارہ ہے اور جمہوری ممالک میں اس ادارہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ایسے ادارہ کی محنت اور

سعی سے بنا ہوا قانون جدید ذہن والے صحیفہ آسمانی کے برابر سمجھتے ہیں، اس میں ترمیم و منسوخی کا حق بھی اسی ادارہ کو حاصل رہتا ہے، آج کل قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ کے ادارے اس کے نمونے ہیں، ان اداروں میں کثرت رائے سے جو بات سامنے آتی ہے اسی کو ملک کا قانون سمجھا جاتا ہے، اس میں رد و س کی کثرت کا اعتبار رہتا ہے، جس بات کی حمایت میں زیادہ ووٹ نکل آئیں تو وہ قانون بن جاتی ہے، گویا کہ اس میں تمام تر فیصلے کثرت رائے پر ہوتے ہیں، اگرچہ اس کے قانونی شکل میں نفاذ کیلئے (BILL) وغیرہ کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، لیکن حتمی منظوری کے بعد اس کو قانونی قالب میں ڈھال کر ملک کے قانون کا مستقل حصہ بنا دیا جاتا ہے۔

عدالتی نظام | انسانی قانون کا تیسرا ماخذ عدالتی نظام ہوتا ہے، کسی جمہوری ملک کی عدالت عالیہ اپنی صوابدید کے مطابق قانون کی تشریح کرتے ہوئے جو فیصلہ کرتی ہے تو ماتحت عدالتیں بھی اس کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک عزیز پاکستان کی اعلیٰ عدالت ”سپریم کورٹ“ نے جب کوئی فیصلہ کیا تو ”ہائیکورٹ“ یا ماتحت عدالتیں اس فیصلہ سے متاثر ہوتی ہیں اور وہ اپنے فیصلوں

اس کا لحاظ رکھتی ہیں تو یہ فیصلے مستقل قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں انسانی قانون یا قانون سازی کو انسان کے بنیادی حقوق کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔

رحمانی قانون کی حقیقت | قانون کی دوسری قسم یعنی ”رحمانی قانون“ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو جنت سے اتار کر زمین پر بھیجا تو

اس وقت حضرت آدمؑ سے فرمایا: ﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۹) یعنی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت نامہ اور ضابطہٴ حیات آئے گا، تیری اولاد کے لیے اس کی تابعداری ضروری ہوگی۔“

انسانی ہدایت کی یہ حقیقت دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے: ﴿يُنْزِلُ إِلَيْكُم مِّن سَمَاءٍ مَّائِدًا يُفْقِصُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِهِ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷) اے اولادِ آدمؑ تمہارے پاس میرے رسول آئیں گے جو میری آیتیں بیان کریں گے۔“

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدمؑ کے لیے ضابطہٴ حیات کی تفریری اور تعین کے لیے دورا ہیں متعین کیں۔ ایک راہ ”ہُدًى“ یعنی ہدایت اور دوسری راہ ”مائد“ ہے۔ گویا رحمانی قانون کے مآخذ اور مراجع اصولی طور پر یہ دونوں ٹھہرائے گئے۔

رحمانی قانون کے مآخذ | حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے کتنی کتابیں نازل کیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سو چار کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں، دس صحائف حضرت آدمؑ پر، پچاس صحائف حضرت شیثؑ پر، تیس صحائف حضرت ادیسؑ پر اور دس صحائف حضرت ابراہیمؑ پر اتارے اور چار بڑی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید نازل کیں۔

یہ ایک سو چار کتابیں حقیقت میں رحمانی قانون کے مختلف ایڈیشن اور نسخ ہیں، پھر قانون کا یہ اہم کام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے لیا گیا، گویا ماضی میں یہ دوراہ یعنی ہُدًى اور رسول متعین تھیں، لیکن جب رحمانی قانون کا آخری کامل اور مکمل نسخہ قرآن کی شکل میں خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آئندہ کے لیے سلسلہٴ نبوت ختم کر کے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طریقوں کے ساتھ دوسرے دو طریقے اور بھی شامل کیے، جن کو ”اجماع امت“ اور ”قیاس“ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - (سورة النساء آیت ۵۹)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی تابعداری کرو اور اولی الامر کی تابعداری کرو اور اگر کسی چیز میں جھگڑا پڑے تو اللہ اور رسولؐ کے احکام کی طرف رجوع کرو۔“

اس آیت میں رحمانی ہدایت کے ماخذ اربعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون اور رحمانی ہدایت کے چار ماخذ ہیں۔ اطیعوا اللہ سے کتاب اللہ، اطیعوا الرسولؐ سے سنت الرسولؐ، اولی الامر سے اجماع اور فرد وہ الی اللہ والرسولؐ سے قیاس کی طرف اشارہ ہے۔

گویا اسلامی قانون کبھی آدمؑ اور مصحفِ آدمؑ کی شکل میں آیا، کبھی ثیث کے پچاس صحیفوں میں آیا، کبھی ادیس اور مصحفِ ادیس کی شکل میں، کبھی ابراہیمؑ اور مصحفِ ابراہیمؑ کی شکل میں وضع ہوا، کبھی داؤدؑ اور زبور، کبھی موسیٰؑ اور توریت اور کبھی عیسیٰؑ اور انجیل کی شکل میں آیا، اور آخری ناقابلِ ترمیم مسودہ ”قرآن“ کی شکل میں اترا جس کی تفصیل سنتِ رسولؐ، اجماعِ امت اور قیاس سے کرائی گئی۔

اسلامی قانون کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات | اسلامی قانون کی خصوصیات اور امتیازات یا تقابلی

مطالعہ کے بغیر ہمارے مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانی قانون کے مقابلے میں ”رحمانی قانون“ انسانی معاشرہ کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ اور یہ صرف ہم نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کوئی دوسرا قانون وقت اور حالات کیلئے مناسب نہیں۔ (۱) ڈاکٹر سیموئل لکھتے ہیں کہ قرآن کے مطالب ایسے ہمگیر اور ہر زمانے کے لیے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنت میں گونجتے ہیں۔

(۲) مسٹر ولف کہتا ہے کہ وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف و عدالت، فوجی تنظیم و مالیات اور غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔

(۳) ڈاکٹر مولیس فرانسیسی لکھتا ہے کہ قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دیں قرآن ان سب سے افضل ہے۔ (علوم القرآن ص ۴۳)

اسلامی قانون کے اہم شعبے | اگرچہ قانون کے شعبہ "دستوری قانون" (Constitutional Law) اور "انتظامی قانون" (Administrative Law) اور "خارجہ پالیسی" اور "داخلہ پالیسی"

کا پورا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور عملی تجربہ حلقائے راشدین کے دور خلافت میں نمایاں ہے۔ دستوری قانون اور انتظامی قانون اظہر من الشمس ہیں کہ ہمارا دستور قرآن و سنت ہے اور اس میں ہر ایک کے اختیارات محدود ہیں اور خارجہ پالیسی بھی واضح ہو کہ تعلقات جوڑنے اور توڑنے کے لیے اسلام ہی بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے تاہم غیر مسلم ممالک سے معاملات اور تعلقات رکھنے میں رخصت دے کر تمام دنیا سے خارجہ پالیسی بنانے کی اجازت دی ہے لیکن دوستی کا ہاتھ صرف اسلامی ممالک کے ساتھ بڑھایا جائے گا۔

موجودہ وقت میں بین الاقوامی یا ملکی قوانین کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قانون کے دو شعبے بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ رعیت کی خوشحالی و ترقی اور امن و امان کا مسئلہ ان دونوں شعبوں سے تعلق رکھتا ہے جس میں پہلا شعبہ شخصی قانون (Personal Law) اور دوسرا شعبہ ملکی قوانین (Public Law) ہے۔ ہم پوری تفصیل بیان کیے بغیر ان دونوں شعبوں کا ایک طاہرانہ جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسانی معاشرہ کی خوشحالی کا راز صرف اسلامی قانون میں مضمر ہے۔

اسلام کا شخصی قانون | شخصی قانون کا تعلق عموماً فرد اور خاندان سے ہوتا ہے۔ اسلام میں فرد کی اصلاح کیلئے تین چیزیں خصوصی طور پر بیان کی گئی ہیں جو نماز، روزہ اور حج ہیں ان تینوں عبادات سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، مفسرین ان تینوں کو امور مصلحہ للنفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان تینوں عبادات میں باقاعدگی سے انسان میں اتباع قانون، ایثار اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ ابتداء میں ہوتا رہتا ہے۔

ان تینوں امور کے بعد گھرانے اور خاندان کے جوڑنے کے لیے نکاح، مہر، نفقہ، حضانت، طلاق کی دفعات کتاب النکاح میں بیان ہوتی ہیں تاکہ اس سے انسان ایک خوشحال گھرانہ میں زندگی بسر کر سکے اور طلاق کے قانون پر سہولت دی گئی کہ بصورت ناچاقی خلاصی ممکن ہو۔ گذراوقات کیلئے اسباب ملک میں بیع و شراء، خرید و فروخت، وصیت، ہبہ، شفعہ، وراثت وغیرہ قوانین معاملات میں بیان ہوئے ہیں تاکہ ملکیت کے اسباب متعین ہوں اور کسی کو دوسرے کی جائیداد پر ناجائز قبضہ جمانے کا موقع نہ مل سکے، وفات کی صورت میں میت کی جائیداد میں زور آزمائی، ظلم و ستم

اور زیادتی سے بچنے کے لیے وراثت کا عظیم قانون موجود ہے۔

اسلام کا ملکی قانون (Public Law) میں چند چیزوں کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کو قانون میں بنیادی اہمیت حاصل ہے

اور وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حفاظتِ نفس (۲) حفاظتِ نسب (۳) حفاظتِ مذہب (۴) حفاظتِ مال (۵) حفاظتِ عقل (۶) حفاظتِ عزت۔ اسلامی قانون میں بحمد اللہ ان چھ چیزوں کو محفوظ حاصل ہے وہ کسی دوسرے نظام میں میسر نہیں۔

حفاظتِ نفس حفاظتِ نفس کے لیے قرآنِ کریم نے دو ٹوک اعلان کیا: **كُتِبَ عَلَيْكُمُ** **الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ** اس سے قصاص کا منصفانہ قانون نافذ ہوا تاکہ

کسی شخص کا خون رائیگاں نہ گرنے پائے۔ یہاں تک کہ دوسرے امور میں خطا کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا، یعنی حقوق اللہ میں اگر غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: **”مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مِّنْ النَّاسِ فَهُوَ كَقَتْلِ رَجُلٍ مِّنْ عِزَّتِي“** یعنی میری امت کی خطا اور بھول معاف ہے۔

لیکن انسانی قتل میں خطا کی صورت میں کفارہ اور دیت واجب قرار دی، پھر بھی اگر قاتل کا علم نہ ہو سکے تو پھر محلہ والوں کے لیے ”قسامت“ کا قانون نافذ کر کے دیت کی وصولی کے لیے عام اہل محلہ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ انسانی نفس تو کیا انسان کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ایک ایک پور کی حفاظت کی گئی کہ ایک پور کے بدلہ میں سارا حصہ دیت واجب ہوگی۔

حفاظتِ نسب آج آپ ترقی یافتہ ممالک کی حالت دیکھیں کہ وہ جنسی خواہشات کے غلام بن گئے ہیں جس کی وجہ سے وہاں کا نسب محفوظ نہیں ہے، اسلام نے

نسب کی حفاظت اس انداز میں کی کہ چند سال قبل ہندوستان کی اعلیٰ عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ ”چادر اور چار دیواری کی حفاظت اگر مقصود ہے تو مسلمانوں کے قانونِ رحم اور حد پر عمل کرنا

پڑے گا۔“ زنا اور حرام کاری کی ممانعت کے علاوہ قسود نسب سے بچنے کے لیے نظر کی حفاظت

لازمی قرار دی گئی کہ مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ اپنی نظر نیچے رکھیں۔ پردہ کو لازمی قرار دیکر غیر محرم عورتوں سے خلوت اور ناجائز اختلاط ممنوع قرار دے کر فحش کاری کی بیخ کنی کی گئی،

زنا کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شادی شدہ (مرد اور عورت) کو رجم اور غیر شادی شدہ کو سو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، ارشادِ ربانی ہے:۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جُلْدَةٍ - (سورة النور آیت ۴)
ترجمہ ”زنا کار مرد اور عورت کو سو سو کوڑے لگا دیئے جائیں“

حفاظتِ مذہب | انسان کو عقیدہ اور مذہب بڑا پیار ہوتا ہے، اسلام میں ”ذمی“ کی حقیقت تسلیم کرنے کے بعد اس کے مذہبی اور اعتقادی مسائل میں دخل اندازی

ممنوع قرار دی گئی لیکن اسلام جو کہ ابدی اور ازلی مذہب ہے اسکی مخالفت حد ارتداد سے کی گئی کہ -
من بدل دینہ فاقتلوه - ر

حفاظتِ مال | مال و دولت کی حفاظت عصر حاضر کا بڑا اہم مسئلہ ہے، آج دولت ہماری حفاظت نہیں کر سکتی بلکہ ہمیں دولت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اسلام میں پہلے انسان کو

حلال خوری کی ترغیب دے کر اس کے حلال مال کی حفاظت یوں کی گئی کہ کسی مسلمان کا مال غیر شرعی طریقہ سے کھانا حرام ہے یہی وہ ہے کہ ڈاکہ زنی، چوری اور دھوکہ دہی کو جرم قرار دیا گیا، اگر کوئی شخص کسی کے حلال مال پر دست درازی کرے تو اس پر حد سرقہ جاری کی جائے گی مستقل حکم یہ دیا گیا -
”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ (سورة النور آیت ۴) چور مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

حفاظتِ عقل | عقل انسان کا وہ جوہر ہے جس کو محفوظ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے عصر حاضر میں منشیات کی وباء عالمی سطح پر حکومتوں کے لیے ایک چیلنج بنی ہوئی ہے، امریکہ

سمیت پوری دنیا جیراں ہے کہ لاکھوں کروڑوں نوجوان اس مکروہ نشہ کا شکار ہو کر بالآخر خودکشی پر کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مسلمان میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر حد شرب خمر کا مطالعہ کر کے صرف ”کتاب الاشریۃ“ کے باب کا قانون نافذ کر کے حد شرب خمر کا اجرا کر دیا جائے تو پورے ملک میں ہیروئن کا نشہ کرتے والا ایک آدمی بھی نظر نہیں آئے گا۔ اور عقل کی یہ حفاظت حد شرب الخمر کے اجراء کی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے۔

حفاظتِ عزت | انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عزت ہے، دنیا کے تقریباً ہر ملک میں ہتک عزت کا قانون ہے لیکن اسلام کی یہ دفعہ سب سے اہم اور نرالی ہے

اس میں ایک شخص کسی دوسرے کو زانی یا چور جیسے قبیح الفاظ سے نہیں پکار سکتا ورنہ حد قذف کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ہر وہ کلمہ جس سے ایک مسلمان کی عزت و وقار پر حرف آتا ہو قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔

غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار



غیر اسلامی ممالک اپنی عدالتوں اور ان کے طریقہ قضا پر بہت نازاں ہیں اور اپنے طریقہ قضا کے لیے ہر کسی کو دعوت دیتے ہیں مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ اخبارات رسائل و جرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے طریقہ قضا میں صاحب ثروت اور اثر و رسوخ والے شخص کو ہر قسم کا تحفظ حاصل ہے جبکہ غریب، نادار، کمزور اور بے بس آدمی کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کا طریقہ قضا فطرت کے عین مطابق ہے، جس میں ہر ایک کو پورے عدل و انصاف کے ساتھ اس کا حق اس کی دھلیز پر دیا جاتا ہے۔ غیر اسلامی ممالک کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے ایک مضمون بعنوان ”غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار“ لکھا جسے ماہنامہ الحق نے شائع بھی کیا تھا۔ اب افادہ عام اور فقہ و فتاویٰ کے مناسبت سے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

راز مرتب

غیر اسلامی ممالک میں قضا کا طریقہ کار

قضا اسلامی شخص کی تکمیل کا ایک اہم حصہ ہے جس کے بغیر اسلامی زندگی ناقص اور ادھوری ہے۔ نظام قضا کے ذریعہ محاسبہ اور مواخذہ کی اس اہم دفعہ کی آبیاری ہوتی ہے جس پر اسلامی زندگی کی بنیاد قائم ہے۔ اگر انسان کے انفرادی یا اجتماعی افعال پر اپنی یا کسی قابل تعظیم شخصیت کی نظر نہ ہو یا اس کو آزاد چھوڑ کر اس کے کئے ہوئے افعال پر کوئی باز پرس نہ ہو تو اس سے قوت بہیمی کو حوصلہ افزائی کا ایسا موقع مل سکتا ہے جس سے انسانی اقدار مجروح ہوں۔

اسلام کے نظام قضا و قانون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قضا صرف ایک معاشرتی ضرورت نہیں کہ جس کی حاجت اجتماعی معاشرہ میں محسوس ہو بلکہ یہ مسلمانوں کا ایسا دینی اور مذہبی فریضہ ہے جس کی ضرورت قدم بقدم محسوس ہوتی ہے۔ قضا دیگر عبادات کی طرح ایک مستقل عبادت ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھنا مجھے ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ علماء کرام اسے تقرب الہی کا ایک ذریعہ متصور کرتے ہیں۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: قال بعضهم القضاء امر من امور الدين ومصلحة من مصالح المسلمين تجب العناية به لان بالناس اليه حاجة عظيمة وهو من انواع القربات الى الله عز وجل ولذا تولاه الانبياء عليهم السلام۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۴) کتاب القضاء

ترجمہ ”بعض علماء فرماتے ہیں کہ قضا دین کے امور میں سے (ایک اہم) امر ہے اور مسلمانوں کی بہتری کا ایک شعبہ ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہ ذمہ داری قبول کی۔“

اس لیے اسلامی معاشرہ میں انفرادی اور اجتماعی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی عایت ضروری ہے اس کی ادائیگی کے بغیر مسلمان مسئولیت کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے۔

نظام قضا کیلئے قوتِ تنفیذ کی ضرورت | ایسی صورت میں نظام قضا کا نفاذ اور اجرا کسی ولایت عامہ یا قوتِ تنفیذی کے وجود پر موقوف نہیں

یہی وجہ ہے کہ محکمہ پنچایت یعنی کسی ثالث کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینا نظام قضا کا ایک شعبہ ہے اس میں

اگرچہ حکم یعنی ثالث کی ولایت ناقص ہو کر صرف طرفین تک محدود رہتی ہے، اس میں بھی طرفین فیصلہ کرنے سے قبل بغیر کوئی وجہ بتائے رجوع کا حق قضاء محفوظ رکھتے ہیں، لیکن جب ایک دفعہ ثالث کا فیصلہ صادر ہو جائے تو یہ مستقل قضاہ بن کر کسی دوسرے اعلیٰ قاضی کی عدالت میں مرافعہ کے وقت کسی خاص ضرورت کے بغیر اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتا، طرفین حسب معاہدہ اس فیصلہ کے پابند رہیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نظام قضاہ جزوی طور پر کسی طاقت اور قوت کے استعمال پر موقوف نہیں، یہ الگ بات ہے کہ نثر القرون کے ان ادوار میں انسان طبعی حرص و لالچ کی وجہ سے کسی دوسرے کے حق کی ادائیگی کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا اور اپنا حق منوانے کے لیے جملہ وسائل بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتا۔ اس لیے نظام قضاہ کے مثبت نتائج کے مشاہدہ کیلئے قوت تنفیذ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ **وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** کی برکت سے شرعی فیصلہ کا تقدس اور عظمت بحال رہ سکے۔

غیر اسلامی علاقوں میں نظام قضاہ کے چند نظائر | مسلمان ممالک کی طرح غیر اسلامی ممالک میں بھی جہاں پر کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت

میں رہ رہے ہوں مسلمان اپنا مذہبی شخص قائم رکھنے کے پابند ہیں، جیسا کہ عبادات سے مسلمان بری الذمہ نہیں ہو سکتے ایسا ہی حسب طاقت مسلمان اپنے مسائل اسلامی طرز حیات میں طے کرنے کے پابند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سُورَةُ النَّاسِ آيَةُ ۶۵) — (ترجمہ) پس تیرے رب کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔“

مکی زندگی کے جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو یہاں پر غلبہ حاصل نہیں تھا بلکہ اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمان اپنے فیصلے اپنے درمیان کرتے تھے کسی غیر اسلامی فیصلہ کرنے والے کے پاس جانے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔

ایسا ہی مدنی زندگی میں اگرچہ خاص علاقوں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا لیکن جو علاقے مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھے وہاں کے کچھ باشندے جب اسلام کی نعمت عظمیٰ سے مشرف ہو جاتے تو اپنے فیصلے باہمی مشورہ سے طے کرتے۔

فقہی جزئیات کی تائید | فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جہاں کہیں کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت میں رہ رہے ہوں تو وہ اپنے باہمی منازعات کا

فیصلہ کرنے کے لیے کسی مسلمان قاضی کی تقرری کے پابند رہیں گے، علامہ کمال ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:-
 ھذا اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز منہ کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبہ

فی المغرب الان وبنسیہ وبلاد الجیشہ و اقروا المسلمین عندہم علی مال یؤخذ منہم یحب علیہم ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ وایا فیوٹی قاضیا ویکون ھو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا لہم اما ما یصلی بہم الجمعة۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۵ کتاب القضاء)

ترجمہ ”یہ حکم اس وقت ہے جہاں کہیں حاکم نہ ہو یا کسی فرسے قضا قبول کرنے کی کوئی صورت نہ ہو جیسا کہ بعض مغربی اور عیشہ کے ممالک میں ہے، تو جب مسلمان باقاعدہ مال کی ادائیگی کے معاہدہ پر رہ رہے ہوں ان پر ضروری ہے کہ اپنے درمیان کسی ایک پر اتفاق کر کے اسے قاضی مقرر کریں جو ان کے درمیان فیصلے کرے اور ان کے لیے امام مقرر کرے تاکہ وہ ان کو جمعہ (اور عیدین) کی نماز پڑھائے۔“

مسلمانوں کے اتفاق سے قاضی کی تقرری | ایسی حالت میں اگر مسلمان باہمی اتفاق سے کسی ایک معتد شخص کو اپنا فیصلہ مقرر کریں تو اس کی حیثیت قاضی کی ہو

گی، مسلمان اس کے فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ رویت ہلال سے صوم و افطار میں اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور جمعہ و عیدین دیگر شرائط کی رعایت کے بعد اس کی موجودگی میں ادا ہوں گے۔ شیخ بدرالدین محمود بن اسماعیل الشہیر بابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں:-

واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد وبصیرۃ لقاضی قاضیا

بترافق المسلمین۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۱۱ الفصل الاول فی القضاء)

ترجمہ ”وہ علاقے جہاں پر کفار کا غلبہ ہو تو مسلمانوں کے لیے جمعہ و عیدین کا پڑھنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی باقاعدہ قاضی ہوگا۔“

علامہ علاؤالدین الحسکفیؒ اس کی مزید اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ولو فقد وال الغلبة علی کفار وجب علی المسلمین تعین وال۔ (الدر المختار علی

ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۸ کتاب القضاء)

ترجمہ ”اگر کفار غلبہ سے کہیں مسلمان ولایت عامہ سے محروم رہیں پھر بھی اپنے لیے والی

کی تقرری ان پر ضروری ہے۔“

عصر حاضر میں غیر اسلامی ممالک میں قضاء کی چند صورتیں | آجکل دنیا مذہب و عقیدہ، رنگ و نسل اور سوچ و فکر

کے حوالہ سے منقسم ہے، عام محاورہ میں جسے جمہوری دور کہا جاتا ہے، اس میں جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کر رہے ہیں تو اپنے جملہ وسائل بروٹے کار لا کر اس ملک میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے ہر مسلمان باشندہ کی ذمہ داری ہے، لیکن جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں بلکہ کسی غیر اسلامی نظام حیات کے تابع ہوں تو ان ممالک میں بھی بقدر استطاعت مسلمان اپنی مذہبی اقدار کی رعایت کرنے کے پابند ہوں گے، عقائد و اعمال کی درستگی اور اسلامی طرز حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا تو انفرادی معاملہ ہے جس میں ان کا کوئی عذر قابلِ سماع نہیں، خاص کر جن ممالک میں مذہبی آزادی ہو، لیکن باہمی جھگڑے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طے کرنے کی بظاہر دو صورتیں نظر آتی ہیں:-

پہلی صورت | پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان اگر کہیں اجتماعی طور پر اس نظام کے قیام سے عاجز ہوں تو خود مذہبی جذبہ کی روشنی میں انفرادی طور پر اپنے معاملات قرآن و حدیث کی روشنی میں طے کریں، ایسی صورت میں کسی غیر اسلامی حکومت کے لیے کسی قسم کی قانونی پیچیدگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی مروجہ قوانین تک نوبت پہنچنے سے قبل ہی مسلمان اپنے معاملات کسی ایسے عالم کے ذریعہ طے کریں جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق متنازعہ معاملات طے کرنے کی اہلیت ہو، اس سلسلہ میں کسی فعال اسلامی تنظیم کو بھی بروٹے کار لایا جاسکتا ہے کہ وہ تنظیم خود مسلمانوں کے معاملات طے کرانے کا انتظام کرے یا کسی اور کے ذریعہ کرانے کا بندوبست کرے۔

انفرادی طریقہ کار کی کمزوریاں | اس طریقہ کار سے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن پھر بھی اس کا دائرہ بہت محدود ہوگا کیونکہ اس کی حیثیت ”تجکیم“ کے سوا اور کچھ نہیں اور ”تجکیم“ کا دائرہ بہت محدود ہے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں سیاسی طور پر مسلمانوں کے لیے کئی مشکلات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اولاً یہ کہ مسلمانوں کے پاس ایسے نظام کی تنفیذ کے لیے جب تک کسی مروجہ قانون کا سہارا نہ ہو تو محض دینی جذبہ سے اس کے تابع رہنے کے نتائج بہت کم سامنے آئیں گے۔ انسان طبعی طور پر نقصان برداشت کرنے یا کسی معاملہ میں ہار ماننے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا، عین ممکن ہے کہ کسی مسلمان کو اگر شرعی فیصلہ میں اپنا نقصان نظر آئے تو وہ کسی مسلمان فیصلہ کنندہ کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔

بلکہ متبادل ذرائع تلاش کر کے رائج الوقت قانون میں اپنا سہارا ڈھونڈے گا۔ علاوہ ازیں شرعی طور پر بھی ”محکم“ کا اختیار چند مسائل تک محدود ہے، قصاص و دیت اور حدود جیسے مسائل نمٹانے کی اہلیت ”محکم“ میں نہیں۔ اور اگر کہیں کسی فعال اسلامی تنظیم یا دینی درد لکھنے والے مسلمانوں کی مساعی سے یہ نظام کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اس کے اچھے نتائج محسوس ہوں تو یہ مسلمانوں کے سیاسی استحکام کی دلیل ہوگی اور اس سے رائج الوقت حکومت اپنے لیے مستقبل میں خطرہ محسوس کرے گی۔ ممکن ہے کہ اس باہمی تعاون کی وجہ سے مسلمان بعض علاقوں میں اس درجہ میں منظم ہوں کہ ان کے پاس معاشرتی میدان میں عملی طور پر قوتِ تنفیذی حاصل ہو اور مسلمان جبری طور پر اسلامی فیصلہ ماننے کیلئے تیار ہوں۔ یہ صورت اگرچہ بذاتِ خود بہت اچھے نتائج کی حامل ہے لیکن سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی سرگرمیاں اس سے متاثر ہو سکتی ہیں جس سے غیر اسلامی اقتدار اعلیٰ ایسی کامیابی میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرے گا۔

دوسری صورت | ایسے غیر اسلامی ممالک میں مسلمان اپنی ذمہ داری ایک دوسرے طریقے سے نباہ سکتے ہیں کہ وہ اسلامی نظامِ قضاء کے تحفظ کے لیے رائج الوقت قوانین کا سہارا لیں، اور یہ موجود وقت میں شخصی قوانین کے تحت قابلِ عمل بھی ہے۔ اس لیے اگر مسلمان محنت کر کے سیاسی میدان میں اتنا مقام پیدا کر لیں کہ حکومت وقت سے اپنے حقوق منوائیں، مسلمان ایسے قوانین کے بنانے پر زور دیں کہ رائج الوقت قوانین میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے، یعنی جو مسلمان ہو گا وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا، ممکن ہے کہ اقتدار اعلیٰ ہر مسئلہ میں ایسے فیصلہ کرنے کی اجازت نہ دے لیکن بعض امور میں یہ حق ملتا بھی مسلمانوں کے لیے موقعِ غنیمت سے کم نہیں کیونکہ ماکلا یدرک کلمہ لا یتروک کلمہ کے قاعدہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو کچھ بھی ہو سکے اس سے روگردانی اور اعراض نہ کیا جائے، ایسی صورت میں علاقائی تحدید کی طرح اگر بعض مسائل تک قاضی کا دائرہ اختیار محدود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نظامِ قضاء میں اس کی گنجائش ہے کہ کسی قاضی کا دائرہ اختیار ایام یا احکام کے اعتبار سے محدود ہو۔ چنانچہ علامہ الماروردیؒ فرماتے ہیں :-

وبجوز ان تكون ولاية القاضي مقصورة على حكومة بينهما بين خصمين ولا يجوز ان ينفذ النظر الى غيرهما من الخصوم وتكون ولاية على النظر بينهما باقية ما كان التشاجر بينهما باقياً فاذا ثبت الحكم بينهما زالت ولاية... فلولم يعين الخصوم وجعل مقصوراً على الايام وقال فلذلك النظر بين الخصوم في يوم السبت وحده جاز نظراً فيه بين الخصوم في جميع الاعادي۔
(ترجمہ) ”یہ جائز ہے کہ کسی

قاضی کا دائرہ اختیار کسی خاص افراد کے فیصلہ تک محدود ہو تو ان کے علاوہ دوسروں پر اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں، ان مخصوص افراد کے درمیان جب تک یہ معاملہ باقی ہو تو قاضی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے جب ان کا فیصلہ ہو جائے تو اس کا اختیار ختم ہو گا۔۔۔ اگر طرفین کا تعین نہ ہو بلکہ خاص ایام میں اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے، مثلاً یہ کہ تجھے ہفتہ کے دن فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، تو ہفتہ کے دن جملہ فیصلوں کا اختیار اس کو حاصل ہو گا۔

غیر اسلامی حکومت سے عہدہ قضا قبول کرنے کی شرعی حیثیت | اس پر یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی غیر اسلامی حکومت سے

قضاء کا عہدہ قبول کرنا کہاں تک جائز ہے، کیونکہ اس میں غیر اسلامی حکومت کو دوام بخشنے اور اس سے تعاون کی ایک صورت ہے جو تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کسی مذہبی عقیدہ اور شخص کے مجروح ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر ایسا عہدہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں کہیں (غیر اسلامی) حکومت میں مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کر کے شرکت کر سکتے ہیں۔ اور اگر کسی غیر اسلامی قانون کے ذریعہ جب اسلامی قضاء کو دوام بخشا جائے تو ایسے قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں واجب العمل ہو گا۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

وَلَكِنْ إِذَا وَلِيَ الْكَافِرُ عَلَيْهِمْ قَاضِيًا وَرَضِيَهُ الْمُسْلِمُ صَحَّتْ تَوَلِيَّةُ بِلَاشِيَهْ۔

(مرد المحتار علی الدر المختار ج ۳ کتاب القضاء)

(ترجمہ) ”اگر کسی کافر نے مسلمانوں کے لیے ان کی مرضی کے مطابق قاضی مقرر کیا تو اس کی

یہ تولیت بلاشبہ جائز ہے۔“

ایسا قاضی مسلمانوں کے لیے وہ تمام امور جاری کر سکتا ہے جو دارالاسلام میں ایک قاضی کے دائرہ اختیار میں ہو۔ چنانچہ شیخ بدرالدینؒ فرماتے ہیں:-

وَكُلُّ مَصْرُفٍ فِيهِ دَالٌ مُسْلِمٌ مِنْ جِهَةِ الْكَفَّارِ تَجُوزُ فِيهِ أَقَامَةُ الْجَمْعِ وَالْإِعْيَادِ وَآخِذُ الْخَرَاجِ

وَتَقْلِيدُ الْقَضَاءِ وَتَزْوِيجُ الْأَيَامِ لَا سِتِيلَاةَ الْمُسْلِمِ عَلَيْهِمْ۔ (جامع الفصولین ج ۱ الفصل الاول فی القضاء)

(ترجمہ) وہ علاقہ جس میں کسی کافر بادشاہ کی طرف سے مسلمان گورنر ہو تو اس میں جمعہ وعیدین کی اقامت،

خراج، قضاء کی تقرری اور یتیم بچیوں کی شادی کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ ان پر مقامی طور پر مسلمان

کی حکومت ہے۔“

بہر حال کفار کے غلبہ کے وقت ان کی قوت تسلیم کرنا شریعت میں ناجائز نہیں لیکن اگر مسلمانوں کے ترکِ موالات سے کہیں کافرانہ نظام حکومت متزلزل ہو کر اپنی زندگی پوری کرنے کی حالت میں ہو تو پھر کفر کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، ایسی حالت میں یہ کشتی کسی بنجیہ اور باوقاملاح کے حوالے کرنی چاہیے تاکہ وہ ان کی بہتری کے بارے میں سوچ سکے۔

انصاف کی رعایت نہ ہونے کے وقت عہدہ قضا قبول کرنا جائز نہیں | لیکن یہ طریقہ کسی ایسے غیر اسلامی ملک میں اپنانا

اُس وقت مرتخص ہے جب تک حکومت وقت ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کرتی ہو، اگر کہیں ایسی حالت میں مسلمان انصاف قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو پھر ظلم و ستم کے لیے آلہ کار نہیں بننا چاہیے ورنہ اپنا مذہبی شخص ضائع کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصریؒ فرماتے ہیں :-

ما ذکر المصنف من جواز التقليد من الجائر مقيد بما اذا كان يملكه من القضاء
بالحق اما اذا لم يملكه فلا كما في الهداية لان المقصود لا يحصل به -

(البحر الرائق ج ۶ ص ۲۴۲ کتاب القضاء)

(ترجمہ) ”مصنفؒ نے ظالم سے قضا قبول کرنے کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، یہ اُس وقت ہے جب قاضی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہو، جب یہ ممکن نہ ہو تو پھر قضا قبول کرنا جائز نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کیونکہ ایسی صورت میں مقصود حاصل نہیں ہوتا“

اسلام کا نظام عدل و انصاف

مولانا مفتی غلام الرحمن مدظلہ

ہر دین دنیا کے ہر ملک کے حکمرانوں کی طرف سے یہ آواز اٹھاتی جاتی ہے کہ ہم ہر ایک کو انصاف فراہم کریں گے اور ہمارے فیصلے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں گے، اس آواز میں مسلم اور غیر مسلم ممالک سب شامل ہیں لیکن آج تک کسی نے بھی عدل و انصاف کے جملہ تقاضے پورے نہیں کیے بلکہ الٹا نظام عدل و انصاف سے تمسخر کیا۔ دنیا بھر کے تمام نظام ہائے قوانین میں ایک اسلام کا واحد نظام قانون ہے جس میں امیر و فقیر، آقا و غلام، بادشاہ و رعایا، پھوٹے بڑے اثر و رسوخ والے کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسلامی قانون کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں تمام فیصلے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اسلام اور غیر اسلامی نظام عدل و انصاف کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے سالیق نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ نے ایک جامع اور بہرہ منعم مضمون تحریر فرمایا جسے دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ الحق نے شائع کیا، اب اس مضمون کو اسلامی قانون وفقہ سے مناسبت کے بناء پر عمومی فائدہ کے لیے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از موتیہ)

لفظ عدل قرآن و حدیث میں مختلف مقامات پر مستعمل ہوا ہے جس کے مقابلہ میں ظلم آتا ہے، اہل لغت کے ہاں ظلم ”گذشتن چیزے در غیر محل آں“ لہٰذا کہتے ہیں۔ ظلم کے اس مفہوم کے اعتبار سے اس میں بہت وسعت موجود ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ سے لے کر کبائر اور شرک تک کو شامل ہے، مثلاً خداوند عالم نے جس مقصد کے لیے انسان کو زبان اور قوت گویائی دی ہے اگر زبان کا استعمال اس میں نہ ہو تو یہ ظلم ہے، تو ظلم کے مفہومی اعتبار سے اس کے مقابلہ میں بھی اس جیسی وسعت موجود ہے۔

عدل کی ہمہ گیری | اعضاء انسانی اور انعامات خداوندی کو اپنے محل میں استعمال کرنا عدل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں قیامِ عدل کا مطالبہ بنی آدم سے ہوا ہے وہاں عدل سے یہی عمومی معنی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ الآراء تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

”انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف عدالت اور حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان اس کا مکلف اور مخاطب ہے کہ وہ خود بھی انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کیلئے کوشش کرے، ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ تشریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم رہیں اور نہ دوسروں کو انصاف کرنے دیں تو حاکمانہ سزا اور تعزیر کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل و انصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیے لکھے پڑھے، تعلیمیات حضرات بھی سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ ہے عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، اور یہ وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک اور سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے،“ (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۴۱، ۵۴۲ م)

قیامِ عدل کے مطالبہ کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ایک شعبہ سے ہے اور انسان کے اخلاق و کردار (Character) ظاہر و باطن، عبادات و معاملات، سیاست و مذہب، غرض ہر ایک شعبہ میں عدل کا ہونا ضروری ہے۔ اس تعلق عامہ کے پیش نظر خداوند عالم نے جب انبیاء و رسل کو دنیا میں بھیج کر ان کی وجہ سے رشد و ہدایت کا درس نوع انسان کو دینا چاہا تو انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے قیامِ عدل کا مطالبہ بھی کیا جس کی تکمیل کتب سماویہ سے کی گئی ہے قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے :-

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف سے۔	لَقَدْ اَنْزَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ سورۃ الحديد آیت ۲۵
---	---

شیخ الاسلام والمسلمین مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :-

”یعنی کتاب اس لیے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف

کی راہ پر چلیں، افراط اور تفريط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں۔ (تفسیر عثمان مٹ)

الغرض بعثت انبیاء کے دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد قیام عدل بھی رہا ہے۔

مروجہ بین الاقوامی قوانین اور ان کے نتائج | آج دنیا کی جس قوم پر بھی آپ نظر ڈالیں تو قیام عدل کا یہ مطالبہ مختلف نعروں اور مختلف انداز سے

سُنیں گے۔ کہیں مساوات اور برابری، کہیں انصاف اور حقوق کی بحالی کے عنوان سے عوام و خواصم رطب اللسان ہیں مگر عملاً یہ عنفا کے مترادف ہے بلکہ دن بدن جرائم اور مظالم میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے، قانون عملاً معطل ہے۔ آج ہر ملک میں قانون سازی کے لیے پارلیمنٹ اور اسمبلیاں قائم ہیں جرائم کے انسداد کے لیے مختلف قوانین وضع کیے جا رہے ہیں لیکن جرائم میں بجائے کسی کے زیادتی ہی ہو رہی ہے۔

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے

میری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

آپ حضرات دو منٹ کے لیے خالی الذہن ہو کر عالمی سطح پر جرائم کے معیار کو دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر گزشتہ چھ سالوں میں راہزنی میں ۹ فیصد، چوری میں ۴۶ فیصد اور قتل میں ۲۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ (روزنامہ جنگ ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء)

اگر ایک طرف سائنسی دور میں انسدادِ جرائم کے لیے سائنسی آلات استعمال کیے جا رہے ہیں تو دوسری طرف مجرم بھی نت نئے طریقے اختیار کر کے بڑی صفائی سے جرم کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے امور ضرور ہونے چاہئیں جو جرائم کی بیخ کنی کرتے ہوئے امن کا معاشرہ (Peaceful Society) جمیا کریں، آپ اقوامِ عالم کے مذاہب اور عقائد کو بھی دیکھ لیں، نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے قوانین کا مطالعہ کریں، مگر یقین کیجئے کہ اس کا واحد علاج آپ کو آج سے چودہ سو سال پہلے کوہِ صفا پر یَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلِحُوا کے داعی کے دیئے ہوئے نسخہِ کیمیا میں ملے گا جہاں مجرم جرم کرنے کے بعد خود اپنے جرم کا اعتراف اور اعلان کر کے قانون اور انصاف کا مطالبہ کرتا نظر آئے گا۔

نظامِ عدل کا مرکزی نکتہ | اسلام میں قیامِ عدل کا بنیادی نکتہ (Basic Point) خوفِ خداوندی ہے جس کا تعلق فرد سے لے کر معاشرہ تک

اور رعیت سے لیکر بادشاہ تک ہے، اگر دل و دماغ میں خوفِ خدا موجود ہو اور نظر یہ ہو کہ آج میں جو کام کر رہا ہوں کل قیامت کے روز دربارِ خداوندی میں مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور مجھے ضرور حساب دینا ہوگا۔ تو اس عقیدہ کے بعد ہر انسان قدم بقدم خیال رکھے گا کہ کہیں مجھ سے ایسی غلطی سرزد نہ ہو جائے جو قیامت میں خسارہ اور ذلت و رسوائی کا باعث ہو۔

عدالت میں عدل کی کرسی پر بیٹھے ہوئے حاکم اور مجسٹریٹ کا اگر یہ عقیدہ ہو اور سامنے نہامت اور پشیمانی کے عالم میں کھڑے ہوئے مجرم بھی خوفِ خداوندی کے ہتھیار سے مسلح ہوں تو یقین کیجئے کہ ظلم و ناانصافی کا نام ہی عالم سے فنا ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف خیالی یا فرضی تصور نہیں ہے بلکہ اسلام اور ہمارے اسلاف کی تاریخی زندگیوں میں اس کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا واقعہ | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ماعزؓ بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کیجئے، آپؐ نے فرمایا اے ماعزؓ لوٹ جا اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر، راوی کہتا ہے کہ ماعزؓ قدرے دُور گئے تھے کہ پھر لوٹ آئے اور پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا، تین بار ایسا ہی ہوا، چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا میں تجھے کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کی زنا سے، حضور نبی کریمؐ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص پاگل تو نہیں ہے؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ اس پر ایک شخص نے اٹھ کر ماعزؓ کے منہ کو سونگھا تو اسے اس سے شراب کی بو آئی۔ آپؐ نے ماعزؓ سے پھر پوچھا کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ ماعزؓ نے عرض کی ہاں مجھ سے زنا ہوا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ابھی تین ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ماعز بن مالکؓ کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو سب کیلئے کافی ہے۔ (ترجمة العدالة الاجتماعية في الاسلام ص ۲۸۹، ۲۸۸)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں ہی قبیلہ ازد کے بطن عامہ کی ایک عورت نے بھی اقرارِ جرم کیا تھا جس کے باعث آپؐ کے حکم سے اُسے بھی سنگسار کر دیا گیا۔

رات کی تاریکی میں خوفِ خدا کا اثر | خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے ہوئے جب ایک ایسے مکان کے قریب سے گزرے

جہاں والدہ اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ میں دودھ میں پانی ملاؤں گی لیکن بیٹی انکار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ حضرت عمرؓ کا حکم ہے کہ دودھ میں ملاوٹ نہ کرو، والدہ کہتی ہے کہ عمرؓ اس وقت کون سا یہاں ہے؟ بیٹی جواب دیتی ہے کہ اگرچہ عمرؓ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے لیکن اس کا خدا جو کہ علیم وخبیر ہے وہ تو موجود ہے۔

اسلامی تاریخ نے خوفِ خداوندی کے اس جذبہ سے شدتِ احساس کے اتنے نمونے اکٹھے کر رکھے ہیں کہ ان کا بالاستیعاب احصاء کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔

عرض کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ قیامِ عدل کے لیے خوفِ خداوندی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آخردات کی تاریکی میں گھر کی چار دیواری کے اندر اس خدا ترس بڑی کو دودھ میں ملاوٹ کرنے سے باز رکھنا، معز بن مالکؓ کا اپنے کیے ہوئے پر پشیمان ہو کر بارگاہِ نبوت سے بار بار واپس کرنے کے باوجود لوٹ لوٹ کر اپنے جرم کا اقرار کرنا، آخر کون سے جذبہ سے یہ لوگ سرشار تھے؟ یہ وہی جذبہ ہے جسے ہم خوفِ خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

موانعِ عدل | عدل کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے واضح طور پر ان امور کی نشاندہی

کر دی ہے جو قیامِ عدل کے لیے سب سے بڑے موانع اور رکاوٹیں ہیں، خاص کر شہادت اور قضا میں یہ امور انسان کو انصاف سے ہٹا کر ظلم پر آمادہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) قرابت Relation (۲) عداوت ENMITY (۳) مال و دولت Wealth

قرابت: بسا اوقات ایک انسان تعلقات، قرابت اور رشتہ داری کے ماحول سے متاثر ہو کر درست اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً گواہ اپنی شہادت میں ان تعلقات کی بنا پر جھوٹ بول کر ناجائز اور غیر مشروع امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، افسر مجاز اپنے بالا افسران کے رعب سے غلط کام پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس طرح عدل کو چھوڑ کر ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ قرآن مجید میں اس امر کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:-

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
دو اللہ کی طرف اگرچہ نقصان ہو	بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ
تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں	أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ۔
کا۔	(سورة

شہادتِ حق اور قرابتیں | خداوند عالم نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا :-
 ”اے ایمان والو! تمام معاملات میں اداۓ حق کے وقت

بھی اور فیصلہ کے وقت بھی انصاف پر غور قائم رہتے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے
 سچی گواہی دینے والے رہو اگرچہ وہ گواہی اور اظہار اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا والدین اور
 دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو۔“ بیان القرآن

گویا قانون اور انصاف کے سامنے رشتہ داری اور قرابت کو ٹی روک نہیں، والدیت
 اور ولدیت کے محبوب رشتوں کو بھی قربان کرنا ہوگا، خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ
 میں اس کے راہنما اصول اور عملی نشان راہ موجود ہیں۔

حضرت اسامہؓ کی سفارش پر دربارِ نبوت کا ردِ عمل | ام المؤمنین سیدہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کے قبیلہ مخزومی کی ایک عورت سے چوری سرزد ہو گئی، قریش نے باہمی مشورہ
 کیا کہ اس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے بچانے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کر دینی
 چاہیے، اس کام کے لیے سب نے حضرت اسامہؓ کو منتخب کیا کیونکہ وہ رسول اللہ کے محبوب رفیق

تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس نظرِ شفقت سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دیکھتے تھے حضرت
 اسامہؓ بھی اسی طرح آپ کے منظور نظر تھے (حضرت اسامہؓ نے جب سفارش کی تو بارگاہِ نبوت
 سے جلالِ آمیز ارشاد صادر ہوا:-

کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو پھر کھڑے ہو کر
 خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! بیشک تم سے پہلے لوگ
 اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی شریف
 چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار
 چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے، خدا کی قسم اگر میری
 بیٹی فاطمہؓ بھی رعدا نحواستہ چوری کرتی تو میں ضرور
 اس کے ہاتھ کاٹتا۔

اتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام
 فاختطب فقال یا ایہا الناس انما ہلک
 الذین قبلکم انہم کانوا اذا سرق فیہم
 الشریف ترکوہ واذا سرق فیہم الضعیف
 اقاموا علیہ الحد والیم اللہ لو ان فاطمۃ
 بنت محمد سرقت لقطع یدھا۔

(دعواتِ حق جلد اول ص ۹۰)

ایک انسان جب کسی اعلیٰ عہدہ اور مقام پر فائز ہو جائے تو اس کے تعلقات اور رشتہ داری
 بڑھ جاتی ہے، اجانب اقارب بن جاتے ہیں، مدتوں سے ٹوٹے ہوئے رشتے پھر بڑھ جاتے ہیں، لیکن

مسلمان سے مذہب اسلام کا یہی مطالبہ ہے کہ قانون شریعت کے مقابلہ میں کسی کو بھی ترجیح نہ دی جائے۔

عدل فاروقی کی ایک جھلک | خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حکمرانوں کے اعزاء اور اقربا کو

رجحیت کے دوسرے افراد کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل ہو۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمنؓ نے جب شراب پی لی تو اس پر بھی حد جاری کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ والد اللہ العالیہ! اسلام ۳۴۲ھ میں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار قدامر بن مظعون (جو آپ کے سارے اور معزز صحابی تھے) کو بھی شراب نوشی کے جرم میں انہی کوڑے لگوائے۔ (تاریخ اسلام ص ۲۰۷)

ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی سے گھوڑے کا سودا طے کیا، پھر آزا کر دیکھنے کی خاطر اس پر سوار ہونے لگے تو گھوڑا اٹھو کر کھا کر گرا اور زخمی ہو گیا، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کر دیں، لیکن مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا، دونوں مقدمہ لیکر قاضی شریح کی عدالت میں گئے، قاضی نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فرمایا:-

”امیر المؤمنین! جو چیز آپ نے خریدی ہے اسے لے لیجئے ورنہ جس حال میں خریدی تھی اسی حال میں واپس کیجئے۔“

یہ سن کر حضرت عمرؓ بول اٹھے ”اسے کہتے ہیں فیصلہ کرنا“ پھر آپ نے شریح کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کے بدلے کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ (تاریخ اسلام ص ۳۴۲)

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مقدمہ میں فریق بن کر عدالت میں حاضر ہوئے، فیصلہ امیر المؤمنین کے خلاف

ہوٹا اور آپ اسے محسوس نہیں کرتے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ:-
ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ گر گئی جو ایک نصرانی کے ہاتھ لگ گئی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ یہ اس کی اپنی زرہ ہے، قاضی شریح نے حسب قاعدہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے کوئی گواہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے دو گواہ ایک اپنا بیٹا اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام قنبر کو حاضر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں بیٹے کی گواہی والد کے لیے درست تھی، لیکن قاضی شریح

نے فرمایا کہ آپ کے بیٹے کی گواہی آپ کے لیے درست نہیں ہے اور دوسرا گواہ جو کہ آزاد کردہ غلام ہے اور اس ایک گواہ کی گواہی سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

چنانچہ زرہ کا فیصلہ نصرانی کے حق میں ہوا، اس فیصلے کا نصرانی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور زرہ حضرت علیؑ کو واپس کر دی، لیکن حضرت علیؑ نے دوبارہ زرہ اُسے دیدی اور اس کے ساتھ ایک گھوڑا بھی اسے عنایت فرمایا۔ (نور الانوار ص ۲۲۲)

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نظام عدل کے قیام میں انسان کو کسی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ آقا اور غلام، امیر اور غریب، حاکم اور محکوم سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج اگر کوئی افسر بالا ماتحت افسر کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو معلوم نہیں اس انصاف کی وجہ سے اس فیصلہ کرنے والے کو کیا کیا سزائیں ملیں گی۔ اگر کسی خوف کی وجہ سے معزول نہ کرے لیکن انتقام کی آگ ہر وقت محکوم علیہ کے ذہن میں شعلہ لگتی رہے گی اور فیصلہ کرنے والا انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہے گا۔

انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور ایک عام آدمی برابر ہیں | لیکن اسلام کے شہداء کیوں کو جہاں حق بات نظر آئی وہاں اپنے خلاف فیصلہ پر بھی راضی اور خوش رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا حضرت ابی بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہو گیا، حضرت ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کر دیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے تو حضرت زیدؓ نے آپ کی تعظیم کی، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابی بن کعبؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی بن کعبؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی تو زید بن ثابتؓ نے آپ کا لحاظ کرتے ہوئے ابی بن کعبؓ سے کہا کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس تمہیجی سلوک پر آزرہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں اُس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴)

اسلامی نظام عدل نے شاہان وقت کو بھی معاف نہیں کیا | ان مثالوں اور واقعات کا تعلق صرف خلفائے راشدینؓ کے

مبارک دور سے خاص نہیں ہے بلکہ حقانیت اور حق گوئی کا یہ جذبہ ہمیشہ اسلاف اور بزرگانِ دین

کاشیوہ رہا ہے، جہاں حق بات نظر آئی وہاں بادشاہ وقت کو بھی معاف نہیں کیا۔
 قاضی ابویوسف عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں، ایک شخص ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتا ہے
 کہ عباسی بادشاہ ہادی سے ایک باغ کے بارے میں میرا جھگڑا ہے۔ قاضی ابویوسف رائے قائم کرتے
 ہیں کہ حق اسی شخص کے ساتھ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ گواہ بادشاہ کے پاس ہیں، انہوں نے کہا مدعی
 کا مطالبہ ہے کہ ہادی قسم کھائے کہ اس کے گواہ سچے ہیں، ہادی نے قسم کھانے کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے
 اس سے انکار کیا اور باغ اپنے مالک کو واپس کر دیا۔

عداوت: دوسری چیز جو نفاذ عدل کے لیے مانع ہے اور انسان کو ظلم اور ناانصافی کی طرف لے جاتی
 ہے وہ عداوت اور آپس میں دشمنی ہے، قرآن مجید نے اس امر کی نشاندہی یوں فرمائی ہے:-

<p>وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا قَدْ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ المائدہ آیت ۸۱)</p>	<p>کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو اور عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔</p>
---	--

اہل اسلام کا طرہ امتیاز شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ
 رقمطراز ہیں:-

”عدل کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا
 جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل اور انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونا چاہیے
 کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پہلوؤں
 میں سے کسی پہلو کو جھکا سکے“ (تفسیر عثمانی ص ۱۰۰)
 اور یہی وہ رسم ہے جس کو اہل اسلام نے ہمیشہ کے لیے قائم رکھا، مفتوحہ علاقوں میں
 اسلام کا برتاؤ ہمیشہ کے لیے انسانیت پر مبنی رہا، معاملات اور دیگر حقوق میں غیر مسلموں کو
 پورا پورا حق دیا گیا ہے۔

اہل مغرب کا سفاکانہ کردار ہم جب اقوام عالم اور ایام ماضیہ کے تاریخی واقعات پر نظر
 ڈالتے ہیں تو آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ دیگر مذاہب
 اور ادیان والے غیر مذہب والوں سے چوپایوں جیسا سلوک بھی روا نہیں رکھتے، اور صرف یہ نہیں

بلکہ اسلام کا مقابلہ اگر دورِ حاضر کی مغربی تہذیب سے کیا جائے تو یقیناً اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں زیادہ وسیع اور بلند و پاکیزہ نظر آئے گا۔

اہلِ مغرب آج جس مذہبی آزادی کا دم بھرتے ہیں اس سے پہلے ان کے یہاں وہ دور بھی گزر چکا ہے جس میں اندلس کی ”تحقیقاتی عدالتوں“ کی بہیمانہ سزائیں اور مشرق میں صلیبی جنگوں کی سفایاں ملتی ہیں۔ اہلِ مغرب نے اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو آگ میں جلانے تک کی سزا کو جائز رکھا، اور یہی وجہ تھی کہ مذہبی دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جنہوں نے دشمنوں کو بلا وجہ وہ سزائیں دیں جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہیں مل سکے گی۔

ان عدالتوں اور احتساب کے محکموں نے ایک اندازے کے مطابق ۳۲ ہزار انسانوں کو زندہ جلایا جن میں ہیئت اور طبیعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) اور گلیلیو (Galilio) کو بھی یہی سزا دی گئی۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۶۴، ۲۶۵)

اہلِ مغرب نے کسی مفتوحہ علاقہ میں مخالفین کے وجود کو دیکھنا بھی برداشت نہیں کیا جس علاقہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوتے وہاں اعلان کرتے کہ جو ہمارے خیالات اور نظریات سے متفق نہیں وہ ہمارے ملک سے نکل جائے۔ جیسا کہ فرانسیسی جنرل کاسترو نے ۱۹۴۰ء میں دمشق کے گذشتہ انقلاب کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ ”ہم صلیبی مجاہدین کے پوتے ہیں جس کو ہماری حکومت پسند نہ ہو وہ یہاں سے نکل جائے“

اور اس سے ملتی جلتی بات جنرل کاسترو کے ایک ہم مشرب نے ۱۹۴۵ء میں الجزائر میں کہی تھی۔ (العدالة الاجتماعية في الاسلام ۳۲۵)

روسی کمیونسٹوں کا مسلم اقلیت سے ظالمانہ سلوک | موجودہ دور میں دوسری عظیم طاقت روس کا کمیونسٹ بلاک تو غیر کمیونسٹوں کے

وجود کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے، مذہبی رسوم اور عبادت خانوں کو ختم کرنے کا خواہاں ہے، اقلیت کے ساتھ نازیبا سلوک کا اندازہ آپ روسی مسلمانوں کی مساجد اور مدارس سے کئے ہوئے خشر سے لگا سکتے ہیں۔ روس میں کمیونسٹ انقلاب سے قبل ایک اندازے کے مطابق مسلمانوں کے ۲۵ ہزار مدارس تھے لیکن کمیونسٹ انقلاب کے بعد یہ مدارس بند کر دیئے گئے اور اساتذہ کو گرفتار کر لیا گیا، مدارس کی وہ عمارتیں جن میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی تھیں بعض کو مسمار اور بعض کو ضبط کر کے اصطبلوں میں تبدیل کر دیا گیا، اور پچیس سال کے عرصہ میں ایک بھی مذہبی مدرسہ نہ رہا۔

بھی حال مساجد کا تھا، ۳۱ ہزار مساجد آباد تھیں لیکن ۱۹۴۲ء کی ایک رپورٹ کے مطابق اب پورے روس میں صرف ۱۳۱۲ مساجد رہ گئی ہیں باقی سب کو شہید کر دیا گیا۔ (تاریخ میں مسلمانوں ص۔) روس اور یورپ تو درکنار خود اس پاک و ہند کی تاریخ کو دیکھئے **برطانوی دور کے مظالم** | برطانوی گورنمنٹ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟

کراچی کے مقدمہ میں رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کا آخر جرم کیا تھا؟ صرف اس قدر کہ مذہب اسلام کے مطابق مسلمان سپاہیوں کو ترکی کی مسلمان افواج کے مقابلہ میں استعمال نہ کیا جائے۔ ان واقعات اور حالات کو پیش کرنے سے میرا واحد مقصد یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب نے اقلیت اور دشمنوں سے وہ کون سا ناروا سلوک ہے جو روانہ رکھا ہو، عداوت اور دشمنی کی بناء پر وہ کوئی بے انصافی ہے جو استعمال نہ کی گئی ہو۔

دشمنوں سے اسلام کا روادارانہ سلوک | مگر اسلام نے اپنے مخالفوں اور اقلیت سے جو حسن سلوک کیا اس کا اندازہ آپ خالقے راشدین

کے طرزِ عمل اور کردار سے کر سکتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک غیر مسلموں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، ذمیوں کے لیے باقاعدہ حقوق مقرر کئے گئے اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی اسی اصول کو اپنایا گیا، یہاں تک کہ خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو وہی حقوق دیئے جو ان کیلئے تاجدارِ مہم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیے تھے۔

حقوق کی اقسام | کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ جان، مال اور مذہب۔ ان کے سوا اور جتنے بھی حقوق ہیں وہ سب ان ہی کے تحت آجاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عادلانہ دور میں بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے معاہدہ میں انہیں جو حقوق دیئے گئے تھے وہ یہ ہیں:-

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال“

گر جا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان

پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔“

(طبری، فتح بیت المقدس، بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

اور یہ حقوق صرف ایلیا والوں سے مخصوص نہیں تھے بلکہ پوری دنیا میں مسلمان جہاں بھی فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو وہاں کے رہنے والوں کو یہ حقوق دیئے۔ اہل جرجان کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”ان کی جان، مال، مذہب و شریعت سب کو امان ہے ان میں سے کسی

شے میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔“ (طبری، فتح بیت المقدس بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

آذربائیجان کے معاہدہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تھے:-

”ان کی جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔“ (طبری، فتح بیت المقدس

بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

دور صدیقیؓ کے عہد نامے | سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی حیرہ کے عیسائیوں کو اذروئے معاہدہ یہ حقوق

دیئے گئے:-

”ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی قہر گرایا جائے

گا جن میں وہ ضرورت کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس بجانے

کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ مذہبی تہوار کے موقع پر صلیب نکلنے سے روکے جائیں

گئے۔“ (طبری، فتح بیت المقدس بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

اور یہ بات صرف کاغذی کارروائی تک محدود نہ تھی بلکہ خلفائے راشدین ہمیشہ کیلئے ماتحت

گوزنروں کو اس کے متعلق ہدایات جاری فرمایا کرتے تھے، غیر مسلموں سے وہی سلوک برتا جاتا تھا جو لوگ

مسلمانوں سے روا رکھا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے شام کے سفر میں ایک مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے،

جب سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہیں کیا گیا، پوچھا گیا کیوں؟ جواب ملا سبب

ناداری ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں خدا انہیں قیامت

کے دن عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)
 نادار، مفلس اور معذور ذمی بنزیرہ سے مستثنیٰ تھے بلکہ بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی
 تھی، چنانچہ حیرہ کے معاہدہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

»اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کوئی آفت آئے یا دولت مند
 کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا بنزیرہ
 موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔«

(کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

حضرت عمرؓ کا ایک لطیف استدلال | یہ معاہدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں
 ہوا تھا اور عہد فاروقی میں اس پر باقاعدہ عمل جاری

رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے تو قرآنی استدلال سے اس کو اور زیادہ ٹوک کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک ضعیف
 ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھ پر بنزیرہ لگایا گیا ہے اور میں
 ادا نہیں کر سکتا، یہ سن کر حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد رقم دیگر داروغہ کو پیغام بھیجا کہ
 اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اور فرمایا کہ کلام اللہ کی یہ آیت

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ فِیْہِمْ فَقَرٰہٌ سَعٰیۤا سَیِّئًا مِّمَّا کٰتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَلْیَوْمَ الَّذِیْ یُنْفَخُ السُّنُّوْنُ فِیْہِمْ اَلْیَوْمَ الَّذِیْ یُنْفَخُ السُّنُّوْنُ فِیْہِمْ اَلْیَوْمَ الَّذِیْ یُنْفَخُ السُّنُّوْنُ فِیْہِمْ
 اور فرمایا خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال
 دیں۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

حفاظتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ باقاعدہ
 اس سے قصاص لینے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے
 ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر کے اس سے قصاص
 لیا۔ (الدراۃ بحوالہ تاریخ اسلام)

حفاظتِ مال کے بارے میں اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی کسی جائیداد یا مال کو نقصان پہنچاتا تو
 حضرت عمرؓ اس کا معاوضہ بیت المال سے دلاتے۔ جیسا کہ ایک دفعہ اسلامی لشکر نے شام کے
 ایک ذمی کی زراعت کو پامال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس ذمی کو بیت المال سے دس ہزار درہم کا
 معاوضہ دلایا۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

ذمیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی خصوصی ہدایت | حضرت عمرؓ جس طرح خود ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کرتے تھے ایسے

ہی ماتحت گورنروں سے بھی کرواتے، چنانچہ فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو لکھا کہ: ”مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کے مال کھانے سے روکو اور ان سے جو شرطیں ملے گی گئی ہیں انہیں پورا کرو۔“

(کتاب الخراج للقاظمی ابو یوسف)

بلکہ حضرت عمرؓ دنیا سے جاتے وقت آئندہ خلیفہ کے لیے جو ہدایات لکھتے ہیں ان میں ذمیوں کے حقوق اور ان کی نگہداشت کا خصوصی تذکرہ موجود ہے۔

”میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے، اس کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔“ (تاریخ اسلام ص ۲۲۶)

یہی وہ اسلامی عدل و انصاف ہے جس میں دوست اور دشمن کو ایک ہی نظر سے دیکھا گیا ہے وہ دشمن جو بدترین دشمن تھے، جو مذہب اور عقیدہ کے دشمن تھے اُن سے جب اس قدر انصاف قائم رکھا گیا تو اور کون ہو سکتا ہے جس کے ساتھ اسلام نے ظلم کی گنجائش رکھی ہو؟ ان واقعات سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ راشدینؓ نے اس فرمانِ خداوندی پر کسی قوم کے دشمنی تم کو ظلم پر آمادہ نہ کرے، کما حقہ عمل کیا ہے اور امت محمدیہ کے لیے قیامت تک ایک عملی نمونہ چھوڑا ہے۔

وہ دشمن جو اپنے کیے ہوئے افعال و کردار کی وجہ سے بڑی بڑی سزاؤں کے مستحق و منتظر تھے، ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور اپنی جانیں خطرے میں دیکھتے تھے۔ لیکن اسلام نے اس کے برعکس ان کی جان کی حفاظت کے علاوہ مال و مذہب کو بھی محفوظ رکھا اور معاشرہ میں ان کو انسانیت کی نظر سے دیکھا گیا۔

مال و دولت: تیسری چیز جو قیامِ عدل و انصاف میں مانع ہے وہ مال و دولت کی فراوانی یا فقدان ہے۔ مثلاً ایک انسان بسا اوقات کسی غریب کی غربت کو دیکھ کر اس پر ترس کھا کر اس کیلئے جھوٹی گواہی دیتا ہے یا پھر غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ اس کے حق میں کر جاتا ہے جس میں ظلم اور زیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے، جبکہ آج کل ہمارے معاشرہ میں یہ بہت کم ہوا ہے کہ لوگ غریب

کی غربت سے متاثر ہوئے ہوں۔ دوسری صورت میں انسان بعض اوقات مالدار کی مالداری کی وجہ سے ظلم پساً مادہ ہوجاتا ہے، مالدار سے کچھ طمع اور امید کی خاطر گواہ جھوٹی گواہی دے کر حاکم سے غلط فیصلے کا حکم صادر کراتا ہے جو یقیناً ظلم اور نا انصافی ہے، قرآن مجید نے اس کی نشاندہی یوں فرمائی ہے :-

اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ
تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو خواہش
کی انصاف کرنے میں۔

إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَآلَهُ أُولُو
بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا
(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

شہادت کے اصول | شیخ الاسلام و المسلمین حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

”یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو، سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح واقف ہے اور اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

”اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو فتنہ پہنچانا چاہیئے تاکہ اس سے بے مروتی نہ ہو، یا یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں۔ تم گواہی دینے میں کسی کی امیری، غریبی یا فتنہ و نقصان نہ دیکھو کیونکہ وہ شخص جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی۔ اگر امیر ہے تو، غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر باوجود قوی تعلق کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اس میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے، تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو؟ (بیان القرآن)

چونکہ شہادت اور فیصلہ دونوں میں تسلط علی الغیر موجود ہے، جب گواہی دیتے وقت گواہ ان امور کو مد نظر رکھے گا تو قاضی اور فیصلہ کرنے والا حاکم بطریق اولیٰ ان امور کا پابند رہے گا۔

قاضی اور حاکم فیصلہ کرتے وقت جیب بھرنے کی انتظار میں نہیں بیٹھے گا بلکہ جو حق ہوگا اس کا انصاف کرے گا۔ اسلامی قوانین انصاف کی راہ میں حائل اس مانع اور رکاوٹ کا سخت نوٹس لیا گیا ہے جب صاحب عہدہ کسی عہدہ اور منصب پر فائز ہو تو اپنے اس منصب سے غلط فائدے نہیں اٹھائے گا، ایسی پارٹیوں (دعوتوں) میں شمولیت سے اجتناب کرے گا جو پارٹیاں صرف اس کے عہدہ کی وجہ سے اس کو دی جاتی ہوں۔

رشوت کی اقسام اور ان کے احکام | یہی وجہ ہے کہ رشوت کی تمام اقسام کو لینے والے کے لیے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ اور رشوت کا مال قبض کرنے سے بھی ملکیت میں نہیں آ سکتا بلکہ رشوت میں لیا ہوا مال صاحب مال کو واپس کرنا واجب ہے۔ اس ضمن میں یہ ضروری ہے کہ رشوت کی جملہ اقسام اور ان کے احکام کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔ فقہاء کرام کے فرمان کے مطابق رشوت کی چار قسمیں ہیں :-

(۱) رشوت کی پہلی قسم جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں یہ ہے کہ کسی ایسے منصب پر فائز ہونے کے لیے رشوت دے جس منصب کا یہ اہل نہ ہو، چونکہ غیر اہل کا کسی منصب پر فائز کرنا اور فائز ہونا دونوں ناجائز ہیں لہذا اس ناجائز کام کے لیے رشوت لینا اور دینا دونوں ناجائز و حرام ہیں۔

(۲) دوسری قسم رشوت کی یہ ہے کہ کسی فیصلہ کرنے والے حاکم، قاضی، جج یا مجسٹریٹ کو کچھ رقم یا کوئی اور چیز اس لیے دی جائے کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے، یہ بھی طرفین کے لیے حرام ہے۔

(۳) رشوت کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی شخص کو کچھ رقم یا کوئی چیز اس لیے دی جائے کہ اس سے اپنا جائز کام کرایا جائے، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ یہ کام جائز ہونے کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے شخص کی حق تلفی کا سبب اور ذریعہ نہ ہو، لہذا ان شروط کے بعد رشوت دینے کی تو اجازت ہے لیکن رشوت لینا اس صورت میں بھی ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) رشوت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی شخص کو کچھ رقم اس لیے دی جائے تاکہ اس کے شر اور فساد سے محفوظ رہا جاسکے۔ اپنی جان سے ظلم اور فساد کے دفع کرنے کے لیے کسی کو کچھ دینا تو جائز ہے لیکن لینا اس صورت میں بھی حرام ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۵۳، ۳۵۴)

جب ایک گواہ اور ایک حاکم یہ نظریہ قائم کر لے کہ مجھے کسی بھی مالدار سے کوئی سروکار نہیں، نہ وہ چائے پانی کے انتظار میں ہو اور نہ بخشش کی طمع اور لالچ میں، تو یہ ممکن ہی نہیں

کہ وہ کسی مالدار شخص کی وجہ سے اس سے کسی قسم کی رعایت کرے۔ اسلام میں تو آقا اور غلام، امیر اور غریب سب برابر ہیں۔

شرعی عدالت میں شاہ و گدا برابر ہیں | حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہاں کہیں امیر اور غریب کے اس امتیازی سلوک کو دیکھتے تو اس سے منع فرماتے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا، بلند و پست کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا تھا جس کی ایک جھلک اس واقعہ میں موجود ہے کہ:-

شام کا ایک نامور بادشاہ جبلہ غسانی مسلمان ہو گیا تھا، ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف کتنے ہوئے اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا، جبلہ نے غصہ میں آکر اس شخص کو تھپڑ مارا، اس شخص نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا۔

جبلہ نے جواب میں کہا کہ ہم تو وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔

جبلہ نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو میں اس سے باز آتا ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ (تاریخ اسلام)

آج دنیا میں یہ نظارہ موجود ہے، معاشرہ مختلف قسم کے ضابطگیوں کا شکار ہے، امیر اور غریب ایک دوسرے کے مد مقابل بنے ہوئے ہیں۔ امیر اپنے آپ کو مال کی کثرت کی وجہ سے مختلف جرائم کا ارتکاب کرتا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے، جسم کو معیوب نہیں سمجھتا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر غور کیا جائے تو یقیناً یہ بات معلوم ہوگی کہ امراء کو صرف مال کی بہتات کی وجہ سے بے جا رعایتیں دی گئی ہیں، یہ اس کے نتائج اور اثرات ہیں جو معاشرہ کی تباہی کا سبب ہیں۔

قاضی عدالتوں کو کتاب و سنت کا پابند کرانا ہوگا

۹ فروری ۱۹۸۳ء کو مجوزہ قاضی عدالتوں کے مسودہ پر عام بحث میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا:-

مولانا سمیع الحق | تحذہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

جناب چیئرمین | جہاں تک قاضی کورٹس کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کے اور جناب صدر پاکستان کے ارادوں اور عزائم کا تعلق ہے تو اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ ایک اسلامی مملکت کا سب سے بڑا اور پہلا فریضہ اس ملک کے شہریوں کو عدل و انصاف آسانی سے پہنچانا، تو ملے، یہ مسلمانوں کی مدتوں سے ایک آرزو ہے، خاص کر ملک عزیز پاکستان کے شہریوں کی کہ یہاں انصاف سنتا ہو جائے، اس سلسلہ میں جو اصل مسودہ قانون ہے اور جو ہمارے سامنے ہے ایک تو اس کے بارے میں کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ شاید پہلے سے علماء اور اسلامی علوم پر عبور رکھنے والے حضرات کی نگاہ سے گذرا ہے، حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسودہ اسلامی نظریاتی کونسل کو نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی اس پر اسلامی نظریاتی کونسل جو کہ ملک کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے جید علماء پر مشتمل ادارہ ہے جس میں وکلاء بھی شامل ہیں، اُن سے کوئی استصواب رائے اس بارہ میں نہیں کیا گیا، دوسرا مرحلہ جو اصل مسودہ قانون پر بنیادی توجہ کا تھا وہ یہ تھا کہ ہم قاضی کورٹس تو قائم کرتے ہیں جو بلاشبہ ایک نہایت متحسن اقدام ہے، لیکن اصل مسودے میں یہ کہیں بھی واضح نہیں کیا گیا کہ یہ عدالتیں کن قوانین کے تحت فیصلے کریں گی؟ یہی مروجہ قوانین، یہ فوجداری اور دیوانی ضابطے اور یہی پروسیجر اگر قائم رکھنا ہے تو اگر ہم قاضی کا نام ہجج رکھ دیں اور جج کا نام قاضی رکھ دیں اس سے تو عدالت اسلامی عدل و انصاف ہوتا نہ کر سکے گی اور نہ ہی عوام کو عدل و انصاف مل سکے گا۔ ہم اگر قاضی کو قاضی محمد احمد کہیں یا قاضی نکلسن کہیں یا قاضی ہر بند رائے کہیں اس سے انصاف نہیں ملتا، یہاں اصل مسودہ قانون میں یہ وضاحت ہونی چاہیے تھی کہ.....

اخوندزادہ بہرہ ور سعید | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! یہ قاضی کی توہین ہے ان کو کہیں کہ اپنے الفاظ واپس لیں۔

مولانا سمیع الحق | جناب والا یہ قاضی کی توہین نہیں ہے۔

اخوندزادہ بہرہ ور سعید جناب والا! یہ قاضی محمد احمد، یا قاضی نکلسن یا قاضی ہر بند رائے، یہ قاضی کی توہین ہے، ان کو کہیں کہ یہ اپنے الفاظ واپس لیں، یہ قاضی کی توہین ہے۔
مولانا سمیع الحق کون سی توہین میں نے کی ہے؟

اخوندزادہ بہرہ ور سعید یہ قاضی نکلسن کیا ہوتا ہے؟
مولانا سمیع الحق آپ جسٹس نکلسن کہیں یا قاضی نکلسن کہیں بات ایک ہی ہے۔ اگر اس کے پاس قانون وہی ہوں جو موجودہ دیوانی یا فوجداری عدالتوں کے ہوتے ہیں یعنی انگریزی قانون ہو اور آپ اس کو علامہ نکلسن کہیں یا مولانا نکلسن کہیں یا جسٹس نکلسن کہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بنیادی بات سب سے پہلے یہی تھی کہ اصل مسودہ قانون میں یہ واضح ہونا چاہیے تھا کہ یہ تمام عدالتیں قرآن کے مطابق فیصلے کریں گی۔ یہاں متفرقات کے ضمن میں جو تعبیر کے عنوان سے کہا گیا ہے کہ اس سے آرڈیننس کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے قاضی عدالتیں قرآن پاک اور سنت رسول میں مقرر کردہ اسلام کے احکام سے راہنمائی حاصل کریں گی۔ یہ قرآن اور سنت کے ساتھ ایک مترج مذاق ہے، راہنمائی کے لفظ سے قاضی عدالتوں کے قیام کے مقاصد بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

سید معین الدین پوائنٹ آف آرڈر جناب والا! THIS IS A MIS STATEMENT OF CLEARLY اس میں سیکشن نمبر ۵۳ اور ۶۴ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو سکتی، دو سیکشن میں ایک نہیں دو سیکشن ہیں ۵۳ x ۶۴۔

اطلاق قوانین کے لیے راہنمائی ہمیں پابندی لازمی ہے | مولانا سمیع الحق: ایک یاد دہانی دے رہا ہوں اسی کے متعلق کچھ

عرض کر رہا ہوں۔ اس میں ایسی بات نہیں ہے۔ ابتداء میں یعنی مسودے کے آغاز میں جس قسم کے الفاظ ہیں اس میں یہی درج ہے اور یہاں بھی یہی ہے کہ عدالتیں راہنمائی حاصل کریں گی۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے، آپ قانون دان ہیں، وکلاء حضرات کو بھی پتہ ہے کہ اس سے کوئی قانون اسلامی قانون نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم تمام آئینوں میں ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد قرار داد مقصد لکھ دیتے ہیں اسی طرح قرار داد مقصد کی طرح یہ بھی ایک ابتداء ہے، تو یہ ایک لازمی اور ضروری شرط ہے کہ تمام قوانین کا اطلاق جو ہے وہ قرآن و سنت کے مطابق ہوگا، اور کوئی طریقہ کار دیوانی اور فوجداری ضوابط ہوں کہیں بھی قرآن و سنت کی مخالفت بالکل نہیں کی جائے گی۔ اصل قانون جس کو کہتے ہیں جب تک اسے قرآن و سنت کے مطابق نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک

شرعی عدالتیں حق اور انصاف کے طریقہ پر نہیں بنائی جاسکتیں۔

اس لیے دوسری عرض یہ ہے کہ اصل مسودہ قانون جس پر ہمارے وکلاء حضرات اور دوسرے دوستوں کے جو خطرات تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے یہ خطرات بالکل بے جا ہیں، یہاں اسلامی نظام عدل کا نام لینے والوں نے کبھی سوچا بھی نہیں اور نہ ان کا یہ ارادہ ہے کہ یہاں عدالتوں میں وکلاء کی جگہ پر، مجسٹریٹوں کی جگہ پر علماء قبضہ کر لیں، مقصد ہمارا صرف یہ ہے کہ جب آپ اسلامی نظام اور اسلامی عدل و انصاف کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو اسلامی قوانین جاری کرنا ہوں گے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی اور اس کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد لاء کمیشن کے سامنے مسودہ قانون آیا اور لاء کمیشن کے بعد ہماری فاضل سلیکٹ کمیٹی نے جناب منٹو صاحب کی سرکردگی میں اس رپورٹ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں۔ تو اس پر میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، غالباً مولانا روم نے لکھا ہے کہ ایک شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میرے جسم پر بھی شیر کا نقشہ یا تصویر ہوتی چاہیے، تو وہ اس قسم کی چیزیں جسم پر بنانے والے ایک شخص کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرے جسم پر شیر کی شکل بنا دو، تو تو گوندنے والے نے شیر کی شکل بنانے کی غرض سے جب اُسے سوٹی چھوٹی تو اس شخص کو تکلیف ہوئی، وہ چیخا کہ یہ کیا بتا رہے ہو، اس نے کہا کہ شیر کی تصویر بنا رہا ہوں، اُس نے کہا کہ اس وقت کیا بنا رہے ہو، اُس نے کہا کہ مثال کے طور پر اس کے سینک بنا رہا ہوں، مثال کے طور پر اُس نے کہا کہ اسے بھائی شیر بغیر سینک کے بھی ہو سکتا ہے اس سینک کو چھوڑ بیٹے۔ جناب زید اے سلہری | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! شیر کے نو سینک نہیں ہوتے یہ مثال ہی غلط ہے۔ ہے میں تو ان کی بات کو کیسے صحیح مان سکتے ہیں وہ بھی غلط ہی ہوگی، دیکھتے کہتے ہیں کہ شیر کے سینک بنا رہا تھا۔

مولانا سمیع الحق | شیر یا کوئی دوسرا جانور، میں نے کہا ہے کہ مثال کے طور پر۔ بہر حال میں نے گدھے کا نام تو نہیں لیا، کیا تکلیف ہوگئی ان لوگوں کو، جیسے مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ: گدھے کے سر سے سینک غائب ہونا، تو کیا واقعی گدھے کے سر پر سینک ہوتے ہیں؟۔ بہر حال جب اُس نے دوبارہ سوٹی چھوٹی شروع کی تو اس شخص نے کہا کہ بھائی اب کیا بتا رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ دُم بنا رہا ہوں، اس نے کہا کہ دُم کو، دُم کے بغیر بھی تو شیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر جب اس نے تیسری بار سوٹی چھوٹی تو اُسے پھر تکلیف ہوئی، کہنے لگا کہ اب کیا بنا رہے ہو، اُس نے

کہا کہ شیر کا سر بتا رہا ہوں، کہنے لگا کہ سر کو بھی چھوڑ دو، تو اس نے سوئی وغیرہ پھینک دی اور کہا بھئی ایسا شیر تو ہم نے دنیا میں کہیں بھی نہیں دیکھا کہ جس کی نہ دم ہو، نہ سر ہو، نہ پیر ہو۔
تو ہماری سلیکٹ کمیٹی نے بھی اس مسودہ کی ایک ایک دفعہ کو ایسا ہی مجروح اور فسخ کر کے پیش کیا ہے۔
جناب وائس چیئرمین | مولانا صرف ایک منٹ باقی ہے۔

مولانا سمیع الحق | اور آج یہ جو بڑھاپہ کر سلیکٹ کمیٹی کی تعریف کر رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں یہ بالکل شیر تو نہیں ایک ڈھانچہ ہے جس پر شیر کا صرف ٹھپہ لگے گا لیکن اس میں توانائی اور شجاعت نہیں ہوگی، تو یہاں ہر اس دفعہ میں ایسی ترامیم کی گئی ہیں جس سے عدل و انصاف ہیا کرتا اور بھی طویل ہو جائے گا۔

انور زادہ پیرہ ورسید | جب وہ شیر کا صرف ڈھانچہ ہے تو یہ اس شیر سے ڈرتے کیوں ہیں؟
مولانا سمیع الحق | جناب ہم ڈرتے نہیں ہم اس شیر کو مکمل شیر انشاء اللہ بنا کر چھوڑیں گے۔
جناب وائس چیئرمین | تشریف رکھئے۔

جناب گرداری لال بھاٹیہ | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! کیا انسانوں کے معاملہ میں جانوروں کی مثالیں دی جاسکتی ہیں؟
جناب وائس چیئرمین | آپ تشریف رکھیں۔

مولانا سمیع الحق | جناب والا! موجودہ جو مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے وہ اور بھی اسلامی عدل و انصاف کو دور کر دے گا، ہمارے معزز رکن جناب عبید الرحمن صاحب نے کہا تھا کہ ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی بالادستی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تو اصل پکڑ وہی ہے کہ ایک عدالت کے بعد دوسری عدالت اور پھر اس کے بعد تیسری عدالت کے پاس جائے، جیسا کہ صدر صاحب نے ذکر کیا تھا کہ وہ کہیں پندرہویں صدی میں جا کر فیصلہ ہوگا۔ اس لیے خدا کے واسطے اس کے راستے میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور جو لوگ اس کے منتظر ہیں خدا ان کے ساتھ تعاون کیجے تاکہ ان کو عدل و انصاف مل سکے۔

جناب وائس چیئرمین | آپ مسودے کو اچھی طرح سے پڑھیے پھر سمجھا جائے گی۔
مولانا سمیع الحق | جناب والا! ہم پڑھ چکے ہیں انشاء اللہ اس کی ایک ایک دفعہ کامیاب اپریشن کریں گے۔



وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا

اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ -

کتاب الشہادۃ

(گواہی کے احکام و مسائل)

سوال :- ایک شخص کی گواہی اپنے سگے بھائی کے لیے گواہی دینا جائز ہے؟
جواب :- بھائیوں کی املاک چونکہ آپس میں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ایک دوسرے کے حق میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- بھائیوں کی املاک چونکہ آپس میں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ایک دوسرے کے لیے گواہی دینے میں تہمت لازم نہیں آتی، لہذا ایک بھائی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول ہو سکتی ہے۔

وتقبل شهادة الرجل لآخيه وعبد لا نعدم التهمة لان الاملاك ومنافعها متباينة ولا بسوطة لبعضهم في مال البعض۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب الشہادۃ باب من يقبل شهادته الخ)

تاہم اگر ان کی املاک ایک ہوں تو پھر جس طرح شریک کی گواہی دوسرے شریک کے حق میں قبول نہیں ہوتی اسی طرح ایک بھائی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یہ گواہی بعض وجوہ سے اپنی ذات کے لیے ہوگی۔

قال العلامة الموصیانی: ولا شهادة الشريك لشريكه فيما هو من شركتهما لانه شهادة لنفسه من وجه الاشتراكهما۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب الشہادۃ۔ باب من يقبل شهادته الخ) لہ

سوال :- نابینا شخص کی گواہی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور نابینا کی گواہی کی شرعی حیثیت؟

الجواب :- چونکہ شہادت (گواہی) کے اکثر امور کا تعلق معائنہ اور مشاہدہ سے ہوتا ہے

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ويقبل شهادة الاخ لآخيه من النسب وان كان ابوها حياً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۵۹ الفصل الثاني في الشهادات۔ کتاب الشہادات) ومثله في الهندية ج ۳ ص ۲۵۵ الباب الرابع، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادته

اور معائنہ کے بغیر اس کا بیان کرنا ناممکن ہے مثلاً اداۓ شہادت کے وقت اشارہ سے اس کی تمیز ہوتی ہو تو قوتِ بینائی کے بغیر ان میں تمیز ناممکن ہے اور بعض امور کا تعلق سماع سے ہوتا ہے لیکن مسوعات میں آپس میں خلط ملط اور ہم مثل ہونے کی وجہ سے اشتباہ لازم آتا ہے اور شہادت میں اشتباہ سے تحریر ضروری ہے لہذا نابینا آدمی کی گواہی کسی حال میں درست نہیں۔ تاہم جس شہادت کا تعلق صرف سماع سے ہو مثلاً نکاح، تو وہاں نابینا آدمی کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

ما قال العلامة ابن عابدین: ان الاداء ينتقر الى التميز بالاشارة بين المشهود له والمشهد عليه ولا يميز الا على الا بالنعمة وفيه شبهة يمكن التحرز عنها بحسب الشهود والنسبة لتمييز الغائب دون الحاضر وصار كالحدد والقصاص۔

(مراد المختار ج ۵ ص ۲۴۶ کتاب الشہادۃ۔ باب القبول وعدمہ)۔

وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت | سوال :- وعدہ معاف گواہ کی گواہی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کی گواہی

قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- وعدہ معاف گواہ کی گواہی شرعاً درست نہیں، کیونکہ وعدہ معافی کی وجہ سے گواہی دینے والا خصم بن جاتا ہے اور اس گواہی سے اُسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جس گواہی سے گواہی دینے والے کو فائدہ حاصل ہوتا ہو تو وہ گواہی قابلِ قبول نہیں۔

ما قال الشيخ سليم رستم باز: يشترط ان لا يكون في الشهادة دفع مغرم او جرم مغرم يعني ان لا تكون داعية لدفع المضرة او جلب المنفعة۔ (مجلة الاحكام۔ مائة ۱۰۰ ص ۱۲۳ شروط فصل في الشهادة الاساسية)۔

لہ قال العلامة مرغینانی: ان الاداء يفتقر الى التميز بالاشارة بين المشهود له والمشهد عليه ولا يميز الا على الا بالنعمة وفيه شبهة يمكن التحرز عنها بحسب الشهود۔
(الهداية ج ۳ ص ۱۵۹ کتاب الشہادۃ۔ باب يقبل شہادته الخ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشہادۃ، فصل في الشرائط في الاصل۔
لہ قال العلامة الحصكفي: ومن الشرائط عدم قرابة ولاد او زوجية او عداوة دنيوية او دفع مفرأ او جرم مغرم۔ (الدر المختار على هامش مراد المختار ج ۲ ص ۱۱۱ کتاب الشہادۃ)۔
وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَازِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۵ ص ۲۴۸ نوع في الرجل مٹی تحمل له الشهادة۔

اُجرتی قاتل کی گواہی کی شرعی حیثیت | سوال :- ایسا شخص جو کہ اُجرتی قاتل ہو اور اپنے قاتل ہونے کا اعتراف بھی کر چکا ہو تو کیا اس کی گواہی کی

معاملہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب :- کسی کو بے گناہ قتل کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اس لیے اس حرام فعل کا مرتکب فاسق و فاجر ہے، خصوصاً جبکہ خود اس کا اعتراف بھی کر چکا ہو اور فاسق و فاجر کھ گواہی شرعاً درست نہیں لہذا اُجرتی قاتل کی گواہی شرعی لحاظ سے درست نہیں۔

لما قال العلامة الشيخ سليم رستم باز: يشترط ان يكون الشاهد عدلاً۔

رشرح مجلة الاحكام۔ مادة ۳۹۰ فصل في الشهادة الاساسية شروط له

دارھی منڈانے والے کی شہادت کا حکم | سوال :- دارھی منڈانے یا ایک قبضہ سے کم دارھی رکھنے والے کی گواہی کی شرعی حیثیت

کیا ہے؟

الجواب :- دارھی منڈانا یا کترانا حرام ہے جو کہ موجب فسق ہے کیونکہ اس کی مشروعیت احادیث اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں وجوب کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اس لیے اس فعل حرام کا مرتکب فاسق و فاجر ہے اور فاسق کی گواہی شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الكاساني: ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق فانها لا تقبل على الاطلاق دونها لقوله تعالى: وَمَنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَالشَّاهِدَ الْمَرْضَى هُوَ الشَّاهِدُ الْعَدْلُ۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشهادة فصل في شرائط في الاصل) لیکن موجودہ معاشرہ کے انحطاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر دارھی والا گواہ موجود نہ ہو اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور گواہی دینے والا دارھی منڈا معتبر شخص ہو جس کے صدق پر قاضی کو اعتماد حاصل ہو تو پھر دارھی منڈوانے کے باوجود اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: قال في جامع الفتاوى واما الشهادة الفاسق فان تحي القاضى

له قال العلامة ابوبکر بن مسعود الكاساني: ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق فانها لا تقبل على الاطلاق دونها۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشهادة، فصل في شرائط في الاصل) وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۱۵۵ کتاب الشهادة۔

الصدق في شهادته تقبل والا فلا — قال في الفتاوى القاعدة هذا اذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ درر اول كتاب القضاء وظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتماحه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۲ كتاب الشهادة) ۱۷

قتل میں عورت کی گواہی کا حکم | سوال :- کیا قتل کے معاملہ میں عورت کی گواہی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں، اور اس کی گواہی سے قاتل کو سزائے موت

دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- حدود کا نفاذ چونکہ یقینی امور پر ہوتا ہے جو کہ معمولی شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، عورتوں کی گواہی میں بدیلت کے شبہ کا احتمال ہے، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو گواہی حدود کے نفاذ میں معتبر نہیں، لہذا عورت کی گواہی کی بنیاد پر قاتل کو قصاص میں سزائے موت دینا جائز نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: ولا يقبل فيها شهادة النساء لحديث الزهري مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفين من بعده ان لا شهادة النساء في الحدود والقصاص ولان فيها شبهة البدلية لقيامها مقام شهادة الرجال فلا تقبل فيما يندرج بالشبهات۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۵۳ كتاب الشهادة) ۱۸

دشمن کی گواہی کی شرعی حیثیت | سوال :- کیا ایک دشمن کی گواہی دوسرے دشمن کے خلاف قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- دشمنی عموماً باہمی ضرر رسانی اور ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ اپنانے کا سبب بنتی ہے، اس لیے ایک دشمن اگر اپنے مخالف پر گواہی دے تو اس میں ضرر رسانی

۱۹ قال العلامة الشيخ سليم رستم باز، ويشترط ان يكون الشاهد عدلاً۔

(شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۵ ص ۱۳۹ فصل في شروط الشهادة الاسلامية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۱۵۵ كتاب الشهادة۔

۲۰ قال العلامة الكاساني: ومنها الذكورة في الشهادة بالحدود والقصاص فلا تقبل

فيها شهادة النساء۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۴۹ كتاب الشهادة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْاَحْكَامِ لِلشَّيْخِ سَلِيمِ رَسْتَمٍ بَازِ الْبَنَانِيِّ تَحْتَ الْمَادَّةِ ۱۶۸۵ ص ۱۰۰۳۔

کا احتمال موجود ہو کر شریعت کی رو سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی اگرچہ یہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین: ان شهادة العدو على عدوه لا تقبل وان كان عدلاً۔ رد المحتار ج ۵ ص ۲۸ کتاب الشهادات۔ باب القبول وعدمه۔ لہ
گواہی کے لیے آمدورفت کا خرچہ لینے کا حکم اسوال۔ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں گواہی دینے کے لیے عدالت میں حاضر ہو اور حکومت اپنی طرف سے اس کو آمدورفت کا خرچہ دینا چاہے تو کیا اس کے لیے خرچہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ کسی معاملہ میں گواہی دینا دراصل لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے اور ہر شخص کے حقوق کا تحفظ دوسرے پر فرض ہے تو شہادۃ دینا گویا اپنا فریضہ سرانجام دینا ہے، اس لیے اس پر اجرت کا مطالبہ کرنا اپنی ایک شرعی ذمہ داری پوری کرنے پر اجرت حاصل کرنا ہے لہذا اگر گواہان شہادت پر اجرت کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں گواہی پر ذاتی منفعت کے حصول کا شائبہ لازم آتا ہے اور جس گواہی میں ذاتی منفعت کا شبہ ہو وہ شرعاً قبول نہیں لیکن شریعت نے اگر ایک طرف گواہوں کو اجرت لینے سے روکا ہے تو دوسری طرف مشہود لہ گواہوں کے اعزاز و اکرام کا درس بھی دیا ہے اس لیے اگر گواہوں کو آمدورفت وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو اور مشہود لہ ان کو آمدورفت کا خرچہ دینا چاہے یا ان کے لیے اپنی خوشی سے کھانے پینے کا بندوبست کرے تو گواہوں کو خرچہ وغیرہ لینا جائز ہے، اس لیے اگر حکومت قانون کے موافق خرچہ دینا چاہے تو اس کا لینا جائز ہے لیکن جو پیسے خرچہ سے نائذ ہوں وہ حکومت کو واپس کرے۔

ما قال العلامة ابن نجيم: لو وضع للشهود طعاماً فاكلوا ان كان مهيناً من قبل ذلك تقبل وان صنعوا لاجلهم لا تقبل وعن محمد لا تقبل فيهما وعن ابى يوسف تقبل فيهما

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ولا يجوز شهادة على الرجل اذا كان بينهما عداوة یعنی من امور الدنيا فان كان من امور الدين لا تقبل۔

ر خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۴ الفصل الثاني في الشهادات۔

وَمُتْلَهُ فِي مَجْلَةِ الْاَحْكَامِ لِلشَّيْخِ سَلِيمِ رَسْتَمِ يَازُ، مَادَّةُ ۱۴۰۲ ص ۱۰۳۴۔

اعادة الجارية باطعام من حل محل الانسان ممن يعز عليه شاهداً الا..... وجزم
في الملتصق بالقبول مطلقاً وفي شرح منظومة ابن وهبان للمصنف الفتاوى على قول ابى يوسف
(البحر الرائق ج ۲، ص ۵۵ کتاب الشهادة) له

قبضہ اور ملکیت میں شہادت کا حکم | سوال :- ایک شخص کی زمین سے نہر گزرتی ہے اور
دوسرا شخص اس نہر سے اپنی زمین کو مدتوں تک سیراب
کرتا رہا، اب دونوں نے اس نہر پر ملکیت کا دعویٰ کیا ہے، بالک زمین کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ
نہر میری زمین سے گزرتی ہے اس لیے یہ میری ملک ہے جبکہ دوسرا شخص اس نہر سے استفادہ کی
وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، اگر دونوں گواہ پیش کریں تو کس کے گواہوں کو اعتبار دیا
جائے گا؟

الجواب :- متنازع فیہ مقدار اگر معروف و مشہور نہ ہو تو اس کی حدود بیان کرنا ضروری
ہے اور اگر معروف و مشہور ہو تو پھر حدود بیان کرنا ضروری نہیں۔ فقہاء کرام کی صریح عبارات کے
مطابق صحت دعویٰ کے بعد طلب بیتہ وغیرہ ہوگا۔ صورت مسئلہ میں بظاہر دونوں ملک اور یہ
کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے دونوں بد کو ثابت کریں اگر دونوں کا یہ ثابت ہو جائے تو
پھر ملک پر گواہ طلب کیے جائیں گے، تو ان دونوں میں سے جو بھی اپنے ملک پر گواہ قائم کرے تو
فیصلہ اس کے حق میں ہوگا اور اگر دونوں گواہ قائم کریں تو پھر مدعی دونوں میں تقسیم کیا جائے گا اور
نہر دونوں کے درمیان مشترک رہے گی کوئی ایک فریق کسی دوسرے کو انتفاع سے منع نہیں
کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: "وإذا ادعى الرجلان ارضاً يعني يدعى كل واحد منهما انها في
يده لم يقض انها في يد واحد منهما حتى يقيما البينة انها في ايديهما لان اليد فيها

له قال العلامة خير الدين الرملي: (رسئل) فيما اذا طلبت الشهود الشهادة في مكان بعيد مسافة
يومين احتيج الى الركوب فادى المدعى للشاهدين اجرة دابتهما هل تسقط شهادتهما
بذلك ام لا، اجاب لا تسقط شهادتهما بذلك كما جزم به في الملتقط۔

والفتاوى الخيرية على هامش نفع الحامدية جلد ۱ ص ۴۱ کتاب الشهادة)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۴۹ کتاب الشهادة۔

غير مشاهدة لتعذر احضارها وما غاب عن علم القاضى فالبيينة تثبتہ وان اقام احدهما
البيينة جعلت في يده لقيام الحجة لان اليد حق مقصود وان اقام البيينة جعلت في
ايديهما لما بينا فلا تستحق لاحدهما من غير حجة - (الهداية ج ۳ ص ۲۲۲ كتاب الدعوى
فصل في التنازع بالايدي) ۱۰

شہادت غیر قابض کی قبول ہوگی | سوال: کسی شخص کے زیر تصرف زمین پر دوسرے شخص
نے ملکیت کا دعویٰ کیا، اب ان دونوں میں سے ہر ایک
یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ زمین مجھے میراث میں ملی ہے جبکہ دونوں کے پاس گواہ بھی موجود ہیں
از روئے شریعت ان دونوں میں کس کے گواہ مقدم ہوں گے؟

الجواب: زمین جس شخص کے قبضہ میں ہے وہ ذوالید ہے اور دوسرا شخص جو
ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے خارج ہے لہذا صورت مذکورہ میں اگر دونوں کے پاس ملکیت کے
تاریخ کا ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو تو عام معاملات کی طرح خارج کے گواہ ذوالید پر مقدم
ہوں گے، ذوالید کے گواہوں کو اس وقت ترجیح دی جائے گی جب دونوں کے پاس
ملکیت کی تاریخ کا ثبوت موجود ہو، اور اگر ذوالید کی تاریخ خارج کی تاریخ سے اسبق ہو
تو اس وقت ذوالید کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے صرف
ایک کے پاس تاریخ کا ثبوت موجود ہو تو اس صورت میں بالاجماع خارج کے گواہوں کو
ذوالید پر ترجیح دی جائے گی اور فیصلہ اس کے گواہوں پر کیا جائے گا۔

لما قال العلامة طاهربن عبدالرشيد البخاري، ولو كان في يد احدهما
فهو للخارج الا اذا كان تاريخ ذي اليد اسبق فهو اولي عند ابي حنيفة وابي يوسف
وعند محمد يقضى به للخارج لانه لا عبرة للوقت في الميراث عنده وان ارجح

۱۰ قال العلامة فخرالدين القاضى خان، فان اقام احدهما البيينة انها في يده يقضى
له باليد ويصير هو مدعى عليه والاخر مدعى وان قامت البيينة لكل واحد منهما
فان القاضى يجعل الدار في يدهما لانهما تساويا في اثبات اليد -

(الفتاوى قاضى خان على هامش الهندية ج ۲ فصل في دعوى الدور والارضى)

نمثلة في مجلة الاحكام للشيخ سليم رستم باز، المادة ۱۷۵ ص ۱۱۰ -

احدهما ولحق بورخ الآخر فهو للخارج بالاجماع۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۱۱۳ کتاب الدعوى
الفصل الثالث عشر في العين يتنازع فيها اثنان)۔

سوال ۱۔ ایک شخص ایک زمین بطور کاشت
میں گواہ خارج کے مقدم ہوں گے
کھاتا رہا، ایک دوسرے شخص نے دعویٰ
کیا کہ یہ زمین میری ہے، اس نے جواب

میں کہا کہ یہ تو پٹھانوں کا دفتر ہے، بہ کہنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ زمین نہ میری ہے نہ
تیری، تو اس صورت میں گواہ کس کے معتبر ہوں گے؟

الجواب ۱۔ اگر کاشتکار کے اس کہنے سے کہ ”یہ زمین پٹھانوں کا دفتر ہے“ مطلب یہ ہو کہ میں مجھے
پٹھانوں نے دی ہے اور میری ملکیت ہے تو اس صورت میں دوسرے شخص کا دعویٰ صحیح ہے اور گواہ
اس کے معتبر ہوں گے کیونکہ یہ خارج ہے اور ملک مطلق کا دعویٰ کرتا ہے اور فقہاء کی تصریح کے مطابق
ملک مطلق کے مطالبہ میں گواہ خارج کے مقدم ہوں گے اور اگر اس کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ یہ زمین
پٹھانوں نے مجھے صرف کاشت کے لیے دی ہے اور میری ملکیت نہیں تو اس صورت میں کاشتکار خصم
نہیں بن سکتا اور مدعی ان لوگوں پر گواہ پیش کرے جس کی اصل ملکیت ہو اور گواہ بہر حال اس کے معتبر
ہوں گے کیونکہ خارج ہے۔

لما قال الشيخ سليم رستم باز: بيننا الخارج اولى في دعوى الملك المطلق الذي لم يبين فيها
تاريخه۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۷۵، ص ۱۱۶ فصل في ترجيح البينات)۔

لہ قال العلامة ابن قاضي سماوة: واذا كان العين في يد احدهما ولم يورخا او ادخا سواء يقضى للخارج
وان ارخا واحدهما سبق فهو لا سبقهما وعند محمد للخارج لأخبرة التاريخ هنا وان ارخ
احدهما لا الآخر فهو للخارج لاجماعاً۔ رجامع الفصولين ج ۱ ص ۱۱۶ الفصل الثامن
في دعوى الخارج مع ذي اليد)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب دعوى الرجلين۔

لہ قال العلامة التمرناشي: تقدم حجة خارج في ملك الخارج۔

(الدر المختار على إمامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب دعوى الرجلين)

وَمِثْلُهُ فِي بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۳۲ کتاب الدعوى۔ فصل حكم تعارض الدعوتين مع تعارض البينتين۔

نکاح کی مجلس میں بغیر حاضر ہوئے نکاح کی گواہی دینا جائز ہے | سوال :- جو لوگ نکاح کی مجلس میں حاضر نہ ہوں اور ان کو محض خبر سے نکاح کا پتہ چلا ہو اور وہ عقد نکاح کے بارے میں گواہی دینا چاہیں تو کیا ان کی گواہی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- بعض احکامات کا دار و مدار چونکہ گواہی پر ہے اس میں ذرہ برابر بھی رد و بدل آنے سے احکامات میں تبدیلی آ جاتی ہے، اس لیے شریعت میں شہادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، شریعت اس کی حفاظت کے لیے بڑی احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لیے بہت سے شرائط عائد کیے ہیں، ان شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ گواہ جس معاملہ میں گواہی دینا چاہے اس کی پوری نوعیت اس کے سامنے ہو اور یہ نوعیت تب پوری طرح واضح ہوتی ہے جب گواہ خود موجود ہو، اس لیے شہادت میں شریعت نے دیکھنے اور حاضر ہونے کو شرط قرار دیا ہے لیکن بعض ایسے امور جو کہ شہرت سے متعلق ہو کر چشم دید گواہی دینا اس میں مشکل ہو اصل شرط سے مستثنیٰ قرار دیئے ہیں، اگر ان امور کی اطلاع معتمد ذرائع سے حاصل ہو تو ان میں گواہی دینا جائز ہے، ان ہی امور میں سے ایک نکاح بھی ہے لہذا اگر کوئی عقد نکاح کے وقت مجلس میں موجود نہ ہو اور اس کو معتمد ذرائع سے اس کا علم ہو جائے تو وہ شخص اگر اس پر گواہی دینا چاہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: ولا يجوز للشاهد ان يشهد بشئ لم يعينه الا النسب والموت والنكاح والدخول - رالهداية ج ۲ ص ۱۵۸ کتاب الشہادۃ - فصل من يقبل شہادته الخ) لہ

اثبات زیادتی کی وجہ سے خارج کے گواہوں کا حکم | سوال :- ایک شخص عرصہ دراز تک ازین کے ایک ٹکڑے کی پیداوار

لہ قال العلامة ابن قاضي سماوہ: شہدا بنسب او نكاح وقال سمعناہ من قوم لا يتصور اجتماعهم على الكذب لا تقبل وقيل تقبل وفي رعدة) اشادة الى ان القبول اصح على ما يأتي - رجامع الفصولین ج ۱ ص ۱۲ الفصل الثانی عشرۃ فیما تسمع فیہ الشہادۃ بلا فصل (ومثله فی شرح المجلة للعلامة سليم رستم باز تحت المادة ۱۶۸۸ ص ۱۰۶ -

کھاتا رہا، اس پر تعمیر بھی کرائی اور درخت بھی لگوائے، اب ایک دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ زمین میں نے اس کو بطور امانت دی تھی اور اس نے مجھے ۱۹۰۰ روپے قرض اس شرط پر دیئے تھے کہ جب وہ اس زمین سے ۱۹۰۰ روپے کے برابر پیداوار حاصل کر لے گا تو یہ زمین مجھے واپس کر دے گا، لیکن کاشتکار اب اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ زمین اس نے مجھے بیع قطعی پر دی تھی، تو اس صورت میں گواہ کس کے مقدم ہوں گے؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں کاشتکار جو کہ ذوالید ہے اور شراد کا دعویٰ کرتا ہے اور ذوالید اگر ملک مطلق کے دعویٰ کی صورت میں شراد کا دعویٰ کرے تو اس کے گواہ مقدم کے مجاہدیں گے۔

ماقال العلامة المریغینا فی: وان اقام الخارج البینة علی المملک المطلق وصاحب الید ابینة علی الشرا بینه کان صاحب الید اولی۔ (الهدایة ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الدعوی باب ید غیر جہان) لیکن دوسرا شخص چونکہ خارج ہے فعل زائد یعنی ودیعت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے ہاں اصل ملکیت خارج کے۔ یہ مسلم ہے اور خارج چونکہ اثبات زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے، لہذا اگر یہ دوسرا شخص ودیعت پر گواہ قائم کرے تو اس کے گواہ مقدم کئے جائیں گے۔

ماقال العلامة ابن نجیم: اذا لودعی الخارج الفعل علی ذی الید کالغصب والجاراة والعاریة فبینة الخارج اولی۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۲ باب دعوی الرجلین) **سوال :-** دو آدمیوں نے ایک **زیادت کا دعویٰ کرنے والے کے گواہ مقدم ہوں گے** **قومی مشترک زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے**

اور دونوں اس میں مالکانہ تصرفات کرتے رہے ہیں، اب ایک نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ساری زمین میری ہے، مجھے وراثت میں ملی ہے، جبکہ دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین

لہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ، الا اذا ادعی الخارج علیہ فعلا کغصب او دبیعة او جارة ونحوها فی رواية درر اذ کان سببا یتکرم کبنا وغرس ونسیم خزو زرع برود ونحوه او اشکل علی اهل الخبرة فهو للخارج لانه الاصل وانما عدلنا عنه بحديث النتائج۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۹۹ باب دعوی الرجلین)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۷۵۸ م ۱۱۸۸ کتاب الدعوی۔

میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کیونکہ دونوں کا اس پر قبضہ ہے، ان دونوں میں کس کے گواہ مقدم ہوں گے؟

الجواب:- مذکورہ صورت میں جو شخص محض زمین آباد کرنے کی وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے تو زمین آباد کرنا چونکہ سبب ملک نہیں اس لیے اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے تاہم اگر یہ زمین موات ثابت ہو جائے جس میں آباد کرنے سے ملکیت ثابت ہو سکتی ہے تو پھر دونوں کا دعویٰ قابل سماعت ہے لیکن صورت مسئلہ میں دونوں فریقین کے تصرفات اور دعویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مدعی بعض نے زمین کے اس حصہ سے کوئی سروکار نہیں رکھا جس میں اس کا خصم تصرف کر رہا ہے بلکہ مدعی کل تصرفات کے ہوتے ہوئے مدعی بعض کے حصہ سے تصرفات میں خارجی اور اجنبی ہے، اس لیے اگر دونوں گواہ پیش کریں تو تمام جائیداد کا فیصلہ مدعی کل کے حق میں ہوگا کیونکہ آدھی جائیداد اس کو کسی کے دعویٰ نہ کرنے سے رہ گئی اور بقیہ جائیداد میں مدعی کل خارج متصور ہو کر ذواہد کے مقابلہ میں خارج کے گواہوں کو اعتبار دیا جائے گا۔

لما قال الشيخ سليم رستم بن ياز: اذا ادعى اثنان مالا احدهما بالاستقلال والاخر بالاشتراك وكل منهما متصرف فيه اي ذويد عليه بينة الا، حقلال ادلى يعني اذا ادا كلاهما اقامة البينة ترجح بينة الذي ادعى الاشتراك۔
(شرح مجلة الاحكام، المادة ٥٤٦، فصل في ترجيح البينات)

گواہوں کی عدم موجودگی میں محض شک کی وجہ سے سزائے موت دینے کا حکم | سوال:- کیا
کرنے کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا محض شک کی وجہ سے کسی مجرم کو سزائے موت دینا درست ہے؟

الجواب:- شریعت مطہرہ نے لوگوں کے مال و جان اور عزت و آبرو کے تحفظ

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: فالاصل فيه ان البينة المظهرة للزيادة
اولى - (بدائع الصنائع ج ٦ ص ٢٢١ كتاب الدعوى، فصل حكم تعارض الدعوتين، الخ)
ومثله في الهداية ج ٣ ص ٢٠٨ باب التحالف۔

کا تہیہ کرد کھلے اور ہر حال میں ان کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے کیونکہ ان چیزوں کے تحفظ کے بغیر سکون و راحت کی زندگی کا تصور بھی محال ہے، ان امور کے تحفظ اور حقوق اللہ کے اجراء کے لیے حدود و قصاص وغیرہ کا اجراء عظیم الشان نظام ہے اس لیے اگر کسی کے وجود یا افعال بد سے دوسروں کے مال و جان وغیرہ کو خطرہ ہو تو جرم کے ثابت ہو جانے پر مجرم کو حدود و قصاص کے تحت سزا دی جاسکتی ہے لیکن اگر جرم کے اثبات میں معمولی سی غفلت بھی برتی جائے تو اس میں کسی بے گناہ کی جان یا اس کی عزت و آبرو کے ضیاع کا خطرہ ہے اس لیے جرم کے اثبات کے لیے شریعت نے شہادت میں سختی سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ شبہ کے احتمال کی وجہ سے عورتوں کی گواہی غیر معتبر قرار دی ہے اس لیے صحیح گواہوں کے بغیر محض شک و شبہ کی بناء پر کسی کو سزائے موت دینا ناجائز ہے۔

کافی الحدیث: عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرؤ الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة۔ رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱ کتاب الحدود)

الفصل الثانی ۱۰

شُرکاء کاروبار کا ایک دوسرے کیلئے گواہی دینا | سوال :- دو آدمی ایک کاروبار میں شریک ہیں کیا وہ کاروبار کے معاملہ میں ایک دوسرے

کے لیے گواہ بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون شہادت کی رو سے ایک شریک دوسرے شریک کیلئے طرفداری کی ہمت کی وجہ سے گواہی نہیں دے سکتا اور نہ ان کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں مقبول ہوگی۔

لما فی مجلة الاحکام: وكذلك لا تقبل شهادة الشراكاء لبعضهم في مال الشركة ولا تقبل شهادة الكفيل بالمال للاصيل على كون المكفول به۔ الخ (در الاحکام علی مجلة الاحکام ج ۲ ص ۳۹۳ کتاب الشهادة) ۲

۱۔ قال العلامة الكاساني رحمه الله: لان الحدود والقصاص مبناها على الدرء والاستقاط بالشبهات۔ ربدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۴۹ کتاب الشهادة۔ فصل واما الشرائط في الاصل الخ ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۰۴ کتاب الحدود۔

۲۔ قال العلامة على حيد: لا تقبل شهادة الشراكاء لبعضهم في مال الشركة۔ (در الاحکام علی مجلة الاحکام ج ۲ ص ۳۹۵)

سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر باپ عدالت میں حج کے لیے کا بیٹے کے لیے گواہی دینا

سا منے بیٹے کے حق میں یہ گواہی دے کہ میرے بیٹے نے فلاں شخص سے دعویٰ میں درج شدہ اراضی قطعی بیع سے خریدی ہے، تو کیا باپ کی یہ گواہی بیٹے کے حق میں مقبول ہوگی یا نہیں؟ اور عدالت اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون شہادت کی رو سے باپ بیٹے یا بیٹا باپ کیلئے گواہی نہیں دے سکتا اس لیے کہ اس میں طرفداری اور قربتداری کی تہمت ہے کہ ہو سکتا ہے باپ بیٹے کے حق میں بلا جواز جھوٹی گواہی دے رہا ہو، تو اس تہمت کی وجہ سے اسلام اصول و فروع کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں کرتا اسلئے عدالت باپ کی گواہی کی بنیاد پر بیٹے کے حق میں فیصلہ دینے کی شرعاً مجاز نہیں۔

لما قال العلامة مرغینانی: ولا شهادة الوالد لولد ولا ولد لوالد ولا شهادة الولد لابويه ولا جد لولده والاصل فيه قوله عليه السلام لا يقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجه ولا الزوج لامرأته الخ (الهداية ج ۳ من کتاب الشهادة) لہ

سوال :- کیا بیچڑے کی گواہی شرعاً قبول کی جائے گی یا نہیں؟

جبکہ وہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ناچ گانے کا کام بھی کرتا ہو، قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- جو بیچڑا عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ناچتا گاتا بھی ہو تو اس کی گواہی اس کے فسق کی وجہ سے شرعاً مقبول نہیں۔ تاہم جس کے اعضاء اور ادا و انداز میں نرمی ہو اور وہ فسق و فجور کا ارتکاب نہیں کرتا ہو تو وہ صرف نرمی کی بناء پر مردود الشہادت نہیں ہوتا بلکہ شرعاً اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: وقال فقهاء الحنفية لا تقبل شهادة مخنت لفسقه وهو الذي يفعل الردى ويؤتي كالنساء اما الذي في كلامه

لہ وفي مجلة الاحکام، لا تقبل شهادة الاصل للفرع والفرع للاصل یعنی لا تقبل شہادت الاباء والجدات والامهات والجدات الاولادهم واعفادهم وبالعکس اغی شہادة الاولاد والاحفاد لالاء والجدات والامهات والجدات. الخ رد المحتار علی مجلة الاحکام ج ۴ ص ۳۹۳ کتاب الشهادة۔ المادة ۱۷۰۰۔

وفی اعضائہ تکسرفہو مقبول الشہادۃ - (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۵۶۶) **المطلب الثالث، شروط اداء الشہادۃ (۱)**

سوال :- ایک آدمی پہلے بُھوّا، چوری، زنا وغیرہ قبیح افعال کا ارتکاب کرتا تھا لیکن اب اس نے تمام تمام برائیوں سے توبہ کر لی ہے، تبیلغ میں بھی وقت لگانا شروع کر دیا ہے، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے۔ اب اگر وہ کسی مجرم پر گواہی دے تو کیا شرعاً اس شخص کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاسق و فاجر جب اپنے فسق و فجور سے توبہ کر کے صراطِ مستقیم پر آجائے تو وہ شہادت دینے کا شرعاً اہل ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں موصوف کشتی مجرم پر گواہی دینے کا اہل ہے اس کو سابقہ جرائم کی وجہ سے گواہی دینے سے نا اہل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي، واتفق الفقهاء على أن الفاسق إذا تاب من فسقه تقبل شهادته واستثنى الحنفية المحدثون في القذف فإنه لا تقبل شهادته عندهم وإن تاب۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۵۶۶) **المطلب الثالث في شروط اداء الشہادۃ (۲)**

سوال :- ایک شخص کسی کو قتل کر رہا تھا اور دو آدمیوں نے اسے عین قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا،

بجب قاتل کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کرائی گئی تو اُس نے موقعہ کے ان گواہوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو اغوا کر کے اس پر اتنا تشدد کیا کہ اُس کی بیانی ختم ہو گئی

۱۔ قال العلامة الحصكفي رحمه الله، (ولا تقبل شہادۃ) محنت بالفتم من يفعل الردى ويؤتى وأما بالكسر فالتكسر المتلين في اعضائه وكلامه خلقته فتقبل۔ (الدر المختار على صدر المختار جلد ۵ ص ۴۹) كتاب الشہادۃ۔ باب قبول الشہادۃ وعدمہ (۲)

۲۔ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: الفاسق إذا تاب تقبل شہادته إلا الحدود بقذف۔ (الدر المختار على صدر المختار جلد ۵ ص ۴۹) كتاب الشہادۃ۔ باب قبول الشہادۃ وعدمہ (۲)

اب وہ قاتل گرفتار ہو گیا ہے اور عدالت میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ قاتل کے تشدد سے بینائی سے محروم ہو جانے والا شخص عدالت میں اُس قاتل کے خلاف گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس نے خود قاتل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

الجواب :- حنفیہ کثر الشہادۃ ہم کے ہاں اداء شہادت کے لیے چند شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے اور بدون ان شرائط کے گواہ اداء شہادت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان شرائط میں عقل، بلوغ اور اسلام وغیرہ کے ساتھ ساتھ گواہ کا بینا ہونا بھی ضروری ہے، صورتِ مسئلہ کے مطابق گواہ اداء شہادت کے وقت چونکہ بینائی کی نعمت سے محروم ہے اس لیے وہ حنفیہ کے نزدیک شہادت کا اہل نہیں۔

لما قال العلامة الشیخ وھبۃ الزحیلی : البصر ! یشرط عند ابی حنیفۃ و معتد و الشافعیۃ ان یکون الشاہد مبصرًا فلا تقبل شہادۃ الاعی لانہ لا بد من معرفۃ المشہود لہ والاشارۃ الیہ عند الشہادۃ ولا یمیز الاعی بین الناس الا بنغمۃ الصوت و فیہ شبہۃ لان الاصوات تتشابه وتشدد الحنفیۃ فمنعوا قبول شہادۃ الاعی وان کان بصیرًا عند تحمل الشہادۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۶ ص ۵۶۷ المطلب الثالث شروط اداء الشہادۃ) لہ

قوت گویائی سے محروم شخص (گونگے) کی شہادت کا حکم | سوال :- ایک آدمی جو کہ بات چیت کرنے کی نعمت

سے محروم (گونگا) ہے، اگر وہ خود کسی شخص کو کوئی جرم کرتے ہوئے دیکھے اور اس کی آواز کو پہچانتا بھی ہو، تو کیا یہ شخص اس مجرم کے خلاف عدالت میں اشارہ کے ساتھ گواہی دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور عدالت اس گواہی کے مطابق مجرم کو سزا وغیرہ دینے کی سرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون شہادت کے مطابق گواہ میں چند شرائط کا ہونا ضروری

لہ لما قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ : لا تقبل من اعی مطلقاً۔ قال العلامة ابن عابدینؒ، ولنا ان الاداء یفتقر الی التمزیز بالاشارۃ بین المشہود لہ والمشہود علیہ ولا یمیز الاعی الا بالنغمۃ و فیہ شبہۃ۔ (رد المحتار والدر المختار ج ۵ ص ۴۷۶ کتاب الشہادۃ۔ باب قبول الشہادۃ وعدمہ)

ضروری ہے مثلاً مسلمان ہونا، آزاد ہونا، عاقل بالغ اور بصیر ہونا وغیرہ، ان شرائط میں ایک شرط قوت گویائی کی بھی ہے، اگر کوئی شخص شہادت کی دیگر شرائط تو پوری کرتا ہو مگر وہ قوت گویائی سے محروم ہے تو وہ شہادت کا شرعاً اہل نہیں اور عدالت اس کی دی ہوئی گواہی پر فیصلہ صادر کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: النطق! اشترط الحنفية والشافعية والحنابلة ان يكون الشاهد ناطقاً فلا تقبل شهادة الاخرس وان فهمت اشارته لان الاشارة لا تعتبر في الشهادات لانها تتطلب اليقين وانما المطلوب التلفظ بالشهادة - دال فقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۵۶۳

المطلب الثالث، شروط اداء الشهادة

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک گواہ کی خفیہ تحقیقات کرنے کی شرعی حیثیت

مسئلہ کا حل مطلوب ہے وہ یہ کہ آج کل بعض لوگ سفید لباس پہن کر خود ساختہ معزز بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں لیکن پس پردہ وہ جرائم پیشہ افراد کے پشت پناہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر عدالت میں رج کے سامنے کسی مجرم کے خلاف شہادت دینے کے لیے آئیں اور خود مجرم یا اس کا وکیل ان پر جرح کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ موصوف تو خود فلاں فلاں مجرم کا مرتکب ہے۔ تو کیا جحقیقت جاننے کے لیے خفیہ طور پر ان کی عدالت کی تحقیق کر سکتا ہے یا صرف ان کی ظاہری عدالت پر اعتماد کر کے فیصلے کر سکتا ہے؟ فقہاء کرام کی اس بارہ میں کیا رائے ہے؟

الجواب :- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہ کی ظاہری عدالت پر اکتفا کر کے جج یا قاضی کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے، گواہ کی خفیہ طور پر تحقیقات کرنا ضروری نہیں ہے البتہ صدور اور قصاص کے معاملے میں اس احتیاط کو بروئے کار لانا ان کے ہاں بھی ضروری ہے، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جملہ معاملات اور مقدمات میں گواہ کی خفیہ طور پر عدالتی تحقیق ضروری ہے، متاخرین علماء احناف نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی گواہ کی عدالتی خفیہ تحقیق ضروری ہے، اس لیے کہ خصم (مجرم) یا اس کے وکیل نے گواہ پر اعتراض کیا ہے،

اس لیے جج یا قاضی ایسے گواہ کی خفیہ ہمدالتی تحقیقات کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے صرف گواہ کی سفید پوشی پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي : واكتفى ابو حنيفة بظاهر العدالة في المسلم ولا يسأل عن الشهود حتى يطعن الخصم بهم الا في الحدود والقصاص فانه يسأل عن الشهود وان لم يطعن فيهم الخصوم ودليله على الاكتفاء بظاهر العدالة قوله عليه السلام : المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدوداً في قذف - ومثله مروي عن عمر وقال اصحابنا والفتوى على قولهما لا بد عن ان يسأل القاضي عن الشهود في البتر والعلانية في سائر الحقوق لان القضاء قائم على الحجة وهي شهادة الرجال فلا بد من التعريف على العدالة وفي ذلك ميانة للحكم القضائي عن النقص والابطال بسبب الطعن في عدالة الشهود۔

والفقه الاسلامي وادلته ج ۶، ۵۶۵، ۵۶۶ مطلب الثالث في شروط اداء الشهادة

علت زائل ہونے کے بعد اسی مقدمے میں شہادت کا حکم | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کے لیے قاضی کے سامنے یہ شہادت دی کہ میری بیوی کا اپنے بھائی زید پر ایک لاکھ روپیہ (جو کہ اسے اپنے والد کے ترکہ سے نقدی کی صورت میں ملے تھے) قرضہ ہے لیکن قاضی نے اس کی شہادت کو ازدواجی رشتے کی بناء پر رد کر دیا۔ اب جبکہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق یا سن دے کر رخصت کر دیا ہے تو کیا یہ شخص اسی مقدمہ میں شہادت دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ عورت اب اس کے لیے اجنبیہ بن گئی ہے؟

الجواب :- اسلامی قانون شہادت کے تحت جب ایک بار کسی شخص کی گواہی کسی علت کی بناء پر رد کر دی جائے تو اسی مقدمے میں اس شخص کی شہادت علت زائل ہونے کے بعد بھی قبول نہیں ہوگی۔ لہذا صورت مسئلہ میں طلاق دینے کے بعد بھی اثبات دعویٰ کے لیے اس شخص کی شہادت کارآمد نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم باز : متى ردّت الشهادة لعلّة تحرّزالت العلة فشهد في تلك الحادثة لا تقبل فلو شهد الزوج لزوجته بدعوى فردّت

ثُمَّ ابَانُهَا وَتَزَوَّجَتْ غَيْرَهُ ثُمَّ شَهِدَ لَهَا بِتِلْكَ الدَّعْوَى لَحْرَ تَقْبَلُ -

(شرح المجلد رستم باز ص ۵۰۵ المادة ۵۵۸ کتاب الاکراه - الباب الثانی)

شہادۃ میں مشہود لہ یا علیہ کا نام مع ولدیت لینا | سوال :- ایک آدمی جب کسی کیلئے گواہی دے تو اس کا نام مع ولدیت

لے گا یا نہیں؟ اسی طرح جس کے خلاف گواہی دے رہا ہو تو اس کا نام بھی مع ولدیت کے لے گا یا نہیں؟ شریعت اسلامی میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- گواہی دیتے وقت اگر مشہود لہ (جس کے لیے گواہی دیتا ہو) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو) عدالت میں موجود ہوں تو گواہ کے لیے ان کے نام مع ولدیت کے لینا ضروری نہیں، صرف اشارہ کرنے سے بھی تعین ہو جائے گا۔ البتہ اگر دونوں موجود نہ ہوں یا کوئی ایک غیر حاضر ہو تو اس کا نام مع ولدیت کے لے کر گواہی دینا ضروری ہے صرف نام پر اکتفاء کرنے سے بات نہیں بنے گی، تاہم اگر وہ مشہور و معروف ہو تو شہرت کی وجہ سے صرف نام لینا بھی کفایت کر جاتا ہے۔

لَمَّا فِي مَجْلَةِ الْأَحْكَامِ: يَجِبُ أَنْ يَشِيرَ الشَّاهِدُ عِنْدَ الشَّهَادَةِ إِلَى كُلِّ مِنَ الْمَشْهُودِ لَهُ وَالْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَالْمَشْهُودَ بِهِ إِذَا كَانُوا حَاضِرِينَ فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ كَفَى وَلَا يَلْزِمُهُ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ ابْنِ الْمَشْهُودِ لَهُ وَالْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَلَا أَحَدَهُمَا إِمَّا فِي الشَّهَادَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْمُؤَكَّلِ الْغَائِبِ أَوْ بِالْمَيِّتِ فَيَلْزِمُ الشَّاهِدَ ذِكْرَ أَبِيهِمَا وَجَدَهُمَا وَلَكِنْ إِذَا كَانَ كُلُّ مِنْهُمَا مَشْهُورًا وَمَعْرُوفًا فَخَسِبَ الشَّاهِدَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَهُ وَشَهْرَهُ لِأَنَّ الْمَقْصِدَ الْأَصْلِيَّ لَعَرَفِهِ بِوَجْهِ يُمَيِّزُهُ مِنْ غَيْرِهِ - (مَجْلَةُ الْأَحْكَامِ رستم باز ص ۵۰۵ - ۱۶۹)

شہادت کیلئے خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے | سوال :- اگر کوئی شخص گواہی دیتے وقت قاضی کے سامنے یہ کہے کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے یا

لَمْ قَالَ الْعَلَامَةُ الْحَصَكْفِيُّ: وَهِيَ أَنَّ عَلَى حَاضِرٍ يَحْتَاجُ الشَّاهِدَ إِلَى الْإِشَارَةِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَلْفٍ الْخَمْسِينَ وَالْمَشْهُودَ بِهِ لَوْ عَيْنًا وَلَا دِينَارًا وَعَلَى غَائِبٍ كَمَا فِي نَقْلِ الشَّهَادَةِ أَوْ مَيِّتٍ فَلَا يَدُلُّ قَوْلُهُمَا مِنْ نَسَبَتِهِ إِلَى جَدِّهِ فَلَا يَكْفِي ذِكْرُ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَصِنَاعَتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِمَا هُوَ بِالصَّنَاعَةِ لَا بِحَالَتِهِ بَلْ لَا يَشَارِكُهُ فِي الْمَصْرِ وَغَيْرِهِ فَلَوْ قَضَى بِلَا ذِكْرِ الْجَدِّ نَقْدًا لِمُعْتَبَرِ التَّعْرِيفِ لَا تَكْثِيرِ الْحَرْفِ حَتَّى لَوْ عُرِفَ بِاسْمِهِ فَقَطْ أَوْ بِلِقْبَتِهِ وَحْدَهُ كَفَى - (الدَّرَالْمُخْتَارُ عَلَى صَدْرِهِ الْمُخْتَارُ ج ۵ ص ۳۶۶ کتاب الشَّهَادَةِ) وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِخَالِدَاتِ اسْمِي ج ۵ ص ۲ الباب الْأَوَّلُ فِي الشَّهَادَةِ -

لوگوں میں مشہور ہے کہ فلاں شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے، جبکہ گواہی دینے والا شخص صوم و صلوٰۃ کا پابند ہوا اور تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت بھی لگاتا ہو۔ تو کیا اس شخص کی یہ گواہی اثباتِ جرم کے لیے شرعاً کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:- گواہی دینے والے کیلئے اگرچہ عادل، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا بھی ضروری ہے مگر قبولِ شہادت کے لیے اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ شاہد نے مجرم کو جرم کے ارتکاب کے وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، صرف لوگوں سے سُن کر گواہی دینا قابلِ قبول نہیں۔ لہذا اس قسم کی شہادت سے جرم ثابت نہ ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بات لوگوں میں غلط مشہور ہو چکی ہو۔

لما فی مجلة الاحکام: يلزم ان يكون الشهود قد عاينوا بالذات المشهود به وان يشهدوا على ذلك الوجه ولا يجوز ان يشهدوا بالسمع يعنى ان يشهد الشاهد بقوله سمعت من الناس۔ (مجلة الاحکام العدلية۔ المادة ۱۶۸۸)

سوال:- کیا شہادت کے معاملہ میں صرف مرد گواہ کا ہونا ضروری ہے یا یہ کہہیں صرف خواتین کی گواہی بھی قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- لوگوں کے مابین پیدا ہونے والے تنازعات کے حل کے لیے شرعاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا بطور گواہ ہونا ضروری ہے لیکن جہاں کہیں مرد گواہوں کی رسائی ممکن نہ ہو یا وہ ان حالات پر مطلع نہ ہو سکتے ہوں تو اس مجبوری کے تحت صرف خواتین کی گواہی بھی قابلِ اثباتِ دعویٰ ہے اور شرعاً ان کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔

لما فی مجلة الاحکام: نصاب الشهادة في حقوق العباد رجلان او رجل وامرأتان ولكن تقبل شهادة النساء وحدهن بحق المال فقط في المحال التي لا يمكن اطلاع الرجال عليها۔ (شرح مجلة الاحکام لرستم باز، المادة ۱۶۸۵ ص ۱۰۳ الباب الاول في الشهادة)

۱۔ لما قال العلامة محمد بن الحسين الحنفی: لو قالوا شهدنا لانی سمعنا من الناس فلا تقبل شهادته۔ (الفتاویٰ الانقریة ج ۱ ص ۳۹۰ کتاب الشهادة۔ ابنا السادر فی الشهادة بالتامع)
۲۔ لما قال العلامة خالد آتاسی: كالولادة فان شهادة المرأة الواحدة في حق الارث تقبل عندهما خلافاً لابن حنیفة وبقولهما قال الشافعی واحمد وهو ارجح كما فی الفتم واما فی حق ثبوت النسب فتقبل اجماعاً... حاصلہ ان شهادة النساء بانفرادهن فيما لا يطلع عليه الرجال حجة۔ (شرح مجلة الاحکام ج ۵ ص ۵۰ الباب الاول في الشهادة)

اثبات جرم کے لیے ریکارڈ شدہ شہادت کافی نہیں | سوال :- عصر حاضر کی سائنسی ایجاد بیان کی بنیاد پر چوری، زنا، قتل وغیرہ کا جرم ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی کیسٹ کا بیان مثبت للحکم ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ شرعاً گواہوں کا عدالت میں حاضر ہو کر قاضی کے سامنے گواہی دینا ضروری ہے اس لیے صورت مسئلہ میں ٹیپ ریکارڈ یا دیگر جدید آلات سے گواہ کا بیان مثبت للحکم نہیں اور نہ قاضی کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ صرف ٹیپ ریکارڈ یا دوسرے آلات سے کسی کا بیان سن کر کوئی فیصلہ کرے، اس لیے کہ ایک آدمی کی آواز دوسرے کی آواز کے مشابہ ہو سکتی ہے۔
کافی مجلۃ الاحکام: الشہادۃ ہی الاخبار بلفظ للشہادۃ یعنی یقول اشہد باثبات حق احدہو فی ذمۃ الآخر فی حضور الحاکم ومواجهة الخصمین فیقال للمخبّر شاہد والمخبّر لہ مشہود لہ والمخبّر علیہ مشہود علیہ وللحق مشہود بہ۔

قال الشیخ خالد اتاسی ج: وقولہ فی حضور الحاکم المراد منه أن یكون الاخبار فی مجلس الحکم فاخبار الحاکم فی غیر مجلس الحکم لا یعتبر شہادۃ۔

(شرح المجلۃ لخالد اتاسی ج ۵ ص ۲۰۰، ۱۹۹ الباب الاول فی الشہادۃ)

اثبات جرم کے لیے تصویر کا حکم | سوال :- ایک شخص کسی کو قتل کر رہا ہو یا زنا کر رہا ہو اور کوئی دوسرا شخص اچانک اس کی تصویر اتار لے تو کیا وہ تصویر اثبات جرم کے لیے قاضی کی عدالت میں پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- تصویر اور اس سلسلہ کے دیگر جدید آلات کو فی زمانہ یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور یہ ذرائع اثبات جرائم کے لیے کافی حد تک کارآمد بھی ہیں بشرطیکہ دیگر ذرائع و قرائن انکی تائید کرتے ہوں، اس لیے کہ آج کل کے تکنیکی دور میں تصاویر کے اندر جعل سازی کا قوی امکان موجود ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں اتاری گئی تصویر اگرچہ کلی طور پر اثبات جرم کے لیے کافی نہیں لیکن اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے اگر دیگر ذرائع اس کی تائید میں نہ بھی ہوں اور قاضی کو مجرم پر قوی یقین ہو تو وہ اس پر کم از کم تعزیر جاری کر سکتا ہے۔

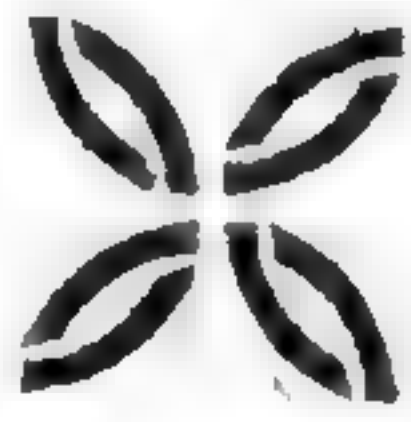
لما فی مجلۃ الاحکام: القرینۃ القاطعۃ ہی الامارۃ بالافۃ حد الیقین

مثلاً اذا خرج احد مت دار خالية مد هوشاً وفي يده سكين ملوثة بالدم
ودخلت الدار وروى فيها شخص مذ بوح في ذلك الوقت فلا يشتبہ فی کونہ
قاتل ذلك الشخص ولا يلتفت الى الاحتمالات الوهيية الصرفة كالذهاب الى
كون شخص المذكور بما قتل نفسه۔ (مجلۃ الاحکام، المادہ ۴۲۱) لہ

قاتل کے جسم یا کپڑوں پر مقتول کا خون لگا ہو تو | سوال: اگر قاتل کسی واردات
میں عین موقع پر کوئی شخص پکڑا جائے کہ

اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہو اور اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے بھی ہوں۔ ڈاکٹری تحقیق سے
مقتول کا خون اور خنجر و کپڑوں پر لگا ہوا خون ایک ہی ہو تو کیا شرعاً اس شخص پر جرم ثابت
ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ مقتول کے خون اور قاتل کے جسم پر لگے ہوئے خون کا ایک ہونا قاتل کے اثبات
کا قرینہ ہے۔ صورت مسئلہ کے مطابق اگر مقتول اور قاتل کے کپڑوں اور خنجر پر لگا ہوا
خون ایک ثابت ہو جائے تو شرعاً یہ شخص مجرم متصور ہوگا، اور اگر دیگر شواہد بھی تائید کرتے
ہوں تو قاتل پر حد جاری کی جائے گی ورنہ قاضی اس پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔



لہ لما قال العلامة خالد اتاسی: وفي معین الحکام قال بعض العلماء علی الناظر ان یلحظ
الامارات والعلامات اذا تعارضت فما ترجع منها قضی بجانب الترجیح وهو
قوة التهمة ولا خلاف فی الحکم بها وتبصرة الحکام، قال اللہ تعالیٰ: تَعْرِفُمُ بَسِيْمًا
دل علی السیما المراد بها حال ینظر علی الشخص والامارات ما نحوه من
الشریعة قال اللہ: (وَجَاؤْا عَلٰی قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كٰذِبٍ) قال عبد المنعم بن الفرس
روی ان اخوة یوسف علیہ السلام لما اتوا بقمیص یوسف الی ابیہم یعقوب
علیہ تاملہ فلم یجد فیہ حرفاً ولا اثر ناب فاستدل بذلک علی کذبہم
وقال مثی كان الذئب حلیما یا کل یوسف ولا یخرق قمیصہ۔

(شرح المجلة ج ۵ ص ۳۹۱ فی بیان القرینة القاطعة۔ المادہ ۴۲۱)۔

مسودہ قانون شہادت میں

مولانا سمیع الحق کی بعض دیگر ترامیم اور تقاریر

اقرار اور اقبال جرم | مسودہ قانون شہادت میں دفعہ ۴۵ کا تعلق اقبال جرم اور اقرار سے

ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: ”ان معاملات میں جو تسلیم کیے گئے ہوں، اقبال جرم تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے۔“

اس دفعہ کے متعلق مولانا سمیع الحق کی ترمیم (جو کہ فہرست ترامیم میں نمبر ۳ پر تھی) یہ تھی کہ اس دفعہ کو یوں بدل دیا جائے۔

”ان معاملات میں جو تسلیم کیے گئے ہوں اقبال تصفیہ کن ثبوت بھی ہے اور مائع تحریر مخالف (ESTOPPEL) بھی، اگر کوئی شخص اقبال (اقرار) کرے تو کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال (اقرار) کو اہمیت دے کر فیصلہ کیا جائے۔“

جناب چیئر مین نے یہ ترمیم پڑھ کر ایوان کے سامنے رکھی تو اس کے بارے میں میاں نسیم الرحمن صاحب نے نقطہ اعتراض اٹھایا کہ یہ ترمیم تقاضوں کے مطابق نہیں تو مسودہ قانون میں کیسے آسکتی ہے، جناب چیئر مین نے اس ترمیم کی اصل عبارت جو کہ اردو میں تھی کی طرف ان کی توجہ دلائی اور خود بھی پڑھی اور انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی درست کیا اور پھر محرک کو اس پر بحث کی اجازت دے دی، مولانا نے کہا۔

مولانا سمیع الحق | جناب چیئر مین صاحب: یہ بالکل واضح ہے، ہمارے سامنے جو

اصل دفعہ ہے اس میں یہ کہے اقبال تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے۔ تو میرا مقصد یہ ہے کہ اقبال کو ثبوت قطعی اس شہادت کی رو سے نہیں سمجھا گیا ہے کیونکہ انہوں نے انگریزی شہاد ایکٹ کو جس مفہوم میں استعمال کیا ہے اس کا تو یہی تقاضا تھا، لیکن اسلامی قانون میں اقرار کو جس

مفہوم میں لیا گیا ہے وہ نتائج کے اعتبار سے قطعی ثبوت بھی نہیں یعنی اس سے انکار نہیں (Stoppel) بھی ہے، واضح اصول یوں اخذ یا قرار دے آدمی اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر جناب ملک محمد رمضان صاحب آف بلوچستان نے چیئرمین سے کہا کہ مولانا کی ترمیم کے الفاظ اور معافی کے چکروں میں پڑنے کی بجائے جذبے کو بھی دیکھنا چاہیے، اگر یہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہے تو اسے اور الفاظ کا جامہ پہنا کر قبول کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

اس کے بعد چیئرمین نے جناب سید معین الدین شاہ کو اس پر اظہار خیال کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ قوانین آپس میں مربوط ہوا کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ہم نے قاضی کو رٹس پاس کیا ہے، یہاں حقوق کی بات نہیں ہے، یہاں یہ ترمیم ٹائڈ ہے قانون میں آہی نہیں سکتی۔ اور بھی کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ یہاں جو چیز لانا نہ چاہتے تو یہ حضرات قاضی کو رٹس کا حوالہ دے دیتے، اقرار کے متعلق یہی انداز اختیار کیا گیا کہ قاضی کو رٹ کا قانون یہی ہے۔ اس مرحلہ پر مولانا سمیع الحق نے جواب بحث دیتے ہوئے کہا کہ:

مولانا سمیع الحق جناب والا! میں نے ابھی ایک حصہ بیان کیا تھا، یہاں بار بار ہمیں قاضی کو رٹس کا حوالہ دیا جاتا ہے، یہ بڑا عجیب سا نظام ہے کہ اس مسئلے کو دوسری کتاب سے مربوط کیا جائے اور اس کو تیسری سے۔ قانون شہادت تو یہ ہے کہ شہادت کے سارے امور گواہوں کے متعلق ہوں یا حلف کے متعلق ہوں یا اقرار کے متعلق ہوں تو اسے یکجا رکھا جائے، اس طرح آسانی رہے گی۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ایک صحیح اور موثر ڈھانچہ تیار ہو جائے تو یہاں اگر تفصیلاً نہ بھی ذکر کی جائیں۔ تو میں نے ترمیم میں کہا ہے کہ ”کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق“۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اقبال اور اقرار کو بھی شریعت نے کئی شرائط سے مشروط کر دیا ہے۔ مثلاً اقرار کرنے والا مقل بالغ ہوگا، اگر نابالغ ہے اور ولی یا سرپرست نے اس کو کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے تو وہ بھی بالغ کے حکم میں متصور ہوگا۔ اسی طرح اور کئی شرائط ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب مقرر اقرار کرے، اقبال کرے وغیرہ کسی جبر و اکراہ کے، تو اس میں شریعت کے واضح احکامات کو ملحوظ رکھا جائے، جبکہ یہاں معاملہ بالکل مبہم ہے۔ اور دوسرا مانع امر مخالف کا مسئلہ ہے کہ اسلام اقرار کو ثبوت قطعی بھی قرار دیتا ہے، اگر یہاں ہم نے اسے ثبوت قطعی قرار نہ دیا تو شریعت کا ایک اصول اس سے متاثر ہو جائے گا۔ اقرار ایک مستقل عظیم الشان باب ہے اسلامی قانون شہادت کا۔ اس کے تقاضوں کو بھی ہر جگہ ملحوظ

رکھنا ہوگا۔ یہ عام مسئلہ اصول ہے کہ امر ویوخذ باقرارہ۔ اب ایک شخص نے اگر اقرار کر لیا تو یہاں تو اس کو مانع تقریر مخالف قرار دیا گیا، یعنی ایک شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے تو وہ اس کا بھائی تو ہو گیا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس اقرار سے وہ اس کے باپ کا بیٹا بھی ہو جائے، خلاصہ تو یہی ہے۔ مگر یہاں تو اس کو ثبوت قطعی قرار ہی نہیں دیا گیا، اگر ایسا ہی ہو تو پھر اقرار کی کوئی بنیاد اور حیثیت ہی نہ ہوئی۔

اقرار کے شرائط | دوسری گزارش میں نے یہ کی کہ اقرار کو شریعت نے کئی چیزوں سے پابند کر دیا ہے، جیسا کہ ہم نے شاہد کے لیے بھی اہلیت اور شرائط کو ملحوظ رکھا ہے، تو یہاں بھی اگر ہم تفصیلات میں نہیں جاتے تو شہادت کے بعد ایک درجہ تو اقرار کرنے کا ہے، اس کی بھی شرائط ہیں اور کچھ مستثنیات ہیں، وضاحتیں ہیں، تو ان کو میرے اس مختصر جملے میں ملحوظ رکھ دیا جائے کہ شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال کو اہمیت دیں گے، اگر وہ شریعت کے احکام پر پورا نہیں اترتا تو زوج کو اختیار ہو کہ وہ اس شخص کے اقرار کو اہمیت نہیں دے گا۔ صرف اتنا معاملہ ہے کہ اس دفعہ کو بھی کسی طرح اسلامی اصولوں کے قریب لایا جائے۔

اس کے بعد جناب چوہدری فقیر اللہ صاحب اور جناب چوہدری الطاف حسین صاحب اور بعض دیگر ارکان نے ترمیم کی مخالفت کی اور مولانا قاضی عبداللطیف صاحب نے ترمیم کی پُر زور تائید کی، اس پر رائے شماری کے بعد جناب چئیرمین نے اسے ساقط قرار دیدیا۔

شادی وغیرہ کا ثبوت | دفعہ ۶۲ کا تعلق شادی وغیرہ کی رشتہ داری کے ثبوت سے ہے اس میں مولانا کی ترمیم یہ تھی کہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بڑھا دیئے جائیں کہ ”یا قوانین حدود کی متعلقہ دفعات کے تحت ہو“ تاکہ رزنا کاری کے انسداد کے سلسلہ میں یہ دفعہ بعض صورتوں میں رکاوٹ بن سکے۔ یہاں اصل دفعہ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۸ اور ۴۹۸ کا ذکر تھا جبکہ وہ کالعدم ہو چکی تھیں مگر حدود سے متعلقہ دفعات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ جناب حکیم محمد سردار خان صاحب، جناب چوہدری محمد الطاف حسین صاحب، وزیر قانون جناب پیر زادہ صاحب نے بحث میں حصہ لیا اور کہا کہ اس ترمیم کے مجملہ تقاضے حدود آرڈیننس سے پورے ہو رہے ہیں البتہ ۴۹۸ اور ۴۹۸ دفعات کا ذکر یہاں زائد ہے اسلئے کہ یہ رپل ہو چکی ہیں۔ جناب چئیرمین نے اس کے بعد محرک مولانا سمیع الحق کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ جناب چئیرمین

ہم نے یہ بات مسودہ کو ترتیب دیتے وقت مفاہمتی مجلس میں بھی کہی تھی کہ اگر حدود آرڈینیمنس کے ذکر کی ضرورت نہیں تو پھر تعزیرات پاکستان کی ان منسوخ شدہ دفعات (۲۹۷ اور ۲۹۸) کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں۔ تو میں حیران تھا کہ جو دفعات منسوخ ہیں ان کا تو ذکر ہے لیکن جو رائج الوقت ہے (یعنی حدود آرڈینیمنس) اس کا ذکر تک نہیں۔ اس پر جناب چیئرمین نے منسوخ شدہ دفعات کا ذکر ہٹا دیا اور مولانا نے ترمیم واپس لینے کی اجازت شرطیہ طور پر لینی چاہی تو چیئرمین نے کہا کہ شرطیہ اجازت نہیں لی جاسکتی، اس کے بعد ترمیم پر رائے شماری ہوئی اور گر گئی۔

دوران ازدواج بچے کی پیدائش دفعہ ۱۲۸ کا تعلق دوران ازدواج بچے کی پیدائش سے ہے کہ ایسی پیدائش بچے کے جائز ہونے کا پختہ ثبوت ہوگا۔

مجوزہ ایکٹ ۱۸۷۲ء میں اسے بالکل مبہم چھوڑ دیا گیا تھا، صرف یہ کہ جائز شادی کے دوران بچہ پیدا ہونا اس کے جائز ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ گویا اگر عقد نکاح کے چند دن بعد بھی بچہ پیدا ہو جائے تو اسے حلالی سمجھا جائے گا، جبکہ اسلامی شریعت کی رو سے عقد نکاح کے کم از کم ۶ ماہ گزرنے کے بعد پیدا ہونے والا بچہ جائز سمجھا جائے گا۔ اسی طرح یہ ایکٹ انفساخ نکاح کی صورت میں دوسو اسی یوم کے اندر بعد انفساخ ازدواج تو لکھ کو جائز ثبوت قرار دے رہا تھا جبکہ فقہاء کرام کے نزدیک کم از کم مدت دو سال ہے۔ یعنی فسخ نکاح (طلاق یا وفات) کے بعد دو سال تک پیدا ہونے والا بچہ بھی حلالی سمجھا جائے گا، سوائے استثنائی صورتوں کے۔ (جو کہ نیچے دفعہ میں آ رہی ہیں)۔ علماء کا اصرار تھا کہ اس دفعہ کو ہر حالت میں شریعت کے مطابق بنانا ہوگا، جبکہ مخالف گروپ وکلاء وغیرہ اس پر آمادہ نہیں تھے، مگر بعد میں مفاہمتی مجالس میں اس پر جناب وزیر قانون وغیرہ کی سعی سے وکلاء حضرات نے اتفاق کر لیا اور اس دفعہ کو علماء کرام نے از سر نو مرتب کر کے مستویں شائع کرایا۔

مدت حمل دفعہ ۱۲۸ دوران ازدواج پیدائش پختہ ثبوت جائز ہونے کا ہے | یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی والدہ کے کسی مرد کے ازدواج جائز میں رہنے کے چھ ماہ یا اس کے بعد

یا اس نکاح کے ختم ہونے سے دو سال کے اندر پیدا ہوا ہو اور اس اثناء میں اس کی ماں بے زوج رہی ہو تو یہ اس امر کا قطعی ثبوت ہوگا کہ وہ صحیح النسب بیٹا ہوگا، الا یہ کہ عورت عدت گزر جانے کا اقرار کر چکی ہے اور بچہ کی پیدائش تاریخ اقرار سے ۶ ماہ بعد ہوئی یا شوہر انکاری ہو۔

ابوان میں یہ دفعہ جب سامنے آئی تو حکیم محمد سردار خان اور بعض وکلاء نے پھر اسے ترمیم کے ذریعہ

بدلنا چاہا اور نکاح ختم ہونے کے بعد کی مدت کو ۲۹۵ دن تک محدود کرنا چاہا۔ یہ مسئلہ مدت حمل کی اکثر حد پر مبنی ہے۔ بعض ائمہ کے ہاں یہ مدت تین سال اور اس سے بھی زائد ہے، امام ابو حنیفہؒ کی رائے کم از کم میعاد پر مبنی ہے، مخالفت کرنے والوں کو یہ میعاد ناممکن اور مضحکہ خیز نظر آ رہی تھی جبکہ انگریزی ایکٹ میں عقد نکاح کے دو دن بعد بچے کی ولادت کو قانوناً جائز قرار دیئے جاتے ہیں ہجرت اور اپنی جان بچانے کے لئے علماء کرام نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس میعاد کی حکمتوں پر روشنی ڈالی اور پیش کردہ ترمیم کی مخالفت کی، دکلاء حضرات نے اپنے موقف پر تقریریں کیں اور الحمد للہ کہ رٹے شماری کے بعد مخالفتانہ ترمیم ساقط ہو گئیں اور اکثریت سے علماء کی پیش کردہ دفعہ منظور ہو گئی۔

اس مسئلہ پر مولانا سمیع الحق نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ :-

جناب چیئرمین | مولانا سمیع الحق صاحب !

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین ! یہاں زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے کہ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا

ہے اور اس جدید دور میں اگر ہم دس مہینے سے زیادہ دو سال فرض کر لیں تو لوگ ہنسیں گے، گویا اس کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ۲۹۵ دن پر زور دیا گیا ہے۔ میں مختصراً دو تین نکات بیان کرتا ہوں۔ ایک تو حکیم محمد سردار خان صاحب کی ترمیم میں بظاہر تعارض ہے، ابتداء میں تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ۲۹۵ دن میں تبدیل کیا جائے، اور سب مقررین اسی پر زور دے رہے ہیں کہ چونکہ یہ ناممکن ہے اس لیے ایسا ہونا چاہیئے، پھر یہ خود ہی آخر میں بارثنوت والدہ پر ڈالتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں کہ ۲۹۵ دن کے بعد اور دو سال کے اندر۔ میں کہتا ہوں کہ جو چیز ترمیم کی ابتداء میں واقعی ناممکن تھی تو پھر آخر میں وہ ممکن کیسے سمجھ لی گئی؟ اگر یہ بات بالکل ناممکن تھی تو پھر ایک ناممکن چیز کے لیے کسی دعویٰ کا بارثنوت والدہ پر ڈالنا کتنے تعجب کی بات ہے، میں ابھی وضاحت سے بات کروں گا۔

جوہری محمد ادریس تاج | پوائنٹ آف آرڈر جناب چیئرمین ! اگر میں قیاس سے یہ

یہ کہوں کہ کسی خاتون کے پیٹ میں بچہ ہے تو آخر وہ میڈیکل چیک آپ آپ کروائیں گے تو پتہ چلے گا، اس طرح توبہ نہیں چلے گا۔

جناب چیئرمین | تشریف رکھئے ! یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

اکثر مدت حمل میں اقوال اور حکمت خداوندی | مولانا سمیع الحق | تو اگر ایک چیز ترمیم

کے آغاز میں مضحکہ خیز تھی تو وہ ترمیم کے آخر میں کیوں مضحکہ خیز نہیں بنتی؟ میری دوسری گزارش یہ ہے کہ اس زمرے میں بھی بچے دو دو سال

ماں کے پیٹ میں نہیں رہتے تھے، اور عام حالات جو عیس ملتے ہیں اس میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں اس کے باوجود بھی تمام ائمہ نے جو رائے اختیار کی تو یہ نہیں تھا کہ ان میں عقل، تدبیر اور یہ ساری باتیں نہیں تھیں اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے نعوذ باللہ ایسی جاہلانہ بات کہہ دی حالانکہ سب ائمہ بنیادی طور پر متفق ہیں کہ ایک سال تہیں ہے اور چاروں ائمہ میں اگر اکثریت حل کے بارے میں اختلاف ہے بھی تو وہ دو سال سے زائد میں ہے، دو سال پر تو سب متفق ہیں، امام شافعیؒ تو تین سال کہتے ہیں، اور امام مالکؒ سے تو چار سے چھ سال تک کے اقوال ملتے ہیں اس مرحلہ پر کئی ارکان نے مضحکہ خیز انداز میں ان اقوال کا مذاق اڑایا، اب آپ مذاق اڑائیں یا ہنسی کریں بہر حال یہ آپ کا دین ہے، پھر سرے سے اس دین سے ہی دستبردار ہو جائیں، خواہ آپ جو بھی کریں آپ کو ان مسائل میں جرأت ایمانی کی بات کرنی چاہیے دین کی باتوں پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کیا کہے گی، ایمان داری سے کَلَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کہہ دیں آپ تو پھر آپ کو کتاب و سنت پر مبنی ہر رائے کو ماننا پڑے گا۔

الغرض اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں، اب وجہ کیا تھی کہ میں نے ایسا کہا؟ وجہ یہ تھی کہ یہ کچھ مخصوص حالات ہیں، مثلاً ایک شوہر بیوی کو طلاق دیدیتا ہے یا کوئی خاتون بیچاری بیوہ ہو جاتی ہے تو وہ ہزاروں مصائب اور مشکلات سے دوچار ہو جاتی ہے، اگر اس نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا اور کسی اور سے شادی بھی نہ کی یا شوہر زندہ ہے اور انکار نہیں کرتا، تو ان مخصوص حالات میں اللہ نے ہر جگہ اپنے نظام میں یہ گنجائش رکھی ہے اور احکام میں اسے ملحوظ رکھا کہ کسی انسان کو ناجائز اور حرامی نہ کہا جائے کیونکہ کسی کو ایک دفعہ ناجائز اور حرامی کہہ دینا اس کو زندہ مار دینے کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک پاکستان اور عقیفہ عورت کو اسلام حتی الوسع اس التزام، تہمت اور بدنامی سے بچانا چاہتا ہے، اب جو دو سال کی گنجائش رکھی گئی ہے تو ایک بیچاری پاکستان عورت جب تک اس کے خلاف ثبوت ثابت نہ ہو تو شریعت اس کو اپنے حال پر رکھتی ہے۔

تیسری گزارش میری یہ ہے کہ یہ امت جو ہے یہ صرف سائنس کے زمانے کے لیے نہیں ہے وہ چودہ سو سال سے ہے اور قیامت تک رہے گی اور ساری بنی نوع انسان کے لیے اسلامی تعلیمات ہیں ہر جگہ نہ تو سائنس تھی نہ ایکس رے ہیں نہ لیبارٹریاں ہیں نہ اس قسم کے ٹیسٹ ہر جگہ ہو سکتے ہیں آج بھی ہماری آبادی کا ۹۵ فیصد علاقہ دیہات ہے، جو کلات بھی ہیں امت امی کا معنی یہ ہے کہ اسے دین فطرت میں تکلفات کا پابند نہ کیا جائے۔ شکریہ

وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت | مروجہ شہادت ایکٹ میں وعدہ معاف گواہ موجود ہے یعنی

کسی شریک جرم کا اقرار اور اس کے اپنے کسی دوسرے شریک کا مجرم کے خلاف بطور شہادت استعمال ہو سکتا ہے جس کی شرعی نقطہ نظر سے کوئی گنجائش نہیں، باہمی مفاہمت کی مجلس میں نئے مستودہ سے یہ شق حذف کرانی گئی تھی مگر ریٹائرڈ چیف جسٹس بشیر الدین خان صاحب اپنی ترمیم کے ذریعے اسے برقرار رکھنا چاہتے، اس ترمیم پر بڑی زوردار تقریریں ہوئیں، ترمیم کی تائید کو اکثریت سمجھا گیا اور وہ منظور ہو گئی۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا :-

جناب چیئرمین | بہت شکریہ! مولانا سمیع الحق صاحب۔

جناب مولانا سمیع الحق | حضور والا! یہ واضح مسئلہ ہے کہ وہ خود ایک فریق مقدمہ بن گیا ہے اور اس کے بارے میں المغنی نے تصریحات نقل کی ہیں کہ کُلُّ مَنْ خَاصَمَ فِي حَقِّ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ فِيهِ۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۷) ایک اور روایت میں ہے: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْخَصَمِ۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریق مقدمہ کی گواہی فریق مخالف کے لیے قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ایک فریق مقدمہ ہے اور اس فریق کے مخالف کو استعمال کرنا ہے جو اس فریق پر بڑی زیادتی ہے، دوسری روایت الدر المختار کی ہے: كُلُّ مَنْ صَارَ خَصَمًا فِي حَادِثَةٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فِيهَا۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الشهادات)

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ: ہر وہ شخص جو کسی شہادت میں فریق مخالف ہو تو اس میں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، "تیسرا یہ کہ وہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد عادل نہیں رہا۔ اور شہادت کے لیے صریحاً اصول ہیں کہ وہ عادل ہو، جب خود اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے، چوری کی ہے، زنا کیا ہے، تو اس کے بعد اس کی شہادت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو معاف کر دے، کیونکہ اس سے تو حقوق العباد کی حق تلفی ہوگی، حکومت کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی ملزم کو معاف کر دے کہ چلو تم نے چوری کی ہے، قتل کیا ہے، تو کوئی بات نہیں تجھے معافی دی جاتی ہے، حقوق العباد کو تو حکومت بھی معاف یا ضائع نہیں کر سکتی جب تک کہ متاثرہ شخص اپنا حق خود معاف نہ کر دے۔ یہاں ریاست اور اسٹیٹ کی حفاظت کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے تو اسلام کہتا ہے کہ اس کیلئے سخت سے سخت قوانین بنائے جائیں اور عدار کو سخت سزا دی جائے، مگر.....

جناب چیئرمین | شکریہ (یعنی وقت ختم ہو گیا ہے)

اسلام اور خواتین کی شہادت

مجلس شوریٰ (وفاقہ کونسل) میں مسودہ قانون شہادت پر مولانا سمیع الحق صاحب کے تقریر جے وفاقہ کونسل سیکرٹریٹ نے ضبط کیا، فقہ اور قانون شہادت کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے نذر قارئین ہے۔ (مؤتبہ)

نحمدہ وتصلی علی رسولہ الکریم ط بسم الله الرحمن الرحیم
واذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینہم اذا فریق منہم معوضون
وان یتکن لہم الحق یا توالیہ منذ عنین ہافی قلوبہم مرضاً ام ارتابوا ان
یحیف الله علیہم ورسولہ۔ (سورۃ النور)

جناب مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین! قانون سے متعلق مسائل بہت گہرے اور ہمہ گیر ہیں، ان حالات میں دس منٹ کی جو پابندی رکھی گئی ہے اور یہ جو تلوار سر پر لٹک رہی ہے تو حیران ہوں کہ میں کس کس مسئلہ پر عرض کروں، بہر حال اگر آپ دس منٹ مزید دیدیں تو یہ آپ کی عنایت ہوگی۔

جناب چیئرمین! نہیں! اگر آپ ۹ منٹ میں ختم کر دیں تو میں شکریہ ادا کروں گا۔
جناب مولانا سمیع الحق | جو مسودہ ہمارے سامنے لایا گیا ہے اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن پر تمام معزز ارکان کو بلا کسی اختلاف کے گہری نظر ڈالنی چاہیے تھی اور اسکی اصلاح کی کوشش کرتی چاہیے تھی، لیکن بد قسمتی سے سارے مسودہ میں صرف یہ ایک مسئلہ ایسا اہم بن گیا ہے کہ سارے ایوان کی توجہات اس طرف ہی لگ گئی ہیں، یعنی

آہلے چاروں کے اعضاء پر عورت ہے سوار

اور ہمارے مبصرین، وکلاء بھی قرآن کریم کی آیات اور مصحف الہی کی تفسیر اکبر الہ آبادی کی زبان میں ”مصحف رخسار بتان مغرب“ کی روشنی میں کرنے لگ گئے ہیں، اکبر نے کہا تھا لے کھل گیا مصحف رخسار بتان مغرب
شیخ حاضر بھی ہوئے ہیں نئی تفسیر کے ساتھ

شیعہ مسلک اور خواتین کی شہادت | تو ہمارے یہ شیوخ حافر بھی ہوئے توئی نفیر کے ساتھ۔
پیر اشرف صاحب جو اس وقت موجود نہیں ہیں

اور ہمارے علامہ رضی صاحب (شیعہ مجتہد) بھی، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے اپنے اجتہادات ہیں، یہ ان کا حق ہے کہ جیسے چاہیں انہیں ظاہر کریں، لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ یہ شیعہ مسلک بھی نہیں ہے، اہل سنت اور اہل تشیع اللہ کے فضل و کرم سے قانونی شہادت میں خواتین کے مسئلہ پر متفق ہیں بلکہ شیعہ تو ہم سے بھی چند قدم آگے ہیں، میں یہاں صرف ایک حوالہ پیش کرتا ہوں کہ اس بارے میں شیعہ مسلک کیا ہے؟

اسلامی نظریاتی کونسل نے قانون شہادت کا جو مسودہ ہمیں بھیجا ہے اس کے صفحہ ۵۹ فییمہ (الف) کے ماتحت کونسل کے شیعہ رکن علامہ طالب جوہری صاحب کے اختلافی نوٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں صرف حدود میں خواتین کی شہادت مسترد کی گئی ہے اور مقبول نہیں ہے لیکن علامہ طالب جوہری کے نزدیک حدود کے علاوہ طلاق، خلع، وصیت اور نسب میں بھی عورتوں کی گواہی کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے، عورتوں کے متعلق مخصوص امور میں ہمارے ہاں صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے، مگر انہوں نے ان امور میں بھی چار عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ (مسودہ قانون شہادت مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل ص ۵۹) **ایک رکن | پوائنٹ آف آرڈر! جناب والا! یہاں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ نو**
زیر بحث نہیں۔

جناب چیئرمین | تشریف رکھیے، مولانا اس رپورٹ سے حوالہ پیش کر سکتے ہیں۔

مولانا! آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ علامہ جوہری کا مسلک ہے؟
مولانا سمیع الحق | نہیں جناب انہوں نے تو لکھا ہے کہ یہ ہماری فقہ بعفریہ میں ہے۔

اے ممبر مجلس شوریٰ اور مشہور شیعہ عالم دین علامہ سید محمد رضی آف کراچی نے مولانا سے قبل پُر جوش انداز میں ایک عورت کی گواہی کافی ہونے پر زور دیا اور کہا کہ عورت امامت کر سکتی ہے اور حکومت بھی، اور میں اپنے اجتہاد کی روشنی میں جرأت سے کہتا ہوں کہ گواہی میں ایک عورت کو کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے اور بھول جانے سے متعلق آیت کو علت قرار دیا کہ اب نہیں بھولتی تو دو کی بجائے ایک کافی ہے۔ لاہور کے پیر محمد اشرف صاحب نے بھی اپنی تقریر میں ایسا ہی موقف اختیار کیا تھا۔ (مرتبہ)

عورت کی امامت اور حکمرانی | تو عرض یہ ہے کہ شیعہ مسلک خواتین کو معلوم نہیں ہے جس میں ہر مسئلہ پر ان کی شہادت کو قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ علامہ رضی صاحب نے عورتوں کی امامت کے بارے میں کہا ہے جو کہ ہمارے ہاں بھی جائز ہے یعنی آپس میں خواتین اگر ایک کمرے میں جمع ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ انٹھی نماز پڑھیں اور ایک عورت ان کی امامت کروا سکتی ہے لیکن عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ پھر عورت کی حکومت کی مثال دی ہے، تو یہ ملکہ سباء کا واقعہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ تو ہمارے نزدیک عورت کی حکومت کے جواز میں پیش کی گئی اس دلیل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ لن یفلح قوم ولوا امورہم نساء ہم راو کما قال علیہ السلام یعنی اس قوم نے کبھی فلاح نہ پائی جس نے اختیار اور نظام اقتدار عورتوں کے سپرد کر دیا۔

حکمت اور علت حکم میں فرق | پھر علامہ رضی صاحب نے سورہ بقرہ کی آیت فَإِنْ لَّمْ یُکُونَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٍ وَامْرَأَتَانِ کے بعد ارشاد

ان تضلّ احداہما فتذکر احداہما الاخریٰ (کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے) کو حکم کی علت قرار دیا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ علامہ صاحب کو اس بارہ میں غلط بحث ہوئی ہے جبکہ اصل بات یہ ہے کہ ایک علت ہوتی ہے اور ایک حکمت۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یاد دلانے کے مسئلہ کو بطور علت بیان نہیں کیا ہے بلکہ بطور حکمت بیان کیا ہے علت تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ یہ چیز اس لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قانون بنایا ہے۔ اب کسی قانون کی آپ حکمتیں بیان کریں تو اس حکمت کے ساتھ وہ چیز وابستہ نہیں ہوتی۔ اگر حکمت بیان کی گئی ہے تو بہتر نہیں ہے تو پھر بھی وہی حکم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے بارہ میں فرمایا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَّامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (الایہ) کہ روزے سے تقویٰ حاصل ہو گا، تو روزے کی فرضیت کے لیے تقویٰ علت نہیں ہے یہ حکمت ہے کہ شاید تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔

نماز کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَذْہِیْ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (الایہ) کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے، تو یہ اس کی حکمت ہے علت نہیں، تو اگر ایک شخص کبیرہ گناہ کرتا

ہے تو کیا اُسے اب یہ کہا جائے کہ تم نماز مت پڑھو کیونکہ علت حاصل نہیں ہو رہی ہے، یا اگر تقویٰ آگیا ہے تو تم نماز ہی چھوڑ دو کہ مقصد حاصل ہو گیا تو اب نماز کی کیا ضرورت ہے؟ ایک شخص کے اندر تقویٰ نہیں ہے تو اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تم روزہ ہی نہ رکھو۔ تو اللہ تعالیٰ نے بطور حکمت اسے بیان کیا، اور علامہ آلوسیؒ نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی کی دوسری جلد میں ایسی ہی دُستی ڈالی ہے اور سارے مفسرین اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔۔۔ یہاں مولانا نے کتاب سے اقتباس سنایا۔۔۔) تو یہ حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک مصلحت کے تحت بیان فرمائی ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے اگر نہ بھی بیان فرماتے تو بغیر حکمت کے بھی مسلمان اللہ کے احکام ماننے کا پابند ہوتا ہے۔

بہر حال یہ گزارشات و ضمنتاً آگئیں اور میرے دس منٹ کا اہم حصہ تو ان کی نذر ہو گیا، اب اصل موضوع کا کیا کیا جائے؟ علامہ رضی صاحب تو اللہ کے فضل سے بہت وسیع النظر انسان ہیں، ہماری آپس میں بات چیت ہوتی رہتی ہے، کھلے دل کے انسان ہیں۔ لیکن میرے لیے یہ ضروری تھا کہ اہل سنت کے مسلک کی رو سے اس کی بروقت تردید کروں، وہ اپنے مسلک کی وضاحت جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں، ان پر کوئی قدغن نہیں ہے، یہ ان کا اپنا اجتہاد ہو تو ہو مسلک نہیں۔

جناب چیمبرلین صاحب | یہاں خواتین کو بار بار یہ مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر ہم فرائض اور حقوق کو ملحوظ رکھیں تو پھر کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

شہادت فرض ہے حق نہیں | اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں ہمارے لیے فرض قرار دی ہیں، مثلاً عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ اسی طرح شہادت

بھی ایک فرض ہے جو کہ فقہ کا مسئلہ ہے اور سارے فقہاء اور علماء ابواب الشہادات کی کتابوں میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔ یہ میرے پاس فقہ کی معتبر ترین کتاب ہدایہ ہے اس کے آغاز میں ہی ہے کہ الشہادۃ فرض۔۔۔ الخ شہادت ایک فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو دیدیا اور کسی کو نہیں دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کو اختیار حاصل ہے کہ کسی کے لیے کوئی عبادت لازم کرے کسی کے ذمہ نہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے خواتین کی تادک ذمہ داریوں اور غلطی کمزوریوں کی وجہ سے ان کو تمام عبادات میں رعایت بھی دی ہے۔

فرائض اور احکام میں عورتوں سے رعایت | یہ شہادت کا مسئلہ بھی اگر وہ سوچیں تو اس میں بھی ان کے لیے رعایت ہے

مثلاً نماز فرض ہے حق نہیں ہے، اب نماز کے لیے بھی یہ کہا گیا ہے کہ دس دن چھینے میں تمہیں رخصت ہونے کی وجہ سے چھٹی ہے کہ جب حضور اکرمؐ سے عورتوں کے نقصان دین کے بارہ میں پوچھا گیا تو حضور نے یہی بات دلیل کے طور پر پیش کی۔ اسی طرح روزہ ایک فرض ہے خدا نے روزے میں بھی ان کو رعایت دی ہے کہ جن دنوں میں ان کو عذر ہو وہ دس دن روزہ نہیں رکھیں گی سخت گرمی کے دن ہوں گے مگر انہیں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے بعد میں اعادہ کریں گی۔ اسی طرح حج کا مسئلہ ہے اس میں ہر مرد پر باندی ہے کہ اگر وہ استطاعت رکھتا ہے تو لازمی طور پر حج پر جائے، مَرَّ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (الآیت) اس کے ساتھی ہوں یا نہ ہوں مگر جائے گا ضرور ہزاروں خطرات مرد کے لیے بھی راستے میں ہوتے ہیں لیکن عورت کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہاری نگہداشت کرنے والا محرم مرد ہو تو تب تم پر حج فرض ہے ورنہ نہیں، تو یہ کتنی بڑی رعایت ہوئی۔ اور زکوٰۃ و عشر میں بھی میرا خیال ہے کہ اس میں بھی عورت سے رعایت ہے، مثلاً ڈھائی فیصد مرد پر بھی ہے اور ڈھائی فیصد عورت پر بھی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس میں رعایت نہ ہوتی تو عورت پر زکوٰۃ پانچ فیصد ہوتی چاہیے تھی کیونکہ مرد کے ذمے خدا نے خارجی ذمہ داریاں اور گھر کے تمام اخراجات لگائے ہیں، عورت کا نان و نفقہ اور رہن سہن سب کچھ مرد کے ذمہ ہے، مرد کے پاس اگر ہزار روپے ہیں تو اس پر دو گنی چو گنی ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں اس کے برعکس اگر عورت کے پاس ہزار روپے ہیں اور کوئی ذمہ داری نہیں نہ مرد کی کفالت کا فکر ہے اس کو نہ بچوں کی اس پر ذمہ داری ہے، اس کے اپنے اخراجات بھی مرد پر ہیں، گھر کا نوکر چاکر بھی مرد کے ذمہ ہے، تو گویا پھر تو اس پر زکوٰۃ پانچ فیصد ہونی چاہیے تھی لیکن خدا نے اس میں بھی انہیں ایسی کنسیشن (CONCESSION) دی کہ ان پر بھی مردوں کے برابر ڈھائی فیصد ہی ہے۔

کسی غیر مکلف کو نصوص میں مخاطب نہیں بنائیں | اب آگے بات آتی ہے شہادت کی اور کہا جاتا ہے کہ جب اللہ نے

شہادت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے تو عورتوں کو اس میں کیوں روکا جاتا ہے؟ تو عرض ہے کہ شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جب اسے مکلف ہی نہیں بنایا اور آیات شہادت متوجہ ہی نہیں ہوئیں ان کو، مثلاً وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ کا حکم ہے، تو اب اگر ایک شخص نابالغ ہے اس کو اَقِمُوا الصَّلَاةَ متوجہ ہی نہیں ہے، غیر مسلم ہو تب بھی متوجہ نہیں ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح

اتوا الزکوۃ ہے۔ ایک شخص فقیر ہے اور صاحب نصاب ہی نہیں ہے، تو وہ مرد ہو یا عورت، ہو اس کو یہ آیت متوجہ ہی نہیں ہوتی، اللہ نے جب عورت کو مکلف نہیں بنایا اس فریضے کا، تو یہ آیات (۱) وَلَا يَأْبَى الشُّهَادَ إِذَا مَا دُعُوا۔ (آیت ۲) وَلَا تَكْفُرُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْفُرْهَا فَإِنَّهُ آتَمَ قَلْبَهُ۔ (آیت ۳) كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ۔ (آیت)۔

یہ ساری آیات ان کو متوجہ ہی نہیں ہیں کہ وہ کہیں کہ ہمیں بھی اس میں مخاطب بنایا گیا ہے۔ جب کسی طبقہ کو مکلف ہی نہیں بنایا گیا ہو تو اس سے وہ آیت مطالبہ ہی نہیں کرتی۔ اور یہاں تو سوچتا ہوں کہ یہ تضادات خدا کے کلام میں کیسے ممکن تھے، جبکہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو یہ فرماتے ہیں کہ قَمْرُنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى۔ (آیت) کہ گھروں میں بیٹھی رہو اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: وَإِذَا سَأَلَكَ السُّوْهُتُ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔ (آیت) کہ کوئی بھی چیز ان سے مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ ایک طرف تو خداوند تعالیٰ ان کو (عورتوں کو) پابند بناتا ہے گھر کا، پھر دوسری طرف ان پر فرض کیسے کرتا ہے کہ وہ عدالتوں میں جا کر گواہیاں دیتی رہیں اور پھرتی رہیں، اللہ کے کلام میں ایسا تضاد تو ہو نہیں سکتا۔ ان آیات کا سارا مضمون یہی ہے کہ وہ گھروں میں بیٹھی رہیں یعنی پردہ کا حکم دیا ہے، اور دوسری طرف وہ تمام آیات شہادت پیش کی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ عدالتوں میں گھومتی رہو۔ تو یہ کوئی انسانی قانون اور انسانی لائر (LAWYER) اور انسانی قانون دان تو نہیں ہے۔؟ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے۔ تو ایسی تمام آیات کا مخاطب اللہ تعالیٰ نے صرف مرد کو بنایا ہے نہ کہ عورتوں کو۔

جناب چیئرمین | مولانا شریف رکھیں آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔



৫২২

کتاب القسمة

(جائیداد کی تقسیم کے احکام و مسائل)

کسی ایک شریک کے مطالبہ پر جائیداد کی دوبارہ تقسیم کا حکم | سوال: چند ورثاء والد کی جائیداد

میں اجتماعی طور پر حق رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ تمام جائیداد کی تقسیم کی ضرورت نہیں اُس کا صرف منافع اور آمدنی لے کر آپس میں تقسیم کرتے رہیں گے، لیکن اب ایک وارث اصرار کر رہا ہے کہ میرا حصہ الگ کر دیں اس لیے کہ میں مشترکہ طور پر جائیداد منافع لینے کے حق میں نہیں ہوں، کیا اس وارث کے مطالبہ پر جائیداد تقسیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- مورث کی وفات کے بعد متروکہ جائیداد میں ورثاء کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، حقوق مقدمہ کی ادائیگی کے بعد ہر ایک وارث اپنے حصہ کے مطالبہ کا حقدار ہے، ایسی حالت میں جب تقسیم سے متروکہ جائیداد کے منافع ختم نہیں ہوئے ہوں تو ہر ایک وارث اپنے حصہ سے استفادہ کر سکتا ہے، لہذا کسی ایک شریک کے مطالبہ پر عمل ہو کر جائیداد تقسیم کی جائے گی۔

لما قال العلامة التهرتاشی رحمہ اللہ: وسببها طلب الشركاء وبعضهم الانتفاع بملكه على وجه الخلوص وقال شرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة. وقال ابن عابدین، تحت قوله المنفعة ای المعهودة وهي ما كانت قبل القسمة. (رد المحتار ج ۵ ص ۸۷ کتاب القسمة)۔ لہ

لہ قال العلامة اکمل الدین البایزقنی: سببها طلب احد الشركاء الانتفاع بنصيبه على الخلوص وركنهما ما يحصل به الافراز والتمييز للتصيين وشرطها ان لا تفوت منفعة بالقسمة - (الغاية على هامش فتح القدير ج ۸ ص ۳۲۸ کتاب القسمة) وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۱۲ الْبَابُ الثَّالِثُ فِي بَيَانِ مَا يَقْسَمُ وَمَا لَا يَقْسَمُ وَمَا يَجُوزُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا لَا يَجُوزُ۔

نابالغ کے حصہ کی تقسیم کا حکم | سوال :- چند ورثاء نے مشترکہ جائیداد کی تقسیم کا مطالبہ کیا اُن میں سے ایک شریک نابالغ

تھا، حاکم وقت نے نابالغ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے دیگر شرکاء کے مطالبہ پر ان کی جائیداد تقسیم کر دی، شرکاء نے اپنے اپنے حصہ کی جائیداد بے کرمیت و راز تک اس میں تصرفات کئے لیکن اب نابالغ لڑکا نابالغ ہونے کے بعد دوبارہ تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے تو کیا یہ تقسیم دوبارہ کی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :- وراثت کسی نابالغ وارث کے حصہ میں تقسیم کرنے کا حق نہیں رکھتے اور نہ نابالغ کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، تاہم اگر حاکم وقت نابالغ کی نمائندگی کر کے وراثت سے جائیداد تقسیم کر لے تو ایسی تقسیم نافذ ہے اسے توڑنا جائز نہیں، حاکم وقت نابالغ کی طرف سے نمائندہ متصور ہوگا۔

لما قال العلامة القمراشی: وصحت برضاء الشراء الا اذا كان فيهم صغير نائب عنه - وقال العلامة الحصكفي: بعد هذا القول او غائب لا وكيل عنه لعدم لزومها حينئذ الا باجازة القاضي او الغائب او الصبي اذا بلغ - (تنوير الابصار والدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸ کتاب القسمة) لہ

کسی ایک شریک کی غائبانہ حالت میں جائیداد تقسیم کرنا | سوال :- چند ورثاء میں سے ایک وارث

عرصہ دراز سے غائب ہے، اب اگر حاضر ورثاء مورث کی جائیداد تقسیم کرنا چاہیں تو اس غائب وارث کے حصہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ جبکہ حاضر ورثاء کو جائیداد تقسیم کیے بغیر نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور غائب شریک تک رسائی کا کوئی قابل عمل ذریعہ بھی نہیں ہے؟

لہ قال العلامة فخر الدين الشهير بقاضى خان: اذا اقسام الورثة التركة فيما بينهم بغیر امر القاضى وفى الورثة صغير او غائب او شريك الميت لا تقسم القسمة الا باجازة الغائب اوولى الصغير او باجازة الصبي بعد البلوغ او باجازة القاضى قبل البلوغ -

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ۳ ص ۱۵۶ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۸ ص ۳۵۱ کتاب القسمة -

الجواب :- اگر غائب وارث تک رسائی ممکن ہو تو تقسیم جائیداد کیلئے اس کی ذاتی طور پر حاضری ضروری ہے، تاہم اگر وہ ذاتی طور پر حاضری سے قاصر ہو تو کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ مقرر کرے اور اگر وہ حاضری سے بلا وجہ پہلو تہی کر رہا ہو تو حاضری ثناء کے لیے حاکم وقت کا سہارا لینا ضروری ہے کیونکہ حاکم وقت غائب وارث کی طرف سے نیابت کا حق ادا کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة التمر تاشی، وفيهم صغيرا وغائب قسم بينهم ونصيبا يرضى لهما. وقال الحصكفي: تحت قول المذكور نظراً للغائب والصغير ولابد من البينة على اصل الميراث عندة خلافاً لهما كما مر۔ (الدرا المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۲ کتاب القسمة) لہ

سوال :- ایک وسیع رقبہ اراضی قرعہ اندازی کے بغیر جائیداد تقسیم کرنا ایک قوم کی مشترکہ جائیداد تھی، رؤسا قوم نے باہمی رضامندی سے یہ زمین تقسیم کی لیکن قرعہ اندازی سے کام نہیں لیا گیا، شرکاء میں سے بعض نے اپنے حصہ کی زمین آباد کر لی ہے اور بعض کی زمین تاحال غیر آباد پڑی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا قرعہ اندازی کے بغیر یہ تقسیم جائز ہے یا دوبارہ تقسیم کی جائے گی؟

الجواب :- تقسیم کرنے کے لیے قرعہ اندازی صرف ایک اصح صورت ہے شرط کے درجہ میں نہیں، لہذا صورت مسئلہ میں اگر قوم نے اپنے سرکردہ افراد کو باقاعدہ تقسیم کرنے کی اجازت دی ہو تو یہ تقسیم نافذ ہے، ہر ایک حصہ دار کو اپنے حصہ پر قائم رہ کر دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: والقرعة لتطيب القلوب وازاحة تهمة المليل

لہ قال العلامة قاضیخان: وذكر الحنفی اذا كان في الورثة صغيرا وغائب لم يكن في يد الغائب ولا في يد المصغير شي من التركة بل كان الكل في يد الحضور الكبار فطلبوا القسمة من القاضي فان القاضي يجعل للصغير وصيا يقو بالقسمة ويقبض حقه ويجعل للغائب وكيلًا ويأمرهم بالقسمة۔ (افتاوی قاضیخان علی هامش الہندیۃ ج ۳ فصل فی قسمة الوصی والاب)

حتى لو عين لكل منهم نصيباً من غير اقتراع جازلانه في معنى القضاء فملك الالتزام.
(الهداية ج ۲ ص ۲۱۶ کتاب القسمة - فصل في كيفية القسمة)

غبن کی صورت میں تقسیم جائیداد کے عادیہ کا حکم | سوال :- چند شرکاء کے درمیان
ایک مشترکہ جائیداد تقسیم ہوئی کہ ہر ایک
شریک اپنے اپنے حصہ میں مدت دراز تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا، اب شرکاء اس خدشے
کا اظہار کر رہے ہیں کہ تقسیم کرتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے جس کی وجہ سے
شرکاء کے زیر قبضہ جائیداد میں تفاوت ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کی تقسیم دوبارہ کی
جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں جب ایک دفعہ شرکاء کی باہمی رضامندی سے تقسیم
ہونے کے بعد جب ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ میں مالکانہ تصرفات کرنے شروع کئے تو
اب معمولی شبہات کی وجہ سے سابقہ تقسیم کو توڑ کر دوبارہ تقسیم کرنا بے سود سمجھا جائے گا، تاہم
اگر غبن فاحش ہو تو شرکاء کے مطالبہ پر سابقہ تقسیم کا عدم قرار دے کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔
لما قال العلامة التمرناشی: ولو ظهر غبن فاحش في القسمة بطلت ولو وقعت بالتراضي
في الاصح - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب القسمة) ۲

غلطی کی صورت میں تقسیم کا عادیہ | سوال :- ایک مشترکہ جائیداد تقسیم کر کے
مالکان اس پر تصرف کرتے رہے، بعد میں

له وقال العلامة ابن عابدین: تحت قوله تطيب القلوب اشار الى ان القرعة غير واجبة حتى
ان القاضي لو عين لكل واحد نصيباً من غير اقتراع جازلانه في معنى القضاء فملك
الالتزام - (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۵۲ کتاب القسمة -

۲ وقال العلامة المرغینانی: ولو اختلفنا في التقويم لم يلتفت اليه لانه دعوى الغبن ولا معتبر به
في البيع فكذا في القسمة لوجود التراضي الا اذا كانت القسمة بقضاء القاضي او الغبن الفاحش
لان تصرفه مقيد بالعدل - (الهداية ج ۲ ص ۲۱۶ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۵۶ کتاب القسمة -

معلوم ہو اگر تقسیم میں غلطی ہوئی ہے، کیا اس غلطی کے ازالہ کے لیے دوبارہ تقسیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر تقسیم میں غلطی مبرہن یا مسلم ہو اور تقسیم توڑنے کے بغیر غلطی کا ازالہ ممکن نہ ہو تو اس کے ازالہ کے لیے تقسیم دوبارہ کی جاسکتی ہے۔

لما قال العلامة الكاساني: وأما صفات القسمة فانواع منها ان تكوت القسمة عادلة غير جائزة الى ان قال فاذا وقعت جائزة لم يوجد التراضي واما ان نصيبه يكما به لبقاء الشراكة في البعض فلم تجز وتعاد وعلى هذا اذا ظهر الغلط في القسمة المبادلة بالينة او بالاقرار تستأنف لانه ظهرانه لم يستوف حقه فظهران معنى القسمة لم يتحقق بكماله۔ ريدائع السنايع ج ۷ م ۲ فصل في صفات القسمة۔ كتاب القسمة

مشترکہ منافع کو تقسیم کرنے کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! ہم دو بھائیوں نے مشترکہ طور پر کرایہ کو ہر ماہ بقدر حصہ آپس میں تقسیم کریں یا ایک ماہ کا کرایہ میں لے لوں اور دوسرے ماہ کا میرا بھائی لے، ان دونوں میں کون سی صورت جائز ہے؟

الجواب :- جس طرح عین مال مشترک ہوتا ہے اسی طرح اس کے منافع بھی مشترک ہوتے ہیں، اس منافع کو بھی بقدر حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ صورت مسئلہ میں کرایہ کی تقسیم شرکاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ جس طرح چاہے کر سکتے ہیں چاہے تو ہر ماہ کا کرایہ برابر تقسیم کریں یا ایک ماہ کا کرایہ ایک بھائی وصول کرے اور دوسرے ماہ کا دوسرا بھائی، دونوں طرح درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله كذا لك) ای يأخذ هذا شهرا والاخر شهرا او يأخذ هذه غلّة هذه والاخر غلّة الاخرى۔ (رد المحتار ج ۶ م ۲۶۹ کتاب القسمة، مطلب في الوجوع عن القرعة)

لہ وفي الهندية: عن محمد قاسم قسم دارین رجلین اعطی احدهما اکثر من الاخر غلطاً وبني احدهما في نصيبه قال محمد يستقبلون القسمة فمن وقع بناءه في قسم غيره رفع بناءه ولا يرجعان على القاسم بقيمة البناء ولكنهما يرجعان عليه بالاجر الذي اخذه كذا في الظهيرية (الفتاویٰ الهندیة ج ۵ م ۲۲۸ باب الحادی عشر فی دفع الغلط فی القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ م ۴ کتاب القسمة۔

ایک فریق کی عدم موجودگی میں جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ | سوال :- دو بھائیوں مسمیٰ

کچھ زمین مشترکہ طور پر خریدی جس میں نو ہزار روپے (۹۰۰۰) محمد صدیق کے تھے اور تین ہزار روپے محمد حنیف کے تھے، بارہ ہزار روپے (۱۲۰۰۰) روپے کی ۲۴ کنال زمین آج سے تقریباً ۳۲ سال پہلے خریدی گئی اور یہ زمین دونوں بھائیوں کے نام انتقال بھی ہو گئی اور کافی عرصہ تک یہ زمین دونوں بھائیوں کے والد صاحب کے تصرف میں رہی، والد صاحب کی وفات کے بعد آج تک ۱۳ سال سے مذکورہ زمین محمد صدیق کے قبضہ اور تصرف میں ہے، انتقال زمین کے وقت بڑے بھائی محمد حنیف نے تمام اندراجات محمد صدیق سے پوشیدہ رکھے۔

آج سے ۱۳ سال پہلے جب والد صاحب فوت ہوئے تو وفات کے تیسرے دن بڑے بھائی محمد حنیف نے مذکورہ زمین کی تقسیم کی بات کی جبکہ محمد صدیق نے اس تقسیم کی مخالفت کی اور کہا کہ والد صاحب کے چالیسویں کے بعد زمین کے تمام معاملات طے کر کے تقسیم کریں گے، اس کے بعد محمد صدیق کی موجودگی میں پانچ دن تک محمد حنیف نے پھر زمین تقسیم کرنے کی بات نہیں کی، تو محمد صدیق کسی کام کے سلسلہ میں پناور چلا گیا، اس کی غیر موجودگی میں محمد حنیف نے چند اشخاص کو جمع کر کے زمین مذکورہ نصف نصوت یعنی بارہ کنال تقسیم کر دی جبکہ نہ تو مروجہ طریقہ کار اختیار کیا گیا اور نہ ہی اس تقسیم کی کوئی نشاندہی یا حد بندی کی گئی، صرف بانی معاملہ تھا۔ اس واقعہ کے دوسرے دن بعد جب محمد صدیق گھر آیا اور اسے اس تقسیم کا علم ہوا تو اس نے اس تقسیم اور طریقہ کار کو فراڈ اور دھوکہ دہی قرار دے کر مسترد کر دیا اور کہا کہ میں نے اس زمین کی خرید میں نین حصے قیمت ادا کی ہے لہذا میرا حق تین چوتھائی بنتا ہے اور محمد حنیف نے ایک ربع قیمت ادا کی ہے لہذا اس کا حق ایک چوتھائی بنتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ :-

(۱) آیا زمین کی تقسیم فریقین میں سے کسی ایک کی عدم موجودگی میں اس کی رضامندی کے بغیر ہو سکتی ہے؟

(۲) کیا ایک فریق اپنی مرضی کے چند اشخاص کو جمع کر کے گواہ بنا کر زمین تقسیم کر سکتا ہے؟ جبکہ تحریری اور مروجہ طریقہ کار کا کوئی ثبوت نہ ہو؟

(۳) محمد صدیق کا دعویٰ اس زمین میں تین چوتھائی کا ہے اور محمد حنیف نصف کا دعویٰ ہے تو کیا زمین خریدتے وقت دی گئی رقم کی بنیاد پر اس دعوے کا استحقاق رکھا جاسکتا ہے؟

(۴) کیا اتنا عرصہ گزرنے کے بعد محمد صدیق اپنے دعوے کا استحقاق رکھتا ہے یا نہیں؟
شریعت مقدسہ کی روشنی میں جواب دے کر ممنون احسان فرمائیں۔

الجواب :- شراکتی کاروبار ابتداء ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناگزیر ہے، مگر جملہ شریکوں کے لیے ایک دوسرے کا خیال رکھنا بھی فرض ہے، یہ اس لیے کہ اس مشترکہ مال کے ہر ہر جزو میں سب شریک ہوتے ہیں، کوئی بھی حصہ دار یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس کا مال ہے یا اتنا حصہ ہے جس کی وجہ سے تقسیم کے وقت سب شرکاء کا حاضری ہونا یا سب کی اجازت ہونا شرعاً ضروری ہے، بدون اجازت یا کسی ایک شریک کے غائب ہونے کی صورت میں دیگر شرکاء مشترکہ مال تقسیم نہیں کر سکتے۔

لما فی الہندیۃ: ولو کانوا مشترکین لم یقسم مع غیبة احدہم وان اقاموا البینۃ علی الشراء حتی یحضر الغائب۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۱۵) البتہ الثالث فی بیان ما یقسم بالیقیم
اسی طرح شرح المجلۃ میں ہے: قسمة الفضولی موقوفۃ علی الاجازۃ قولاً و فعلاً فاذا قسم واحد المال المشترك بنفسہ لا تكون القسمة جائزۃ ولكن اذا اجاز اصحابہ قولاً۔ (شرح المجلۃ لرستم باز ص ۶۲۳ الفصل الثانی فی شرائط القسمة)
فتاویٰ حامدیہ میں مرقوم ہے: اذا قسم الورثة التركة بينهم بغير امر القاضی وفي الورثة صغیرا وغائب او شریک للمیت لا تصح الا باجازۃ الغائب او ولی الصغیر او اجازۃ الصبی بعد البلوغ۔ (بجوالہ شرح المجلۃ لرستم باز ص ۶۲۳ الفصل الثانی فی شرائط القسمة)
صاحب درالحکام نے بھی اس قسم کی تقسیم کو لا تجوز القسمة ولا تنفذ کے عنوان سے ذکر کیا ہے کہ اس قسم کی تقسیم ناجائز ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں جو تقسیم ہو چکی ہے وہ کالعدم ہے اور نافذ العمل نہیں ہے۔

جو اشیاء مشترکہ طور پر خریدی جائیں اور ابتداءً کسی قسم کا معاہدہ نصف یا ثلث وغیرہ کا نہ ہوا ہو مگر رأس المال کی ادائیگی کے وقت ایک شریک کے حصہ کی رقم زیادہ ہو اور دوسرے شریک کے حصہ کی رقم کم ہو تو پھر اس شے میں حصہ داری رأس المال کے اعتبار سے ہوگی، جس کی رقم زیادہ ہو تو وہ زیادہ حصے کا حقدار ہوگا، اس لیے کہ اگرچہ زبان و قال سے انہوں نے حصہ داری کا تعین نہیں کیا مگر زبان حال اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے رقم کی وجہ سے حصہ داری مقرر کی ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں محمد صدیق کا رأس المال ۹۰۰۰ روپے ہے

جو کل رأس المال کا تین چوتھائی ہے اس لیے محمد صدیق تین چوتھائی کا حقدار ہے اور محمد حنیف کا ایک چوتھائی رأس المال ہے اس لیے اس کا حصہ زمین بھی ایک چوتھائی ہے، اگرچہ مطلقاً شراکت تنصیف کی صورت اختیار کرتی ہے۔

نظیرہ فی در الحکام: اذا اختلط ديناران احد بدینارین لاخر من جنسہ بصورة لا تقبل التميز ثم رضاع اثنان متہما فيكون الدينار الباقي بينهما مشترکاً اثلاثاً ثلثاء لصاحب الدينارين وثلثه لصاحب الدينار۔

رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۶۱-۱۰۶۲ باب الاول فی بیان شریک الملک
کسی کے حق کے اسقاط میں طویل زمانے کا گزر جانا اسے متاثر نہیں کرتی بلکہ حق کسی صورت میں اور عرصہ دراز کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتا لہذا محمد صدیق کا دعویٰ استحقاق اتنی مدت کے بعد بھی برقرار ہے اور اس کو دعویٰ داری کا حق حاصل ہے۔

لما فی شرح المجلة: لا یسقط الحق بتقادم الزمان۔ (شرح المجلة لکرم بازم المادۃ ۱۶۷)
وہذا ما ظہر لی واللہ اعلم

مشترکہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ | سوال :- ہماری کچھ مشترکہ زمین ہے، اب اس کی تقسیم کا مسئلہ ہے کیونکہ یہ زمین فروع پر تقسیم کرنا ہے جبکہ فروع میں بہت اختلاف ہے اس لیے آسانی کے ساتھ ان پر تقسیم صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتی، لہذا شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس زمین کی تقسیم کا طریقہ مطلوب ہے؟

الجواب :- میرے نزدیک یہ مشترکہ اراضی اصل مالکان پر ارش کے قائل کے مطابق تقسیم کی جانی چاہیے اور پھر ان اصل مالکان سے ان کے فروع کو میراث کے ضابطہ کے مطابق منتقل کی جائے گی اگرچہ فروع کثرت و قلت میں مختلف کیوں نہ ہو۔



کتاب الاکراه

(مجبوری کے احکام و مسائل)

حکومت کا رعایا کی کسی چیز پر جبراً قبضہ کرنا | سوال :- ایک شخص نے آج سے پانچ سال قبل دس کنال زمین ایک لاکھ روپے کی بیع قطعی

سے خریدی جس کا ثبوت حکومت کے متعلقہ دفتر میں موجود ہے، موصوف نے مذکورہ زمین پر پولٹری فارم کھولا، بعد میں حکومت نے مذکورہ زمین دس ہزار روپے کے عوض لینا چاہی لیکن مالک زمین نے انکار کر دیا، حکومت نے جبراً اس کی زمین پر قبضہ کر لیا، تو کیا حکومت کا اس طرح کسی کی ذاتی زمین پر قبضہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر حکومت کا یہ قبضہ کسی معاہدہ کے تحت نہ ہو تو حکومت کا اس طرح کرنا اکراہ کے حکم میں ہے اسلئے بیع المکرہ ہے نافذ نہیں لہذا زوال اکراہ کے وقت خود مالک زمین یا اس کے وراثت زمین کو واپس لے سکتے ہیں، تاہم جہاں کہیں حکومت اپنے کسی قرض کی وصولی کے لیے ایسا اقدام کرے تو اس میں اکراہ کی صورت باقی نہیں رہتی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : امر السلطان اکراہ وان لم يتوعدہ وامر غیرہ لا الا ان يعلم المأمور ببدالة الحال انه لو لم يتمثل امره يقتله او يقطع يده او يضربه ضرباً يخاف على نفسه او تلف عضوه۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۱۳۲ مطلب بیع المکرہ فاسد وزوائد مضمونة بالتعدی)۔

له قال العلامة سليم رستم باز رحمہ اللہ : لا يعتبر البيع الذي وقع بالاكراه المعتبر ولا الشراء ولا يجاز ولا الهبة ولا القراغ ولا الصلح عن مال والاقرار والابراء وتاجيل الدين واسقاطا لشفعة ملجئاً كان الاكراه او غير ملجئ۔ (شرح مجلة الاحکام، مادة ۱۰۶ ص ۵۵۹ الباب الثاني في بيان المسائل التي يتعلق بالاكراه)

ومثله في الهداية ج ۳ ص ۱۱۳ کتاب الكفالة۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو زبردستی اغوا کر کے لے جائے اور پھر بزور شمشیر اس کے ساتھ نکاح کرے اور وہ لڑکی جان جائے

کے خوف سے مجبوراً اس کو قبول کرے، تو کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟
الجواب :- چونکہ اس قبول کرنے میں عورت کے اختیار کا بھی کچھ دخل ہے اسلئے یہ نکاح صحیح ہے اور یہ عورت مکروہ کی بیوی شمار ہوگی، اگر چہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لما فی الہندیۃ : المرأة اذا کرهت علی النکاح ففعلت صحہ النکاح ۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۵۳ کتاب الاکراہ۔ الباب الرابع فی المتفرقات (۱)۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی عورت کو جبراً زنا میں عورت گنہگار نہ ہوگی جان سے مارنے کی دھمکی دے کر جبراً اس سے زنا کرے اور

وہ اس پر ہرگز راضی نہ ہو اور حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہو جس کی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوئی ہو تو کیا یہ عورت گنہگار ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- اگر عورت باوجود کوشش کے اپنی جان نہ بچا سکی اور نہ اس نے زانی کو تکلیف دی ہو لیکن پھر بھی جبراً اس کے ساتھ زنا کیا گیا تو یہ عورت گنہگار نہ ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدین :- واما المرأة هل تأثم ذکر شیخ الاسلام ان کرهت علی ان تمكن من نفسها فمكنت تأثم وان لم تمكن ونزف بها فلا وهذا الوجه
والافعلیہ الحد بلا خلاف لا علیہا ولكنها تأثم۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۱۳ کتاب الاکراہ)۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری، ولو اکره علی عقد من العقود ان کان عقداً لا یبطلہ لہزل کالنکاح والطلاق والعقاق جازا العقد۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۰۶ کتاب الاکراہ)
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۵۷ کتاب الاکراہ۔

لما فی الہندیۃ : اما المرأة اذا كانت مکروهۃ علی الزنا هل تأثم ذکر شیخ الاسلام فی شرحہ فی باب الاکراہ علی الترتیب انہا ان کرهت علی ان تمكن من نفسها فمكنت فانہا تأثم وان لم تمكن ہی من الزنا ونزف بها لا تأثم علیہا و ذکر ایضاً فی الاکراہ اذا کرهت علی الزنا فمكنت من نفسها فلا تأثم علیہا وهذا کله اذا کان الاکراہ بوعید تلف ۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۸ کتاب الاکراہ۔ الباب الثانی (۱)۔

اکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کہنا | سوال :- اگر کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دے کر کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اپنی جان جانے کے خوف سے کلمہ کفر

زبان سے نکال دے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو کیا ایسا آدمی کافر شمار ہوگا یا نہیں؟
الجواب :- حالت اکراہ میں زبان سے کلمہ کفر کہنے سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، البتہ اگر ایسا شخص کلمہ کفر کہنے سے انکار کر دے اور قتل کر دیا جائے تو شہادت کا درجہ پائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفي: وان اكره على الكفر بالله تعالى اوسبب النبي صلى الله عليه وسلم بقطع او قتل اخص له ان يظهر ما امر به على لسانه وقلبه مطمئن بالايمان ويوجب لوصبولتركه الاجراء المحرم - (الدر المختار على صدد المختار ج ۶ کتاب الاکراہ) ۱۳۵، ۱۳۴

حالت جبر میں زنا کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! آج کل معاشرے کے حالات اخلاقی طور پر انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، عیاشی، فحاشی اور بے حیائی عروج پھیل رہی ہے۔ اگر کسی شخص کو زنا کرنے پر مجبور کیا جائے اور نہ کرنے کی صورت میں اس کی جان کو یقینی خطرہ ہو تو کیا اس کو بصورت مجبوری زنا کرتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- زنا کی حرمت شرعاً و عقلاً دونوں طرح ثابت ہے، کسی بھی صورت میں اس کی حرمت ساقط نہیں ہوتی اگرچہ کرنے والے کی جان کو خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے بناء بر صورت مسئلہ ایسے شخص کے لیے زنا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور اگر وہ اس کا ارتکاب کر جائے تو عند اللہ مجرم ہوگا۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: وكذا لا الزنا فانه لا يرخص ولا يباح للرجل

لما قال العلامة الشيخ وهبة الزحيلي: التصرف المحسى المرتخص بالاكلال ه
هو كاجراء كلمة الكفر على اللسان مع اطمینان القلب بالايمان اوسبب النبي صلى الله عليه وسلم او الصلاة الى الصليب او اتلاف مال المسلم فهذه الامور لا تباح ولكن
يرخص فعلها عند الاكراه التام وان امتنع المستكره عن فعلها حتى قتل كان مثاباً
ثواب الجهاد - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۲ البعث الثالث اثر الاكراه في التصرف فام
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸ الباب الثاني فيما يحل للمكره

بالاکراہ مطلقاً ولو فعل اثم لان حرمة الزنا ثابتة عقلاً قال الله تعالى: وَلَا تَقْرَبُوا
الزَّانِيَاتِ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔ وكذا المرأة لا يرخص لها ايضاً عند الاكراه
ولو كان تاماً۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث اثر الاكراه) ۱۔

سوال :- اگر کسی مسلمان کو اس بات پر مجبور کیا جائے
کہ وہ فلاں آدمی کو قتل کر دے نہیں تو تجھے قتل کر دیا

جائے گا، اب اگر یہ شخص اپنی جان بچانے کی غرض سے کسی کو قتل کر دے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟
الجواب :- اکراہ اور جبر کی صورت میں اگرچہ بعض افعال مباح یا مریض ہو جاتے ہیں مگر
کسی مسلمان کو ناحق قتل اس حکم کے تحت داخل نہیں اس لیے صورت مسئلہ میں ایسے مجبور شخص کیلئے
ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی موت کے خوف سے کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر دے، اور اگر وہ
اس فعل کا ارتکاب کر جائے تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: التصرف الحسي المحرام الذي لا يباح ولا يرخص
بالاکراہ هو قتل المسلم بغير حق او قطع عضو من اعضائه ولو نملة لان القتل
حرام محض، قال الله تعالى: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث، اثر الاكراه) ۲۔

سوال :- اگر کسی شخص کو زبردستی یعنی مجبور کر کے شراب
پلا دی جائے اور حکومت اسے گم فتنہ کر لے تو کیا شرعاً اس

شخص پر حد نافذ ہوگی؟ یعنی اسے سزا دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- اکراہ کی صورت میں جب کسی شخص کو شراب پلا دی جائے اور حکومت اُسے

۱۔ لما قال العلامة الحصكفي: ولو اكره على الزنا لا يرخص له لان فيه قتل النفس بضيا عها
لكنه لا يعد استحساناً۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۱۳۴ كتاب الاكراه)

۲۔ قال العلامة الكاساني: النوع الذي ولا يباح ولا يرخص بالاکراہ اصلاً فهو قتل
المسلم بغير حق سواء كان الاكراه ناقصاً او تاماً لان قتل المسلم بغير حق لا يحتمل الاباحه
بعال۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۷۷ كتاب الاكراه)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۵ كِتَابُ الْاَكْرَاهِ

گرفتار کر لے تو شرعاً اس سے حد ساقط ہوگی۔

قال العلامة الكاساني: الحكم الذي يرجع الى الدنيا في الانواع الثلاثة
اما النوع الاول فالمكره على الشرب لا يجب عليه الحد اذا كان الاكراه تاماً لانت
الحد زاجراً عن المستقبل - (بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۱۸۸ کتاب الاكراه) ۱
سوال ۱- اگر کسی شخص سے جبراً زنا کا ارتکاب کرایا جائے
جبراً زنا کی صورت میں حد کا حکم اور حکومت اسے گرفتار کر لے تو کیا شرعاً اس پر حد نافذ

ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض یہ عورت ہو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: حالت اکراه میں بھی زنا کرنا حرام ہے اور اس کی شرعاً اجازت نہیں، تاہم اگر
اکراه کی صورت تام ہو یعنی یقیناً اس میں جان جانے کا خطرہ ہو تو ارتکاب کی صورت میں
بناء بر قول مفتی بہ حد نافذ نہیں ہوگی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اگرچہ بعض ائمہ کرام کے
ہاں مرد پر حد جاری ہوگی۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: فاذا اكراهت المرأة على الزنا فلا يقيم عليها الحد
عند جمهور الفقهاء سواء كان الاكراه تاماً ناقصاً..... فاذا اكراه الرجل على
الزنا..... قال صاحبان: لا يجب الحد حالة الاكراه التام سواء كان الاكراه من السلطان
ام من غيره وسواء بهما هو الامر حج عند الحنفية وهو رأي ابي حنيفة اخيراً -
(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث، النوع الثالث) ۲

۱ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: الاكراه على شرب الخمر اذا كان الاكراه تاماً فلا
يجب الحد على المستكره على شرب الخمر اتفاقاً لان الحد شرع زاجراً من الجنابة
في المستقبل والشرب المكروه عليه ليس جنابة بل هو مباح -

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث في اثر الاكراه)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَرِّ الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۳ کتاب الاكراه -

۲ لما في الهندية: اذا اكراه الرجل على الزنا بامرأة فزني بها كان ابو حنيفة اولاً
يقول يجب عليه الحد ثم رجع وقال لاحد عليه وهو قولهما..... وأما المرأة
فلا حد عليها ولكنها تائم - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الاكراه - الباب الثاني) -
وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَرِّ الْمُخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۴ کتاب الاكراه -

مجبور مزنیہ پر حد زنا کا حکم | سوال :- اگر کسی عورت کو یہ دھمکی دی جائے کہ اگر وہ زنا نہ کرائے گی تو اسے اور اس کے مال کو ہلاک کر دیا جائے گا اور وہ اپنی جان اور مال کی ہلاکت کے خوف سے زنا جیسے قبیح عمل کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے تو کیا اس پر حد جاری ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :- اگر وہ اور جبر چاہتے تمام ہو یا ناقص دونوں عورت کے حق میں برابر ہیں ، اگر وہ جبر کی کسی بھی صورت میں زنا کا ارتکاب کر جائے تو شبہ کی وجہ سے حد زنا اس سے ساقط ہو جائے گی۔

لما قال العلامة الكاساني: وما في حق المرأة فلا فرق بين الاكراه التام والناقص ويدرك بالحد عنها في نوعي الاكراه لانه لم يوجد منها فعل الزنا بل الموجود هو التمكين وقد حرج من ان يكون دليل الرضا بالاكراه فيدسرها عنها الحد - ريدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۸۱ كتاب الاكراه (۱) لہ

جبراً ہلاک شدہ مال کے ضمان کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب ! اگر مجبوری کی حالت (اکراہ) میں کسی کا مال ہلاک کر دیا جائے تو اس مال کے تاوان کا ضامن کون ہوگا ؟ کیا جبر و اکراہ کرنے والا اس مال کا ضمان دے گا یا ہلاک کرنے والا ضامن ہوگا ؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں چونکہ اکراہ کی نوعیت بیان نہیں کی گئی ہے اسلئے دونوں صورتوں کا جواب دیا جاتا ہے :

- (۱) اگر اکراہ تام ہو یعنی ہلاک کرنے والے کی جان یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ضمان مجبور کرنے والے کے ذمے ہوگا اس لیے کہ مال کو ہلاک کرنے والا آلہ کے مانند ہے۔
- (۲) اگر اکراہ ناقص ہو یعنی اس میں جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ و خوف نہ ہو تو

لہ لما قال العلامة وهبة الزحيلي: فاذا اكراهت المرأة على الزنا فلا يقيم عليها الحد عند جمهور الفقهاء سواء كان الاكراه تاماً ام ناقصاً۔

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۵۴ المبحث الثالث في اثر الاكراه)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَّة ج ۵ ص ۵۴ كتاب الاكراه - الباب الثاني۔

ضمان ہلاک کرنے والے کے ذمے ہوگا۔

لما قال العلامة الكاساني: المكروه على اتلاف مال الغير اذا تلفه يجب الضمان على المكروه دون المكروه اذا كان الاكراه تاماً لان المتلف هو المكروه من حيث المعنى وانما المكروه بمنزلة الآلة على معنى انه مسلوب الاختيار..... وان كان الاكراه ناقصاً فالضمان على المكروه لان الاكراه الناقص لا يجعل المكروه آلة المكروه لانه لا يسلب الاختيار اصلاً فكان الاتلاف من المكروه فكان الضمان عليه -

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۷۹ کتاب الاکراه) لہ

جبراً کھلائے گئے مال کے ضمان کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ فلاں شخص کا مال (مرغی، بکری وغیرہ)

کھا جائے ورنہ اس کو جانی نقصان پہنچ سکتا ہے، لہذا اس مجبوری کے تحت اس نے دوسرے کا مال بغیر اس کی اجازت کے کھالیا کیونکہ نہ کھانے کی صورت میں جانی نقصان کا قوی امکان تھا۔ اب جب آدمی کا مال جبراً کھایا گیا ہے وہ کھانے والے سے اپنے مال کے تاوان کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا شرعاً مالک مال اس شخص سے تاوان وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا وہ جبر کرنے والے سے مطالبہ کرے؟

الجواب :- اگرچہ جبر کی صورت میں مجبور شخص آلہ کی حیثیت رکھتا ہے مگر کسی کا مال کھانے کی صورت میں اس شخص کا اپنا فعل بھی پایا جاتا ہے اس لیے اس مال کا ضمان کھانے والے کے ذمے واجب الادا ہے اور مالک مال اسی سے تاوان کا مطالبہ کرے گا۔

لما قال العلامة الكاساني: كذلك لو اكراه على ان يأكل مال غيره فالضمان عليه لان هذا النوع من الفعل وهو الاكل مما لا يعمل عليه الاكراه

لہ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: فان كان الاكراه تاماً فالضمان على المكروه عند الحنفية والحنابلة في الارجح عندهم وبعض الشافعية لان المستكره مسلوب الارادة وما هو الآلة للمكروه ولا ضمان على الآلة اتفاقاً..... وان كان الاكراه ناقصاً فالضمان على المستكره عند الحنفية والمالكية المخالف للشافعية والاسلامی وادلته ج ۵ ص ۳۹۸ کتاب الاکراه۔ المبحث الثالث

لأنه لا يتصور تحصيله بآلة غيره فكان طائعاً عليه فكان الضمان عليه -
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۷۹ کتاب الاکراه) لہ

مجبور مفعول پر حد جاری کرنے کا حکم | سوال :- جناب مہتمم صاحب جامعہ حقانیہ! الحمد للہ انجناب کی دعاؤں اور مساعی سے افغانستان میں امارت اسلامی

قائم ہے اور شرعی قوانین کا اجراء بھی ہو چکا ہے، اب ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ اگر کسی کے ساتھ جبراً (یعنی اسلم کی نوک پر) لواطت کی جائے اور وہ دونوں اس قبیح فعل کے کرتے ہوئے پکڑے جائیں تو کیا حد دونوں پر جاری ہوگی یا صرف فاعل کو سزا دی جائے گی؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق مفعول چونکہ مجبور محض ہے اور اس کے ساتھ یہ قبیح عمل جبراً (اسلم دکھا کر) کیا گیا ہے اس لیے سزا صرف فاعل کو دی جائے گی مفعول اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفي: ظاهر تعليلهم أن حكم اللواطية بحكم المرأة لعدم الولد فتروخص بالملجى إلا ان يفرق بكونها أشد حرمة من الزنا لأنها لم تتبع بطريق ما و لكون قبحها عقلياً - (الدر المختار على صدد المختار ج ۶ ص ۱۳۷ کتاب الاکراه) لہ

لہ قال العلامة شيخ زاده المشهور بماذا فندى رحمه الله: وإن أكره على اتلاف مال مسلم لا حدهما إى بالقتل أو القطع رخص الاتلاف إى للمكره لأن الاتلاف مال الغير يستباح للضرورة كما فى المغنصه وقد ثبت والضمان على المكره بالكسر لأن المكره فى حق الاتلاف آلة للمكره فلم يلزم عليه الضمان وفيه إشارة الى الاحتراز عن الأكل والتكلم والوطء فان فيها لا يصلح آلة -

(مجمع الاكابر ج ۴ ص ۲۲ کتاب الاکراه)

لہ قال العلامة محمد بن علی بن محمد الحصنى رحمه الله: وعلى هذا ظاهر تعليلهم ان حكم اللواطية بحكم المرأة لعدم الولد فتروخص بالملجى إلا ان يفرق بكونها أشد حرمة من الزنا لقبحها عقلاً ايضاً -

(الدر المنتقى فى ذيل مجمع الاكابر ج ۴ ص ۲۹ کتاب الاکراه)